تاریخ

ارض القرآن کامل

مولانا سید سلیمان ندوی

دار الاشاعت
مقابل مولوی مسافر خانہ اردو بازار کراچی ۱

تاریخ
ارض القرآن

حصّہ اوّل ودوم

****

جلد اوّل قرآن مجید کی تاریخی آیات کی تفسیر سرزمین قرآن (عرب) کا جغرافیہ اور قرآن میں جن عرب اقوام وقبائل کا ذکر ہے انکی تاریخی اور اثری تحقیق

جلد دوم بنو ابراہیم کی تاریخ اور عربوں کی قبل اسلام تجارت زبان اور مذہب پر حسب بیان قرآن مجید وتطبیق آثار وتوراۃ وتاریخ یونان وروم تحقیقات ومباحث ہیں۔

تالیف

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی سنہ ۱۳۷۳ھ

ناشر

دار الاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

طبع اوّل دارالاشاعت

طباعت:

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 049256
★ MAILSI ★

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

ملنے کے پتے:

دارالاشاعت اردو بازار۔ کراچی ۱

مکتبہ دارالعلوم۔ کورنگی۔ کراچی ۱۴

ادارۃ المعارف کورنگی۔ کراچی ۱۴

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور ۲

ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی ۵

ادارہ تالیفات اشرفیہ بوہڑ گیٹ ملتان

دارالاشاعت　متصل اردو بازار　کراچی ۱

فہرست مضامین

تاریخ ارض القرآن حصہ اوّل

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
بسم اللہ	۹	حدود سفر	۴۱	اقطاع عرب	۷۳
ارض القرآن	۹	کیا کیا آثار عرب شمالی سیاحوں کو نظر آئے	۴۲	عروض	//
تاریخ ارض القرآن	۱۱			نجد	۷۶
سرمایہ ارض القرآن	۱۵	آثار [illegible] یعنی سد	۴۳	یمن	۷۸
ادبیات اسلامیہ	//	آثار حجریہ و نخاسیہ	۴۴	حجاز	۸۱
کتب تفسیر	۱۷	مہر سکہ قیمتی پتھر	۴۵	جوف، ثمود، تبوک، خیبر، مدین	۸۳
تاریخ عرب	//	عمارات منہدمہ	//	عرب شام	۸۴
جغرافیہ عرب	۲۰	تاریخ قدیم کے بعض اصول	۴۶	عرب عراق	۸۵
انساب	۲۳	انتباہات	۴۹	اقوام ارض القرآن	۸۶
طوطمیت	۲۴	جغرافیہ عرب	۵۱	امم سامیہ کا مسکن	۸۹
ادبیات اسرائیلیہ	۲۶	لفظ عرب	//	مسکن اول سے ہجرت	۹۶
ادبیات یونانیہ و رومانیہ	۲۸	جغرافیہ عرب از توراۃ	۵۴	نقشہ مقامات قرآن مجید	۱۰۰
اکتشافات اثریہ	۳۲	اقطاع عرب	۵۵	امم سامیہ کے انساب	۱۰۱
یمن	۳۶	جغرافیہ عرب از مصنفین یونان و رومان	۵۸	شجرۂ اقوام ارض القرآن بمطابقت توراۃ	۱۰۲
عسیر	۳۷				
جوف اور مارب	//	مقامات عرب	۶۱	طبقہ اولیٰ	۱۰۳
حضرموت	۳۸	جغرافیہ عہد قرآن	۷۰	عاد	۱۰۶
عمان	۳۹	ملک عرب	//	عاد کی سلطنتیں	۱۰۸
حجاز	//	حدود عرب	//	بیرون عرب	۱۰۹
نجد	۴۰	مساحت عرب	۷۱	عرب سامیہ یا عاد بابل میں	//
شمالی عرب	//	طبعی حالات	//	اہل عرب کا دعوی	//

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
توراۃ کا بیان	۱۱۰	معین کا دائرہ حکومت	۱۷۲	سبا اور اس کی شاخوں میں امتیاز	۱۹۰
اہل عرب کا بیان	۱۱۱	شاہان معین	۱۷۴	فرمارویان سبا	۱۹۱
تحقیقات جدیدہ	״	۶۔ بنی لحیان	۱۷۵	مکارب سبا	۱۹۳
....۴ قوم	۱۱۳	مجہول قبائل سامیہ	۱۷۷	ملوک سبا	۱۹۵
حکومت کش وغشبان وارخ	۱۱۴	طبقہ ثانیہ	۱۷۸	سبا کے تمدنی وتجارتی حالات	۱۹۷
حکومت اغاد	۱۱۵	الموداد	۱۷۹	نقشہ	۲۰۱
عرب سامیہ یا عاد مصر میں	۱۱۹	شلف	״	ملکہ سبا اور قرآن مجید	۲۰۶
رویت عرب	״	حدورام	״	بعض شکوک کا ازالہ	۲۱۱
اہل مصر کا بیان	۱۲۰	اوزال	״	سبا کا مذہب	۲۱۴
قرائن توراۃ	۱۲۲	وقلاہ	״	حمیر یا سبا کا طبقہ ثالثہ ورابعہ	۲۱۹
عرب سامیہ ؛ اثریہ ؛ ایران	۱۳۰	عوبال	۱۸۰	لفظ حمیر	״
فینیقیہ ؛ قرطاجنہ	۱۳۱	ابی مائل ؛ اوفر ؛ حویلہ ؛	״	شاہان حمیر	۲۲۳
عاد اور قرآن	۱۳۲	یوباب	״	طبقہ اول کے صحیح نام اور زمانے	۲۲۶
بعثت ہود	۱۳۴	نقشہ	۱۸۱	طبقہ ثانیہ یا تبابعہ	۲۲۹
اندرون عرب	۱۴۴	یارح یا یعرب	۱۸۲	لفظ تبع ؛ قرآن اور تبع	״
۱۔ عاد ثانیہ یا عاد عرب	״	حضارموت یا حضرموت	۱۸۴	تبابعہ کے تمدنی اور سیاسی و	۲۳۴
عدن	۱۴۹	حضرموت اور توراۃ	۱۸۵	مذہبی حالات	
۲۔ ثمود	۱۵۰	حضرموت اور یونان	״	اصحاب الاخدود	۲۳۵
حضرت ہود اور صالحین ثمود	۱۵۸	نقشہ	۱۸۶	اصحاب الفیل	۲۳۷
کو عذاب سے نجات		حضرموت اور آثار قدیمہ	۱۸۷	حبش کی اصلیت	״
۳۔ جرہم	۱۶۱	حضرموت اور اسلام	״	حبش وحمیر	۲۴۰
۴۔ طسم وجدیس	۱۶۳	سبا ؛ نام	۱۸۸	اکسوم کے نجاشی	״
۵۔ اہل معین	۱۶۵	زمانہ	״	ابرہہ الاشرم	۲۴۴
معین کا زمانہ	۱۶۸	دائرہ حکومت	۱۸۹	تمت بالخیر	

فہرست مضامین

ارض القرآن حصہ دوم

مضمون	صفحہ زبر	صفحہ زیر		صفحہ زبر	صفحہ زیر
بنو ابراہیم	۲۵۱	۳	حضرت ایوبؑ کا قصہ	۲۷۶	۲۸
بنو قطورا ؛ مدین ؛ مدین کی تاریخ	۲۵۲	۴	قرآن مجید اور حضرت ایوبؑ	۲۷۷	۲۹
مدین اور حضرت موسیٰؑ	۲۵۳	۵	بنو ہاجرہ	۲۸۰	۳۲
مدین کی تباہی	〃	〃	ہاجرہ	〃	〃
حوباب یا شعیبؑ	۲۵۴	۶	اسماعیل	۲۸۱	۳۳
حضرت شعیبؑ اور قرآن	۲۵۵	۷	ذبیح اسماعیل تھے	۲۸۲	۳۴
مدین اور قرآن	۲۵۷	۹	فاران کی بحث	۲۸۳	۳۵
مدین کے متعلق ایک آیت کی تفسیر	۲۶۰	۱۲	حضرت اسماعیل کی اولادیں	۲۸۸	۴۰
توراۃ و قرآن کی مطابقت	۲۶۳	۱۵	بنو اسماعیل ؛ مبشام	〃	〃
شہر مدین کی پچھلی تاریخ	۲۶۴	۱۶	ادبائیل ؛ مشماع	〃	〃
اصحاب الایکہ	۲۶۶	۱۸	مشا ؛ حدر ؛ یطور	۲۸۹	۴۱
اصحاب الایکہ کون ہیں؟ ؛ ایکہ کی تحقیق	〃	〃	نافلیش ؛ دوما ؛ تیما ؛ قیدماہ	۲۹۰	۴۲
اصحاب الایکہ اور قرآن	۲۶۸	۲۰	اصحاب الرس	〃	〃
بنو سارہ ؛ بنو ادوم	۲۷۱	۲۳	اصحاب الرس اور قرآن	۲۹۱	۴۳
عیسو	〃	〃	اصحاب الحجر	۲۹۲	۴۴
مملکت ادوم	〃	〃	نبایوت یا نابط	〃	〃
شاہان ادوم	۲۷۲	۲۴	انباط اور روایات عرب	〃	〃
ادوم کی تاریخ	〃	〃	انباط، انبایوط اور نابط کا ترادف	۲۹۳	۴۵
یوباب اور ایوبؑ	۲۷۳	۲۵	انباط کا عہد حکومت ؛ رقبہ حکومت	۲۹۴	۴۶
سفر ایوب اور ایوب	۲۷۵	۲۷	انباط کا دار الحکومت	۲۹۵	۴۷
حضرت ایوب کا زمانہ اور وطن	۲۷۶	۲۸	شاہان انباط	۲۹۶	۴۸

مضمون	صفحہ زبر	صفحہ زیر
تمدنی حالات	۲۹۷	۴۹
سیاسی حالات	۲۹۹	۵۱
یونانیوں اور رومیوں سے تعلق	۳۰۰	۵۲
انباط اور یہود	۳۰۱	۵۳
انباط اور عہد اسلام	۳۰۵	۵۷
اصحاب الحجر	//	//
انباط ہی اصحاب الحجر ہیں	//	//
قرآن اور اصحاب الحجر ؛ شہر حجر	۳۰۶	۵۸
آل غسان	۳۰۸	۶۰
غسانی نابتی ہیں	//	//
آل غسان کی تاریخ	۳۰۹	۶۱
الم غلبت الروم ؛ آل غسان اور اسلام	۳۱۱	۶۳
اوس، خزرج، انصار	۳۱۳	۶۵
اوس وخزرج نابتی ہیں	//	//
اوس وخزرج کی تاریخ ؛ انصار	۳۱۴	۶۶
قیدار	۳۱۷	۶۹
قیدار کا مسکن	//	//
قیدار کی تاریخ ؛ کتبات بابل میں	۳۱۸	۷۰
توراۃ میں	۳۱۹	۷۱
قیدار کی شاخیں	۳۲۰	۷۳
قریش ؛ سلسلہ نسب	۳۲۲	۷۴
لفظ قریش	//	//
قریش کی شاخیں	//	//
شجرۂ قریش	۳۲۳	۷۵
قریش کی ایک اور تقسیم	۳۲۴	۷۶
قریش کا زمانہ	//	//
قریش کی سیاسی خود مختاری	۳۲۵	۷۷
قصی کا زمانہ	۳۲۶	۷۸
کوہ صفا کا کتبہ	۳۲۷	۷۹
قریش کا نظام سیاسی واجتماعی	//	//
قریش کا تمدن	//	//
قریش اور قرآن مجید	۳۲۹	۸۱
محمد صلی اللہ علیہ وسلم	//	//
حضرت زید رض	۳۳۰	۸۲
ابو لہب	//	//
تجارت العرب قبل الاسلام	۳۳۲	۸۴
ملک عرب کا موقع تجارتی	//	//
عرب کی شاہ راہ تجارت	۳۳۳	۸۵
اس کا ذکر قرآن میں	//	//
عربوں کے ممالک تجارت	۳۳۵	۸۷
اندرون ملک کے تجارتی شہر	//	//
راستوں کی مسافت	//	//
سامان تجارت	۳۳۶	۸۸
توراۃ اور مورخین یونان و روم کے بیانات	//	//
درآمد	۳۳۹	۹۱
عرب کے بازار	۳۴۰	۹۲
قریش کی تجارت	۳۴۲	۹۴
تجارت قریش اور قرآن	//	//

مضمون	صفحہ زبر	صفحہ زیر
قریش کی تجارت اور اسلام	۳۴۴	۹۶
السنۃ العرب قبل الاسلام	۳۴۶	۹۸
سامی زبانیں	//	//
عربی زبان ام الالسنۃ السامیہ ہے	//	//
آرامی زبان کی حقیقت	۳۴۷	۹۹
امم بائدہ کی آرامی زبان	//	//
ثمود کی زبان	۳۴۸	۱۰۰
بنو قحطان اور اسمٰعیل کی زبانیں جنوبی یا قحطانی زبانیں	۳۵۰	۱۰۲
جنوبی اور شمالی زبانوں میں فرق	//	//
چوتھی صدی ہجری میں عرب کی زبانیں	۳۵۱	۱۰۳
شمالی یا اسمٰعیلی زبانیں	۳۵۲	۱۰۴
شمالی قبائل کی زبانوں کا فرق	۳۵۳	۱۰۵
لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۔ قرآن مجید کی زبان	۳۵۴	۱۰۶
ادیان العرب قبل الاسلام	۳۵۹	۱۱۱
بت پرستی کا آغاز ۔ ستارہ پرستی کا دور	//	//
عاد کا مذہب	//	//
ثمود کا مذہب	//	//
امم سامیہ اولیٰ کا مذہب	۳۶۰	۱۱۲
بابل میں سامی قوم کا مذہب	۳۶۲	۱۱۴
مصر میں سامی قوم کا مذہب	۳۶۳	۱۱۵
قرآن کا بیان	۳۶۵	۱۱۷
امم سامیہ اولیٰ کے پیغمبر	۳۶۶	۱۱۸
اہل معین کا مذہب	۳۶۷	۱۱۹

مضمون	صفحہ زبر	صفحہ زیر
بنو قحطان کا مذہب	۳۶۷	۱۱۹
قوم سبا کا مذہب	۳۶۹	۱۲۱
مستشرقین کے بیانات	//	//
شمالی عربوں کے مذاہب	۳۷۱	۱۲۳
قرآن اور توراۃ کا بیان	۳۷۴	۱۲۶
مدین کا مذہب اور قرآن	۳۷۵	۱۲۷
اصحاب الایکہ کا مذہب اور قرآن	۳۷۷	۱۲۹
حضرت ایوبؑ کی امت کا مذہب	//	//
بنو اسمٰعیل کا مذہب	//	//
اصحاب الرس اور اصحاب الحجر	۳۷۸	۱۳۰
اوس اور خزرج اور ان کے ہم نسب قبائل کا مذہب	۳۸۰	۱۳۲
اصنام عرب جنوب	//	//
بنو قیدار یا عدنانی قبائل کا مذہب	۳۸۱	۱۳۳
اصنام عرب شمال	۳۸۲	۱۳۴
چند اور بتوں کے نام	//	//
عرب میں دیگر مذاہب کا وجود	۳۸۴	۱۳۶
مجوسیت کا وجود، عیسائیت کا وجود	//	//
یہودیت کا وجود	//	//
کعبہ اور ہبل	۳۸۵	۱۳۷
قرآن مجید اور مذاہب عرب قبل اسلام	۳۸۶	۱۳۸
اعاظم پرستی اور قرآن	//	//
قوٰی پرستی اور قرآن	۳۸۷	۱۳۹
ستارہ پرستی اور قرآن	//	//
عرب کے مستند مذاہب اور قرآن	۳۸۸	۱۴۰

مضمون	صفحہ زبر	صفحہ زیر
یہودیت اور قرآن	۳۸۹	۱۴۱
عیسائیت اور قرآن	۳۹۰	۱۴۲
عیسائیت کے مختلف فرقے اور قرآن	۳۹۱	۱۴۳
عیسائیت سے قریش کا تنفر	”	”
مجوسیت اور قرآن	۳۹۲	۱۴۴
صابئیت	”	”
صابیت کا مختصر حال	۳۹۳	۱۴۵
صابیت کے متعلق مسلمانوں کے بیانات	”	”
قدیم عیسائی بیان	۳۹۶	۱۴۸
علمائے یورپ کا بیان	”	”
صابی عقائد	”	”
تبصرہ	۳۹۸	۱۵۰
قرآن مجید کی ایک صداقت	۳۹۹	۱۵۱
صابئیت کی لغوی تشریح	۴۰۰	۱۵۲
تنبیہ اہم	”	”
مذہب صابی اور قرآن مجید	۴۰۴	۱۵۶
حنفیت	”	”
لغوی تحقیق	۴۰۵	۱۵۷
قرآن مجید سے استدلال معنوی	۴۰۷	۱۵۹
حنفیت اور عرب	”	”
شرک	”	”
مشرکین عرب کے عقائد اور قرآن	۴۰۸	۱۶۰
دہریت اور قرآن	۴۱۴	۱۶۶
بت پرستی اور قرآن	”	”

مضمون	صفحہ زبر	صفحہ زیر
قرآن میں اصنام کا ذکر	۴۱۵	۱۶۷
ان کے پرستار قبائل	۴۱۶	۱۶۸
ان کے معنوں کی لغوی و معنوی تحقیق	”	”
لات	”	”
اللّٰہ	۴۱۷	۱۶۹
العُزّیٰ	۴۱۸	۱۷۰
مناۃ	”	”
وَدّ	۴۱۹	۱۷۱
سواع	”	”
یغوث	”	”
نَسر	”	”
ان اصنام کی شکل	۴۲۰	۱۷۲
ہُبل	”	”
عرب کے بت مونث تھے	۴۲۱	۱۷۳
عرب کے بت ممالک یورپ میں	”	”
لفظ رحمٰن	”	”
قرآن مجید میں رحمٰن	”	”
رحمان کی تحقیق	”	”
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ	۴۲۲	۱۷۴
ہماری تفہیم	”	”

تمت بالخیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

احمدك یا من "دحی الارض" "وبثّ فیھا رجالاً کثیرا و نساءً" و اسکن "بواد غیر ذی ذرع" "من ذریتھم" "شعوبًا و قبائل" "ذات العماد" و "البطش الشدید" "والبسط فی الخلق" من قوم نوح و اصحاب الرس و ثمود و عاد و فرعون و اخوان لوط و اصحاب الایکة و قوم تبع "کل کذب الرسل فحق وعید" "فمزقھم کل ممزق و جعلھم احادیث" و اصلی و اسلم علی النبی الابراھیمی الاسمٰعیلی القیداری المضری القریشی الھاشمی و علیٰ صحبه العدنانیین و القحطانیین اجمعین۔

ارض القرآن آج مسلمانوں کا وطن تمام دنیا ہے تاہم مولدِ اسلام، موطنِ رسالت، مہبطِ قرآن دنیا کا صرف ایک ہی گوشہ ہے یعنی عرب جس کو مادی زرخیزی کی محرومی نے گو "بن کھیتی کی زمین" (وادی غیر ذی زرع) کا خطاب دیا ہے لیکن جس کی روحانی سیر حاصلی کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ آج دنیا میں جہاں بھی روحانی کھیتی کا کوئی سرسبز قطعہ موجود ہے اسی کشتِ زادِ الٰہی کے آخری کسان کی تخم ریزی و آب یسری کا نتیجہ ہے۔

اس مہبطِ وحی قرآنی اور موطنِ اوّل اسلام کی تقدیس اُس بوڑھے پیغمبر (ابراہیمؑ) کے نام سے ہے جس نے اپنے جوان بیٹے (اسمٰعیلؑ) کے خون سے اُس "بن کھیتی کی زمین" کو سیراب کرنا چاہا جس کی سیرابی گردن کے خون سے مقدّر نہ تھی، بلکہ دل کے خون سے تھی، جب دل کا خون اس پر برسا تو یہ شور و بے حاصل قطعہ حسب پیشین گوئی سابق لہلہا اُٹھا۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح: ۴)

پیروانِ محمدؐ کی مثال توراۃ وانجیل میں یہ ہے کہ وہ ایک کھیتی ہیں جس کا ڈنٹھل نکلا، مضبوط ہوا، تنہ پر کھڑا ہوا، کاشتکار دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تاکہ کافر غم زدہ ہوں۔

اس زمین کے اکثر حصہ کی مادی شوری وبے حاصلی، حکمتِ الٰہی کا مقتضا تھی کہ سلاطینِ عالم کے دستِ حرص وہوس سے اس ارضِ مقدس کی عصمت مصئون رہے اور دستِ انسانی کے تمدن وصنعت کی سیاہی سے اس کی لوح سادہ، پاک اور فطری، تاکہ خود فطرۃ اللہ کا قلم صرف اپنے حروف وخطوط سے اس کی گلکاری کر سکے، اور خدا کی فطرت کا خزانہ جو اس کھنڈر میں دفن تھا پیغمبرِ مذہبِ فطری کے وجود تک محفوظ رہے

تاریخ ارض القرآن

سرزمینِ قرآن (عرب) کی تاریخ جس قدر بعد القرآن یعنی اسلام کے بعد روشن ہے، اسی قدر قبل القرآن یعنی اسلام سے پہلے تاریک ہے، قرآن مجید نے بر سبیلِ عبرت و اظہار واقعہ ملک عرب کے متعدد اقوام و اشخاص وانبیاءؑ کے حالات مجملاً بیان کئے ہیں، لیکن عرب کی قوم تصنیف و تالیف سے آشنا نہ تھی، اس لئے ان اقوام اشخاص اور اقطاعِ ملک کے تاریخی، سیاسی، قومی، مذہبی اور جغرافی حالات کے بیان و تفصیل کی بنیاد مسلمان مصنفین نے صرف بے احتیاطانہ زبانی روایات پر رکھی ہے، لیکن اہلِ یورپ ان کے مقابل یونانی ورومانی سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کے تحریری بیانات، اور عرب کے آثار قدیمہ اور نقوش و کتبات پیش کرتے ہیں جو تنہا زبانی روایات سے ظاہر ہے کہ کہیں صحیح تر ماخذ ہیں، اس بناء پر انھوں نے عرب قبل قرآن کی تاریخ کے متعلق بالکل نیا عالم پیدا کر دیا ہے جو ان کی نظر سے قرآن مجید کے بیان اور عرب کے زبانی روایات نے عرب کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے مختلف ہے، اور اس لئے ان کو اس میدان میں اعتراضات کا بڑا جولان گاہ نظر آتا ہے۔

اس تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ قدیم وجدید معلومات کی تطبیق کے ساتھ ارض القرآن (عرب) کے حالات مذکورہ کی اس طرح تحقیق کی جائے کہ قرآن مجید کی صداقت اور معترضین کی لغزش علی الاعلان آشکارا ہو جائے۔

اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت سے شاید کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا، قرآن مجید میں عرب کے بیسیوں قوموں، شہروں اور مقامات کے نام ہیں، جن کی ہر قسم کی صحیح تاریخ سے نہ صرف عوام بلکہ علماء تک ناواقف ہیں اور نہایت عجیب بات ہے کہ تیرہ سو برس میں ایک کتاب بھی مخصوص اس فن پر نہیں لکھی گئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود مسلمانوں کو ان حالات سے ناواقفیت رہی اور دوسری طرف غیروں کو انھیں افسانہ (Legend) کہنے کی جرأت ہوئی، توراۃ میں ہزاروں اشخاص، اقوام، بلاد اور مقامات کے نام ہیں جو زمانہ کے تطاول اور زبانوں کے ادل بدل سے مجہول اور ناپدید ہو گئے ہیں، لیکن علمائے نصاریٰ کی ہمت صد ہزار آفرین ہے کہ وہ ارضِ توراۃ (Land of Bible) اور انسائیکلوپیڈیا آف بائبل کے ذریعہ سے ۳ ہزار برس کے مردہ نام اپنی مسیحائی سے زندہ کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں بیس تیس اقوام و اشخاص سے زیادہ کا تذکرہ نہیں، تاہم ان کی تحقیق کے لئے مخصوص طور سے

کوشش نہیں کی گئی، عموماً یہ مباحث تفسیر کے ضمن میں لکھے گئے، یا تاریخ عمومی میں مقدمہ کے طور پر مذکور ہوئے حالانکہ اس کی اہمیت مستقل بحث و تصنیف کی محتاج تھی۔

مقام عبرت ہے کہ ہماری مذہبی کتاب کی تحقیق و کاوش میں بھی اغیار نہایت کوشش و جانفشانی سے مصروف ہیں، جرمن، فرنچ، اٹالین اور انگلش مستشرقین نے "تاریخ عرب قبل اسلام" پر محققانہ کتابیں لکھیں، یونانی و رومانی تصنیفات سے جو عرب قبل اسلام کے حالات سے پر ہیں، انتخاب و خلاصہ کیا، قرآن مجید نے جن اقوام و بلاد کا ذکر کیا ہے ان کے کھنڈروں کا مشاہدہ کیا، ان کے کتبات کو حل کیا، اور ان سے عجیب و غریب نتائج مستنبط کئے۔

تاہم وہ مسلمان نہیں، یہودی یا عیسائی ہیں، انھوں نے نہایت بے دردی سے قرآن کے فوائد کو پامال کیا ہے بعض متعصب مستشرقین نے ان معلومات کو غلط طور سے قرآن کی مخالفت میں استعمال کیا ہے اٹھارھویں صدی کے وسط میں ریونڈ فارسٹر (Forster) نے عرب کا تاریخی جغرافیہ Historical Geography of Arabia) لکھا جس میں اُس نے اپنی جہالت کے عجیب و غریب نمونے پیش کئے جن کو پڑھ کر کبھی ہنسی اور کبھی رونا آتا ہے لیکن کیا کیجئے کہ ہماری غفلت سے وہ قرآن کی صداقتِ تاریخی کا معیار ہے، بعض پادری قرآن کے تاریخی اغلاط کو پیش کرتے ہیں، لیکن ان کو پیش کرتے وقت افسوس ہے کہ توراۃ جس کو وہ معیار صحت سمجھتے ہیں بھول جاتے ہیں۔

نولدیکی (Noldeke) نے عمالقہ و عاد کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ غیر تاریخی قومیں ہیں، ولہن (A. welhen) اور روبرٹس اسمتھ (Roberts Smith) عرب کے ادعائے نسب کا انکار کرتے ہیں، عرب کے بعض اثری اکتشافات کی بنا پر یورپ کے بعض سبک مغز مصنفین جرأت کے ساتھ کہتے ہیں کہ "قرآن کے پہلے کا عرب قرآن کے بعد کے عرب سے ہزار درجہ بہتر تھا"، لیکن سینٹ ہیلیر ایک فرنچ مستشرق نے نہایت خوب جواب دیا ہے کہ "اگر یہ صحیح ہوتا تو قرآن تمدن و تہذیب کے عام ابتدائی تعلیمات اور کم از کم محرماتِ نکاح کے بیان کی تکلیف گوارا نہ کرتا۔"

ان آثار قدیمہ کے اکتشاف نے ادیانِ عرب قبل اسلام کے معلومات میں نہایت سخت انقلاب پیدا کر دیا ہے، جن سے اسلام کے مناقب و فضائل کا ایک نیا باب پیدا ہو گیا ہے۔

بہر حال نہایت ضروری تھا کہ ہمارے دشمن جن جدید معلومات کو ہماری مخالفت میں صرف کر رہے ہیں ان سے اپنی موافقت کے پہلو پیدا کئے جائیں۔

عہد قدیم میں مخالفین کے اعتراضات کا نشانہ اعتقادات تھے، لیکن اس عصر جدید میں جب ہمارے مخالفین عقائدِ اسلام کی مضبوطی کا امتحان کر چکے ہیں، انھوں نے یہاں سے ہٹ کر تاریخ و تمدن کے میدان

میں مورچے قائم کئے ہیں، ضرورت ہے کہ جس طرح ایرانی و یہودی مورخین کے مقابلہ میں ابن حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اور ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے اسلام اور قرآن کی تاریخ کی تحقیق و تطبیق میں کوشش کی، اس زمانہ میں جدید یورپین تاریخ کی اسلام و قرآن سے تطبیق دی جائے، اور یورپین تاریخی تحقیقات و اکتشافات کی غلطی کا پردہ چاک کیا جائے اور خود ان ہی کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے ان کے حملوں کا جواب دیا جائے۔

ان وجوہ سے کتب تفسیر و جغرافیہ و تاریخ اسلامی کے علاوہ جدید یورپین تصنیفات کا بھی حوالہ دینا پڑا کیونکہ عرب کے آثار عتیقہ اور یونانی و رومانی تصنیفات کی دریافت کا جن سے قرآن کی ہر جگہ تصدیق ہوتی ہے کوئی اور ماخذ نہ تھا، یہ تمام کتابیں انگریزی زبان کی ہیں، جو یا اصلاً انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں یا جرمن و فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔

کہیں کہیں کسی فرنچ کتاب کا حوالہ ہے، اس کے لئے میں اپنے صدیق صمیم پروفیسر شیخ عبدالقادر ایم اے فیلو اینڈ لکچرار آف بمبئی یونیورسٹی و ممبر آف بمبئی ایشیاٹک سوسائٹی کا ممنون ہوں، جنھوں نے میرے لئے از راہ عنایت فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ کرنے کی تکلیف گوارا کی۔

ارض القرآن کے لئے تورات کی واقفیت نہایت ضروری تھی، تورات کے اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی تراجم میرے پیش نظر تھے، لیکن ناموں کے تلفظ اور فقروں کے ترجمہ میں اس کثرت سے ان میں اختلاف بلکہ تضاد نظر آیا، کہ خود اصل عبرانی کی طرف توجہ کرنی پڑی، اور تین مہینے کی تعلیم میں اصل کی طرف مراجعت ایک حد تک آسان ہوگئی، سبا اور حمیر کے کتبات بھی عبرانی خط میں شائع کئے گئے ہیں اور زبان بھی تقریباً مابین عربی اور عبرانی ہے، یہ قلیل حرف شناسی اس مہم میں بھی کام آئی۔

اقوام و بلاد کے صحیح مقامات کی تعیین کے لئے متعدد نقشوں کی ضرورت تھی، اس فن میں باوجود بے بضاعتی کے اس خدمت کو نہایت محنت سے خود انجام دینا پڑا۔

ان اجزا کی ترتیب میں پورے تین برس صرف ہوئے، لکھنؤ میں دفتر سیرت نبوی کا جب میں اسسٹنٹ تھا تو اس موضوع کا خیال آیا، بلکہ اصل میں سیرت نبوی کے دیباچہ ہی کے طور پر اس کے لکھنے کی تحریک ہوئی، لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا میدان زیادہ وسیع اور کشادہ نظر آتا گیا، تا آنکہ بالکل مستقل ایک شے بن گئی۔

کتاب کا یہ پہلا حصہ ہے جس میں ارض قرآن کا جغرافیہ اور اقوام عرب کے سیاسی و تاریخی، نسبی اور قومی حالات سے بہ تطبیق قرآن بحث ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ عرب کی قوم نے اسلام سے

پہلے بھی دنیا میں کیا کیا کارنمایاں انجام دیے ہیں، اور اُن کے تمدن نے یمن وشام وعراق میں کس حد تک وسعت حاصل کی تھی، کتاب کے دوسرے حصہ میں اقوامِ عرب کے السنہ، ادیان، تجارت، طرقِ تمدن وغیرہ سے بحث ہوگی، خدا توفیق دے کہ وہ بھی جلد پیش کرسکوں اپنی محنت وکاوش کے نتائج مسلمان پبلک کی نذر کرتا ہوں۔ واسئل اللہ تعالیٰ ان یرزقہ القبول ویفیض لہ الرواج۔

سید سلیمان ندوی

۲/اپریل ۱۹۱۵ء

سرمایۂ ارض القرآن

ارض القرآن کے علم و تحقیق کے جو ذرائع پہلے موجود تھے اور جن سے مصنفینِ اسلام نے کام لیا ہے اور اب عصرِ جدید نے اُن معلومات کے جو ذرائع پیدا کر دیئے ہیں اس فصل میں ان پر نظر و تبصرہ مقصود ہے ارض القرآن کے لئے اس وقت چار ماخذ سامنے ہیں۔

۱۔ ادبیاتِ اسلامیہ (محمڈن لٹریچر)
۲۔ ادبیاتِ اسرائیلیہ (جوئش لٹریچر)
۳۔ ادبیات یونانیہ ورومانیہ (گریک اینڈ رومن لٹریچر)
۴۔ اکتشافاتِ اثریہ (ارکیالوجیکل ڈسکوریز)

۱۔ ادبیات اسلامیہ

قرآن مجید نے اقوامِ عرب کا تذکرہ صرف عبرت و بصیرت کے لئے کیا ہے، اس بنا پر ان اقوام کے وہ جغرافیائی و تاریخی و سیاسی حالات جن سے قرآن کے موضوع کو کوئی تعلق نہیں ہے، قرآن مجید نے نظر انداز کر دیئے ہیں بلکہ بعض ایسی قومیں بھی ہیں جن کا قرآن مجید نے بلا تشریح خبر و حال صرف نام لے دیا ہے۔

عہد نبوی میں صحابہؓ چونکہ اپنے ملک و قوم کی تاریخ سے واقف تھے اور نیز اس لئے کہ اس تاریخ سے اسلام کو مذہبی حیثیت سے کوئی تعلق نہ تھا، اس سے کوئی بحث نہیں کی۔

لیکن اس عہد کے آخری حصہ میں جب قرآن نے عرب سے نکل کر دور دراز حصوں میں ظہور کیا جہاں لوگ ان قوموں اور ملکوں کے حالات سے واقف نہ تھے، تو ضرورت ہوئی کہ ان کے جغرافی و سیاسی و تاریخی حالات کی جستجو کی جائے، اس وقت جو سامان اس کام کے لئے ہاتھ آسکا وہ حسبِ ذیل ہے:

۱ــــ قرآن مجید، خود قرآن مجید میں ان قوموں کے جو حالات بیان ہوئے تھے۔

۲ــــ روایاتِ تفسیر، مفسرین نے اُن آیات کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے جو حدیثیں نقل کی ہیں، لیکن صحیح طور سے ان کی تعداد بہت کم ہے۔

۳ــــ اسرائیلیات، ان اقوام میں سے اکثر کا ذکر توراۃ میں مذکور تھا، اس بنا پر یہود ان سے واقف تھے، مسلمان یہودیوں نے اپنے معلومات و روایات کی بنا پر ان کی جو تشریح کی۔

مفسرین کے روایات کا تمامتر مبنیٰ اسرائیلیات ہیں، وہب بن منبہ، کعب الاحبار، ضحاک، سدّی کلبی، واقدی، مدائنی، مجاہد، عکرمہ وغیرہ ان روایات کے ماخذ ہیں، وہب اور کعب خود اصلاً یہود تھے، اور دیگر حضرات یہودیوں کے خوشہ چین، یہودیوں سے روایت کوئی بری چیز نہیں ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ ان یہودیوں کے معلومات کی بنا جس قدر توراۃ اور اسفار پر تھی اس سے زیادہ عام رطب ویابس زبانی کہانیوں پر، اس لئے اکثر یہ روایات صحیح الماخذ نہیں، اور اسی لئے ان میں ہزاروں بے سروپا باتیں موجود ہیں جو اصل روایت کے رو سے تمام تر ضعیف بلکہ جھوٹ ہیں۔

ابن مردویہ، دیلمی، مجاہد، مقاتل بن سلیمان اور ابن جریر طبری کی تفسیروں کی بنا ان ہی حکایات و روایات پر ہے جن کا اصولاً کوئی اعتبار نہیں۔ ضحاک، سدی، کلبی، ہشیم ابن عدی، واقدی، مدائنی جو ان روایات کے ناقل یا مصنف ہیں، اسماء الرجال کی کتابوں میں ناقدین حدیث نے ان کی دروغ بیانی، کذب اور ضعف کو تصریح لکھا ہے، عکرمہ، وہب بن منبہ اور کعب الاحبار بھی جرح مفصل سے بری نہیں

ان تمام بزرگوں کا سرمایۂ علم، یہودی روایات ہیں، جن کی بنا، توراۃ، نبیّیم، ترگوم اور تالمود پر ہے، اور بعض عام گپیں بھی ہیں، یہ تمام کتابیں عام طور سے ملتی ہیں، اس لئے ان روایاتِ منقولہ کی بجائے خود اصول و متون کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، ان کتابوں کا ذکر ادبیاتِ اسرائیلیہ میں آتا ہے۔

۴ —— سب سے عام ذریعہ زبانی خاندانی روایات ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ عربوں میں محفوظ چلے آئے، تاآنکہ بعد اسلام وہ کتابوں میں مدوّن ہو گئے، مسلمانوں کے اصولِ روایات کے رو سے گو یہ ذریعہ علم زیادہ محفوظ نہیں لیکن جو خاندانی روایتیں متفقاً اور بلا انکار، اور بے شک وشبہ عرب میں عام طور سے مشہور تھیں، اور جن کا ذکر فخراً ہر موقع پر کیا گیا اور کسی نے ان کے انکار و نفی کی وجہ نہ پائی، وہ گویا درحقیقت تواتر کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کی تردید اصولِ تاریخ کے رو سے محال ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس قسم کا تواتر چند موٹے موٹے واقعات و حالات (مثلاً حضرت اسمٰعیلؑ کا مکہ میں قیام، کعبہ کی بنا، قریش کا عدنان تک کا نسب نامہ، قریش کا اسمٰعیلی خاندان سے ہونا، چند قبائل بائدہ اور امرائے حیرہ و غسان، ملوکِ یمن اور شیوخِ حجاز کے بعض نامکمل اور اوپری حالات) کے سوا اور واقعات میں نہیں۔

۵ —— اطلاع کا اس سے اور زیادہ محفوظ ذریعہ عرب کے اشعار و امثال ہیں جن میں فخر و مباہات مدح و ستائش اور اظہار شجاعت و بہادری کے سینکڑوں تاریخی واقعات اور رسوم و عادات کا ذکر ہے لیکن افسوس کہ یہ گراں قیمت سرمایہ ہمارے پاس اسلام سے چند صدی پیشتر سے زیادہ کا نہیں ہے تاہم قبل اسلام کے بہت سے خاندان ان کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں، مؤرخ طبری نے عاد کے حالات

میں لکھا ہے کہ "بعض ایرانیوں نے عاد سے انکار کیا ہے، حالانکہ اشعارِ جاہلیت میں ان کا تذکرہ نہایت ہی کثرت سے ہے، اگر خوفِ تطویل نہ ہوتا تو میں ان کو نقل کرتا۔"

بہرحال مسلمانوں نے اپنے عہد میں اس سرمایہ کی تدوین و ترتیب حسبِ ذیل صورتوں میں کی۔

۱۔ کتب تفسیر

تفسیر کی کتابوں میں آیاتِ متعلقہ کے تحت میں اُن کو لکھا، اس قسم کی تفسیریں یہ ہیں:۔

تفسیر مجاہد بن جبیرؒ	المتوفی سنہ ۱۰۳ھ	تفسیر ابن ابی حاتم	المتوفی سنہ ۳۲۷ھ
تفسیر مقاتل بن سلیمان	المتوفی سنہ ۱۵۰ھ	تفسیر ابن حبان	المتوفی سنہ ۳۶۹ھ
تفسیر ابراہیم بن معقل النسفی	المتوفی سنہ ۲۹۵ھ	تفسیر ابن مردویہ	المتوفی سنہ ۴۱۰ھ
تفسیر دیلمی	المتوفی سنہ ھ	تفسیر بغوی	المتوفی سنہ ۵۱۶ھ
تفسیر ابن جریر طبری	المتوفی سنہ ۳۱۰ھ		

⁂ ⁂ ⁂

۲۔ تاریخ عرب

ابتدائی مؤرخین جن کا سلسلہ حضرت معاویہؓ کے عہد سے شروع ہو گیا تھا، عبید بن شریہ، ابو عبیدہ، عوانہ بن حکم، ہشام کلبی، قاضی ابو البختری، ابن ہشام ہیں، یہ وہ مصنفین ہیں جنھوں نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں خالص عرب کی قدیم تاریخ لکھی، ان کی تصنیفات کے نام یہ ہیں:۔[1]

(۱) عبید بن شریہ۔ کتاب اخبار الملوک الماضیین، کتاب کے نام کا ترجمہ یہ ہے "گذشتہ بادشاہوں کے حالات" یہ امیر معاویہ کا معاصر تھا، اس کتاب کے اقتباسات مسعودی میں جابجا ہیں۔

(۲) ابو عبیدہ۔ کتاب مغارات قیس والیمن، کتاب خبر عبد القیس، کتاب مناقب باہلہ، کتاب بکر والحرام کتاب بیوتات العرب، کتاب مآثر العرب، کتاب مآثر غطفان، کتاب قصۃ الکعبہ، کتاب الحمس من قریش کتاب الاوس والخزرج، کتاب ایام بنی یشکر۔

(۳) مبرد، کتاب ایام بنی مازن، کتاب قحطان وعدنان۔

(۴) ہشام کلبی، کتاب من نقل ن عاد وثمود والعمالیق وجراہم وبنی اسرائیل من العرب، کتاب ملوک کندہ، کتاب طسم وجدیس، کتاب عاد الاولیٰ والثانیہ، کتاب تفرق عاد، کتاب اصحاب الکہف

---

[1] کتاب الفہرست ابن ندیم باب الاخبار میں ص ۸۴ - ۸۹ طبع یورپ۔

کتاب الحیرۃ۔

(۵) قاضی ابوالبختری، کتاب طسم وجدیس۔

(۶) ابن ہشام، سیرۃ نبوی کے مقدمہ میں عرب قدیم کی تاریخ لکھا اور کتاب التیجان[۱] کے نام سے ایک الگ کتاب اس موضوع پر لکھی۔

(۷) چوتھی صدی کی بہترین تصنیفات اس باب میں ابن الحائک ہمدانی ایک عرب جغرافیہ نویس کی دو کتابیں "صفۃ جزیرۃ العرب" اور "اکلیل" ہیں، پہلی کتاب عام جزیرۂ عرب کا جغرافیہ ہے، کتاب لیڈن میں چھپ گئی ہے، دوسری کتاب الاکلیل صرف یمن کی تاریخ ہے، اکلیل کا کامل نسخہ اب تک کہیں نہیں ملا ہے، اس کا ایک ٹکڑا پروفیسر مولر (D. H. Muller) کی کوشش سے شائع ہوا ہے، کتاب دس ابواب[۲] پر منقسم ہے۔

باب اوّل:۔ ابتدائے خلقت اور عرب وعجم وحمیر کی قوموں کے سلسلہ ہائے نسب

باب دوم:۔ الہمیسع بن حمیر کی اولاد کا سلسلۂ نسب۔

باب سوم:۔ قحطان کے فضائل۔

باب چہارم:۔ یعرب بن قحطان سے لے کر تبع ابوکرب کے زمانہ تک کی تاریخ۔

باب پنجم:۔ تبع ابوکرب سے ذونواس تک کی تاریخ۔

باب ششم:۔ ذونواس سے عہد اسلام کی تاریخ۔

باب ہفتم:۔ جھوٹے قصے اور خلاف عقل واقعات

باب ہشتم:۔ حمیر کے عمارات، سلاطین، لڑائیاں، مقبرے اور ان کے اشعار، نقوش اور کتبات

باب نہم:۔ حمیری زبان کی ضرب المثلیں اور حمیری خط۔

باب دہم:۔ حمیر کے خاندان ہمدان کے حالات۔

یورپ میں اس کتاب کا اکثر حصہ برٹش میوزیم لندن اور رائل لبریری برلن میں موجود ہے، مستشرقین یورپ اس کتاب کی بڑی قدر کرتے ہیں، اور عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق اس سے زیادہ مستند اور کوئی حوالہ نہیں سمجھتے، ہمدانی چونکہ حمیری زبان سے واقف تھا اس لئے آثار و کتبات کو وہ پڑھ سکتا تھا، اسی لئے اس باب میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

(۸) علقمہ بن علکم ایک شاعر نے قصیدۂ نونیہ میں حمیر (قوم تبع) کے حالات اور عام عمارات کے

---

[۱] اب یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد نے چھاپ دی ہے [۲] طبقات الامم لابن صاعد اندلسی ص ۹۱، ۹۲ مطبع مصر

ناموں کو نظم کیا ہے۔

(۹) نشوانؔ بن سعید الحمیری ۵۷۳؁ھ نے قصیدۂ حمیریہ کے نام سے حمیر کی تاریخ نظم کی ہے، جس میں زیادہ تر سلاطین کے نام ہیں۔

نشوانؔ نے خود یا اسی عہد کے ایک دوسرے مسلمان عالم نے اس قصیدہ کی نثر میں شرح لکھی ہے، ابن سعید حمیری کی سب سے عجیب و غریب تصنیف شمس العلوم ہے، جو گو ایک لغت کی کتاب ہے، لیکن الفاظ متعلق حمیر و یمن کے ضمن میں بہت سے حمیری الفاظ اور ناموں کی تصحیح کی ہے اور ان کے معنی لکھے ہیں، لفظ مسند کے تحت میں خطِ مسند حمیر کے حروفِ ہجا لکھے ہیں، جن سے مستشرقین یورپ کو حمیر و سبا کی تاریخ کی ترتیب اور کتبیات کے پڑھنے میں بہت مدد ملی ہے۔

کتاب التیجان، قصیدہ حمیریہ، شرح قصیدۂ حمیریہ اور شمس العلوم، یہ تمام نادر سرمایہ بانکی پور کے کتبخانہ میں موجود ہے، قصیدۂ حمیریہ کو الفریڈ وان کریمر ایک مستشرق نے شائع بھی کر دیا ہے، شمس العلوم کا ایک عمدہ نسخہ اسکوریال لائبریری میں بھی موجود ہے[۱]

اسلامی ذخائر علمی کا جو سرمایہ ہمارے پاس موجود اور مطبوع ہے اور اس کے رو سے عرب قدیم کا سب سے پہلا مؤرخ ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱؁ھ ہے، جو اس وقت ابن ہشام المتوفی ۲۱۸؁ھ کی روایت سے موجود اور اس کی تصنیف کتاب السیرۃ کا جز ہے، اس کے بعد کے مؤرخینِ اسلام نے بھی عموماً اپنی تاریخ کی تمہید میں تاریخ عرب و بنی اسرائیل کے ضمن میں اشخاص و اقوامِ قرآن سے بحث کی ہے، بہرحال مؤرخینِ اسلام میں جن کی تصنیفات موجود اور مطبوع ہیں، اس موضوع کے متعلق خاص اہمیت حسب ذیل اشخاص کو حاصل ہے۔

نام	سنہ وفات	نام تصنیف	مقامِ طبع
ابن ہشام	۲۱۸؁ھ	کتاب السیرۃ	مطبوعۂ یورپ و مصر
ابو الولید ازرقی	۲۲۳؁ھ	اخبار مکہ	” ” ”
ابن قتیبہ	۲۷۶؁ھ	کتاب المعارف	” ” ”
ابن واضح یعقوبی	۲۷۷؁ھ	تاریخ یعقوبی	” ” ”
ابو جعفر طبری	۳۱۰؁ھ	تاریخ الرسل والملوک	” ” ”
حمزہ اصفہانی	۳۷۰؁ھ	تاریخ سنی ملوک الارض	” ” کلکتہ

[۱] اس کتاب کے طبع اوّل کے بعد ۱۹۱۶؁ء میں اس کتاب کا منتخب حصہ متعلق تاریخ یمن ڈاکٹر عظیم الدین کی جمع و ترتیب سے گب میموریل سیریز لندن میں شائع ہوا ہے۔

نام	سنہ وفات	نام تصنیف	مقام طبع
مسعودی	۳۴۶ھ	مروج الذہب	مطبوعہ یورپ ومصر
یہ عرب کے قدیم مؤرخین ہیں، متاخرین میں صرف دو شخص قابلِ ذکر ہیں۔			
ابوالفداء	۷۳۲ھ	المختصر اخبار البشر	مطبوعہ یورپ ومصر
ابن خلدون	۸۰۸ھ	کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر	" " "

۲۔ جغرافیہ عرب

مسلمانوں میں جغرافیہ کی ابتدا خود عرب سے ہوئی ہے کہ وہ ان کا وطن تھا، اور اس کی ابتدا انھوں نے اُس وقت کی جب یونانیوں کے لفظ "جغرافیہ" سے بھی اُن کو واقفیت نہ تھی، انھوں نے گو خاص طور سے مخصوص قرآن کا جغرافیہ نہیں لکھا لیکن جغرافیہ عرب کے ضمن میں قرآن کے بہت سے مقامات کا نشان دیا، عرب کا ایک ایک پہاڑ، تالاب، وادی، چراگاہ، شہر، گاؤں، پڑاو، عمارت غرض ملک عرب کے ایک ایک ذرہ کو گن ڈالا اور اس کے حالات جغرافی اور توپوغرافی طریقہ سے مدون کئے۔

اس فن پر دو قسم کی کتابیں ہیں، ایک وہ جن میں مخصوص طور پر صرف عرب کا جغرافیہ ہے، دوم وہ جن میں دیگر ممالک کے جغرافیہ کے ساتھ عرب کا بھی تذکرہ ہے۔

اوّل قسم کی کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
ابوزیاد کلابی	اواخر سنہ	کتاب النوادر	کتاب کے چند ٹکڑے ہیں، ایک عرب کے جغرافی حالات پر ہے، یہ کتاب عربی زبان میں جغرافیہ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔
نضر بن شمیل	۲۰۳ھ	کتاب الصفات	کتاب کا دوسرا ٹکڑا عرب کے خیمہ گاہوں گھروں، پہاڑوں اور گھاٹیوں کے بیان میں ہے۔
ہشام بن محمد کلبی	۲۰۶ھ	کتاب البلدان کتاب الاقالیم	" "
ابوسعید الاصمعی	۲۱۳ھ	کتاب جزیرۃ العرب	پہلی عام جغرافیہ عرب معلوم ہوتی ہے۔
		کتاب میاہ العرب	دوسری صرف عرب کے تالابوں کے بیان میں

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
سعدان بن مبارک	اوائل سنہ ۳۰۰ھ	کتاب الارضین والمیاہ والجبال	زمین، تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں۔
ابو سعید حسن السکری	اواخر سنہ ۳۰۰ھ	کتاب المناہل والقری و الابیات	عرب کے گھاٹوں، آبادیوں اور گھروں کے بیان میں
عمر بن رستہ	اواخر سنہ ۳۰۰ھ	الاعلاق النفیسہ	فصل، جغرافیہ میں ہے، ایک ٹکڑا متعلق صنعاء سمیٹک اسٹڈی سیریز نمبر ۸ میں رچرڈ گوتھائیل نے چھاپا ہے۔
ابن حائک ہمدانی	۳۲۰ھ	صفۃ جزیرۃ العرب	جغرافیۂ عرب میں بڑی محققانہ کتاب عرب کے اقطاع، اقوام، قبائل، حیوانات، راستہ پہاڑ، تالاب، چراگاہ، وادی، معدنیات، آثار قدیمہ، مقامات، قبائل، بُعد مسافت وغیرہ کے بیان میں کتاب لیڈن میں بتمامہ ۱۸۱۹ء میں چھپ گئی ہے۔
ابو زید بلخی	۳۴۰ھ	کتاب البدو والاخبار	فصل ۱۳ عرب کے جغرافیہ اور اس کے مساجد راہ اور اس کے عجائب و آثار کے بیان میں ہے فرنچ مستشرق کلمان ہوار نے اس کو شایع کیا ہے
ابو سعید حسن السیرافی	۳۶۸ھ	کتاب جزیرۃ العرب	" " " "
حسن بن محمد المعروف بالخالع	۳۸۰ھ	کتاب الاودیہ والجبال	عرب کے پہاڑوں اور وادیوں کے بیان میں
محمود بن عمر زمخشری	۵۳۸ھ	کتاب الامکنہ والمیاہ والجبال	عرب کے مقامات، تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں [1]
البکری	۴۸۷ھ	معجم ما استعجم	مقاماتِ عرب کے بیان میں گوٹنجن میں چھپی ہے
سیوطی	۹۱۰ھ	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع	۶ جلدوں میں طبع ہوئی ہے، عرب کے تمام مقامات کا استقصاد ہے ملخص از معجم یاقوت

[1] یہ کتاب چھپ گئی ہے۔

دوسری قسم کی کتابیں یہ ہیں :-

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
ابن خردازبہ	موجود سنہ ۲۵۰	کتاب المسالک والممالک	یورپ میں چھپی اوسطِ کتاب میں تیمن کے نام سے عرب کا ذکر کیا ہے۔
ابن فقیہہ ہمدانی	سنہ ۲۹۰	کتاب البلدان	یورپ میں چھپی، بابِ ۲ در ذکرِ مکہ، طائف، مدینہ، یمامہ، یمن
ابن واضح یعقوبی	اوسط سنہ ۳۰۰	کتاب البلدان	یورپ میں چھپی
اصطخری	سنہ ۳۴۰	کتاب المسالک والممالک	یورپ میں چھپی، باب اوّل ذکر جغرافیہ عرب
مسعودی	سنہ ۳۴۶	مروج الذہب	یورپ اور مصر میں چھپی۔
ابن مردویہ	سنہ ۳۵۲	معجم البلدان	قلمی موجودہ کتب خانہ حیدرآباد دبانکی پور مرتب بہ ترتیب حروف ہجا، عرب کے حسب ذیل شہروں کے حالات ہیں، ام القریٰ، بحرین عام عرب، عمان، مدینہ۔
ابن حوقل	سنہ ۳۶۲	کتاب المسالک والممالک	یورپ میں چھپی، باب اوّل عرب کے جغرافیہ پہاڑ۔ ریگستان اور راستوں کے بیان میں
ابوالبناالبشاری	سنہ ۳۷۵	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	یورپ میں چھپی، عرب کے صوبوں، گاؤں، قصبوں، عمارات، معدنیات اور کھنڈروں کے بیان میں
ادریسی	سنہ ۵۴۵	نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق	اس کے جو ٹکڑے چھپے ہیں، ان میں عرب کا ذکر نہیں۔
یاقوت	سنہ ۶۲۳	معجم البلدان	مصر میں چھپی، دس جلدوں میں بہ ترتیب حروف عرب کے تمام مقامات، پہاڑ، تالاب، اور وادیوں کا ذکر ہے اور اکثر کا طولِ بلد و عرض بلد لکھا ہے۔
زکریا قزوینی	مولود سنہ ۶۷۴	آثار البلاد	یورپ اور مصر میں چھپی، مختصر کتاب بہ ترتیب

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
			اقالیم ہے، ہر اقلیم میں عرب کا جو حصہ پڑتا ہے اس کا ذکر ہے۔
شمس الدین دمشقی	۷۲۷ھ	نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر	یورپ میں چھپی، باب فصل اعرب کے عام جغرافیہ حدود، صوبوں، شہروں اور قلعوں کے بیان ہیں۔
ابوالفداء	۷۳۲ھ	تقویم البلدان	یورپ میں چھپی، فصل اوّل میں عرب کی ۲۴ آبادیوں کا ذکر کیا اور ان کا طول بلد وعرض بلد لکھا ہے۔

ان تمام کتابوں میں ابن خردازبہ کے سوا قرآن پاک کے مقامات کا ذکر جہاں آیا ہے، ان کی تفصیل مذکور ہے۔

۴۔ انساب

اگر تورات کو الگ کر دیا جائے تو دنیا میں عرب ہی ایک ایسی قوم ہوگی جس نے سلسلۂ نسل وانساب کو ایک فن بنا دیا، ایک عرب کے نزدیک میزان مفاخرت میں شرافت نسب سب سے گراں قدر ہے، اس بنا پر عرب میں بچہ بچہ اپنے نسب کا یاد رکھنا ضروری سمجھتا تھا کہ اظہارِ فخر کے موقع پر اپنے کرمِ نسب کا ثبوت پیش کر سکے، شعرائے عرب کو اکثر قبائل کے سلسلۂ انساب کا محفوظ رکھنا اس لئے ضروری تھا کہ مدح وہجو کے موقع پر اس کا ذکر کر سکیں، زمانۂ جاہلیت میں اور بعد اسلام بھی عرب میں بہت بڑے بڑے علمائے انساب گذرے ہیں جو عرب کے تمام قبائل کے اور اکثر ہر قبیلہ کے مشاہیر کے نسب سے واقف تھے، تدوین علوم کے زمانہ میں یہ فن بھی مدون ہوا، اور علمائے انساب نے اس پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، ابتدائے اسلام میں دغفل بکری۔ لسان الحمرۃ عبید بن شریہ، اور بعد کو ابتدائی صدیوں میں ابن کوار، قبر قبی، عوانہ بن حکم، ابو الیقظان ہشام کلبی، محمد بن سائب کلبی، مدائنی، فاکہانی، مصعب بن عبد اللہ زبیری، زبیر بن بکار مصنف انساب قریش اصمعی، ابو عبیدہ، ابن ہشام مصنف انساب حمیر وملوکہا، مبرد اور ازرقی اور متاخرین میں بلاذری، سمعانی، ابن حزم اور قلقشندی وغیرہ اس فن کے امام تھے[1] گرہم کو یہ معلوم ہے کہ ان

[1] حاشیہ صفحہ ۲۴ پر

کی روایات میں یقینی صحت کا شائبہ بہت کم ہے لیکن اُس سے زیادہ ہے، جتنا روبرٹسن اسمتھ، (Robertson Smith) اور نولدیکی (Noldeke) کو نظر آتا ہے، نولدیکی کہتا ہے:

"اب علماء کے لئے موقع آگیا ہے کہ ان طفلانہ خیالات کو پسِ پشت ڈال دیں، جو چاہتے ہیں کہ عربوں کی کتب انساب کو جن کو محمد کلبی اور اس کے بیٹے ہشام کلبی نے گڑھا ہے، مان لیں، تاکہ باہم قبائل عرب قدیمہ وجدیدہ کے تعلقات تحقیق ویقین کے ساتھ ظاہر ہوں، کیا یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ تمام قبائلِ بنی قیس جو وسط ملکِ عرب میں آباد ہیں وہ صرف ایک شخص کی نسل سے ہوں یعنی قیس کی، جو مسیح سے کچھ پہلے تھا، اس لئے ہماری تحقیق یہ ہے کہ کوئی قبیلہ درحقیقت اپنے اُس پدرِ اوّل سے واقف نہیں جس کی طرف وہ منسوب ہے[1]"

روبرٹسن اسمتھ کہتا ہے:-

"یہ محقق ہوچکا ہے کہ چند قبائل زمانہ ماضی غیر قدیم میں کسی تاریخی شخص کی طرف منسوب نہ تھے[2]"

ہم کو ان دونوں محققوں سے سوال کا حق ہے کہ اس عام بے اعتباری کے دلائل کیا ہیں؟ عرب کے ایک ایک قبیلہ کے لئے ضروری تھا کہ دوستوں کی مدح اور دشمنوں کی ہجو کے لئے انساب محفوظ رکھے، عرب کا ہر وہ قبیلہ جو غیر پدر کی طرف انتساب کرتا، وہ عرب میں حقیر و ذلیل سمجھا جاتا اور بطور نشان ملامت کے اس کا نام لیا جاتا، شعرائے عرب مختلف مواقع کے لئے انساب کے زبانی یاد رکھنے پر مجبور رہتے تھے، کیا ان واقعات کے بعد بھی اس عام بے اعتباری کی کوئی مناسب وجہ ہے، بنو قیس کی طرح ۶۰۰ کی مدت میں ایک شخص کی اولاد سے چند بطون و قبائل کا پیدا ہوجانا کوئی محال امر نہیں۔

طوطمیت یورپ کے ان علمی توہم پرستوں کے انکار انساب کی بنیاد مسئلہ طوطمیت (ٹوٹم ازم) پر ہے طوطمیت اس کا نام ہے کہ "اشخاص و قبائل کا اپنے کو دیویوں، ستاروں، حیوانوں اور درختوں کی طرف منسوب کرنا" قدیم زمانہ میں جب انسان بچہ تھا، جب کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا تھا تو وہ انسانوں کی ولدیت سے نکل کر دیویوں کی نسل قرار پاتا تھا، وہ دیویاں خواہ ستارے ہوں یا حیوانات ہوں یا درخت ہوں، ہندوؤں میں سورج بنسی اور چندر بنسی وغیرہ قبائل تھے جو اپنے کو انسانوں کے نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب کے بیٹے کہتے تھے، اس لئے سورج اور چاند کے متعلق یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ اس قبیلہ کے مورثِ اوّل کا نام ہے بلکہ وہ اس قبیلہ کی دیوی کا نام ہے۔

بقیہ حاشیہ ص۲۳ [1]:- دیکھو کشف الظنون ج ا ص ۱۲۳، اور فہرست ص ۵۱، ۵۴، ۵۵، ۸۹- حاشیہ صفحہ ھذا

[1] دیکھو الاموموۃ عند العرب مترجم از جرمن (G. A. Wilkin) مطبوعہ قازان (روس) صفحہ ۵ [2] ایضاً

قبائلِ عرب میں بھی بنو شمس وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں اور حیوانات کے نام تو بکثرت آتے ہیں، جیسے بنو اسد، بنو فہر، بنو تغلب، بنو کلب، بنو نمل، بنو عجل وغیرہ، نظریہ طوطمیت کے مطابق شمس، اسد، فہر، ثعلب، کلب، نمل، عجل اشخاص تاریخی نہیں ہیں اور نہ قبائل کے مورثِ اول کے نام ہیں، بلکہ یہ اُن ستاروں اور جانوروں کے نام ہیں جن کی پرستش وہ قبیلے کرتے تھے اور ان ہی کی طرف اپنے کو منسوب سمجھتے تھے۔

لیکن یہ محض علمی توہم پرستی ہے، عرب میں کبھی اس قسم کا خیال نہیں پیدا ہوا، اس خیال کی پیدائش عراق، ہندوستان، مصر اور یونان کی میتھالوجی (علم الاصنام) میں ممکن ہے، اس قسم کے نام عرب میں صرف چند ہیں اور جو ہیں ان میں کلب (کتا) نمل (چیونٹی) ثعلب (لومڑی) کونسی گرامی قدر ہستیاں ہیں جن کے انتساب سے خاندان کی بنیاد قائم ہو، اور یہ اُس قسم کے نام ہیں جن سے اس زمانہ روشن کا طبقہ متمدن بھی خالی نہیں، تم نے بعض انگریزوں کے نام فوکس FOX (لومڑی)، بل Bull (بیل) سنے ہوں گے، کیا یہ بھی طوطمیت ہے؟

ادبیاتِ اسرائیلیہ

یہودیوں میں حضرت موسیٰ کے عہد سے سنہ ۶۰۰ء تک جو ظہورِ اسلام کا زمانہ ہے متعدد کتابیں وحیِ الٰہی یا قوتِ انسانی سے ترتیب پائیں، اور چونکہ قرآن مجید اور یہ کتبِ اسرائیلیہ ایک ہی مقصد سے انسانوں کو دی گئیں، اس لئے ان میں اکثر حالات و قصص کا باہم اشتراک ہے اس سلسلہ میں ایک عجیب نکتہ وہ اضافہ و اسقاط ہے، جو قرآن نے ان کتابوں کے مطالب میں کیا ہے، جہاں قرآن نے اسقاط کیا ہے حقیقت میں وہ شے وحیِ الٰہی یا مقصودِ قرآنی سے خارج تھی، اور ہر شخص کو نظر آئے گا کہ وہ خارج کرنے کے لائق تھی، اور جہاں اضافہ ہے، درحقیقت وہ اس واقعہ کا اصل نکتہ تھا جس کو ان کتابوں نے جن میں انسان کے ہاتھوں نے کام کیا ہے، گرا دیا تھا اور قرآن نے جو تکمیلِ کتب اور وحیِ اولین کی تصدیق و تصحیح کے لئے آیا تھا، اس کو اپنے موقع پر جگہ دی۔

ادبیاتِ اسرائیلیہ کا مجموعہ توراۃ کتبیم، نبیّم، ترگوم، مدراش اور تالمود سے عبارت ہے۔

توراۃ ایک عبری لفظ ہے جس کے معنی شریعت اور قانون کے ہیں، اس نام کا اطلاق حضرت موسیٰؑ کی پانچ کتابوں پر ہوتا ہے، یعنی سفرِ تکوین (در ذکر بدءِ کائنات، آدمؑ و حواؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحاق، اسمٰعیلؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ) سفرِ خروج (در ذکر موسیٰؑ، فرعون، بنی اسرائیل و تفصیلِ قانون) سفر الاحبار (شریعت و قانون، حلال و حرام)، سفر العدد (در ذکر تعدادِ بنی اسرائیل، وقتِ خروج از مصر و غزواتِ موسیٰ و بعض احکام شریعت) سفر الاستثناء (در ذکر قوانین و احکام شریعت)۔

نبییم نبی کی جمع بقاعدۂ عبری "ی" اور "م" کے ساتھ ہے، عربی قاعدہ سے نبیین کہنا چاہیے، نبیم انبیاے بنی اسرائیل کے کلام و مواعظ و مراثی کا مجموعہ ہے، جن میں بہت سی تاریخی باتیں بھی ضمناً مذکور ہیں، خصوصاً سفرِ یوشع و سفرِ القضاۃ و سفرِ سموال و سفرِ الایام و سفرِ الملوک کہ ان میں صرف تاریخی واقعات ہیں، اکثر توراۃ کا اطلاق توراۃ اور نبییم دونوں پر ہوتا ہے اور ان میں سے بعض کو کتبیم بھی کہتے ہیں۔

ترگوم یا ترجوم یعنی ترجمہ و بیان، ترگوم آرامی زبان میں توراۃ و نبیم کی تفسیر و توضیح کام ہے، جو ربّیون

(ائمہ یہود) نے انبیا کی زبانی یادداشت و روایات کی بنا پر کی، اس کی تصنیف کا زمانہ ۶۰۰ قبل مسیح سے ۱۰۰ء تک ہے۔

مِدراش کا درجہ ہمارے ہاں کی احادیث کا ہے، لفظ مدراس اور عربی "درس" ایک چیز ہے۔

تالمود یا تلمود فقہ اسرائیلی ہے جس کی بنیاد کتب سابقہ پر ہے اور جس کی ترتیب ابواب پر قائم کی گئی ہے (لفظ تلمود عربی میں تلمیذ ہے جس کے معنی "تعلیم وعلم" کے ہیں۔

یہود کے ہاں یہ تمام کتابیں مستند ہیں، نصارٰی صرف توراۃ کتیم اور بنیم کو تسلیم کرتے ہیں اور ان ہی کے مجموعہ کو وہ عہدِ عتیق کہتے ہیں، ان کتابوں پر تفصیلی بحث و نقد اور اسلام میں اُن پر اعتبار اور ان کے مختلف نسخے، یہ بیانات کسی دوسری جلد میں مشرحًا انشاء اللہ مذکور رہوں گے، اس وقت یہاں ان کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ چونکہ ارض القرآن کو ان کتابوں سے نہایت شدید تعلق ہے، اور ان کا ذکر بار بار آئے گا، اس لئے ان کا اجمالی علم ناظرین کے پیشِ نظر رہے۔

اسلام میں جو اسرائیلیات کا سرمایہ ہے وہ زیادہ تر ان ہی ترگوم، مدراس اور تالمود سے ماخوذ ہے۔

ادبیاتِ یونانیہ و رومانیہ

یونانی اور رومانی مؤرخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے جستہ جستہ اور متفرق طور پر اُن ملکوں اور قبیلوں کا ذکر کیا ہے جن کا قرآن میں نام ہے، ان میں سے بعض مصنفین خود ان قبیلوں اور قوموں کے معاصر تھے اس لئے اُن کی اطلاع قابلِ اطمینان ہے، ان کا سلسلہ ہیرو ڈوٹس المتوفی سنہ ۴۰۶ قبل مسیح سے چھٹی صدی عیسوی کے مؤرخوں تک ختم ہوتا ہے، ان مؤرخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں میں ہیروڈوٹس (سنہ ۴۰۶ ق م) تھیوفراسٹس (سنہ ۳۱۲ ق م) ڈیڈورس (سنہ ۸۰ ق م) اسٹرابو (سنہ ۲۴ ق م) پلینی (سنہ ۷۹ء) پریپلوس (سنہ ۸۰ء) بطلیموس (سنہ ۱۴۰ء) قابل ذکر ہیں، ان میں سے ہیروڈوٹس، ڈیڈورس، اسٹرابو، پلینی اس باب میں مشہور ہیں اور بطلیموس مشہور تر۔

ہیروڈوٹس مسیح سے ۴۰۰ برس قبل تھا، اس نے یونان و ایران کی تاریخ لکھی ہے اور اسی ضمن میں مصر، افریقہ اور عرب کا بھی تذکرہ کیا ہے، یونان کا تعلق عربوں سے گو براہ راست نہ تھا لیکن یونان و فارس کے باہمی محاربات میں عربوں نے اہلِ فارس کا ساتھ دیا تھا، اس لئے اس قوم کا ذکر ضروری ہوا، چنانچہ ہیروڈوٹس نے اسی حیثیت سے عربوں کا ذکر کیا ہے، ہیروڈوٹس کی تاریخ کا عربی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔

ملک عرب کی نسبت ہیروڈوٹس کا علم نہایت نامکمل تھا، اُس کا خیال تھا کہ عرب سب سے آخری جنوبی ملک ہے جس کے بعد کوئی آبادی نہیں دوسری طرف وہ خلیجِ فارس سے جو عرب کو فارس سے علٰحدہ کرتی ہے، ناواقف تھا اس لئے اس کا بیان ہے کہ عرب کی زمین فارس کی زمین سے ملحق ہے۔

ہیروڈوٹس کے یک صدی بعد اسکندر اعظم، ایران و مصر پر حملہ آور ہوا، اور اس طرح اس کے ساتھیوں کو سنہ ۳۲۵ ق م میں خلیج فارس اور سواحلِ عرب کا علم ہوا، اس نے چاہا کہ عرب کی غیر مفتوح زمین کو بھی اپنے قبضۂ اقتدار میں لائے، لیکن دوسرے سال وہ خود موت کے قبضہ میں تھا، تاہم چونکہ اب یونانیوں کا مصر و فارس سے حاکمانہ تعلق پیدا ہو چکا تھا، اس لئے اسکندریہ اور خلیج فارس میں عرب تاجروں سے اُن کو اکثر واقفیت کا موقع ملا، اس زمانہ میں عرب یمن میں "معین" سبا اور

"قتاب" کی اور حجاز و بطرا میں "نبط" کی حکومتیں قائم تھیں، جن کے ساتھ ان کے دوستانہ و دشمنانہ تعلقات مختلف اوقات میں قائم رہے، ان وجوہ سے عرب کے متعلق پہلے سے وہ کچھ زیادہ جان سکے۔

اراٹستھینس Eratosthenes المتوفی ۱۹۶ھ ق م نے جو یونانیوں کے عہد میں کتبخانہ اسکندریہ کا مہتمم تھا، اسکندر کی مہمات سفر سے جو نتائج تازہ معلوم ہوئے تھے ان کے اضافہ کے ساتھ جغرافیۂ عام کی ایک کتاب لکھی، اس کی اصل کتاب گو ضائع ہوگئی، لیکن اس کے بعد ایک اور یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو نے اس کتاب کے چند ابواب اپنے جغرافیہ میں نقل کر لئے تھے، خوش قسمتی سے ان میں ایک عرب کا باب بھی محفوظ ہے۔ اراٹستھینس نے یمن کے قبائل سبا و معین اور ان کے تمدن کا اور نیز قبائل حضرموت کا اور عرب کاروان کے ان راستوں کا جو براہ قریہ Carra خلیج فارس کو اور براہ تہامہ راس خلیج عقبہ کو پہنچتے ہیں ذکر کیا ہے، اراٹستھینس کے تقریباً سو برس کے بعد سسلی کا مشہور مؤرخ ڈیوڈورس المتوفی سنہ ق م پیدا ہوا جس نے عرب کے بعض حالات کا نشان دیا، نبط کی حکومت کا ذکر کیا، اور سب سے عجیب یہ کہ کعبۂ مکرمہ کی طرف بھی اس نے اشارہ کیا،[1] افسوس ہے کہ اس کتاب کا زیادہ تر حصہ تلف ہو گیا ہے۔

عرب قدیم قوموں میں اپنے معدنیات اور موتیوں کے لئے مشہور تھا، اور تقریباً اسی کے واسطے سے چین کے مصنوعات اور ہندوستان کے خوشبودار عطر اور مسالے، مصر و شام و یونان و روم پہنچتا تھا، اب یونان کے بجائے پالٹیکس کی بساط پر روم آگئے تھے، اور انھوں نے رومی سردار ائلیس گالوس (Aelius Gallus) کی ماتحتی میں جنوبی عرب پر حملہ کیا اور عرب کا ایک حصہ انھوں نے فتح بھی کیا، لیکن عرب کے بے آب و گیاہ صحرا سے شکست کھا کر خود ان کے پیچھے جانا پڑا۔

اسٹرابو Strabo المتوفی ۲۴ھ ق م نے اپنی جغرافی تصنیف میں رومیوں کی اس مہم کا حال لکھا ہے، اس مہم میں نبطیوں کے علاوہ عرب کے دو شہروں کے نام آتے ہیں، نگرانا، (Negrana) اور ماریبا (Mariaba) جو صحیح طور سے "نجران" اور "شہر مارب" ہیں۔

اسٹرابو کے بعد پلینی (Pliny) المتوفی ۷۹ھ کا نام لینا چاہیئے جو کتاب تاریخ طبعی (Natural History) کا مصنف ہے، اس نے عرب کے مشرقی سواحل کا اور خصوصاً اس مہم کا ذکر کیا ہے جو رومیوں نے مشرقی سواحل کے اکتشاف کے لئے روانہ کی تھی۔

پلینی کے سو برس بعد دوسری صدی عیسوی میں اسکندریہ کا مشہور ہیئت دان و جغرافیہ نویس

---

[1] گبن جلد ۴ باب ۵۰

بطلیموس (Ptolemy) پیدا ہوا، اس وقت رومن طاقت اپنے عروج وکمال پر تھی، بطلیموس نے تمام دنیائے معمور ومعلوم کا ایک نقشہ تیار کیا، اور پھر اس نقشہ کی تشریح وتفصیل کے لئے جغرافیہ میں ایک کتاب[1] لکھی۔

اصل نقشہ گو مفقود ہو گیا، لیکن اس کی شرح اب تک موجود ہے، اور اب جو نقشے بطلیموس کے انتساب سے بنائے گئے وہ اسی شرح کے ہدایات وبیانات کے مطابق طیار کر لئے گئے ہیں بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عموماً ہپارخوس (Hipparchus) اور اراٹستھینس (Eratasthen) کی تقلید کی ہے لیکن بعض امور کا اس نے اضافہ بھی ضرور کیا ہے، مثلاً سب سے پہلے اسی نے عالم کو طول بلد اور عرض بلد پر منقسم کیا اور پھر اُن خطوط کے ذریعہ سے اس نے مقامات کی تعیین کی، اسی لئے بطلیموس کی یہ تصنیف باعتبار جغرافیہ طبعیہ (Natural Geog) یا جغرافیہ وصفیہ (Discription Geog) کے جغرافیہ فلکیہ (Asranimical Geog) سے زیادہ قریب ہے۔

بطلیموس نے خود عرب کی سیاحت نہیں کی تھی، اسکندریہ اس زمانہ میں عرب تاجروں کا مرکز تھا، اس نے ان ہی تاجروں اور کاروانوں سے دریافت کر کے عرب کا جغرافیہ ترتیب دیا، پہلے اس نے عرب کو تین طبعی ٹکڑوں پر تقسیم کیا ہے، عرب سعید یا عرب آبادان (Arabion Telix) یعنی یمن و حضرموت یا جنوبی عرب، شمالی عرب کے دو ٹکڑے کئے ہیں، عرب سنگستان (Aralian petra) اور عرب ریگستان (Arabian Desert)

بطلیموس نے عام طور سے عرب کے مشہور قبائل، شہر، گاؤں، پہاڑ، سواحل، تجارتی منازل اور تجارتی راستوں کو بیان کیا ہے، صرف عرب آبادان میں اس کے بیان مطابق ۱۱۴ آبادیاں تھیں لیکن چند ناموں کے سوا اب ان قبائل ومنازل کے نام خارج از فہم ہیں، اور جو فہم میں آتے ہیں وہ موجودہ صحیح عربی ناموں کے بالکل غیر مطابق ہیں، یہ واقعہ ہے لیکن اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔

ایک مشہور مصنف بن بری (Bunbury) نے بطلیموس کے اس ٹکڑے سے عام بد اعتقادی ظاہر کی ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ صرف فرضی اور مصنوعی ناموں کا مجموعہ ہے، لیکن جرمن مستشرق اسپرنگر (Springer) نے قدیم جغرافیہ عرب (Ancient gearaphy of Aralia) میں جو ۱۸۷۵ء میں شائع ہوئی، نہایت قابلیت سے بطلیموس کے ناموں اور مقاموں کا عرب جغرافیہ نویسوں اور

[1] عربی میں اس کتاب کا پہلا ترجمہ یعقوب کندی کی فرمائش سے ہوا لیکن یہ اچھا نہ تھا، اس لئے پھر ثابت ابن قرہ نے تیسری صدی ہجری میں اس کا دوسرا ترجمہ کیا، کتاب الفہرست صفحہ ۲۶۸ طبع لیڈن

موجودہ سیاحوں کے بیانات سے مقابلہ کیا ہے، اور ان کی صحت ثابت کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ چند ناموں کے سوا اور تمام ناموں کی تطبیق بہ تکلف ہو سکتی ہے، اور اس کی مثالیں ہماری کتاب میں جا بجا ملیں گی، بطلیموس کے جغرافیہ کے متعلق آج سے ایک ہزار برس پہلے مسلمان جغرافیہ نویس مسعودی اور پھر اس کے ۳۰۰ برس بعد دوسرے عرب جغرافیہ نویس یاقوت حموی خود یہی شکایت کر چکے ہیں[1] اور خاص عرب کے متعلق یہ شکایت اور زیادہ اس لئے نمایاں ہو جاتی ہے کہ قبائلِ عرب زیادہ تر بدویانہ زندگی کے عادی ہیں، اس لئے ان کے مقامات کی تعیین نہایت مشکل ہے، پھر بطلیموس کی قافلوں اور کاروانوں کی زبانوں سے ان کی تحقیق، اور یونانی حروف ولہجہ میں ان کی تعبیر اور پھر انقلابات وحوادثِ روزگار کا تواتر، کاتبوں کی جہالت اور ناآشنائی فن، ان وجوہ سے قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ ایک لفظ اپنے اصلی صحیح مخرج سے کہاں کہاں جا پڑا ہو گا[2]۔

ان یونانی الاصل اور رومانی النسب مصنفین کے علاوہ اسی زمانہ کا ایک یہودی مصنّف بھی قابلِ ذکر ہے یعنی یوسیفوس یہ رومیوں کے عہد میں تقریباً پہلی صدی مسیحی میں اسکندریہ میں مقیم تھا، یونانی اور لاطینی (رومانی) زبانوں میں اس کی متعدد تصانیف یہودیوں کی تاریخ اور مذہب کے متعلق ہیں، اور انگریزی میں اُن کے ترجمے ہو گئے ہیں، ان کتابوں سے بھی ارض القرآن کے لئے مواد ہاتھ آیا ہے، اس کی تین کتابیں میری نظر سے گذری ہیں، قدامت یہود، کاربات یہود اور فلسفہ یہودیت، یہ تمام تصنیفات متعدد وجوہ سے نہایت اہم سمجھی جاتی ہیں، جن کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ اس عہد قدیم کا وہ تنہا یہودی مؤرخ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ جو اس کے بعد تباہ و برباد ہو گیا ہے، اور جس کی تباہی و بربادی کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا ہے، اس وقت موجود تھا، بابل اور مصر کی قدیم تاریخیں وہاں موجود تھیں، یوسیفوس نے ان بابلی و مصری تاریخوں سے بابل و مصر کی قدیم تاریخ کے اقتباسات نقل کئے ہیں، بابل و مصر کی قدیم تاریخ کی تاریکی میں صرف یہی اقتباسات روشنی کی چند کرنیں ہیں، ان دونوں ملکوں کی نسبت تاریخی حیثیت سے جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف یہی چند اوراق ہیں۔

بابل کے جس مورخ کا ذکر یوسیفوس نے کیا ہے اس کا نام بروشوش ہے اور دوسرے مصری مؤرخ کا نام مانیثون ہے، ان دونوں کے اقتباسات نہایت اہم ہیں اور ان سے ہم نے کام لیا ہے۔

---

[1] اس فصل کے لئے دیکھو مروج الذہب مسعودی ص ۱۰۳ جلد ۱ علی نفح الطیب، مصر، یاقوت

[2] Penetration of Arabia by Hogarth PP1-24

اکتشافاتِ اثریہ

یمن، حضرموت، حوران، تدمر، بطرا، علا، مدائن، صالح، صفا، حجر، حجاز، عراق اور مصر میں قدیم عربوں کے بہت سے آثار، عمارات اور یادگاریں ہیں، جن میں ہزاروں کتبے اور نقوش کھدے ہیں، ان کتبات ونقوش سے علمائے آثار قدیمہ نے عجیب وغریب نتائج استنباط کئے ہیں، یہ کتبات اور نقوش زیادہ تر حمیری (مسند) سبائی، آرامی اور نبطی خط میں ہیں، دولتِ بنی امیہ اور عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ تاریخی مذاق مجتہدانہ حیثیت رکھتا تھا، ان آثار کی تحقیقات کی گئی اور ان میں سے اکثر خطوط اور زبانوں سے اُس عہد کے علما واقف تھے، ذوالنون مصری جو دوسری صدی میں تھے، مصر کے خط برابی (ہیروگلفی) پڑھتے تھے۔

حمیری محقق، علامہ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" اور اکلیل میں، تمام مشہور آثار کے نام گنائے ہیں، اور ان کے تفصیلی حالات کے لئے اپنی کتاب "اکلیل" کا حوالہ دیا ہے، قلعہ ناعط جو سلاطینِ یمن نے پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کیا تھا، اسلام سے تقریباً پندرہ سو برس قبل کی تعمیر ہے، وہب بن منبہ نے (جنھوں نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا) اس کا ایک کتبہ پڑھا تھا، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"یہ ایوان اس وقت تعمیر کیا گیا جب کہ ہمارے لئے مصر سے غلہ آتا تھا"

وہب کا بیان ہے کہ میں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو سولہ سو برس سے زیادہ گذر چکے[1]

چنانچہ یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر ناعط) میں اس کا ذکر کیا ہے، امرا القیس کا یہ شعر:

هوالمنزل الآفِ من جوِّ ناعطٍ　　بنيِ اسد حزنًا من الارض اوعرا

یہ وہ ہے جو ناعط کی بلندی سے ہزاروں آدمی زمین پر لا سکتا ہے۔

اسی قلعہ کی شان میں ہے۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں (۴۰ھ سے ۵۰ھ تک) عبد الرحمن، مصر کے گورنر تھے انھوں نے حضرموت کے منہدم شدہ قلعہ "حصنِ غراب" پر جو کتبہ پایا تھا اس کا ترجمہ عربی زبان میں حسبِ ذیل ہے۔

---

1. معجم البلدان ذکر ناعط

و نصطاد صید البر بالخیل والقنا	ہم گھوڑوں اور برچھوں سے خشکی کا شکار کرتے
وطورًا نصید النون من لجج	ہیں، اور کبھی دریا کی تہ سے مچھلیاں نکال لاتے
البحر یلینا ملوکٌ یبعدون عن	ہیں، ہمارے حکمران وہ سلاطین ہیں جو بدکاری سے
الخنا شدیدٌ علی اھل الخیانۃ	بہت دور ہیں اور غداروں اور خیانت
والعذر تقیم لنا من دین ھود	کاروں کے حق میں بہت سخت ہیں، وہ ہمارے
شرائعًا و نومن بالآیات والبعث	لئے ہود کے مذہب کے مطابق شریعت قائم
والنشر اذا عدو حل ارضا یدُنا	کرتے ہیں اور ہم احکام الٰہی اور بعث و نشر پر
برزنا جمیعًا بالمثقفۃ السمرؔ[1]	ایمان لائے ہیں، جب کوئی دشمن ہماری زمین
	کا قصد کرتا ہے تو ہم گندم گوں نیزے لے کر
	نکل پڑتے ہیں۔

یہ کتبہ علامہ نویری نے اپنی تاریخ مسالک الابصار میں نقل کیا ہے، لیکن تاریخ مذکورہ اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں ہے، فارسٹر صاحب نے نویری کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے، اور ہم نے فارسٹر کی کتاب سے۔

۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مشن یمن بھیجا تھا، اس کو یہی کتبہ اصل قدیم حمیری خط میں ملا، اصل کتبہ عاد کے ذکر میں آئے گا، یہ کتبہ فارسٹر صاحب کی تحقیق کے موافق قوم عاد کا ہے اور عرب کے قدیم ترین کتبات میں سے ہے، جس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اٹھارہ سو برس قبل ہے، فارسٹر صاحب نے اپنے تاریخی جغرافیہ (صفحہ ۹۰، ۹۱) میں اس کا جو ترجمہ کیا ہے نویری کے ترجمہ سے بہت کم مختلف ہے۔

مورخ کلبی کے زمانہ میں قبیلہ ذوالکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک تخت پایا جس پر ایک مردہ لاش پڑی ہوئی تھی، اس کے سامنے ایک زریں میز تھی جس پر سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا، اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہوگی)۔

بسم اللہ ربّ[2] حمیرؔ انا حسان	اللہ کے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں عمرو نفیل
بن عمرو النقیل	کا بیٹا حسان ہوں

[1] دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیہ صفحہ ۹۰ تا صفحہ ۹۳ فارسٹر صاحب نے بعض اشعار غلط نقل کئے ہیں ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے [2] معجم البلدان لفظ شبعین

حماد روایہ کے بھانجے نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر قوم عاد کا ایک تیر پایا تھا، جو پتھر میں پیوست تھا، اس پر یہ شعر لکھے تھے[۱] (یہ اصل شعر نہیں، بلکہ ترجمہ ہے)

الا ھل الیٰ ابیات شمخ بذی اللّوٰی	لَوٰی الرمل من قبل الممات معادٌ
مقام ذو اللوٰی میں جو مکانات ہیں !	کیا مرنے سے پہلے پھر وہاں جانا نصیب ہو گا
بلادٌ بھا کنّا وکنّا نحبّھا	اذ الاھل اھلٌ و البلادُ بلادٌ
یہ وہ شہر ہیں جہاں ہم رہا کرتے تھے اور ان سے	محبت رکھتے تھے جب لوگ لوگ تھے اور شہر شہر تھے

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب سے ایک قبر کھل گئی تو ایک عورت کی لاش نکلی جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصع انگوٹھیاں تھیں، اس کے سرہانے ایک لوح تھی، جس پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا :۔

باسمك اللّٰھم الٰہ حمیر انا تاجۃ	تیرے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں ذو شفر
بنت ذی شفر بعثت مایرنا الی یوسف	کی بیٹی تاجہ ہوں میں نے اپنے قاصد کو یوسف
فابطاء علینا فبعثت لاذتی بمد من	(علیہ السلام) کے پاس بھیجا تھا، اس نے جب
ورق لتاتینی بمدٍّ من طحینٍ فلم	دیر لگائی تو میں نے چاندی، پھر سونا بھیجا کہ
تجدہ فبعثت بمدٍّ من ذھب فلم	آدھ سیر آٹا لے آئے، لیکن کچھ حاصل نہ ہوا،
تجدہ فبعثت بمدٍ من بحریّ فلم	پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جواہرات پیس کر
تجدہ فامرت بہ فطحن فلم انتفع بہ	آٹا بنایا جائے، لیکن وہ بیکار رہا، جو شخص میرا
فاقتعلت فمن سمع بی فلیرحمنی و	حال سنے اس کو میرے حال پر رحم کرنا چاہیئے
ایۃ امرءۃ لبست حلیا من حلتی فلا	جو عورت میرے زیور پہنے گی وہ میری ہی
ماتت الا میتتی[۲]	موت مرے گی۔

یہ کتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا ہے اور اس سے اُس قحط کی تصدیق ہوتی ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اس قدر زمانہ قدیم سے تحریر کا رواج تھا، اور یہ کہ حمیر اللہ کو اپنا معبود سمجھتے تھے۔

حمزہ اصفہانی المتوفی ۳۷۰ھ نے ایک حمیری کتبہ کا ذکر کیا ہے جس کی عبارت[۳] یہ تھی۔

---

[۱] معجم البلدان لفظ شمخ [۲] اس کتبہ کو فارسٹر صاحب نے بھی اپنے جغرافیہ کے صفحہ ۱۰۳ میں مع انگریزی ترجمہ کے نقل کیا ہے۔ [۳] تاریخ ملوک الارض ص ۱۱۰ کلکتہ۔

"بنام خدا شمر یرعش (شاہ حمیر) نے آفتاب و بی کے لئے یہ بنایا۔"

ابن حائک ہمدانی حمیری المتوفی ۳۳۴ھ آثار عرب کا سب سے بڑا ماہر تھا، اس نے اپنی تصنیف "اکلیل" کا آٹھواں باب مخصوص اسی موضوع پر لکھا ہے، ہمدانی کے علاوہ مقدسی نے اپنے سفرنامہ میں، یاقوت نے اپنی معجم میں، نویری نے اپنے جغرافیہ میں اور قزوینی نے اپنی آثار البلاد میں اس قسم کے آثار و کتبات کا ذکر کیا ہے۔

بہر حال یہ ایک ادھوری کوشش تھی، اہل یورپ نے اس شاخ کو بیحد ترقی دی ہے اور اس میں بے انتہا برگ و بار پیدا کر کے اس کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔

علمائے خطوط قدیمہ نے ان کتابات و نقوش کو اس طرح حل کیا ہے کہ ان سے عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق عجیب و غریب اکتشافات حاصل ہوتے ہیں، اہل یورپ کو پہلے پہل ان مقامات کے اکتشاف اور تحقیق کا خیال پیدا ہوا جو توراۃ میں مذکور ہیں، ان مقامات کا بڑا حصہ عرب میں واقع ہے، اس سلسلہ سے ان کو بابل، مصر، فلسطین، حوران اور عرب کے آثار کی طرف توجہ ہوئی ہم کو جن آثار سے تعلق ہے وہ صرف عرب کے آثار ہیں، اس لئے ہم اُنہی کی تشریح کرتے ہیں۔

نیوبھر (Niebuhr) عرب کا سب سے پہلا یوریپن سیاح، اور عرب کے اثریات کا سب سے پہلا مکتشف ہے ۱۷۶۲ء میں یہ یمن کی طرف تنہا عازم ہوا، اس کے بعد محمد علی پاشا خدیو مصر اور وہابی امیر نجد کی جنگ شروع ہوئی اور یورپ نے مصر کا ساتھ دیا، اس وقت یورپ کو سیاحت عرب کا سب سے پہلا اور سب سے بہتر موقع نصیب ہوا، یوریپن افسر مصری فوج کے ساتھ اس جنگ میں کثرت سے شریک تھے، ہم بدنیت نہیں، لیکن کہتے ہیں کہ باستثنائے چند علمی ذوق کے علاوہ سیاسی تحریکات بھی اس مشاہدہ و تحقیق کی محرک تھیں، خصوصاً جب کہ یہ نظر آتا ہے کہ ان سیاحوں کی صف میں ایسے اشخاص بھی شریک ہیں جن کے ہاتھ قلم سے زیادہ تلوار سے مانوس ہیں۔

ان سیاحوں کے حالات و اکتشافات و تحقیقات پر انگریزی میں ہوگارتھ (D.G. Hogarth) نے ایک مستقل کتاب ۲۵۰ صفحوں میں لکھی ہے اور وہ ہمارے سامنے ہے لیکن مصنفین انسائیکلوپیڈیا برٹینکا[۱] نے نہایت ایجاز کے ساتھ اس کا اختصار کیا ہے، اس لئے ہم اُسی کا اقتباس یہاں درج کرتے ہیں، گو یہ بحث بڑھ جائے گی، لیکن چونکہ ہماری زبان اب تک ان عبرت انگیز لیکن مفید اطلاعات سے خالی ہے (۱۶ برس ہوئے میں ہی نے الندوہ میں اس موضوع پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھا تھا) اس لئے

۱ Vol. II Art. Arabia p. 11

طولِ بیان بے موقع نہ ہوگا۔

اس مضمون کے دو ٹکڑے ہیں، عرب کے کن اقطاع میں اہلِ یورپ کا گذر ہوا؟ اور وہاں کیا آثارِ قدیمہ اُن کو نظر آئے؟

عرب کے کن اقطاع میں اہلِ یورپ کا گذر ہوا؟

یمن چونکہ یمن مشرق و مغرب کے درمیان کا رہ گذر ہے اور نیز دیگر اقطاعِ عرب سے اس کا مشاہدہ اور سیر و سیاحت زیادہ سہل ہے، اور یہاں آثار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں، اس لئے اہلِ یورپ نے پہلے یہیں قدم رکھا۔

عرب کا سب سے پہلا یورپین سیاح جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، نیبوہر نامی ہے یہ ڈنمارک گورنمنٹ کی طرف سے ایک جماعت کے ساتھ ۱۷۶۱ء میں عرب کو روانہ ہوا، ایک سال مصر اور جزیرہ نمائے سینا میں صرف کرنے کے بعد یہ جماعت ۱۷۶۲ء کے آخر میں جدہ پہنچی، پھر شمالی یمن کو روانہ ہوئی، یہاں سے تہامہ (عرب زیریں) ہوتے ہوئے بیت الفقیہ، زبید اور مخا پہنچی جو یمن کے خاص آباد شہر ہیں، پھر مشرق کی جانب کوہستانی مقامات کو قطع کرتی ہوئی عدن آئی، یہاں سے مشرق کی طرف آگے بڑھ کر جبلہ پہنچی جو چند پہاڑیوں کے وسط میں جن کی بلندی سطحِ آب سے دس ہزار فیٹ تک ہے، واقع ہے پھر اس نے جنوب کا رُخ کیا اور تیز ہو کر براہِ حیص و زبید، مخا پہنچی، یہاں اس کے ایک ممبر کا انتقال ہو گیا، دوسری بار اس وفد کے بعض ممبر جون ۱۷۶۳ء میں تیز پہنچے، جہاں سے انھوں نے یمن کے دار الحکومت صنعاء کا رُخ کیا، جس کے قریب اس وفد کا ایک اور ممبر مر گیا، لیکن اس سے اور ممبروں کی ہمت میں کوئی فرق نہ آیا، یہاں سے وہ ضمار آئے جہاں زیدی فرقہ کا جو یمن کا شاہی مذہب ہے، ایک بہت بڑا دار العلوم ہے اور جس میں زمانہ مذکور میں ۵۰۰ طالب علم تعلیم پاتے تھے، ضمار سے پھر وہ صنعاء پہنچے اور صنعا میں دس روز کے قیام کے بعد پھر مخا پہنچے اور یہاں سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے، اس اثناء میں تین اور ممبر شدائد سفر سے ہلاک ہو گئے۔

نیبوہر جو اس وفد کا سرعسکر تھا، ان متواتر حوادثات سے ذرا بھی پژمردہ نہ ہوا، وہ پھر عرب آیا، اور عمان، خلیجِ فارس اور بصرہ ہوتا ہوا شام و فلسطین سے ڈنمارک پہنچ گیا۔

اس وفد کے نتائجِ سفر نیبوہر نے ۱۷۷۲ء میں شائع کئے، جن سے سب سے پہلی بار علمی اور تحقیقی طور پر یورپ کو نہ صرف یمن سے بلکہ تمام عرب سے اطلاع ہوئی۔

عسیر عسیر گو اب الگ ہے لیکن درحقیقت وہ یمن کا ٹکڑا ہے، ہرنبرگ (Hrenbergh) اور ہمپرچ (W.F hempnich) نے ۱۸۱۵ء میں تہامہ اور جزائر سواحل عرب کا سفر کیا، اور ۱۸۳۶ء میں بوٹا (P.H.Botta) نے نباتاتی تحقیقات کی غرض سے جنوبی عرب کی خاک چھانی لیکن یورپ جغرافیہ عرب کے لیے نیبوہر کے بعد فرانسیسی افسر ٹمیزر (M.O.Tamisier) شڈیفاؤ (Chedufeau) اور ماری (Mery) کا ممنون ہے جو مصری فوج کے ساتھ عسیر آئے تھے

جوف اور مارب ارناڈ (Arnaud) پہلا یورپین ہے، جس نے "جنوبی جوف" کا اور "مارب" کے حجری کتبوں کا مشاہدہ کیا، اور سدِ عرم کا نقشہ تیار کیا، اس اطلاع سے مشہور اثری (ارکیالوجسٹ) ہالوے (Halevy) مشتاق ہو کر ۱۸۶۹ء میں عازمِ عرب ہوا۔ ہالوے پہلے صنعا پہنچا، پھر صنعاء سے شمالی مشرقی جانب المدید آیا جو پانچ ہزار عرب باشندوں کا مسکن اور ضلع نجم کا مرکز ہے۔

ہالوے نے یہاں ایک سطح مرتفع کو قطع کیا جہاں اس کو متعدد شکستہ عمارات اور منہدم میناروں کا نشان معلوم ہوا، پھر وہ قریہ مجزر میں پہنچا، جو جبل یام وجوف کے حدود پر واقع ہے، اور یہی اس کی عظیم الشان اثری تحقیقات کا مرکز ہے، یعنی یہیں اس کو قوم سبا کے نقوش اور کتبے ہاتھ آئے یہیں اس نے مقام معین کا پتہ لگایا، جو قبیلہ معین کا قدیم دار الحکومت تھا، یہیں قدیم یونانی جغرافیہ نویس پلینی کا نشان دادہ مقام "نشق" ملا، جہاں سبا کی فوج نے رومی لشکر سے جو بسر کردگی آلیوس گالیوس آئی تھی، ۲۴ سنہ ق، م میں شکست کھائی تھی،

الجبل سے ہالوے شمال کی طرف مڑا، اور نخلستانِ خب اور صحرائے اعظم کو قطع کرتا اُس سرسبز و شاداب قطعہ میں پہنچا جس کا نام "نجران" ہے، یہاں اس کو یہودیوں کی ایک آبادی ملی جس کے ساتھ اُس نے نخلستانِ مخلاف میں چند ہفتے گذارے، یہاں سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر مشرق کی جانب قریہ "مدینۃ المعہود" کے قریب بطلیموس کے بیان کردہ شہر نجرہ کا کھنڈر نظر آیا۔

جون ۱۸۷۵ء میں اس نے اس سرزمین میں قدم رکھا جو اُس کے سفر کی منزل مقصود تھی یعنی شہر "مارب" جو قوم سبا کا دار الحکومت تھا، یہاں اُس کو "مدینۃ النحاس" کے آثار ملے، اس مقام کا نام مدینۃ النحاس اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کے اکثر کتبات (نحاس) برنجی پتروں پر منقوش پائے گئے، اس مقام سے بجانب مشرق دو گھنٹے کی راہ پر ہالوے نے مارب کے اُس مشہور بندِ آب (سدِ مارب) کا پتہ لگایا، جس کو حمیریوں نے وادی شیوان کے عرض میں تعمیر کیا تھا، اور جو ملک میں آب رسانی کا تنہا ذریعہ تھا۔

ہالوے کے بعد مارب کا دوسرا یورپین زائر آسٹریا کا عالمِ اثریات گلازر (Glaser)

(۱۸۵۵ء تا ۱۹۰۸ء) ہے جس نے نیبوہر کے بعد علم آثار عرب کی سب سے زیادہ خدمت کی، اس نے دولتِ عثمانیہ کے زیرِ حفاظت صنعاء کی شمالی و مشرقی جانب کا مطالعہ کیا، ابھی وہ صرف سب سے پہلے، تاریخی مقام "خمر" تک پہنچا تھا کہ قبائلِ عرب کی باہمی جنگ سے واپسی پر مجبور ہوا، تاہم اس کو اتنا موقع مل گیا کہ وہ اس طرح مرتفع تک پہنچ گیا جو وادی فرید اور وادی خمرال کے درمیان واقع ہے اور جہاں پہلے حمیر کی آبادیاں تھیں۔ اور پھر ان دونوں وادیوں کے مقام اتصال کی دریافت کے لئے آگے بڑھا، تا آنکہ جوف میں پہنچ گیا۔

۱۸۸۹ء میں دوبارہ گلازر ترکی کی حکومت کے زیر حفاظت ملک عرب کو روانہ ہوا، اور خوش قسمتی سے بخیریت مآرب پہنچ گیا اور وہاں سے ۳۰ دن کے قیام کے بعد جدید حمیری نقوش وکتابات کی ایک کثیر تعداد اپنے ساتھ لے کر واپس آیا۔

حضرموت | جنوبی ساحل سے اندرونِ ملک میں جانے کی کوشش سب سے پہلے ۱۸۳۳ء میں کی گئی، جب دو انگریز افسر لفٹننٹ کروٹنڈن (C. Crutenden) اور ویلسٹڈ (J. R. Wellsted) سواحل عرب کی پیمائش کے لئے متعین کئے گئے، ان دونوں نے وادی میفعات میں "نقب الحجر" کے کھنڈروں کا معائنہ کیا، یہاں اور نیز مکلا کے پاس "حصن غراب" میں حمیری کتبات کا اکتشاف کیا، یہ سب سے پہلی دفعہ ہے جب حضرموت میں عربی تمدن کا سراغ ملا۔

ان کے بعد اوڈلف وان ریڈے (Adolph Von Wrada) ۱۸۴۳ء میں مکلا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا، اور پیغمبر ہود کی قبر جو حضرموت میں واقع ہے زائر بن کر شمال کی جانب وادیِ دوآن کی سطحِ مرتفع تک پہنچا، اور یہاں سے جنوبی صحرائے اعظم کی طرف روانہ ہوا، وادی دوآن سے واپسی میں وہ پہچان لیا گیا۔ اس لئے وہ جلد ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوا۔

۱۸۹۳ء میں ہرش (D. Hirsch) سلطان مکلا کے زیر حفاظت قصبہ سیوان اور تریم سے جو سلطان کے مقبوضات ہیں، آگے بڑھا، پہلے یہ وادی دوان پہنچا، جہاں اس نے قریہ نجران کے پاس قدیم عمارات اور کتبات کا کھنڈر پایا، یہاں سے وہ واپسی میں وادی ابن علی اور وادی ادیم ہو کر مکلا واپس آ گیا۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں پر تھیوڈور بنٹ (J. Theodore Bent) اور لیڈی بنٹ اس جماعت کے ساتھ جو گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ملک کی پیمائش کو گئی تھی، اسی نشانِ سفر پر حضرموت پہنچے، دونوں نے یہاں حمیر کی بہت سی یادگاروں کا اور کتبات کا معائنہ کیا۔

عمان | عمان میں جو ایک مدت سے انگریزی اقتدار کو قبول کر چکا ہے تعجب ہے کہ یورپین سیاح مسقط سے زیادہ آگے نہیں بڑھے، برٹکس دستہ، فورج جون ۱۸۱۰ء میں عمان گیا تھا، سو احل سے آگے نہیں بڑھا (J. R. wellsted) جس نے جنوبی عرب میں حضرموت کی تفتیش کی تھی ۱۸۳۵ء میں اب وہ شمالی عرب کی تحقیق کو نکلا اور مسقط پہنچا، مسقط سے جہاز پر وہ راس الحد تک آیا، پھر جنوب کی طرف صحرا کے کناروں تک قبیلہ بنو علی کے مسکن تک پھرا، پھر شمالی مغربی جانب کو وادی بیشہ اور سنجد ہو کر حضرموت کے قریب مقام شجر سے نکل کر ہندوستان چلا آیا۔

اسی طرح عمان سے ہو کر ۱۸۷۶ء میں کرنل مائلس (S. B. Miler) نے بھی ظہیرہ، القطا روغیرہ تہامات کی سیر کی۔

حجاز | حجاز میں غیر مسلم کا گذر مشکل ہے، اس لئے یہاں کے اکثر یورپین سیاحوں کو مسلمان بننا پڑا بعض ان میں بعد کو سچے مسلمان ہو گئے جیسے برکھارڈ جس کو مصری مسلمان شیخ برکات کہتے ہیں، اور بعض محض مصنوعی تھے جیسے حاجی برٹن (Sir Richard Burton) ان سفر ناموں میں ایک مسلمان کے لئے کوئی دلچسپی نہیں، کیونکہ ہر مسلمان بچہ اس کو جانتا ہے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات، اعمالِ حج کی کیفیت، قافلوں کی زندگی، عام بدویوں کے حالات، یہ ان سیاحوں کے سرمایہ سفر ہیں، جن کی یورپ میں بڑی قدر ہے۔

حجاز کا پہلا یورپین سیاح ایک اسپینی ہے جس کا نام بیڈے لیلچ (Badiay delich) یہ علی بے عباسی کے نام سے مسلمان بن کر ۱۸۰۷ء میں جدہ پہنچا اور حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ ہوا، یہ سب سے پہلا یورپین ہے جس کو شہر مقدس کی زیارت اور اعمال حج کے مشاہدہ کا شرف حاصل ہوا۔

حجاز کی سب سے عمدہ تصویر برکھارڈ نے کھینچی اور یورپ اس کے لئے اس کا ممنون ہے یہ جولائی ۱۸۱۴ء میں جدہ آیا، جب محمد علی پاشا خدیو مصر وہابیوں سے برسرِ پیکار تھا، برکھارڈ پہلے طائف پہنچا، پھر مکہ آیا، اور تین مہینہ یہاں شہر کے جغرافی اور ریاضی حالات کا مشاہدہ کرتا رہا، جنوری ۱۸۱۵ء میں مدینہ منورہ گیا، اور وہاں کے حالات کا بھی جغرافی و ریاضی نظر سے مطالعہ کرتا رہا، واپسی میں ینبوع ہو کر مصر پہنچا جہاں اس نے وفات پائی، اور بطریقۂ اسلامی مدفون ہے۔

انڈین آفیسر سر رچرڈ برٹن بھی برکھارڈ (برکات) (Burckhardt) کے بعد ایک مسلمان حاجی کی صورت میں حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچا اور یہاں کے جغرافی

اور طابوغرافی[1] ریاضی جغرافیہ) حالات کی سب سے زیادہ تحقیق کی، وہ جس راستہ سے ہو کر یکھے مدینہ گیا، اس راستہ پر اس سے پہلے کسی یورپین کا گذر نہیں ہوا تھا، برٹن کا ارادہ تھا کہ شمالی عرب سے ہو کر جنوبی عرب کو قطع کر کے عمان سے نکل جائے، لیکن قلت فرصت کی بنا پر وہ اس ارادہ سے باز رہا۔

اس سفر کے ۲۵ برس بعد حکومت مصر کی طرف سے وہ مدین میں سونے کی کان کی تلاش میں بھیجا گیا، سونے کی جو کان وہاں ملی اس میں سونا نکالنے کی کوششوں کے قدیم آثار معلوم ہوتے تھے برٹن کو اس وقت اس میں سونے کی مقدار بہت کم ملی، تاہم سونے سے زیادہ گراں اکتشافات اس کے ہاتھ آئے، یعنی اثری (ارکیالوجیکل) تحقیقات اور تخطیطی (ٹاپوگریفیکل) پیمائشیں، تمام سواحل مدین کی خلیج عقبہ کے راس سے وادی حمد کے دہانہ تک نہایت کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچیں۔

نجد | تمام اقطاع عرب میں سے نجد کا سفر اہل یورپ کے لئے انیسویں صدی کے اوائل میں زیادہ آسان تھا کیونکہ اس زمانہ میں محمد علی پاشائے مصر، نجد کے وہابیوں کے ساتھ سرگرم پیکار تھا، مختلف اغراض سے برٹش حکومت بھی محمد علی کی رفیق جنگ تھی، اس بہانہ سے متعدد برٹش افسر مصری فوج کے ساتھ تمام نجد کا نہایت آسانی سے سفر کر سکے۔

کپتان سیڈلیر (G. E. Saleer) ویلن (G. A. Wallian) (۱۸۴۹ء) پالگریو (W. G. Palgrave ۱۸۶۲ء) نے اسی مقصد نجد کے تعلق سے نجد، ریاض حائل، شمر اور حجانہ کا مشاہدہ کیا، ان کے مشاہدات و معائنات میں بجز عرب کے اجتماعی اور زرعی اور عام سفر کے واقعات کے کوئی علمی دلچسپی نہیں ہے، اور عجب نہیں کہ یورپ کے لئے یہ چیزیں بالکل نئی ہوں کہ پالگریو جیسے سطحی النظر کو بھی اکتشاف عرب کی مجلس میں یہاں ایک بلند درجہ دیا جاتا ہے

شمالی عرب | جنوبی عرب (یمن و حضرموت) کی طرح شمالی عرب بھی قدیم یادگاروں کا مخزن ہے جس میں حوا، اران، بطرا، تدمر، مدین، مدائن صالح، صفا اور العلا وغیرہ مقامات عتیق العمر اور کثیر الآثار ہیں، سب سے پہلا یورپین جس نے ان مقامات کا سفر کیا اور خصوصاً جس نے بطرا کے کھنڈروں کو دیکھا، برکھارٹ (۱۸۱۲ء[2]) ہے، چارلس ڈوٹے (Charles Doughty) ایک انگریز ہے جس نے ۱۸۵۷ء میں ان مقامات کا سفر کیا، وہ دمشق سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ روانہ

---

[1] طابوغرافی جس کو عربی میں تخطیط البلدان کہتے ہیں، وہ علم ہے جس میں مقامات کے جائے وقوع ایک مقام سے دوسرے شہر کا فاصلہ اس کا طول البلد اور عرض البلد وغیرہ مباحث سے بحث ہو۔

اور الحجر پہنچ کر مدائن صالح اور العلاء کے مشاہدہ و تفتیش کے لئے گیا اور وہاں سے مفید معلومات کا ذخیرہ ساتھ لایا اور مشہور مستشرق رینان (R enan) کے پاس پیرس یہاں کے کتبات نقوش اور مقابر کی لوحوں کی نقلیں روانہ کیں، رینان نے ہدایت کی کہ ابھی وہ صحرا کی طرف اور آگے بڑھے۔

ڈوٹے ایک شیخ قبیلہ کی زیر نگرانی حجاز اور نجد کے درمیان تمام قطعۂ ملک میں پھرا، وہ تیماء گیا، جہاں اس نے متعدد قدیم یادگاریں دیکھیں جن میں ایک مشہور یادگاری پتھر بھی ہے جس پر کچھ عبارت کندہ تھی، موسم گرما میں وہ حائل گیا اور وہاں سے واپسی میں خیبر پہنچا، اور یہاں سے چند مہینوں تک دیگر مقامات کی سیر کے بعد جدہ واپس آگیا۔

ڈوٹے کے تین برس بعد ولفریڈ (Wilfrid) اور لیڈی بلنٹ (Lady Ann Blunt) نے ایک نوجوان شیخ عرب کی معیت میں جس کا خاندان تدمر میں سکونت پذیر تھا، عرب کا سفر کیا، یہ پہلے دمشق آئے اور وہاں سے سیدھے صحرائے شام کا رُخ کیا، پھر وہاں وادی شمران ہو کر جوف پہنچے، جوف سے جبل شمر ہو کر حائل پہنچے، جہاں ابن رشید امیر نجد نے ان کا نہایت تپاک سے استقبال کیا۔ ایک مہینہ کے قیام کے بعد یہاں سے ایرانی قافلۂ حجاج کے ساتھ یہ لوگ کربلا اور بغداد ہو کر نکل آئے۔

۱۸۸۲ء ایک فرینچ سیاح کی تاریخ سیاحت ہے، اس کا نام ہوبر (G. Huber) ہے ہوبر کی معیت میں ایک اور یورپین ارکیالوجسٹ یوٹنگ (Euting) نامی تھا، ان دونوں کے اکتشافات نے ڈوٹے کی ناتمام تحقیقات کی تکمیل کی۔

ہوبر کی تحقیقات اور اکتشافات عام حالات و واقعات سے بلند تر اور زیادہ علمی ہیں جس کی عرب کی ارکیالوجی اور ٹاپوگرافی نہایت ممنون ہے، ہوبر نے حائل اور تیماء کے درمیان بہت سے کتبات کا سراغ پایا، اور ڈوٹے کے بیان کردہ مشہور منقوش پتھر کو حاصل کیا جو موآب کی یادگار ہے اور جس کی سامی آثار میں نہایت گراں پایہ وقعت ہے۔

ہوبر یہاں سے عنیزہ آیا، اور وہاں سے براہِ راست نجد، نجد سے مکہ اور مکہ سے جدہ پہنچ کر خوش قسمتی سے اس نے اپنی تحقیقات و اکتشافات کا تمام سرمایہ یہاں چھوڑ دیا اور خود جولائی ۱۸۸۴ء میں اندرونِ ملک میں پھر آیا، جہاں وہ عربوں کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کی تحقیقات و اکتشافات کا مجموعہ اس کے بعد شائع ہوا۔

حدودِ سفر یورپین سیاحوں کے مقاماتِ سفر کا نقشہ اگر ہمارے سامنے ہو تو نظر آئے گا کہ نصف شمالی کو ہفوف سے مکہ تک انھوں نے بالکل چھان ڈالا ہے، نصف جنوبی میں ایک ثلث حصہ تو صحرائے اعظم

کا ہے جس میں سفرموت کے مرادف ہے، لبقیہ حصص میں باستثنائے جوف ونجران ویمن وہ سواحل سے نئو میل سے آگے نہیں بڑھے۔

تدمر کا نشان یورپ کو بہت پہلے مل چکا تھا، ڈاکٹر ولیم ہالیفکس (W. Halifax ۱۶۹۱ء) تدمر کا پہلا یورپین سیاح ہے، وہاں کے عمارات کی تحقیق ووڈ (Wood) اور ڈاکنس (Dawkins) نے ۱۷۵۱ء میں کی لیکن اپیگرافی کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابل قدر خدمات پرنس اباملک (Abamelek Lazarew) نے ۱۸۸۲ء میں اور (Waddington) اور (D. Vogu) نے (۱۸۹۲ء) میں انجام دی اور ان پر تصنیفات و رسائل ترتیب دیئے۔[1]

کیا کیا آثار عرب ان سیاحوں کو نظر آئے

مسلمان سیاح اور جغرافیہ نویسوں نے جن آثار عرب کا مشاہدہ کیا اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں، یہاں ہم صرف یورپین سیاحوں کے دیکھے ہوئے آثار عرب کا ذکر کرتے ہیں۔

یورپین سیاحوں نے آثار عرب کے پانچ اصناف قرار دیئے ہیں[2]

۱- آثار قبل تاریخ۔

۲- آثار شہر پناہ وقلعہ۔

۳- آثار بند (سد)

۴- آثار حجریہ ونحاسیہ (پتھر اور تانبے کے آثار)

۵- آثار عمارات منہدمہ قبل تاریخ۔

سیاحانِ مغرب کی تحقیق کے مطابق اس قسم کی یادگاریں بھی عرب میں پائی جاتی ہیں جن کی عمر تاریخ سے زیادہ بڑی ہے پالگریو نے اپنے سفرنامۂ عرب میں جس کا نام (Central and Eastern Arabia) ہے، بڑے بڑے ناتراشیدہ اور اَنگھڑ پتھروں کی ایک قدیم وعتیق عمارت کا ذکر کیا ہے جو نجد کے دامن کوہ میں بطور دائرہ کے ہے، آٹھ نو پتھر اب تک باقی ہیں، جن میں سے بعض کی بلندی ۱۵ فیٹ تک ہے، دو پتھروں کی لمبائی ۱۰ سے ۱۲ فیٹ تک ہے جو اب تک چھت کو سنبھالے ہوئے ہیں[3] ڈوٹے (Doughty) نے شمالی مغربی عرب میں سنگِ خارا کی ایک قطار کھڑی اور پتھر کی بڑی بڑی سلوں کا فرش دیکھا (جس کو وہ کوئی مذہبی عمارت نہیں خیال کرتا) اور مدوّر تودہائے خاک جابجا اس کو نظر آئے جو شاید مقبروں کے ٹیلے ہوں، وہاں بعض گول کمرے بھی اس نے دیکھے جو بغیر چونے

---

[1] برٹانیکا جلد ۲۰ ص ۶۵۴ [2] یہ باب تمام تر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲ ص ۲۶۲، ۲۶۳ سے مترجم ہے طبع یازدہم [3] برٹانیکا ج باب ۱۲

کے بنائے گئے تھے، عجب نہیں جو یہ پرانی قبریں ہوں، اس قسم کے ایک مقبرہ کا فوٹو ڈوٹے نے اپنے سفرنامہ میں دیا ہے جو "ہجر" میں واقع ہے۔

بنٹ (J. Bent) نے بحرین میں متعدد قدیم وکہنہ آثار کا نشان پایا جو اب بالکل تودۂ خاک ہیں اور جو غالباً قبریں معلوم ہوتی ہیں، یہاں کی بعض یادگاروں کے متعلق خیال ہے کہ وہ فینیشین ہیں۔

آثار شہر پناہ وقلعہ جنوب عرب میں جہاں عہد مسیح سے پیشتر ایک پر رونق تمدن موجود تھا، قلعوں اور شہر پناہوں کے منہدم آثار اب تک باقی ہیں، اور جن کا یورپین سیاحوں نے نامکمل طور سے ذکر کیا ہے یمن اور خصوصاً حضر موت میں اس قسم کی عمارتیں جن میں کہیں کہیں کتبے بھی ہیں اب تک موجود ہیں۔

شہر مارب جو حکومت سبا کا قدیم پایہ تخت تھا، اس کے آثار باقیہ کا اب تک نشان ملتا ہے آثار البلاد قزوینی کے حوالہ سے جرمن ایشیاٹک سوسائٹی جرنل نے (ج ۷، ص ۲، ۴۶۴، ۷۶۶ - ج ۱۰، ص ۲۰) اس قسم کی بعض عمارتوں کے حالات شائع کئے ہیں، ارناڈ، گلازر اور ہالوے نے بھی ان آثار کا مشاہدہ کیا، لیکن شومی قسمت سے ان کا اکتشاف زمانہ مستقبل سے متعلق رہ گیا کیونکہ ارناڈ اس بند آب (سد) کے اکتشاف میں مشغول[1] رہا، جو عجائب میں سے ہے اور ہالوے اور گلازر نے کتبات سے زیادہ دلچسپی لی۔

آثار بند (سد) عرب کا ملک قدرتی دریا سے محروم ہے اس لئے اس کی زرعی زندگی کا مدار زیادہ تر ان پہاڑی چشموں پر ہے جو بہ کر وادیوں میں پھیل جاتے ہیں، اور پھر وہ یا ریگستان میں خشک ہو جاتے ہیں یا سمندر میں گر جاتے ہیں، یہ چشمے پہاڑوں سے اس طرح ناگہانی طور سے ابل پڑتے ہیں کہ دور تک آبادیوں کو بے نشان کر دیتے ہیں، ان وجوہ سے قدیم عرب وادیوں میں بند آب تعمیر کیا کرتے تھے جس کو عربی میں سد کہتے ہیں، عرب کا مشہور ترین سد سدِ مارب ہے جس کو سد عرم بھی کہتے ہیں، تقریباً ڈیڑھ ہزار برس سے منہدم ہے، اور جس کی شکستہ دیوار اب تک زائرین عدن کے لئے نشانِ عبرت ہے[2]۔

یورپین سیاحوں میں سد مارب کا مشاہدہ سب سے پہلے ارناڈ نے کیا، لیکن اس کی اصلی اہمیت گلازر نے اس سد کے متعلق جو کتبات تھے ان کی ۱۸۹۷ء میں اشاعت سے ظاہر کی، ان کتبات سے اس سد کے متعلق تاریخی حالات بہت روشن ہو گئے ہیں۔

یمن میں حرآن کے پاس ہارس (Dr. B. Harris) نے ایک اور بند دیکھا ہے جس کا طول ۱۲۰

---

[1] سبا کے عنوان میں اس کی کسی قدر تفصیل ہے [2] اکتوبر ۱۹۲۰ء میں سفر یورپ ہوتے ہوئے الحمد للہ میں نے خود جا کر عدن میں اس نشان عبرت کو دیکھا ۱۹۲۴ء میں حجاز جاتے ہوئے پھر اس کی زیارت کی "سید سلیمان ندوی"

گز ہے، اور جس کے اوپر تین بڑے بڑے حوض بنے ہیں [1]

آثار حجریہ و نحاسیہ آثار قدیمہ کی یہ صنف سب سے زیادہ کار آمد ہے کہ ان پر اکثر کتبات منقوش ہوتے ہیں، ان سے تاریخی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، اور حلِ مطالب کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے جا سکتے ہیں، انیسویں صدی میں یورپ کے عام عجائب خانوں میں اور خصوصاً لندن، پیرس، برلن اور وائنا کے عجائب خانوں میں اس قسم کی چیزیں کافی تعداد میں موجود ہیں، جن میں سے اکثر پر "معین" اور "سبا" کی زبان میں اور بعض پر "حضرموت" اور "قتابین" کی زبان میں کتبات منقوش ہیں۔

حیرہ کے بادشاہ امرأ القیس کی قبر کا کتبہ ملا ہے، ایک کتبہ پر جو صفا کے پاس پایا گیا ہے قبیلۂ قریش کے مورث نزار کا نام مکتوب ہے [2]، یمن کے حصن غراب پر جو حمیری کتبے ملے ہیں، ان میں سے ایک کے نیچے "اوس" کا نام منقوش ہے، جو انصارِ مدینہ کی ایک شاخ کا جدِ اعلیٰ تھا اور جس کا مسکن یمن تھا [3]

یہ کتبات عموماً عام پتھروں پر، سنگِ مرمر پر اور نیز برنجی تختیوں پر منقوش ہیں، طول و بلندی میں ان کی مقدار کئی انچ سے کئی فیٹ تک ہے، باستثنائے بعض حالات جن میں خود اصل کتبات یورپ میں منتقل کر لئے گئے ہیں، اکثر صرف ان کے چربہ اور نقل پر قناعت کرنی پڑی ہے۔

یہ کتبات جن حروف میں لکھے گئے ہیں وہ فینشن (فینیسی) خط سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں، اور جو زبانیں ان میں استعمال کی گئی ہیں وہ ابھی تک علمائے السنہ کے زیرِ غور ہیں، تاریخی اور آثاری حیثیت سے اب تک جو کتبات ملے ہیں اُن سے کچھ زیادہ فوائد حاصل نہیں ہوتے، کیونکہ یہ کتبات اکثر مذہبی ہیں، جن پر زیادہ تر صرف عام اشخاص اور بادشاہوں اور دیوتاؤں کے نام کندہ ہیں، بعض جو تاریخی کتبات ہیں ان میں تاریخ مذکور نہیں، اس لئے ان کا اصل حقیقی زمانہ کے متعلق علمائے آثار مختلف الآراء ہیں، لیکن بہرحال قدیم تر تاریخ ان کتبات کی آٹھویں صدی ق۔م سے (اور گلازر کی تحقیق کے مطابق پندرھویں صدی ق م سے) چھٹی صدی عیسوی تک ہے۔

اس قسم کے بعض پتھر تو اب تک اپنے قدیم اصلی مقام پر گڑے ہیں، لیکن زیادہ تر پتھر ایسے ہیں جن کو قدیم مقامات سے اکھاڑ اکھاڑ کر لوگوں نے گھروں میں مسجدوں میں اور نئے کنوؤں میں لگائے ہیں ان آثار حجریہ میں سے بعض قربان گاہیں ہیں بعض دیوتاؤں کی مورتوں یا ان جانوروں کی طلائی مورتوں کے چبوترے ہیں جو دیوتاؤں کو نذر دیئے گئے ہیں، جو پتھر قدیم ہیں وہ عموماً نقش و نگار سے عاری ہیں لیکن جو متاخر زمانہ

[1] A. Journey through the Yemen P.279-11836

[2] انسائیکلوپیڈیا ج ا ص ۳۷۶ [3] کتبات حصن غراب ضمیمہ فارسٹر

کے ہیں، اُن میں پھول پتے بنے ہیں، یا بیل کے سر کا نقش ہے، یا مرد یا عورت کی تصویر بنی ہے، بعض آثار میں بابِل کے طرز کے مقدس مذہبی درخت کی تصویر ہے، جس کے سامنے اس کے پوجاری کھڑے ہیں، ان آثار کے علاوہ قبروں کی لوحیں، چونے کے پتھروں کے ٹکڑے، عمارات کے نقشے، اونٹ، گھوڑے چوہے یا سانپ وغیرہ کی برنجی مورتیں بھی ملی ہیں۔

مہر، سکہ، قیمتی پتھر (آسٹریا) کے دار الآثار نے اس قسم کی مہروں کی ایک قلیل تعداد حاصل کی ہے یہ مہریں عموماً پیتل، تانبے، چاندی اور پتھر کی ہیں، جن پر سبائی خط میں الفاظ کندہ ہیں، عرب کے جو قدیم سکے دستیاب ہوئے ہیں وہ اب کچھ تو برٹش میوزیم لندن میں اور کچھ وائنا میں ہیں، یہ عموماً یونانی قطع کے ہیں، لیکن ان پر جو کتبات ہیں وہ سبائی خط میں ہیں، لندن برٹش میوزیم میں جو سکے ہیں وہ عدن، صنعا، مارب میں ملے ہیں یا قسطنطنیہ سے خرید کرلائے گئے ہیں۔ وائنا کے سکے محقق ترین سیاحِ عرب گلازر کے نتائج عمل ہیں، بعض قیمتی پتھر بھی ملے ہیں، جو وائنا کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں، لیکن یہ تمام تر زمانہ مابعد کے ہیں، ان پر مختلف اشکال نقش ہیں، بعضوں پر عربی کتبے ہیں۔

عمارات منہدمہ جنوبی عرب (یمن و حضرموت) اور شمالی عرب (وادی القریٰ، حوران و بادیۂ شام) میں جو قدیم عربی حکومتوں کے مرکز تھے قصورِ شاہی، معابدِ دینی اور عام مقابر کی منہدمہ عمارتیں اب تک باقی ہیں، جنوبی عرب میں حضرموت میں اس قسم کی عمارتیں ہیں جن میں سے عدن کے پاس ایک انگریز سیاح نے "حصن غراب" کا نشان دیا ہے، شمالی عرب میں تدمر کے کھنڈر ہیں جن میں نازک و بلند ستون اب تک ایستادہ ہیں، معبدِ شمس کا نشاں باقی ہے، بعض رومی عمارات کے آثار بھی ہیں۔ بطرا جس کو عرب "حجر" اور یہود "سلاع" کہتے ہیں اور جو نبطیوں کا دار الحکومت تھا، آثار منہدمہ کا مدفن ہے، ایک اور عمارت کا نشان ہے جس کو "خزانہ فرعون" کہتے ہیں، ان ہی کھنڈروں میں ایک اور عمارت ہے جس کا نام "قصرِ فرعون" ہے، بعض معابد کے بھی آثار ہیں، بعض قبریں ہیں جو میناروں کی شکل میں ہیں، بعض عمارتیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی ہیں۔

تاریخ قدیم کے بعض اصول

تاریخ قدیم کی تدوین میں سب سے بڑی دقت زمانوں کی تعیین اور ناموں کے اتحاد و اختلاف کی پیش آتی ہے، ان کے متعلق چند اصول سمجھ لینا چاہئیں۔

اصول تعیین زمانہ جدید طرز تاریخ کی رو سے یہ نہایت ضروری ہے کہ قبائل کے زمانہ کی بھی تعیین کی جائے، لیکن درحقیقت یہ نہایت مشکل کام ہے کیوں کہ اس کی واقفیت کے صرف تین ذرائع ہیں، تورات[1] جو تفصیلی بیان سے بالکل خاموش ہے، روایاتِ عرب[2] جن میں تاریخ و سنین مذکور نہیں۔ آثارِ قدیمہ[3] اور الواح منقوشہ، جن سے صرف چند شاہانِ عرب کی تاریخ وفات یا تاریخ فتوحات معلوم ہوتی ہیں۔

عموماً کسی مجہول العہد قوم کی تعیین زمانہ کی یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ اُس کے معاصر معلوم العہد قوم یا شخص کے زمانہ سے اس کا قیاس کیا جاتا ہے، تعیین زمانہ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ عموماً چار پشتوں کی ایک صدی فرض کر کے پشتوں کے شمار سے زمانہ کی تعیین کر لی جاتی ہے، لیکن یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ کسی قوم کے وجود کی تاریخ اور اس کی شہرت اور ناموری کی تاریخ دونوں دو چیزیں ہیں، یہ ضرور نہیں ہے کہ اگر ایک قوم کی شہرت کا ایک زمانہ ہو تو وہی زمانہ اس کے آغازِ وجود کا بھی ہو، مثلاً بنو قحطان کی شہرت و ترقی کا زمانہ ہم عہد موسوی کے بعد پاتے ہیں، تو اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ عہد موسوی ہی اُن کے آغاز وجود کا زمانہ بھی ہو، دنیا کی ہزاروں قومیں ہیں جو ہزاروں برس تک خاموش اور مجہول زندگی بسر کرتی ہیں، اور پھر دفعۃً بعض اسباب سے نامور ہو جاتی ہیں، بلکہ فلسفۂ تکوینِ اقوام کے رو سے نہایت ضروری ہے کہ قوم کے آغازِ وجود کا زمانہ اس کے زمانۂ ارتقاء و شہرت سے سیکڑوں ہزاروں برس پیشتر ہو کہ ایک فرد کنبہ بن سکے اور ایک کنبہ قوم۔

اصول تطبیق اسماء ایک اور چیز جس سے کسی قدیم قوم کی جائے سکونت اور قومیت کی نوعیت کی تحقیق میں بڑی مدد مل سکتی ہے، اشخاص تاریخی اور اُن کے مقاماتِ سکونت کے ناموں کا یا دو قوموں کی زبان، اشخاص اور دیوتاؤں کے ناموں کا باہمی تطابق ہے۔

اشخاص و مقامات کے ناموں کا باہمی تطابق اُن اشخاص کے مقاماتِ سکونت کا پتہ دیتا ہے، اور دو قوموں کی زبان اور اُن کے باہمی اسماء کا تطابق ان کے اتحادِ قومیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلا طریقۂ تحقیق، تمام ممالکِ عالم سے زیادہ بلادِ سامیہ کے جغرافیۂ قدیم میں کارآمد ہے، کیونکہ سامی اقوام کا یہ خاص مذاق ہے کہ وہ مقاماتِ سکونت کے نام، بعینہٖ باشندوں کے نام رکھ دیتے ہیں جن سے نہایت آسانی سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ان اقوام کا کہاں مسکن تھا؟ اور ان کی اولادیں کہاں کہاں پھیلیں؛

مسٹر فارسٹر نے اٹھاویں صدی کے اواسط میں عرب کا جو تاریخی جغرافیہ (Historical Geography of Arabia) لکھا ہے، اُس میں اس اصول سے انھوں نے نہایت کارآمد نتائج پیدا کئے ہیں، گو محض مقامات پر اُن کے استنباطات، وہم و ظن سے آگے کا علم نہیں بخشتے، اور کہیں علم کے بجائے وہ جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

لیکن اس اصول کے اجرا میں دو بہت بڑی دقتیں پیش آتی ہیں، پہلی یہ کہ زمانہ کے امتداد، قوموں کے انقلابات، اور زبانوں کے تغیرات سے نام کچھ سے کچھ ہوگئے ہیں، اس لئے مقامات اور باشندوں کے ناموں میں تطابق کے بجائے کبھی صرف تشابہ پر قناعت کرنی پڑتی ہے، دوسری دقت جو پہلے سے سہل تر ہے یہ ہے کہ سامی زبانوں میں باہم اور نیز یونانی زبان میں جس میں توراۃ کا قدیم ترجمہ ہے اور اب زیادہ تر وہی پھیلا ہوا ہے، جب ایک نام ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتا ہے، تو بعض حروف خصوصیتِ زبان کی وجہ سے مبادلہ ہوجاتا ہے، مثلاً حسبِ ذیل حروف بیش ہیں۔

وہ حروف جو باہم بدل جاتے ہیں	مثال
ا اور ہ، ح، ع	اَجر اور ہاجر، اموداقی اور حموداقی، اسمائیل اور اسماعیل
پ اور ب، ف	پاران اور باران، فاران
ت اور ث	شیت اور شیث
تھ اور ث	تھمود اور ثمود
ث اور س، ص	عیثا اور عیسیٰ، عیصاؤ
ج اور غ، گ، ی	ہاجر، ہاغر اور اگر، حفطان، یقطان
س اور ش	سبا اور شبا
ص اور ض	حصارموت اور حضارموت
ض اور س، د، ڈ	اضحاک اور اسحاق، حدرموت، حضرموت
ط اور ت	نابط اور نابت
ع اور ا	یارح اور یرح

وہ حروف جو باہم بدل جاتے ہیں	مثال
غ اور ج، گ	ھاغر اور ھاجر
ق اور ک	اضحاک اور اسحاق، قیدار اور کیدار
م اور ن	عمرام اور عمران
ی اور ج، ع	یرح اور جرح یا جرہ، سیناد اور سنعاد

یہ تغیرات تو صاف ہیں، کہیں کہیں اوّل میں یا وسط میں یا آخر میں حروف کی زیادتی اور کمی بھی ہوتی ہے خصوصًا الف کی زیادتی اور کمی تو بہت عام ہے مثلاً حصار موت، حضرموت، ابی رھام، ابراھیم ھبل، ھابیل وغیرہ۔

اصول اتحادِ اسماء والسنہ، ہر قوم کے ناموں کی ایک خاص نوعیت اور ترکیب ہوتی ہے جس میں اس کی قومیت کا امتیاز مضمر ہوتا ہے، اقوام موجودہ میں ہندوؤں، مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے ناموں کی، اور پھر ان مذاہب مختلفہ میں سے مختلف ملکوں کے باشندوں کے ناموں کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے جس سے ان کی قومیت کا نشان ملتا ہے، اس بناء پر اگر دو قوموں کے ناموں میں باہمی تشابہ نظر آئے گا تو ہم نہایت آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں قومیں درحقیقت متحد الاصل ہیں، اسی طرح مذہبی اعتقادات کا تشابہ اور الفاظِ زبان کی مماثلت و مشاکلت بھی باہمی اقوام کے اتحادِ نسل کی ایک مبہم دلیل ہے۔

انتباہات

۱۔ عاد، ثمود، سبا، جرہم وغیرہ اکثر شخصی نام سمجھے گئے ہیں، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اصل میں قبیلوں اور قوموں کے نام ہیں، اس بناء پر اگر کہیں یہ مذکور ہے کہ "سب سے پہلی سلطنت سبا نے قائم کی" تو اس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ کسی شخص مسمیٰ بہ سبا نے قائم کی بلکہ حسبِ عاداتِ عرب بحذفِ مضاف "بنوسبا" سمجھنا چاہیئے، اس اصول کے تسلیم کر لینے سے اکثر درمیان میں خالی جگہوں کے پُر کرنے کے لیئے ناموں کے گڑھنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی، اور یہ کوئی نئی بات نہیں، عرب میں عموماً آبائے قبائل مثلاً کعب، اسد، کلب، مازن وغیرہ بول کر ابنائے قبائل یعنی بنو کعب، بنو اسد الخ وغیرہ مراد لیتے ہیں، اسی طرح اگر یہ مذکور ہے کہ عاد کی ہزار برس کی عمر تھی تو اس سے شخص عاد کی بجائے خاندانِ عاد مراد لینا چاہیئے۔

۲۔ دوسرا امر قابلِ ذکر یہ ہے کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اختلاف السنہ کی بنا پر نام بہت کچھ بدل جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک ہی شخص کا نام مختلف زبانوں کے تلفظ سے بگڑ کر ممکن ہے کہ وہ چند اشخاص کے مختلف نام سمجھے جائیں، یونانی، یورپین اور عربی زبانوں میں آج بھی ایک ہی نام کو دیکھو تو ان کے اختلافِ تلفظ سے سخت حیرت ہوگی، قرآن کے اعلام پر تو کئی ہزار برس گذر گئے مسلمان فلاسفر اور حکما جن کو گذرے ابھی ایک ہزار برس بھی نہیں ہوئے، یورپین زبانوں میں ان کے عجیب عجیب نام ہو گئے ہیں جن کو اصل سے کوئی تعلق نہیں اور کبھی کوئی عرب ان کو عربی نام نہیں تسلیم کرے گا، ابو علی بن سینا کو اویسینا (Avicenna) سے کوئی نسبت ہے؟ ابن رشد کو ادیروس سے کیا تعلق؟ ابن ہیثم کو الہزن (Alhazen) سے کیا مناسبت ہے؟ البقاسیس (Albucasis) کو ابو القاسم زہراوی کون سمجھے گا؟

اسی طرح عبرانی نام عربی میں آکر اور یورپ میں یونانی میں جا کر کچھ کا کچھ ہو گیا ہے، عبرانی میں

یقطان ہے، یونانی میں جقطان ہے، اور عربی میں قحطان۔ عبرانی میں یارح ہے یونانی میں جرح اور عربی میں یعرب ہے۔

اسلام سے پہلے عربوں کے قومی روایات میں بعض نام تھے، مثلاً یعرب، یہودیوں کے ذریعہ سے عبرانی تلفظ میں اس کو یارح سنا تو انھوں نے کہیں تو اس کو دو شخص فرض کر لئے مثلاً یعرب اور یارح اور ان کو قحطان کے دو بیٹے قرار دے دیئے، حالانکہ وہ ایک ہی ہیں، اور کہیں ایک کو دوسرے کی اولاد سمجھ لیا، مثلاً ان کو عاد بن ارم سے واقفیت تھی، یہود نے عوض بن ارم کہا، انھوں نے فوراً دونوں ناموں کو جوڑ کر عاد بن عوض بن ارم کہہ دیا، حالانکہ عاد اور عوض ایک ہی چیز ہے اسی طرح اُن کو یہ معلوم تھا کہ سبا قحطان کی نسل میں یمن کا بانی حکومت تھا، یہود سے یعرب کا نام سُن کر جرہم کو تو حجاز کا باشندہ بنایا اور یعرب کو یمن کا اور سبا کو یعرب کا بیٹا قرار دے کر سبا بن یعرب بن قحطان کہہ دیا، حالانکہ توراۃ میں سبا بن قحطان بلاواسطہ یعرب بتصریح لکھا ہے اور اس کو یعرب کا بھائی کہا ہے۔

جغرافیۂ عرب

لفظ "عرب" عرب کو "عرب" کیوں کہتے ہیں؟ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، "عرب" اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری اور اظہار مافی الضمیر کے ہیں، چونکہ عرب کی قوم نہایت زباں آور اور فصیح اللسان تھی، اس لئے اس نے اپنا نام عرب رکھا، اور اپنے سوا تمام دنیا کو اس نے عجم یعنی "بے زبان" کے نام سے پکارا، لیکن حقیقت میں یہ صرف نکتہ آفرینی اور دقت رسی ہے، دنیا میں ہر قوم اپنی زبان کی اسی طرح جوہری ہے جس طرح عرب۔

علمائے انساب کہتے ہیں کہ اس ملک کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا، جو یمنی عربوں کا پدر اعلیٰ ہے، اس لئے اس ملک کے باشندوں کو اور نیز اس ملک کو عرب کہنے لگے، لیکن یہ بالکل خلافِ قیاس اور معلوماتِ تاریخی کے مخالف ہے، نہ یعرب اس ملک کا پہلا باشندہ تھا، اور نہ لفظ عرب کسی قاعدۂ لسانی یمن تھا، اس لئے سب سے پہلے خود یمن یعنی جنوبی عرب کو عرب کہنا چاہیئے، لیکن اس کے بالکل برخلاف "عرب" کا لفظ پہلے شمالی عرب کے لئے مستعمل ہوا، تفصیل آگے آتی ہے۔

اہلِ جغرافیہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ "عرب" کا پہلا نام "عَرَبَۃ" اور "عربۃ" تھا جو تحقیقاً بعد کو عموماً "عرب" بولا جانے لگا، اور اس کے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار پاگیا چنانچہ شعرائے عرب کے اشعار سے بھی جو عرب کی تنہا ڈکشنری ہے، اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اسد بن جاحل کہتا ہے۔

وعربۃ ارض جدّ فی الشر اھلھا
کما جدّ فی شرب النقاخ ظماء

ابن منقذ ثوری کا شعر ہے۔

لنا ابل لم یطمث الذّل بینھا بعربۃ ماواھا بقرن فابطحا
ولو ان قومی طاوعتنی سراتہ امرتھم الامر الذی کان اربحا

اسلام کے بعد بھی یہ نام باقی رہا، ابوسفیان کلبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہتے ہیں

سہ ابونا رسول اللہ وابن خلیلہ
بعربۃ بوّانا فنعم المرکب

ابوطالب بن عبدالمطلب کی طرف جو قصیدہ منسوب ہے، (گو صحیح نہیں) اس کا ایک شعر ہے:

ے وعربۃ دار لا یحل حرامہا
من الناس الا اللوذعی الحلاحل[1]

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اس ملک کا نام "عربۃ" کیوں قرار پایا؟ اصل یہ ہے کہ تمام سامی زبانوں میں "عربہ" صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے، عبرانی میں "عربا" (ערבה) بیابان اور میدان کو کہتے ہیں، اور خود عربی زبان میں اس مفہوم قدیم کے بقایا موجود ہیں، عرابۃ کے معنی بدویت کے ہیں اور اعراب اہلِ بادیہ اور صحرانشینوں کے لئے اب تک مستعمل ہے۔

چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابانِ بے آب وگیاہ ہے اور خصوصاً وہ حصہ جو حجاز سے بادیۂ عرب وشام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے، اس لئے اس کا نام "عربا" قرار پایا، اور پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو "عرب" کہنے لگے۔

قرآن مجید میں لفظ "عرب" ملک عرب کے لئے کہیں نہیں بولا گیا ہے، حضرت اسمٰعیلؑ کی سکونت کے ذکر میں وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ یعنی "وادی ناقابلِ کاشت" اس کو کہا گیا ہے اکثر لوگ اس نام کو عرب کی حالتِ طبعی کا بیان سمجھتے ہیں، لیکن اوپر جو حقیقی بیان ہے اس سے واضح ہے کہ یہ لفظ عرب کا بعینہٖ لفظی ترجمہ ہے، چونکہ اس عہد میں اس غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا، اس لئے خود لفظ "غیر آباد ملک" اس کا نام پڑ گیا، توراۃ میں بھی اسمٰعیل کا مسکن "مدبار" بتایا گیا ہے، جس کے معنی بیابان اور غیر آباد قطعہ کے ہیں اور جو بالکل عرب کا ترجمہ اور "وادی غیر ذی زرع" کے مرادف ہے

توراۃ میں لفظ "عربا" عرب کے ایک خاص قطعہ زمین کے معنی میں متعدد بار آیا ہے، لیکن یقیناً اس وسعت کے ساتھ اطلاق نہیں ہوا ہے جس وسعت کے ساتھ اب یہ کیا جاتا ہے لفظ "عربا" سے صرف وہ قطعہ زمین مراد لیا گیا ہے جو حجاز سے شام وسینا تک وسیع ہے[2]۔ عام ملک عرب کے لئے زیادہ تر مشرق اور مشرق کی زمین[3] کا استعمال ہوا ہے اور کبھی جنوب[4] کا، کیونکہ عرب فلسطین کے مشرق وجنوب دونوں گوشوں میں ہے۔

---

[1] ان اشعار کے لئے دیکھو معجم البلدان یاقوت لفظ عربہ [2] استثناء ۱۔۱۰،۷ و ۲۔۱ [3] تکوین ۲۵۔۶، ۱۰۔۳۰۔ قضاۃ ۶۔۳۔۲۳۔۱، سلاطین ۴۔۳۰، ارمیا ۲۹۔۲۸ [4] متی ۱۲۔۱۲، تکوین ۱۳۔۹۔۱۲۔۹۔

لفظ "عرب" سب سے پہلے ۱۰۰۰ ق م میں حضرت سلیمانؑ کے عہد میں سننے میں آتا ہے[۱]، اور پھر اس کے بعد عام طور سے اس کا استعمال عبرانی، یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے، اسیریا کے کتباتِ میخی میں ۸۰۰ ق م میں عرب کا نام "عریبی" لیا گیا ہے[۲] اسلام سے پہلے ہی یہ لفظ پورے ملک کو جو یمن سے شام تک وسیع ہے محیط تھا۔

عبارتِ بالا سے ظاہر ہوگا کہ عرب قدیم کے جغرافیہ کے تین ماخذ ہیں، توراۃ، یونان، اور روما اور خود عرب، اور ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ یہ تین مختلف ماخذ تین مختلف زمانوں سے متعلق ہیں توراۃ کا بیان ۲۵۰۰ ق م سے تقریباً ۸۰۰ ق م تک ہے، یونان و روما کا بیان ۵۰۰ ق م، (ہیروڈوٹس) سے ۲۰۰ء (بطلیموس) تک ہے۔

خود عربوں کے بیانات عرب کے مقاماتِ قدیم کے متعلق جو بعہدِ اسلام مدون ہوئے، چند مشہور قبائل کے مقاماتِ سکونت کے سوا (مثلاً احقاف مسکنِ عاد، مدین مسکنِ ثمود، یمامہ مسکن طسم وجدیس حجاز مسکنِ جرہم، یمن مسکن قحطان) عہد مسیح سے بعد کے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ عرب تصنیف و تالیف سے آشنا نہ تھے، ورنہ ظاہر ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہ عرب کے شعراء کا عام مذاق یہ ہے کہ وہ قصائد میں محبوب کے دیار و مسکن اور اپنے سفر کے مقامات و منازل کا تذکرہ کیا کرتے ہیں، علمائے اسلام نے اُن ہی سے عرب کا جغرافیہ وصفی ترتیب دیا ہے۔

جغرافیہ عرب از تورات

عہد عاد و ثمود و مدین و ایکہ و ادوم

(از ۲۵۰۰ ق م تا ۸۰۰ ق م)

عرب گو امم سامیہ کا مولد و منشا ہے، لیکن عجب نہیں کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ان کو یہ یاد بھی نہ رہا ہو کہ یہ اس عہد کا واقعہ ہے جب نوعِ انسان دایہ عالم کے آغوش میں طفلِ شیرخوار تھا، بچے عہدِ طفولیت میں اشاروں کے سوا، لفظوں میں کسی چیز کا نام نہیں بتاتے، امم سامیہ جو مسیح سے ڈھائی تین ہزار برس پہلے بچہ تھیں، عموماً "پورب کی سرزمین" کے سوا، اپنے مولد کا نام کچھ اور نہیں بتاتیں، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اس وقت انسان خود "نام" کا بھی نام نہیں جانتا تھا۔

عرب کے نام بہرحال عرب کا پہلا نام[1] "پورب کی زمین"[2] ہے اور دوسرا نام "جنوب کی زمین" اور ان دونوں ناموں سے وہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے بھی پکاری گئی ہے[3]، پورب کی زمین سے کبھی تورات میں بابل و ایریا اور مابین النہرین بھی مراد لئے گئے ہیں[4] لیکن زیادہ تر اُن کو زمینِ شمال کہا گیا ہے کہ وہ فلسطین کے مشرق و شمال میں واقع ہیں۔

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب قبائل کی شکل پیدا ہوتی ہے، شمالی عرب میں ابتدائے عہد سے مختلف قبائل، ادوم، عموانی، موآب، بنو عمان، مدیانی اور عمالیق آباد تھے[5] عبرانیوں کو قرب و مجاورت کے سبب سے شمالی عرب سے کسی قدر واقفیت تھی، لیکن وہ اس شمالی حصہ کا کوئی خاص نام نہیں بتاتے تھے، بلکہ عموماً ان میں سے ہر قطعہ کو قبائل کی اضافت و نسبت سے ممتاز کرتے تھے، مثلاً ادوم کی زمین، موآب کی زمین، عمالیق کی زمین وغیرہ، حضرت موسیٰؑ کے عہد میں جب بنی اسرائیل مصر سے براہِ بحرِ احمر گوشہ عرب شمالی سے گذرے تو اُن کو نظر آیا کہ یہ ملک ایک سراسر کفِ دست میدان ہے، اس لئے شمالی عرب کے ایک گوشہ کا نام انھوں نے "عربا" قرار دیا[6] اور بقیہ اقطاعِ عرب کا وہ اسی طرح

---

[1] سفر تکوین ۱۱ [2] دیکھو بیوان کی کتاب قدیم جغرافیہ (انشینٹ جیوگرافی) ص ۸ [3] تکوین ۲۵-۶ [4] تکوین ۲۹-۱

[5] یہ تمام سامی قومیں ہیں اور اُن سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات رہے ہیں [6] استثناء باب ۱۔ آیت ۱، و باب ۲۲ اور باب ۳۶

باضافتِ قبائل نام لیتے رہے۔

حضرت سلیمانؑ[۱] کا عہد عبرانیوں کے اوجِ شباب کا زمانہ ہے، دریا میں ان کے جہاز سواحل عرب کی چاروں طرف بحرِ احمر[۲] سے بندر اوفر[۳] تک سفر کیا کرتے تھے، جو یمن میں اُس وقت تجارت کی منڈی تھی اور خشکی میں ان کی فوج عرب کے تمام شمالی بلکہ بعض جنوبی ریاستوں (سبا) کو بھی مغلوب کرچکی تھی[۴]۔ اس وقت اُن کو عرب کے حقیقی حدود معلوم ہوئے، اس بنا پر "عربا" کو جو پہلے صرف شمالی عرب کے لئے مخصوص تھا، ملک کی حدِ معلوم تک وسیع کردیا[۵] بااین ہمہ جب تک وہ زندہ رہے مقامات کا نام باضافت قبائل انھوں نے متروک نہیں کیا۔

اقطاعِ عرب عبرانیوں کو عرب کا کوئی منتظم جغرافی علم نہ تھا، ایک مدت تک وہ صرف شمالی عرب سے واقف تھے، جس کے موجودہ اقطاع حجاز، سینا، عربِ شام، عربِ عراق، بحرین اور سواحلِ خلیج فارس ہیں، اس شمالی عرب کے انھوں نے دو حصے کئے تھے، زمینِ مشرق اور زمینِ جنوب زمینِ مشرق میں ملک کنعان کے مشرق کے ممالک، سواحلِ خلیج فارس، بحرین اور عربِ عراق، اور زمینِ جنوب میں سینا، حجاز، بادیۂ عرب، شام اور بعض حصۂ نجد داخل کرتے تھے جو کنعان کے جنوب میں واقع ہیں۔

اسفار تورات ونبیین (صحفِ انبیائے یہود) میں ہماری سمجھ اور استقصا کے مطابق عرب کے حصۂ مشرقی وجنوبی کا عبرانیوں کے محاورہ کے مطابق حسبِ ذیل مقامات میں ذکر ہے، جن کو ہم بہ ترتیب حاشیہ میں لکھ دیتے ہیں[۵]۔

ان مشرقی وجنوبی حصوں میں مختلف قبائل آباد تھے، ہر حصہ کا نام اُس کے قبیلہ کی طرف نسبت کرکے لیتے تھے، مثلاً جنوب میں کوہِ سعیر کے دامن میں ادومی اور عمالیق آباد تھے، اس کا نام زمینِ ادوم

۱؎ ملوک اوّل ۹-۲۶ ۲؎ ملوک اوّل ۹-۲۷ ۳؎ ملوک اوّل ۱۰-۲۱ ۴؎ ایضاً ۱۰-۱۵

۵؎ جنوب تکوین ۱۲-۹ و ۱۳-۱-اور ۲۴-۶۲، عدد ۲۴-۳۰ تثنیثا ۱۳-۲۹ یوشع ۱۰-۴۰، ۱۸ و ۱۱-۱۹، ۱۲-۸ و ۱۵-۱۹-قضاۃ ۱-۹-۱۵-سموال ۲۴-۷ و ۳-۱-۱-اشعیا ۴۳-۶ یرمیاہ ۱۳-۱۹ و ۱۷-۱۶ و ۲۳-۱۳-حزقیال ۲۰-۴۶ و ۴۷-۲۱-۴۰ و ۴۰-۲-۲۴-۴۴ و ۴۱-۱۱، ۴۶-۲ دانیال ۸-۹ و ۱۱-۵-۲۴-۹-۱۱-۱۵-۲۵-۲۹-۴۰ عبیدیاہ ۵، ۱۹-۲۰-حبقوق ۳-۳-

مشرق تکوین ۲۵-۶، ۲۹-۱ عدد ۳-۳۸ و ۲۳-۷ قضاۃ ۶-۳-۳۳ و ۷-۱۲ و ۸-۱۰ ملوک اوّل ۴-۳۰-ابواب ۱-۳-

دعمالیق تھا، اس سے نیچے موجودہ خلیج عقبہ سے دور تک سواحلِ بحرِ احمر پر مدیانی آباد تھے وہ ارضِ مدین تھا جس کو ایک مدت سے اب حجاز کہتے ہیں، مشرق میں عموادنی، بنو عمان اور مواب تھے اور یہی ان کے ملکوں کے نام تھے، آگے بڑھ کر مدین اور نجد کے سروں پر بنو اسمٰعیل کے خیمے تھے۔

عرب کے شہر و مقامات تورات میں مقاماتِ عرب میں سے سب سے پہلے "مشا" اور "سفار" کا نام آیا ہے جو بنو قحطان کی آبادی کی ابتدائی اور آخری حد تھی (تکوین ۱۰-۳۰) "سفار" سے متفقاً "ظفار" واقع یمن مراد لیا گیا ہے، لیکن "مشا" نام عرب میں کوئی مقام نہیں! اس کو عرب اپنے تلفظ میں کیا کہتے ہیں؛ ریورنڈ بیوان (B en an) مصنف "جغرافیۂ قدیم" کی رائے ہے کہ وہ "موزہ" ہے جو ساحلِ عرب پر بحرِ احمر کے مدخل کے پاس ایک مقام[1] ہے، ایک دوسرا مقام بطلیموس کے نقشہ میں موسیٰ ہے جو مغربی ساحلِ یمن پر واقع ہے[2] لیکن اس سے مکہ کیوں نہ سمجھا جائے، کیوں کہ حضرت اسمٰعیل کے ایک صاحبزادے کا نام تورات میں مسا مذکور ہے[3] جن کے نام سے ممکن ہے کہ یہ مقام آباد ہوا ہو، قرآن کے انگریز مترجم سیل (S ele) نے یہی سمجھا ہے[4]، زمانہ کے تقدم و تاخر کا شبہ نہ ہو کہ کسی قدیم مقام کو بعد کے نام سے تعبیر کرنا تورات کا عام دستور ہے۔

ادوم کی زمین میں دنہابہ، بصورہ، تیمان، عویت، مسریقہ، رحوبوت، اور فاعو نام آبادیوں کا تورات (تکوین ۳۶-۳۱-۴۰) نے ذکر کیا ہے، لیکن ان کا محلِ وقوع نہیں بتایا ہے، مگر چونکہ یہ زمین، ادوم میں واقع ہیں اس لئے اتنا ظاہر ہے کہ شمال و مغرب میں ان کا نشان ڈھونڈھنا چاہیئے۔

بُصُرہ یقیناً وہی شہر ہے جس کو عرب بصرٰی کہتے ہیں اور جو اب تک معلوم ہے، تیمان کو شاید تیما سے تعلق ہو جو بصرٰی کے پاس ایک مشہور آبادی ہے، اور جس کا ذکر تورات میں کئی جگہ آیا ہے۔

قیدار بن اسمٰعیل کے تعلق سے "حصور" ایک قطعہ کا نام لیا گیا ہے (یرمیاہ ۴۹-۲۸) لیکن جہاں تک معلوم ہوا ہے اس نام کی کوئی آبادی عرب میں نہیں، اس لئے یقیناً یہ کسی قطعہ کا نام نہیں بلکہ اس سے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی وہ آبادی جو مستقل ہو، بادیہ کی طرح عارضی نہ ہو، اسی سے عربی میں "حضر" کا لفظ نکلا ہے، اور اسی بنا پر آج کل حاضرہ مشہور و عظیم الشان شہر کو کہتے ہیں۔

عرب کے ایک مشہور شہر کا نام تورات میں "سلاع" آیا ہے جو ادوم کی حکومت میں واقع تھا (ملوک دوم ۱۴) سلاع کے معنی پتھر کے ہیں، عربوں کے ہاں اس کا نام "الحجر" ہے اور یونانی اس کو

---

[1] Ancient Geography. 1871 [2] نقشہ مندرجہ Hogarty
[3] تکوین ۱۵-۱۵ [4] دیباچہ ترجمہ قرآن۔

پٹرا (Petra) کہتے ہیں، معنی تینوں ایک لفظ ہی کے ہیں، اس شہر کا نشان اب تک شام کے قریب شمال عرب میں باقی ہے زمانۂ اوّل میں یونانیوں کے زمانہ تک اس شہر کو بڑی رونق حاصل تھی، خلیجِ عقبہ کے پاس "عیلات" ایک بندر (ملوک اوّل ۹ - ۲۶) حکومت **ادوم** سے متعلق تھا، حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ نے اس حکومت کو اسرائیل میں داخل کر کے اپنے بحری کارخانہ کا صدر مقام قرار دیا، جنوبی عرب میں جہاں عدن واقع ہے "اوفر" نام ایک دوسرا بندر تھا، حضرت سلیمانؑ کے جہاز عیلات سے چل کر یہیں اوفر آتے تھے (۹ - ۲۸) اوفر کا تورات میں متعدد بار نام آیا ہے، یہ ایک تجارتی منڈی تھی، سونا کثرت سے یہاں آتا تھا، **عدن** جو اب تک موجود ہے، اس کی تجارت کی اس وقت بھی دھوم تھی (۲۷ - ۲۳)

یمن کے شہروں میں سے سبا کا نام بھی تورات میں آیا ہے، یہاں کی ملکہ حضرت سلیمانؑ کے دربار میں بھی آئی تھی (ملوک دوم ۱۰ - ۱ - ۱۳) **سبا** کے ساتھ یمن کے دوسرے تجارتی مقامات مثلاً "اوزال" کا نام بھی دولتمندی کی خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے (حزقیال ۲۷ - ۱۹) اوزال وہاں آباد تھا جہاں اب صنعاء آباد ہے، شمال عرب میں حجاز کے کسی قطعہ میں حویلا واقع تھا، جہاں بنی اسمٰعیل کی آبادی تھی، (تکوین ۲۵ - ۱۸) عربوں کے ایک اور مسکن کا نام جوؔر بعل" بتایا گیا ہے (تاریخ ثانی ۲۶ - ۷) معلوم نہیں کہاں واقع تھا، لیکن فلسطین کے ساتھ اس کا ذکر ہے، اس لئے شاید شمالی عرب میں ہوگا۔

قبائل عرب　قبائلِ عرب میں سے عبرانیوں کو صرف اُن قبائل سے واقفیت تھی جن سے اُن کو سیاسی یا تجارتی تعلق تھا، بنو مدیان، بنو عمان، بنو ادوم و عمالیق اور بنو مواب، اُن کے ہمسایہ اور برابر کے حریف تھے، اندرونی قبائل دو تھے، قحطانی اور اسماعیلی، قحطانیوں میں سے بجز سبا اودا وزال کے جو تاجر تھے اور کسی کا ذکر نہیں آیا (حزقیال ۲۷ - ۱۹) اسماعیلیوں میں سے مطلق "قبائلِ اسماعیلیہ" کا نام آیا ہے جو عرب و مصر کے تاجر تھے (تکوین ۳۷ - ۲۷) اور کبھی عبرانیوں سے مدیانیوں کے ساتھ مل کر لڑے بھی تھے۔ (قضاۃ ۸ - ۲۴)۔

قبائلِ اسماعیلیہ کا دوسرا نام "بنو ہاجرہ" یا "ہاجریین" بھی تھا، اس نام سے بھی توراۃ میں ان کا ذکر آیا ہے (ایام اوّل ۵ - ۱۰) بنو اسمٰعیل یا بنو ہاجرہ میں سے دو قبیلے نامور ہوئے، بنایوت (نبطین) اور قیدار، ان دونوں کا ذکر توراۃ نے کیا ہے (حزقیال ۶۰ - ۷) ایک اور عربی قبیلہ توراۃ میں "معون" نام مذکور ہے (تاریخ ثانی ۲۶ - ۷) لیکن عرب اس کو "معین" کہتے ہیں۔

جغرافیۂ عرب

از

مصنفینِ یونان و رومان

ثمود ثانیہ، سبا، قوم تبع اور اصحاب الحجر کا عہد

(سنہ ۵۰۰ ق م - سنہ ۲۰۰ء)

یونان میں سب سے پہلا شخص جس کو اقطاعِ ارضی کا علم تھا، ہومر فرض کیا جاتا ہے، اس کا زمانہ ہزار یا ۸۰۰ ق م تھا، اُس کے کلام میں بعض ممالک کے نام آ گئے ہیں، اور یہی اس کی جغرافی واقفیت ہے منجملہ اور ممالک کے ایک ملک کا نام "عیر مبی" ہے جس کو "عربی" سمجھا جاتا ہے[1]۔ دوسرا نام "اریمی" ہے جس سے شام مراد لیا جاتا ہے، کیونکہ تولیت نے اس کو "ارم" کہا ہے۔

یونان کا سب سے پہلا مؤرخ اور جغرافی ہیروڈوٹس ہے، مسیح[2] سے ۴۵۰ برس پہلے تھا، یہ پہلا یونانی مصنف ہے جو واقفیت کے ساتھ عرب کا ذکر کرتا ہے، تاہم اس کے معلومات جغرافی نہایت ناقص تھے، عرب کی نسبت اس کا خیال تھا کہ وہ جنوب میں آبادی کا سب سے آخری[2] حصہ ہے، عرب کی مغربی حد اس نے دریائے[3] نیل قرار دی[3] ہے، اور کوہستان سینا کو بھی اسی میں[4] داخل کیا ہے، وہ اس سے بھی واقف نہ تھا، کہ عرب کے مشرق میں خلیج فارس ہے جو عرب و فارس کو علٰحدہ کرتی ہے[5]۔ عرب کی تجارت کا جا بجا اس نے ذکر کیا ہے[6]۔ اس سے واقف تھا کہ عرب کے مغرب میں ایک دریا ہے مگر اس کا نام بجائے "بحر احمر" یا "قلزم" کے "خلیج عرب" قرار دیتا ہے[7] وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ بحر احمر کی لبعق

ے۱ Ancient Geegraphy by Bevan P 19

ے۲ Herodotus by H. Cory Book III para 107

ے۳ Do-Do-Do-Do II- do 15 ے۴ ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۸ ے۵ ایضاً کتاب ۲ فقرہ ۲۹

ے۶ ایضاً کتاب ۲ فقرہ ۱۰۷ ے۷ ایضاً کتاب ۲ فقرہ ۲

شانیں اندرونِ عرب بھی بہتی ہیں،[1] شاید اس سے اس کی مراد خلیج عقبہ ہو لیکن اس کی کیا تاویل ہے کہ وہ کہتا ہے کہ عرب میں ایک بہت وسیع دریا ہے جو بحرِ احمر میں آکر گرتا ہے اور جس کا نام کوربس[2] ہے۔

پانچویں صدی ق م کے ہیروڈوٹس کے بعد یونانی ورومانی جغرافیہ نویسوں کے نتائجِ معلومات بھی حسب ذیل ہیں:-

حدود عرب ہیروڈوٹس کے بعد سکندر کے اسفار و فتوحات نے تیسری صدی ق م میں یونانیوں کے معلومات جغرافی کو بہت بلند کر دیا، ان کو اس کے بعد صحیح طور سے عرب کے حدود معلوم تھے، وہ جانتے تھے کہ عرب کے مغرب میں بحرِ احمر، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند اور مشرق و شمال میں بحرِ فرات اور شمال و مغرب میں شام اور حدودِ مصر واقع ہیں اور اس بنا پر جزیرہ نمائے سینا کے اکثر حصہ کو عرب میں داخل سمجھتے تھے، اور خود اس عہد میں یہود بلکہ نصاریٰ بھی یہی جانتے تھے، جیسا کہ سینٹ پال کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے (غلاطین ۴ - ۲۵)

اصل یہ ہے کہ شمالی و مغربی گوشہ میں عرب کی کوئی قدرتی حد بندی نہیں، اسی لئے جغرافیہ نویس مختلف الرائے ہیں، ہیروڈوٹس اور پلینی نے بشمولِ جزیرہ نمائے سینا بحر ابیض یا متوسط (مڈیٹرین سی) تک اس گوشہ کو وسیع کیا ہے، اور دوسرے جغرافیہ نویسوں نے بحرِ میت (ڈیڈسی) سے بصریٰ اور تدمر (پالمائر) تک اس کو محدود کر دیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتحادِ جنسیت، حدود طبعی، نوعیتِ حکومت، اور دیگر مناسبات کی بنا پر ہمیشہ یہ اقطاع عرب میں شامل رہے ہیں۔

اقطاع عرب یونان و روم کے قدیم جغرافیہ دان، ایراسٹینوس، اسٹرابو اور پلینی نے عرب کو صرف دو قدرتی حصوں پر تقسیم کیا ہے، شمالی اور جنوبی، لیکن اس سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ دوسری صدی میں بطلیموس کی تقسیم ہوئی اور اب تک یورپین جغرافیہ نویس اور سیاح اس تقسیم کی تقلید کرتے ہیں۔

بطلیموس نے تمام ملک کو تین طبعی حصوں میں تقسیم کیا ہے عرب[1] آبادان یا (العرب المیمونۃ Aralia felix) عرب[2] ریگستان یا عرب الرمال Aralia deserl اور عرب[3] سنگستان یا عرب الحجر Arabia Petra۔

عرب سنگستان یا عرب پیڑا، مغرب میں مصر کی سرحد سے جزیرہ نمائے سینا سے گذر کر مغرب میں بصریٰ پر ختم ہوتا ہے، جو عرب کا ایک قدیم شہر ہے، شمال و مغرب میں تدمر تک اس کا گوشہ جاتا ہے اور اس کی پشت پر شمالی و مغربی یہودیہ اور فلسطین کا ملک پڑتا ہے، جنوب میں عرب ڈزرٹا

[1] ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۹ [2] ایضاً

یعنی عرب ریگستان اور عرب فیلکس یعنی عرب آبادان واقع ہے، عرب ریگستان یا عرب ڈزرٹا کی مشرق شمالی حد نہر فرات اور الجزیرہ (میسوپٹیمیا) سے شروع ہو کر مغرب و شمال میں عرب سنگستان یا عرب پیڑا کی مغربی و شمالی حد پر ختم ہوتی ہے، جنوب میں عرب آبادان یا عرب فیلکس ہے۔

عرب آبادان یا عرب فیلکس بقیہ تمام جزیرہ نمائے عرب کو جو مغرب میں بحر احمر، مشرق میں خلیج فارس جنوب میں بحر ہند اور شمال میں عرب پیڑا اور عرب ڈزرٹا سے محاط ہے، کہتے ہیں جس میں بحر احمر کے ساحل پر حجاز، سواحل بحر احمر و ہند پر یمن، حضرموت اور سواحل خلیج فارس پر عمان و بحرین اور وسط عرب میں یمامہ و نجد داخل ہیں۔[1]

یونانی اور رومانی فاتحین نے عرب پیڑا اور عرب ڈزرٹا کو فتح کر لیا تھا، اس لئے وہ اس کے حالات سے واقف تھے، عرب فلکس کے صرف سواحل سے ان کو آگاہی تھی، اور ایک آدھ نام غلط سلط اندرونی قبائل واقطاع کے بھی انھوں نے سُن لئے تھے۔

ڈاکٹر اسپرنگر کی تحقیق کے مطابق بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عرب فلکس کے ۵۴ قبائل، ۱۶۴ مقامات، ۵۰ کوہستانی سلسلے، اور ۴ دریاؤں کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ اسطیفنوس Stephen اور پلینی نے بھی بعض نام گنائے ہیں، لیکن اسباب خواہ[2] کچھ ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ دس پانچ ناموں کے سوا

---

1 Forster's Arabia Vol. II P. III 12-13

2 غیر معتقدین بطلیموس تو یہ کہتے ہیں، ان ناموں کا وجود و مصداق بطلیموس کے دماغ کے سوا کہیں خارج میں نہیں ہے، عرب کے خالی از معلومات اوراق کو پُر کرنے کے لئے اس نے اپنی طرف سے نام گھڑ لئے ہیں، ایک مصنف اس کی ایک معقول وجہ بتاتا ہے:[عہ]

اکثر اُن اقطاع عرب میں آبادی کا کبھی کوئی باقاعدہ و مقرر اصول نہیں رہا ہے جن کا بطلیموس نے نشان دیا ہے اگر بطلیموس کے ناموں میں کوئی حقیقت ہے تو وہ کنوئیں ہوں گے یا نخلستان جہاں کارواں اور قافلے اپنے خیمے کھڑے کر دیتے ہوں گے، بطلیموس کے نہ صرف جغرافیہ عرب بلکہ عام جغرافیہ عالم کے متعلق علمائے عرب کو بھی شکایت تھی اور وہ اس کی وجہ بھی بتاتے ہیں، سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری میں مسعودی لکھتا ہے:[عہ]

الا ان اسماء ھا فی ھذا الکتاب بالیونانیۃ متعذر فھمھا۔ — جغرافیہ بطلیموس کے یونانی ناموں کو سمجھنا مشکل ہے۔

(بقیہ حاشیہ صد ۶۱ پر دیکھو)

عہ ان بیانات کے لئے دیکھو مقدمہ D. O. Hogarth PP 1973 عہ مروج الذہب صد ۱۰۳ ج ا مصر بر حاشیہ نفح الطیب

اب وہ سب غیر معروف ہیں۔

بہرحال عرب کے جن قبائل و مقامات کے نام یونانیوں اور رومانیوں کے ہاں آئے ہیں ہم اُن کو مستقل ابواب میں ترتیب دیتے ہیں۔

مقامات عرب | عرب فلکس کے وہ مقامات جو تقریباً صحیح اور معروف ہیں، حسب ذیل ہیں یہ علی الترتیب حجاز سے بحر احمر، بحر ہند اور خلیج فارس کے کنارہ کنارہ سواحل پر عراق تک واقع ہیں[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰: ساتویں صدی ہجری میں یاقوت کی (مقدمۂ معجم میں) شہادت ہے:-

جهلت اكثر الاماكن التي دلت فيها وابهم علينا اسماءها وعلامت لتطاول الزمان فلا تعرف۔	میں جغرافیہ بطلیموس کے اکثر بیان کردہ مقامات سے ناواقف ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آئے کیوں کر مرور زمانہ سے وہ مٹ گئے ہیں اور اب مجہول ہیں۔

سب سے آخر میں دسویں صدی ہجری میں لفظ "جغرافیہ" کے تحت میں کاتب چلپی کا بیان ہے۔

لكن اندرس كثير مما ذكره وتغيرت اسماءه فانسد باب الانتفاع منه۔	بطلیموس کے اکثر بیان کردہ مقامات مٹ گئے ہیں اور اُن کے نام بدل گئے ہیں اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

لیکن معتقدین بطلیموس اس الزام سے برہم ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یونانی اللہجہ ناموں کی عرب جغرافیہ نویسوں کے بلکہ حال کے سیاحین یورپ کے بیان سے تطبیق دی جائے۔ ریورنڈ فارسٹر نے ۱۸۴۴ء میں "عرب کے جغرافیہ تاریخی" کے دوسرے حصہ میں ۱۰۹ سے ۲۶۰ تک ۱۵۱ صفحے ان ناموں کی تحقیق و تصدیق و تطبیق میں صرف کئے ہیں اور ہر جگہ اپنی "عالمانہ جہالت" کی عجیب و غریب مثال پیش کی ہے، غریب فارسٹر کو نہیں معلوم کہ یہ قبائل کب پیدا ہوئے ان مقامات میں کب آباد ہوئے اور عربی ان کا صحیح نام کیا ہے؟ وہ بطلیموس قبائل کے ناموں کو حروف کے ہیر پھیر سے موجودہ قبائل سے تطبیق دیتا ہے، اس کو نہیں معلوم کہ اب قدیم قبائل کا اکثر و بیشتر نشان بھی نہیں، وہ عہد اسلام میں فاتحانہ کہاں سے کہاں نکل کر آباد ہو گئے، موجودہ قبائل کے نام بالکل نئے ہیں، فارسٹر کے بعد ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۷۵ء میں "جغرافیہ قدیم عرب" Ancicoogofarab کے نام سے اسی قسم کی کوشش کی ہے، مجھے اُن کی کامیابی کا حال نہیں معلوم اُن کے مرتبہ "نقشہ قدیم عرب کے" سوا اصل کتاب مجھے نہیں ملی۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] منتخب از Hogarth. P. 18 Ptolemy S map of Arabia by Springer Beodna P179

یونانی تلفظ	بخط اردو	صحیح عربی نام	کیفیت
Macoraba	مکاربا	مکہ ۔ ربہ	ربہ کے معنی اعظم کے ہیں
Iathreppa	اثرّپا	یثرب	شہر مدینہ منورہ کا جاہلی نام
Ianbia	انبیا	ینبوع	حجاز کا ایک جاہلی مقام
Dumatha	ڈومیتھا	دومہ	دومہ شمالی عرب کا ایک شہر
Egra	اجرا	حجر	ثمود کا دار الحکومت، حجاز کے قریب ساحل بحرِ احمر پر۔
Thaimaia	تہیمیا	تیماء	انتہائے حجاز میں بجانب شام ایک شہر
Modiuna	مودی یونا	مدین	حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر حضرت شعیبؑ کا شہر۔
Adana	عدانا	عدن	ساحل بحر ہند پر یمن میں ایک بندر
Minai	مینائی	معین	یمن میں ایک قدیم آبادی
Mariaba	ماریاب	مارب	یمن کا قدیم دار الحکومت
Nograna	نگرانا	نجران	یمن میں ایک نصرانی آبادی
Chatnamoti	کیٹرموٹی	حضرموت	ساحل بحریہ جنوبی عرب میں یمن کے پاس
Maccala	مکالا	مکلا	جنوب یمن میں ساحل بحر عرب پر۔
Gerrhai	گرہائی	قریہ	یمامہ میں ایک شہر
Catabaei	قتابای	قتاب	قدیم یمن میں ایک شہر
Narac	نشنک	نشق	〃 〃
Karnaee	قرنائی	قرن	〃 〃
Sabaee	سبائی	سبا	〃 〃
Omanum	عمانوم	عمان	ساحل خلیج فارس پر مشرقی عرب میں ایک صوبہ
Amithoscuta	امیتھوسکوٹا	مسقط	عمان کا دار الحکومت

عرب پیٹرا اور ڈزرٹا سے یونانیوں اور رومانیوں کو واقفیت تھی کہ ان پر اُن کا قبضہ تھا لیکن یہاں دوسری وقت ہے یعنی عرب آبادیوں کو مٹا کر انھوں نے یونانی نام سے یونانی و رومانی شہر قائم کر لئے تھے، تاہم جن ناموں کے اتحاد و اشتراک کا حال معلوم ہوا ہے، وہ حسب ذیل ہیں۔

تدمر۔ سب سے مشہور تر مقام ان اطراف میں تھا، یہ انتہائے شمال میں فلسطین کے پاس عرب کا آخری شہر ہے، اسفار یہود میں ہے کہ اس کو حضرت سلیمانؑ نے بنوایا تھا (ملوک اول ۹-۱۹) بہر حال یہ ایک عرب ریاست کا دار الامارت تھا، رومیوں نے ۲۰۰ء میں جب اس کو لیا تو اس کا نام "پالمائر" رکھدیا[1]

ربات مواب، یہ شہر بحر میت کے قریب عرب پیٹرا میں موابی عربوں کا دار الحکومت تھا، رومیوں نے اس کا نام اریوپولس رکھا تھا، ۳۱۵ء میں زلزلہ سے تباہ ہو گیا[2]

بصریٰ، جس کو رومیوں نے بگاڑ کر بوسٹرہ بنایا ہے، وہ بھی اسی کے قریب ایک شہر تھا، اور اب بھی اس کا نشان[3] ہے۔ یہ ادومی عربوں کا خاص مقام تھا۔

الرقیم، اس کو عبرانی "سلاع" اور یونانی "پٹرا" کہتے ہیں، یہ شمالی عرب میں پہلے مدیانی حکومت کے ماتحت ایک دار الامارت[4] تھا، پھر نبطی عربوں کا دار الحکومت ہوا، رومیوں کے عہد میں بھی اس کو خاص اہمیت ملی۔

ربات عمون، عرب ڈزرٹا کے شمالی و مشرقی حصہ میں عمونی عربوں کا یہ دار الحکومت تھا، اس کو یونانیوں نے فلاڈلفیا کا نام بخشا ہے کہ تیسری صدی ق۔م میں اس کو شاہ بطلیموس فلاڈلفیوس نے دوبارہ تعمیر کیا تھا[5]

ان لوگوں کو عرب کے بعض جزائر اور سواحل سے بھی واقفیت تھی ہم نے مکلا کا نام اوپر پڑھا ہے، اس کا ذکر بطلیموس نے کیا ہے، اور اس کی جگہ ۱۲-۴۵ درجہ پر مقرر کی ہے، لیکن صحیح مقام ۱۴-۲۰ درجہ ہے[6]

بطلیموس سے سو برس پیشتر ایک یونانی مصری نے جس کا نام مجہول ہے، جہازرانوں کے لئے ایک

---

[1] Josephus Vol. 1. P. 428-1822

[2], [3], [4] Bevan. P. 202

[5] Josepus. P. 192 Vol. 1. 822

[6] Forster Vol. II - 198

بحری جغرافیہ ترتیب دیا تھا، جس میں اس نے بحر عرب کے جزائر پر جو عرب کے قریب ہند اور اسکندریہ کے سرراہ واقع ہیں روشنی ڈالی ہے، وہ پہلے بحر عرب میں عرب کے ایک جنوبی ساحل یوڈیمون —— (Eudaemon) کا ذکر کرتا ہے، جس کو عدن سمجھنا چاہیئے، اس کی نسبت اس کا بیان ہے کہ مصر و ہند کے درمیان یہ ایک تجارتی منڈی ہے (جیسا کہ اب بھی ہے) اس سے آگے بڑھ کر بجانب ہند عرب کی ایک راس کا ذکر کرتا ہے، جس کا یونانی نام سیاگروس (Syagrus) بتاتا ہے اس کو راس قرطق سمجھنا چاہیئے، اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ "یہاں اندرون عرب میں جانے کے لئے بہت سے بخورات کا سرمایہ پڑا رہتا ہے"۔ یونانی جغرافیہ نویس "دنیا کی سب سے بڑی راس" اس کو قرار دیتا ہے، یمن و حضرموت کے قریب ایک جزیرہ ہے، سقوطرہ نام، اس کا نام یہ ڈائسکروڈیس (Dieseres) بتاتا ہے۔[1]

قبائل عرب یونانی اور رومانی قوموں کو عرب کے صرف اُن قبائل سے واقفیت تھی، جو سیاسی طاقت رکھتے تھے یا تجارت کی راہ سے اِدھر اُدھر نکلا کرتے تھے، اسکندریہ کے یونانی اور رومانی جغرافیین میں سے اسٹرابو، پلینی، ڈائڈورس اور بطلیموس نے تقریباً پچاس ساٹھ قبائل کے نام لئے ہیں، لیکن یونان، اسکندریہ اور روم جا کر ان کی شکل ایسی بدل گئی ہے کہ پہچانے نہیں جاتے، صرف چند قبائل ایسے ہیں جو ہزاروں برس کے بعد بھی اپنے وطنی لب و لہجہ سے تمیز کر لئے جاتے ہیں۔

عاد ارم، عرب کا سب سے قدیم اور مشہور قبیلہ ہے، حضرموت کے پاس اس کا مسکن تھا، قبیلہ کا اکثر حصہ تو یونانیوں سے بھی بہت پہلے تباہ ہو چکا تھا، مگر ایک ٹکڑا پیروان ہود کا باقی رہ گیا تھا یونانی جغرافیہ نویسوں نے حضرموت کے ایک قبیلہ کا نام (Adramitae) "عادرمی ٹائی" بتایا ہے "ٹائی" صرف قبیلہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے[2] اصل لفظ "عادرم" ہے جو "عاد ارم" کی نہایت صحیح صورت ہے، بعض لوگ اس کو "حضرموت" سمجھتے ہیں، لیکن حضرموت کی یونانی زبان میں یہ شکل ہے (Chatramotitai) "خترموٹی ٹائی" اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ یہ دونوں نام ایک ساتھ مستعمل ہوئے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ ان سے دو قبیلے مراد لینے چاہئیں، اور اس سے زیادہ بدقسمتی ہمارے مخالفین کی

---

[1] History of Ancient Geograpy by Tazer 276. 1897

[2] ان زبانوں میں یہ لفظ قوم و جماعت کو ظاہر کرتا ہے اور اب تک یورپ کی زبانوں میں یہ لفظ ان معنوں میں آتا ہے انگریزی میں ٹی کی جگہ ڈی بولتے ہیں، مثلاً عباسیہ کو عباسانڈ، عربی میں بھی بعینہ یہی حروف (تیہ) یہی معنی ظاہر کرتے ہیں مثلاً حنفیہ، مالکیہ، مرجیہ، عباسیہ، امویہ۔

یہ ہے کہ بطلیموس نے عاد (Oaralitai اور Adetai) کا بلا اشتباہ حضرموت بھی ذکر کیا ہے[1]

ثمود، کا بقیہ نقیہ (مومنین صالح) حجاز کے پاس مدینے اپنی قدیم جگہ میں اس عہد تک موجود تھا، اس کا تلفظ جغرافیین یونان وروم نے دو طرح کیا ہے (Thamydeni) "تھامادی ٹائی" عربی کی "ث" عبرانی میں "ت" اور یونانی میں "تھ ہو" ہو جاتی ہے۔

حضرموت، عہد قدیم میں سیاسی وتجارتی دونوں حیثیتوں سے یمن کا ہم پلّہ تھا، یونانیوں نے (Chatramulitai) خترموتی ٹائی کے نام سے اُس کو یاد کیا ہے۔

نبط، نجد سے سواحلِ بحرِ احمر وعقبہ وبادیۂ شام تک کی حکومت مسیحؑ سے دو تین سو برس پیشتر نبط بن اسمٰعیل کی اولاد کے ہاتھ میں تھی، نبط کی جمع انباط اور نبطیین ہے۔

نبطیین سے یونانیوں اور رومانیوں کے سیاسی تعلقات تھے، ان کا نام ان کے ہاں یہ ہے (Nabathaei) "نباتھیائی"۔ ان کا دار الحکومت "پیٹرا" تھا۔

قیدار، قیدار بن اسماعیل کا خاندان جس سے خاندان اسلام پیوستہ ہے، مسیحؑ سے ایک ہزار برس پہلے سے حجاز کا مالک تھا، یونانی میں اس کا نام متعدد طرق سے لیا گیا ہے، جس میں زیادہ صحیح پلینی کا (Cadanni) کیڈانی ہے[2]

یمن کے قبائل (Minaci) "مین آئی" یعنی "معین" (Sabaei) "سبا آئی" یعنی سبا (Homeritai) "حومر ٹائی" یعنی "حمیر" کا مفصل ذکر ہے، خلیج فارس پر (Om_ _anitai) "عمانی ٹائی" یعنی عمانی عرب اور (Gerrhaei) اگر یہ آئی یعنی اہل قریہ واقع یمامہ کا نام بھی مذکور ہے[3]

اسلام سے کچھ پہلے، حیرہ میں مناذرہ اور شام میں غساسنہ ایرانیوں اور رومانیوں کے ماتحت برسر حکومت تھے، ان کا ذکر بھی مفصلاً یونانی تاریخوں میں مذکور ہے کہ وہ ان دونوں مشرقی و مغربی حکومتوں کی بیچ کی دیوار تھے، اور عرب نہایت قدیم زمانہ سے مشرقی و مغربی امور سیاسیہ میں حد متوسط ہیں[4]

[1] For Stet Vol II 374-N.

[2] Bevan s Ancient Geography P-178

[3] Fonder vol I P 244

[4] Herodotus Book II Dare 188

ان قبائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی بیسیوں قبائل کا قدیم یونانی جغرافیوں میں نشان ملتا ہے جن میں تین سب سے زیادہ پر زور اور طاقتور بتائے گئے ہیں، بنی زومین (Bani Zomeneis) سیدمینی (Sedeni) بنوبری (Banubari) یہ تینوں قبائل سواحل بحر احمر پر خلیج عقبہ سے عسیر تک حجاز و تہامہ میں متوطن ظاہر کئے گئے ہیں لیکن ان کے اصلی اور صحیح نام کیا ہیں؟ ان ناموں کا تو عرب میں کوئی قبیلہ نہیں۔

ریورنڈ فارسٹر تاکید فرماتے ہیں کہ ہم بغیر کسی "شک وسوال" کے بنی زومین کو بنی عمران، سیدمینی کو جہینہ اور بنوبری کو کنواں[1] والا قبیلا تسلیم کر لیں، اس کی مضحکہ خیز دلیل فاضل ممدوح یہ دیتے ہیں کہ (تقریباً دو ہزار برس کے بعد) برکھارٹ اور نیبوہر گذشتہ صدی کے یورپین سیاحوں نے انہی مقامات میں اُن ہی قبیلوں کو دیکھا ہے! حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ زومین خزیمین ہے، سیدینی، سیدین، اور بنوبری بنو بریرہ ہے خزیمہ حجاز میں، سیدہ اور بریرہ دیگر اطراف میں مشہور قبائل ہیں۔

سب سے زیادہ زور ریورنڈ فارسٹر بنی زومین پر دیتے ہیں، اور یہ تسلیم کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کا مسکن حجاز نہیں بلکہ خلیج عقبہ تھا اور یہ اس لئے کہ سسلی کے ڈائڈورس نے جو مسیح سے سولہ برس پہلے تھا لکھا ہے کہ "بنی زومین کے ملک میں ایک معبد ہے جس کی تمام عرب عزت کرتے ہیں"۔ اس معبد کو ان علمائے یورپ نے جن کے نام کا پہلا جزء ریورنڈ نہیں (غیر پادری) کعبہ سمجھا ہے[2] بلکہ تعجب ہے کہ ایک ریورنڈ نے بھی اپنے قدیم نقشہائے جغرافیہ میں بنی زومین کو خاص حجاز میں مکہ سے مدینہ تک پھیلایا ہے[3]۔

بہرحال اس کی بحث کہ اس معبد سے کعبہ کیوں نہ سمجھا جائے، اپنے موقع پر آئے گی، یہاں صرف قبائل کے مسکن اور اس کی حقیقت سے بحث ہے، اس کے فیصلہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ناموں کی مناسبت و قربت اور قبائل مذکورہ کا زمانہ موجود۔ ہم ذیل میں اس قسم کے یونانی اللہجہ ناموں کا ایک نقشہ دیتے ہیں، گو بیکار ہے۔

---

[1] بیر عربی میں کنواں کو کہتے ہیں، اس لئے بری کے معنی بھی وہ کنواں ہی سمجھتے ہیں۔

[2] دیکھو کارلائل کا رسالہ "ابطال" فصل بطل النبوۃ، اور گبن باب ۵۰۔

[3] Atlas of ancient Geog by Samul Butler D.D. Map XX II. 1868.

تلفظ یونانی بخط انگریزی	تلفظ یونانی بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	اصل مصنف کی رائے میں
Banizomenies	بنی زومین	بنی عمران	بنی خرملیہ (یا) بنی خزمین
Sideni	سیدینی	جھینہ	بنو سید (یا) سیدیین
Banubari	بنی بری	بنو بُر (کنواں والے)	بنو بریر
Arosi	ارسائی	بنی استان	.
Cinaidocalpttai	کینائڈکولپٹائی	.	.
Debai	ڈیبائی	زبید	ضنبہ
Carbaior corboni	کربیا (یا) کربینی	حرب	.
Canratai	کانرٹیائی	.	.
Dacharen	ڈاخارینی	بنو زہر	بنو صخر
Cassanitai	کسانی ٹائی	.	بنو غسان
Gasandi	گسانیڈی	.	بنو کیسان
Dosandi	ڈوسارینی	.	دوسر
Dorni	ڈارنی	دارن (؟)	بنو دارم
Mocoretai	موکوریٹائی	اہل مخا (بندرمین)	.
Elisari	الیساری	.	.
Elamittai	الامیٹاری	بنی یام	بنو عیلام
Cogubatai	کیغولیٹائی	بنو غیلان	.
Saritai	ساری ٹائی	.	.
Tomabet	ٹومابیل	.	بنو تمیم
Supharetai	سفاری ٹائی	اہل ظفار	.
Oditai	اوڈی ٹائی	.	عاد
Homeritai	ہومری ٹائی	حمیر	.
Adramitai	عذرمیٹائی	حضرموت	عاد ارم
Maphoritai	مافری ٹائی	.	.

تلفظ یونانی بخط انگریزی	تلفظ یونانی بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	اصل مصنف کی رائے میں
Lainitai	لائینٹائی	لحیان	
Chabdi	خالڈائی	بنو خالد	
Iole sitai	ایولسٹائی		
Abucaei	ابوکائی		
Lenitai	لینی ٹائی		
Themi	تہیمی		تیم
Zamareni	زمارینی	شمر	ضمر
Scenitai	سینی ٹائی		
Saraceni	سارا سینی	اہل کوہ سردات (سرواتیین)	
Zamareni	زمارینی	بنو ضمیر	
Nabathaei	نباتھائی	نبطیین	
Thimnei	تھانائی		اہل تیماء
Masaemanes	ماسائیمنیس		
vadini	وادینی		
Astapeni	اسٹیپنی		
Katanitai	کاٹانی ٹائی		
Tanutai	ٹنوٹائی	قبیلۂ تنوخ	
Manitai	مانی ٹائی	اہلِ منیٰ (واقع مکہ)	معین (واقع یمن)
Salapeni	سلافینی		بنو سلف
Achoali	اچاؤلی		بنو عجل
Minaet	مینائیت	اہلِ منیٰ (واقع مکہ)	معین (واقع یمن)
Sabaei	سبائی	سبا	
Anehitai	انخی ٹائی		

تلفظ یونانی بخط انگریزی	تلفظ یونانی بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	اصل مصنف کی رائے میں
Kithibanitai	کیتھی بانی ٹائی	بنو قحطان	قتابین (قتاب واقع یمن)
Madasara	مڈاسارا		
Sophanitai	سفانی ٹائی	بنو سفیان	
Docharemoizai	داخری موزائی	دار القرامطہ[1] (واقع بحرین)	
Olameotai	عیلاموٹائی		بنو عیلام
Anchitai	انخی ٹائی		
Omanitai	عمانی ٹائی	اہلِ عمان	
Jobaritai	جوباری ٹائی		
Chatramatai[2]	خترمٹائی	اہل حضرموت	

عربوں اور رومیوں کے تعلقات تعارف میں ایک اور واقعہ پہلے یونانی اور رومی اور اب یورپین ارباب قلم میں نہایت آب وتاب سے ذکر کیا جاتا ہے اور ایک رومی سردار آلیوس گالیوس (Aeluis Gallus) کا پہلی صدی عیسوی میں عرب پر حملہ ہے، وہ کہاں تک گیا؟ اس نے کیا کیا؟ کیوں واپس آیا؟ اور اس سے کیا فائدے ہوئے؟ ان میں سے ہر ایک چیز کا جواب یورپین مصنفین نہایت مزہ لے لے کر دیتے ہیں، اور ایک نے دو عالمِ نشاط میں یہاں تک لکھ دیا کہ وہ مکہ تک پہنچ گیا تھا، اور اس حملہ کا نام "اکتشافِ ارضی" رکھا گیا ہے[3]۔

ہم اس تاریخ پر سلسلۂ تاریخ میں اپنے موقع پر بحث کریں گے۔

[1] غریب مستشرق کو معلوم نہیں کہ بحرین میں قرامطہ کا وجود بطلیموس کے ۸۰۰ برس بعد ہوا ہے

[2] منتخب از Foorster Vol II Part II

[3] Foorster Vol II Part II Sect VI

جغرافیۂ عہد قرآن

ملک عرب عرب کا ملک حدود طبعی کے لحاظ سے ایک جزیرہ نما ہے، لیکن اہل عرب اس کو ہمیشہ جزیرۃ العرب کہتے ہیں،[۱] اور اس کو وسط معمورۂ عالم یقین کرتے ہیں، اس کی تصدیق تحقیق جدید سے بھی ہوتی ہے کہ وہ درحقیقت دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے، اس سے قریب ترین ممالک مشرق میں فارس، جنوب میں ہندوستان، مغرب میں حبشہ، سوڈان اور مصر اور شمال میں ملک شام، الجزیرہ اور عراق ہیں

حدود عرب عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کی تحدید اس طرح کی ہے، مغرب میں بادیۂ شام کے بعض حصے، یعنی مقام بلقاء سے مقام ایلیہ تک جو عقبہ کے قریب ہے، مغرب اور جنوب میں بحر احمر، مدین اور جدّا سے سواحل یمن تک، مشرق میں بحر ہند، عدن اور ظفار سے مہرہ تک، مشرق میں بحر عمان اور خلیج فارس، مہرہ، عمان، اور بحرین سے بصرہ اور کوفہ تک اور شمال میں نہر فرات و بلقاء تک۔

جدید طرز میں صاف طور سے یوں کہنا چاہئے کہ مشرق میں اس کی حد خلیج فارس سے شروع ہو کر بحر عمان کو طے کر کے بحر ہند پر ختم ہوتی ہے، بحر ہند عرب کے تمام جنوبی حدود میں پھیل کر مغربی و شمالی گوشۂ عرب میں بحر احمر پر منتہی ہوتا ہے، جس کو ہیروڈیٹس وغیرہ قدیم اہل جغرافیہ خلیج عرب کہتے ہیں۔ اور جو عرب کی مغربی حد بندی گوشۂ مغربی و شمالی سے گوشۂ مغربی و جنوبی میں خلیج عقبہ تک کرتا ہے۔ اور جس سے حبش اور مصر کی سرزمین عرب سے علیحدہ ہو جاتی ہے خلیج عقبہ جنوبی گوشہ میں جزیرہ نمائے سینا اور عرب کو ایک فاصلۂ قریب تک باہم علیحدہ کرتا ہے، اس کے اختتام پر شام کی حد شروع ہوتی ہے، اور بادیۂ شام کو قطع کر کے جنوب میں نہر فرات کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف، پھر مشرق و شمال کی سمت میں بصرہ کے پاس آکر خلیج فارس پر منتہی ہوتی ہے، اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ عرب کے مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان جنوب میں بحر ہند، مغرب میں بحر احمر، مغربی و شمالی میں خلیج عقبہ، شام اور فلسطین اور شمالی مشرقی میں نہر فرات واقع ہے۔

آپ نے دیکھا کہ عرب جغرافیہ نویسوں کا عرب، عبرانی، یونانی اور رومانی جغرافیہ نویسوں سے چھوٹا ہے، کیونکہ اس میں جزیرہ نمائے سینا اور عرب و شام کے بعض حصے شامل نہیں بات یہ ہے کہ یونانیوں نے ان ٹکڑوں پر قبضہ کر لیا تھا، اور تا اسلام عرب ان پر قابض نہ ہو سکے اس بنا

---

[۱] The Pentration of Arabia. D. G. Hogarth. 1. P. 4

پر عربوں نے ان کو اپنی مملکت سے خارج سمجھ لیا، ورنہ حدود طبعی اور جنسیتِ آبادی کے لحاظ سے وہ کبھی خارج نہیں ہوئے۔[۱]

مساحتِ عرب عرب جغرافیہ نویس مساحت کا بیان عموماً زمانۂ رفتار سے کرتے ہیں، ابوالفدا نے تقویم البلدان میں عرب کی مربع مسافت سات مہینے گیارہ دن کی بیان کی ہے، جدید تحقیق کے رو سے گو حقیقی طور سے عرب کی پیمائش نہیں ہوئی تاہم وسعت کے لحاظ سے عرب کوئی چھوٹا ملک نہیں ہے، وہ جزیرہ نمائے ہندوستان سے بڑا اور ملک جرمنی فرانس سے چار گونہ زیادہ ہے، شمال سے جنوب کی جانب پورٹ سعید (یا العریش) سے عدن تک طول ۱۵۰۰ میل، اور مغرب سے مشرق کی جانب پورٹ سے فرات تک عرض ۶۰۰ میل ہے اور مجموعی رقبہ ۱۳۰۰۰۰۰ میل مربع۔

طبعی حالات عرب کا ملک اس وسعت کے باوجود زیادہ تر بے آباد، خشک، شور اور ریگستان ہے۔ تمام ملک میں پہاڑوں کا جال ہے، جا بجا بے آب و گیاہ صحرا ہیں، حقیقی دریا کا وجود نہیں عموماً پہاڑوں کے چشموں، وادیوں کے نالایوں اور میدانوں کے کنوؤں پر گذر ہے، آب و ہوا کے لحاظ سے یہ نہایت گرم ہے، میدانوں میں بادِ سموم جب چلتی ہے، تو کوسوں تک زندگی دشوار ہو جاتی ہے، کبھی اس کے ساتھ جب ریگ کا طوفان ہوا پر اڑتا ہے، تو پورا قافلہ کا قافلہ، آبادی کی آبادی ریگ کے ڈھیر کے نیچے دب جاتی ہے، اسی لئے ملک عرب میں موسم و ہوا کے کسی واقف کار اور آبادی و صحرا کے کسی رہنما کے بغیر سفر خطرناک ہے۔

اس ملک کا سب سے بڑا صحرا شمالی حد میں شام و عرب کا درمیانی ریگستانی میدان ہے، جس کو عرب بادیۂ شام اور غیر عرب بادیۂ عرب کہتے ہیں، دوسرا ریگستان جنوبی حد میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان ایک ناقابل آبادی بے آب و گیاہ وسیع صحرا جس کو دہنا، صحرائے اعظم اور ربع خالی کہتے ہیں، اس کی ایک نوک بحرین نجدین سے گزر کر صحرائے شام میں مل جاتی ہے، یہ صحرا طول میں دو درجہ اور عرض میں ڈیڑھ درجہ ہے، اور مجموعی رقبہ اس کا تقریباً ۲۵۰۰۰۰ میل مربع ہے۔

اس ملک میں سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے، اس کی سب سے بڑی چوٹی ۸۰۰۰ فیٹ بلند ہے، حجاز کا سب

---

[۱] مصنفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع جدید) لکھتے ہیں عرب کی شمالی تحدید مشکل ہے، محققین العریش سے شروع کرتے ہیں شمال میں سرحد فلسطین درمیان میں بحر میت (ڈیڈ سی) و خلیج عقبہ ختم ہو کر شمال کی طرف شامی حد کے قریب تدمر، پھر مشرق کی جانب کنارہ فرات اور پھر شمالی و مشرقی دہانہ شط العرب پھر خلیج فارس، صحرائے شام عرب میں داخل ہے، ملخصاً ج۲ص۲۵۴

سے مشہور پہاڑ جبل الهدی، طائف کا جبل الکرا، نجد کا جبل عارض و طریق، شمر کا جبل سلمیٰ اور یمن کا جبلِ کوکبان ہے، جبل کوکبان کی بلندی کہیں کہیں سطح آب سے ۔۔۔ ۳ فیٹ بلند ہے۔

عرب میں جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے، گو کوئی دریا نہیں لیکن عجب قدرت الٰہی یہ ہے کہ یہاں کے پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے جاری رہتے ہیں، جن سے دامنِ کوہ اور وادیاں عموماً سرسبز و شاداب رہتی ہیں کبھی کبھی یہی چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک ایک مصنوعی دریا بن جاتا ہے پھر وہ یا ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں جذب یا سمندر میں مل جاتے ہیں شاہانِ عرب نے انہی چشموں کے روکنے کے لئے بند بنائے تھے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ چشمے اتفاقاً ابل کر بصورت سیلاب پُرخطر ہو جاتے ہیں عرب کے وہ مقامات اور صوبے جو سواحل بحر پر واقع ہیں عموماً سرسبز و شاداب خصوصاً یمن کا صوبہ جو بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے نہایت زرخیز ہے اور یونانیوں میں وہ اسی سے "زرخیز عرب" کے نام سے مشہور ہے، عمان، حضرت موت اور نجد تمام تر اور حجاز میں طائف عرب کے بہترین حصے ہیں حاصلات عرب عرب کی پیداوار زیادہ تر کھجور، سیب اور ہر قسم کے بہترین نوع کے فواکہ ہیں کہیں کہیں زراعت بھی ہوتی ہے، اقوام قدیمہ میں عرب کی شہرت اس کے طلائی و نقرئی معاون اور بخورات اور خوشبودار اشیاء کی جائے پیدائش ہونے کی بنا پر تھی[1] ہیروڈوٹس مورخ یونان کی تاریخ میں عرب کی یہ خصوصیت خاص طور سے نمایاں کی گئی ہے، اور تورات تو ملک عرب کے سونا، چاندی اور بخورات کے ذکر سے بھری پڑی ہے[2]، مسلمانوں میں ہمدانی نے اپنے جغرافیہ میں معاون عرب کا نشان دیا ہے علمائے یورپ میں برٹن (Burton) نے مدین کے طلائی معاون پر (The Gold mienssfhinidian) خاص ایک کتاب لکھی ہے۔

عمان اور بحرین کے سواحل موتیوں کی کانیں ہیں، جہاں ہر سال ہزاروں غواص ہر سال دریا سے موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں، لیکن ان کا نثر موتیوں کے عرب تاجر کم اور انگریزی کمپنیاں زیادہ تر حاصل کرتی ہیں، ۱۹۱۰ء میں بحرین کے موتیوں کی لاگت ۲ لاکھ پونڈ کے قریب اندازہ کی گئی ہے۔

حیوانات کے لحاظ سے بھی عرب بہترین ملک ہے، عرب کے گھوڑے خوبصورتی اور بادرفتاری میں دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے، اونٹ عرب کی خالص چیز اور ایک عرب کی زندگی کا حقیقی رفیق ہے، ان کے علاوہ ہرن، شیر اور دیگر حیوانات بھی عرب میں بکثرت پائے جاتے

[1] ص ۲۴ بیروت ترجمہ عربی [2] پیدائش ۷، ۳ - ۲۵ قضاۃ ۸ - ۲۴، ۲۶ [3] صفۃ العرب باب المعاون۔

ہیں، ہیرڈوٹس نے عرب کے اڑنے والے اور قاتل سانپوں کا ذکر کیا ہے[1] جس کی تصدیق حضرت موسیٰؑ کے کلام سے بھی ہوتی ہے[2] لیکن شاید اب اُن وجود نہیں۔

اقطاعِ عرب عرب جغرافیہ نویسوں نے عرب کے اس کے حدود طبعی کی بنا پر منقسم کیا ہے، عرب عراق اور عرب شام کو چھوڑ کر حسب ذیل پانچ صوبوں پر وہ تقسیم ہے، تہامہ، حجاز، نجد، یمن اور عروض۔

اس تقسیم کا اصل معیار جبل السراۃ قرار دیا گیا ہے، جو عرب کا سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ ہے یہ سلسلہ انتہائے شمال یعنی برّ الشام سے شروع ہو کر انتہائے عرب یعنی یمن میں منتہی ہوتا ہے اس سلسلہ میں عرب کو مشرقی و مغربی دو طبعی حصوں میں منقسم کر دیا ہے مغربی حصّہ مشرقی حصہ سے چھوٹا ہے وہ عرضاً دامنِ کوہ سے سواحل بحر احمر تک اور طولاً عرب شام کے حدود سے یمن کے حدود تک پھیلتا چلا گیا ہے، اس حصہ کا نام حجاز ہے، حجاز کا جنوبی حصہ بطرف یمن جو نشیب و پست ہے، تہامہ اور غور کہلاتا ہے، جس کے معنی پستی کے ہیں مشرقی حصّہ عموماً بلند اور فراز ہے اور وہ کوہ سروات سے اتر کر وسط ملک کو طے کرتا ہوا عراق تک چلا گیا ہے، اس حصّہ مشرقی کا نام نجد ہے جس کے معنی فراز و بلندی کے ہیں تہامہ اور نجد کے درمیانی اور کوہستانی حصہ کو حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک حاجز (حجاب) اور پردہ ہے عراق اور جنوبی حدود نجد سے خلیج فارس تک یمامہ، عمان اور بحرین وغیرہ جو قطعۂ ملک ہے اس کو عروض (ترچھا) کہتے ہیں کہ وہ ترچھا اور خم واقع ہوا ہے، حجاز، نجد اور عروض کے بعد جنوبی حصہ میں سواحل بحر احمر سے سواحلِ بحر عمان تک، سواحل بحر عرب پر وہ قطعۂ ملک ہے جو اپنے یمن و برکت اور زرخیزی کی بنا پر یمن کے نام سے مشہور ہے۔

لیکن اب بہت سے اہل جغرافیہ کے نزدیک تہامہ کوئی مستقل صوبہ نہیں بلکہ وہ حجاز کا ایک ٹکڑا ہے، اس بنا پر عرب کے حسب ذیل صوبے قرار دیے جا سکتے ہیں، عروض، نجد، یمن اور حجاز ان چاروں صوبوں میں سے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر منقسم ہے۔

عروض

عروض جیسا کہ پہلے ہم نے بتایا ہے، وہ قطعۂ ملک ہے، جو مشرقی نجد اور حدود عراق سے

---

[1] ص ۱۴۲ بیروت [2] تورات استثنا باب ۸ درس ۱۵۔

سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے، اس صوبہ میں یمامہ، بحرین اور عمان تین اقطاع ہیں، بحرین اور عمان ساحل بحر فارس پر واقع ہیں، اور یمامہ، بحرین اور عمان کے پار نجد، حجاز اور یمن کے وسط میں ہے

ا۔ یمامہ کے حدود اربعہ یہ ہیں، مشرق میں عمان اور بحرین مغرب میں حجاز اور بعض حصہ یمن، جنوب میں احقاف یا الربع الخالی، شمال میں نجد، یمامہ کا وہ حصہ جو نجد سے متصل ہے آباد سرسبز ہے

یمامہ کی قدیم تاریخ یہ ہے کہ وہ قبائل طسم وجدیس کا مسکن تھا[1] حجر یا قریہ اور جعدۃ ان قبائل کے عہد میں یمامہ کے مشہور شہر تھے، یمامہ میں طسم اور جدیس کی بعض عمارات اور قلعوں کے آثار زمانۂ اسلام تک باقی تھے، جن میں سب سے بڑی عمارتیں قصر شموس اور قصر معنق تھیں،[2] شہر حجر جس کا نام القریہ ہے ان قبائل کی حکومتوں کا صدر مقام تھا زرقا جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بہت تیز نگاہ تھی دشمنوں کی فوج کو تین روز کی مسافت سے دیکھ لیتی تھی، اسی یمامہ کی رہنے والی تھی، مشہور قبیلہ ربیعہ کی بعض شاخیں عہد قدیم سے یہاں آباد تھیں، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو عجل کی آبادی بھی یہاں تھی۔

زمانۂ اسلام کے قریب اس سرزمین میں عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو حنیفہ بستا تھا، جو بکر بن وائل کی ایک شاخ تھا، بنو حنیفہ نے ۸ھ میں خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عقیدت کیشی کا اظہار کیا اسی صوبہ وقبیلہ کا فرزند مسیلمہ تھا جس نے عہد نبوی کے آخر میں دعویٰ نبوت کیا اور حضرت ابوبکر کے عہد میں ایک جنگ عظیم کے بعد ایک وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا، بنو اسد کا ایک مشہور قبیلہ اسلام سے تقریباً ایک صدی پیشتر یہاں آباد تھا، جو حکومت کے لحاظ سے کندہ کا ماتحت تھا۔

۲۔ بحرین، جس کا دوسرا نام الاحساء ہے، ایک ساحلی مقام ہے، اس کے اوپر عراق اس کے نیچے عمان اس کے مغربی پہلو پر یمامہ اور مشرقی جانب خلیج فارس واقع ہے، بحرین موتیوں کے لئے مشہور ہے، اس کے جزائر اور سواحل موتیوں کی کان ہیں جہاں ہر سال ہزاروں کشتیاں اور ہزاروں غواص موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں۔

قبیلۂ جدیس جو طسم کو مٹا کر یمامہ کا مالک ہوا تھا حسان شاہ یمن کے حملوں سے بھاگ کر یہیں پناہ گزیں ہوا تھا بعد کو عدنانی قبائل میں سے قبیلۂ عبد القیس کا یہ مسکن ہوا، ربیعہ کی بعض شاخین بھی یہاں آباد تھیں، چھٹی صدی عیسوی میں بحرین اہل فارس کے قبضہ میں تھا اور ان کی طرف سے مناذرہ جو عراق (حیرہ) اور اس کے آس پاس کے ملک میں ایرانیوں کے نائب تھے

[1] ابو الفدا جلد۔ ا ص ۹۹ مصر، [2] مقامات وعمارات کے نام یاقوت کے معجم البلدان میں دیکھو۔

بحرین کے حاکم تھے[1]، طرفہ جو عرب کا ایک مشہور شاعر تھا، آل منذر کے اشارہ سے یہیں قتل ہوا ۶ھ میں یہاں کا حاکم منذر بن ساوی تھا جو پیغام اسلام پہنچنے پر اپنی تمام عرب رعایا کے ساتھ مسلمان ہو گیا، اور یہاں سے بنو عبد القیس کا ایک وفد حاضر خدمت نبوی ہوا۔

اسلام کے بعد اس ملک میں سب سے بڑا واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ قرامطہ جو نیم مسلمان مجوسی تھے ان کی طاقت کا مرکز فارس کے قرب کی بنا پر یہی ملک تھا۔

۳۔ عمان بحرین کے بعد خلیج فارس سے ہٹ کر بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے، مشرق کی جانب بحر عمان مغرب کی طرف الربع الخالی، جانب جنوب بحرین، جانب شمال شحر یمن، ساحلی مقامات نہایت آباد اور سرسبز ہیں، جبل اخضر یہاں کا سب سے بڑا پہاڑ ہے، جس کی بلندی ...۳۰ میٹر ہے ملک عمان کے پہاڑ معدنیات سے اور اس کے دریا موتیوں سے اور اس کی وادیاں غلہ، نواکہ اور خوشبودار لکڑیوں سے مالا مال ہیں، عمان کے گھوڑے، گائیں اور بکریاں بھی مشہور ہیں۔

مورخین عرب کا بیان ہے، کہ عمان، عمان بن قحطان کی طرف منسوب ہے، لیکن بروایت تورات یہ عمان بن لوط کی طرف منسوب ہونا چاہئے، قبیلہ ازد جس کو اسد بھی کہتے ہیں، قبل اسلام اس کی ایک شاخ یہاں آباد تھی، آج کل یہ ملک ایک مستقل ریاست ہے، جس کا پایہ تخت مسقط ہے، اہل ملک زیادہ تر اباضی طریقہ کے خارجی ہیں، ملک کا رقبہ کم از کم ۸۰ ہزار میل مربع اندازہ کیا جاتا ہے۔

---

[1] یعقوبی ج ۱ ص ۲۴۴ لیڈن۔

نجد

نجد وسطِ عرب میں ایک سرسبز و شاداب اور بلند و فراز قطعۂ ملک ہے، سطحِ آب سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے، اور تین طرف سے بے آب و گیاہ صحراؤں سے محیط ہے اور اسی لئے وہ اجنبی اثر و اقتدار اور بیرونی آمد و رفت سے محفوظ ہے، اس کے شمال میں صحرائے شام، مغرب میں صحرائے حجاز مشرق میں صحرائے دہنا، اور جنوب میں صوبہ یمامہ ہے۔

نجد عرب کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل کا مسکن تھا، کلیب جس سے بڑھ کر عرب جاہلیت کے نزدیک کوئی معزز نہیں ہوا، بکر بن وائل کا سردار تھا، جس کے قتل کے بعد انتقام کے لئے بکر و تغلب میں چالیس برس تک آتش جنگ مشتعل رہی، یہیں کندہ کے نام سے ایک چھوٹی سی عربی حکومت قائم تھی، یہ مناذرہ یعنی ملوکِ حیرہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی، نوشیروان کے باپ قباد نے جب مزدک کا مذہب اختیار کیا تو مناذرہ کے مقابلہ میں شہنشاہ فارس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شاہان کندہ نے بھی اس مذہب کو اختیار کر لیا تھا، اور آخر یہی ایران کی تباہی کا باعث ہوا عربی زبان کو نجد کی آب و ہوا سے عجیب و غریب مناسبت ہے، مہلہل جو عربی شاعری کا آدم کہلاتا ہے، اسی نجد کی خاک سے پیدا ہوا تھا، اور کلیب مذکور کا حقیقی بھائی تھا، امرء القیس جو عرب کا ملک الشعراء تھا، اسی نجد کی حکومتِ کندہ کا شاہزادہ تھا، اور آج بھی جبکہ امتدادِ زمانہ اور اختلاط اقوام کے سبب سے فصیح عربی زبان کا تمام جزیرۂ عرب میں کہیں وجود نہیں، یہاں کے پہاڑوں میں قدیم فصیح عربی زبان بلا اختلاط موجود اور محفوظ ہے۔

نجد عہد قدیم سے قبائل عدنانیہ کا مسکن ہے، آخر عہد میں کہلانی قبیلہ کی مشہور و معروف شاخ طے، آجا و سلمیٰ کی پہاڑیوں میں آباد ہو گئی تھی، جن کو شعرائے طے نے ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد کیا ہے، چھٹی صدی عیسوی میں جو ظہورِ اسلام کا زمانہ ہے، نجد میں غطفان کا قبیلہ بستا تھا، جس کی تادیب کے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہؓ سنہ ۴ھ میں نجد تشریف لے گئے تھے، اس مہم کا نام اہل سیرت کے ہاں غزوۂ ذات الرقاع ہے، قبیلۂ ہوازن اور سلیم، نجد کے مغربی حصہ پر قابض تھے، قبیلۂ حطیم کی بھی ایک شاخ نجد میں تھی۔

آج کل نجد، شمر، قصیم اور عارض تین حصوں منقسم ہو کر دو شیوخ کے زیر حکومت ہو گیا ہے شمالی حصہ جو صحرائے شام و عراق و حجاز کے متصل ہے شمر کہلاتا ہے، اور کبھی اپنے دارالامارۃ حائل کے نام سے حائل بھی پکارا جاتا ہے، جبل شمر اور جبل سلمٰی اور کچھ وادیاں اس تقسیم میں داخل ہیں، پہاڑی خودرو نہروں سے وادیاں شاداب رہتی ہیں، قصیم کا نصف حصہ حکومتِ شمر میں داخل ہے، شمر کی حکومت آج کل آل رشید کے قبضہ[1] میں ہے، آبادی کا تخمینہ تین لاکھ ہے، شمر میں پہلے قبیلۂ طے کی ایک شاخ شمر آباد تھی جس کے نام سے یہ ملک موسوم کیا گیا ہے،

عارض جو یمن کے صوبۂ احقاف کے متصل ہے نجد الیمن کہلاتا ہے، اور آج کل نجد سے عموماً یہی سرزمین مراد لی جاتی ہے، امیر نجد آل سعود سے جس کے دارالامارۃ کا نام مدینۃ الریاض ہے قصیم کا جنوبی حصہ اسی حکومت کا تابع ہے، نجد کا یہ حصہ شمر سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے، محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اثر سے عارض کے باشندے زیادہ تر اہل حدیث ہیں اور ان کی مردم شماری بیش و کم ۵ لاکھ ہے۔

نجد کے پھول، گھوڑے اور اونٹ مشہور ہیں، ہر قسم کے میوے یہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، وادیوں اور پہاڑیوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔

---

[1] پچیس برس ہوئے کہ آل رشید کی ریاست ختم ہو گئی اور ابن سعود کی حکومت میں شامل ہو گئی ”س“

یمن

یمن عرب کا سب سے زیادہ سرسبز، سب سے زیادہ آباد، سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ متمدن صوبہ ہے، اور جو اسلام کے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی علم کا مرکز رہا ہے اس کی تاریخ نہایت قدیم ہے، اس لئے اکثر مجہول ہے، عمارات اور قلعوں کے آثار یہاں نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، جو قدیم شاندار تمدن کا پتہ دیتے ہیں، قرب وجوار کی سلطنتوں نے مثلاً روم فارس اور حبشہ نے اس پر متواتر حملے کئے ہیں، اور کبھی فتح بھی کیا ہے، یونانی اور رومی مورخین کے پاس یمن کے متعلق بعض اہم معلومات ہیں، اور کچھ معلومات آثار قدیم کی مدد سے یورپین علمائے آثار (ارکیالوجسٹ) نے حاصل کئے ہیں۔

صوبۂ یمن کے حدود حکومت گو مختلف زمانۂ حکومت میں مختلف رہے ہیں، تاہم اس نے طبعی حدود یہ ہیں، جنوب میں بحر عرب، مغرب میں بحر احمر، شمال میں حجاز، نجد اور یمامہ، اور مشرق میں عمان و بحرین، اس صوبہ کی ابتدائی تاریخ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے، قدامت کی تاریکی میں مخفی ہے، جہاں تک معلوم ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ اس سرزمین کے مختلف اقطاع میں، وقتاً فوقتاً عمالیق، اہل معین، عاد، سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئی ہیں، جنھوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں جن کی عظمت کے آثار اب تک باقی ہیں، ترقی زراعت کے لئے وادیوں میں بڑے بڑے بند آب بنائے جن میں سب سے زیادہ مشہور سدّ مارب ہے جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہوا ہے، ہندوستان، فارس، حبش، مصر اور عراق کی تجارتیں اُن ہی کی وساطت سے قائم تھیں، پہاڑوں سے معدنیات اور جواہر نکالتے تھے، سامانِ عطریات و بخورات ان ہی کے ملک سے تمام مہذب ممالک میں پہنچتا تھا، آخر زمانہ میں تقریباً ستر برس کے لئے اہل حبشہ یمن پر قابض ہو گئے تھے، جن کو آخر کار اہل فارس نے نکال دیا اور خود قبضہ کر لیا، ظہور اسلام کے وقت اہل فارس کی طرف سے باذان یہاں کا گورنر تھا، جو ۷ھ میں مسلمان ہو گیا، بقیہ اہل یمن جو زیادہ تر مذہباً یہودی تھے، ۱۰ھ میں داعی اسلام حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ تھا، تمام قبیلہ صرف ایک دن میں شرف اسلام سے مشرف ہوا۔

یمن کے قدیم مشہور مقامات کے نام یہ ہیں، معین مارب ظفار شیبان، اوزال، براقش، نشق، خولان، قرن سبوہ، عمران، صنعاء وغیرہ، انہیں اب اکثر مقامات ویران یا دریائے ریگ میں غرق ہیں، بعض موجود ہیں

لیکن ان کے قدیم نام متروک ہیں، ملک کی کثرتِ آبادی و سرسبزی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ملک کی تقسیم پہلے جن صوبوں پر تھی اور جن کو اہل عرب مخالف کہتے ہیں مورخ یعقوبی نے ان کی تعداد ۸۴[۴] بتائی ہے، یمن کی بڑی بڑی تقسیمیں حسب ذیل ہیں۔

حضرموت، احقاف، صنعاء، نجران، عسیر، جو علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی حضرموت سے جنوبی مغربی حدود یعنی حجاز تک سواحلِ بحر احمر پر واقع ہیں۔

۱۔حضرموت، ساحلِ بحر ہند پر واقع ہے، شمال میں بحر ہند، جنوب میں الربع الخالی اور الاحقاف اور مغرب میں صنعاء، یہ ایک نہایت قدیم آبادی ہے، قحطان یا یقطان جو یمن کا پدر اول تھا، اس کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام توراة[۲] نے حضرماوت بتایا ہے، اس بنا پر اہلِ تاریخ یقین کرتے ہیں کہ یہ قطعۂ ملک اپنے باشندۂ اوّل حضرماوت ابن قحطان کے نام سے منسوب ہے، اہل حضرموت نے ایک مستقل حکومت بھی قائم کرلی تھی جس کی مختصر تاریخ مورخ ابن خلدون[۳] نے بیان کی ہے، عاد و ثمود کے قبائل کا اصلی مسکن بھی یہی تھا، عاد کا قبیلہ یہاں سے ذرا ہٹ کر احقاف میں بس گیا اور ثمود حجاز کے پار جاکر آباد ہوا، بالفعل حضرموت ایک مستقل قطعۂ ملک کی حیثیت سے ایک مستقل امام کے ماتحت ہے، شادابی اور سرسبزی میں صنعاء سے کم نہیں ہے، اور عود وقافلی وغیرہ یہاں کے نباتات ہیں سال بسال حضرموت میں سوق الرابیہ کے نام سے ایک بازار لگا کرتا تھا، اور اسی کے متصل شمہرہ میں دوسرا بازار لگتا تھا[۴]۔

۲۔بلاد الاحقاف، یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم الدہنا یا ربع خالی کے نام سے واقع ہے، گو وہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق تھوڑی زمین ہے، خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خدا نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کردیا

۳۔صنعائے یمن، ملک یمن کا قلب، اور یمن کے قدیم تمدن کا تماشا گاہ درحقیقت یہی ٹکڑا ہے، بحر ہند اور بحر احمر کے سواحل پر عرب کے شمالی و مغربی گوشہ میں واقع ہے، معین سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں اسی قطعۂ زمین پر قائم ہوئی تھیں، سدّ مارب یا سدّ عرم اسی

---

[۱] صفحہ ۲۲۷ لیڈن، [۲] توراة تکوین ۱۰-۲۲۔ [۳] جلد ۲ صفحہ ۳۔

[۴] یعقوبی جلد ا ص ۳۱۴۔

کی وادیوں میں تعمیر ہوا تھا، ظفار، مارب اور اوزال یہیں کے پایۂ تخت تھے، ملکۂ سبا اسی سر زمین کی شاہزادی تھی، قصر غمدان، قصر ناعط، قصر ریدہ، قصر مرداح، قصر مدر اسی قطعۂ ملک میں تعمیر ہوئے تھے، جن کے آثار چوتھی صدی ہجری میں ہمدانی نے خود برائی العین مشاہدہ کئے تھے **صنعا** جو یمن کا اب پایہ تخت ہے قدیم شہر اوزال کے پاس اسلام سے ایک مدت پہلے آباد ہوا تھا، سنہ ۱ھ میں جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے یہ ملک مشرف بہ اسلام ہوا، اب یہاں زیادہ تر زیدی طریقہ کے مسلمان آباد ہیں، جو عقائد میں معتزلہ کی شاخ اور شیعہ اور اہل سنت کے وسط میں ہیں، یہاں کا امام بھی زیدی سادات کے خاندان سے ہے، یمن کے نباتات خصوصاً یمن کا قہوہ (بُن) مشہور ہے، اسلام کے بعد شہر زبید یمن کا ایک مشہور شہر بن گیا، جہاں سے متعدد علمائے اسلام پیدا ہوئے۔

۴۔ **نجران** بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان میں ایک مختصر سی آبادی تھی، عہد قدیم میں یہاں بنو اسماعیل میں سے بجیلہ بن نزار آباد ہوا تھا[۱]، اسلام کے کچھ پہلے سے روم و حبش کی کوششوں سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی یمن کی یہودی حکومت نے ان عیسائیوں کو بجبر یہودی بنانا چاہا، لیکن روم اور حبش جو مسیحی ہمسایہ سلطنتیں تھیں، وہ برابر ان کی حمایت کرتی رہیں، نجران میں ایک بہت شاندار کلیسا بھی تعمیر ہوا تھا، جو عربوں میں کعبۂ نجران کے نام سے مشہور تھا، سنہ ۹ھ میں اہل نجران کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تھا۔

۵۔ **عسیر**، بحر احمر کے ساحل پر حجاز اور صنعاء کے مابین واقع ہے، یہاں کے باشندے عموماً اہل حدیث ہیں، امام عسیر ادریسی خاندان کا ہے۔

ان ملکی تقسیمات کے علاوہ یمن میں بہت سے ساحلی مقامات اور جزائر ہیں، مثلاً شحر، مہرہ، مکلا، لحج، جزائر کوریا موریا، جزیرہ بریم وغیرہ، ان کی حکومت مختلف شیوخ کے ماتحت ہے، اور جو زیادہ تر برٹش گورنمنٹ کے زیر اقتدار ہیں۔

ظہور اسلام کے زمانہ میں یمن حکومت فارس کے ماتحت تھا، سنہ ۹ھ میں یہاں کا آخری ایرانی گورنر مسلمان ہو گیا، اور ملک بلا جنگ و جدال علم اسلام کے زیر سایہ آگیا۔

---

[۱] یعقوبی جلد ۱ ص ۲۵۵۔

حجاز

حجاز بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل صوبہ ہے جس کا نام توراۃ میں فاران بتایا گیا ہے اور جہاں سے تجلی ربانی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی گئی تھی، اس کے مشرقی جانب نجد، مغربی جانب بحر احمر، شمال میں عرب شام یا عرب الحجر، جنوب میں عسیر اور شمالاً جنوباً کوہ سروات کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جس کی بلند ترچوٹی ۸۰۰۰ فیٹ ہے، سلسلہ کوہ میں بہت سے چشمے جاری ہیں، جہاں گاؤں آباد ہیں باغ لگے ہیں، کھیتیاں ہوتی ہیں، کہیں کہیں جنگل ہیں، دامن کوہ سرسبز ہے، اور وہاں بھی آبادی ہے، لیکن زیادہ آباد اور سرسبز حصہ وہ ہے جو بحر احمر کے سواحل پر واقع ہے، ان مقامات کے علاوہ تمام حصہ ریگستان ہے، جہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہو سکتی، حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر جدہ ہے جو مکہ کا بندرگاہ ہے اس کے بعد دوسرا مقام ینبع ہے جو مدینہ کا بندرگاہ ہے، اندرون ملک کے بڑے بڑے شہر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

ا۔ مکہ یا بکہ جس کا تیسرا نام ام القریٰ ہے، حجاز کا دار الحکومت ہے، یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر (ابراہیمؑ) کی بنا، ایک نوجوان پیغمبر (اسماعیلؑ) کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمدؐ) کا مولد ہے، شہر عرض البلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ، اور طول البلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ پر واقع ہے، سطح آب سے تقریباً ۳۳۰ میٹر بلند ہے، چاروں طرف پہاڑوں نے قدرتی دیواریں کھینچ دی ہیں، بالفعل شرقاً غرباً تقریباً ۳ کلومیٹر لمبا اور جنوباً شمالاً تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر چوڑا ہے، مشرقی سلسلہ شمالی سلسلہ جبل خلیج (فلق) جبل قیقعان جبل ہندی، جبل لعلع، جبل کدآ سے مرکب، آخر الذکر پہاڑ وہی ہے جس کی راہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تھے، جنوبی سلسلہ جبل ابو حدیدہ، جبل کدی اور جبل ابی قبیس کے بعض سلسلہ سے مرکب ہے، مشرق میں جبل ابی قبیس اور اس کے پیچھے جبل خندمہ اور مغرب میں جبل عمر واقع ہے۔

حضرت مسیحؑ سے ڈھائی ہزار برس پہلے یہ کاروان تجارت کا ایک منزل گاہ تھا۔ تقریباً دو ہزار ق م میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند عزیز حضرت اسماعیلؑ کو یہاں آباد کیا، باپ بیٹے نے خدا کے نام پر یہاں ایک قربان گاہ بنائی جس کا کعبہ نام قرار پایا، فرزندان اسماعیل کی اولاد ایک مدت تک یہاں دیگر قبائل پر بالا دست رہی، اس کے بعد قحطانی قبائل (بروایت عام) آئے اور انھوں نے استیلا حاصل

کیا، بنو اسماعیل میں سے قصی نے آخر یہاں کی ریاست حاصل کی، قصی قریش کا پدر اعلیٰ تھا، آخر زمانہ میں یہاں کے مالک قریش تھے، امور مملکت اور صیغہائے حکومت ایک ایک شیخ خاندان کے زیر نگرانی تھے شہر کے علاوہ اسماعیلی قبائل شہر کے آس پاس بھی آباد تھے، مکہ کے جنوب میں جو پہاڑیاں ہیں وہ مشہور قبیلۂ ہذیل کا مسکن تھیں، جنوب کی طرف وادی القریٰ ہے، جو قدیم قبائل کا مسکن تھا، اس کے اطراف میں قبائلِ کنانہ رہتے تھے، مکہ کے پاس جبل حبشی کے دامن میں قبائل احابیش رہتے تھے۔

۲۔ مدینہ منورہ، قبل ہجرت نبوی اس شہر کا نام یثرب تھا، ہجرت کے بعد اس کا نام بدل کر مدینۃ النبی صلعم یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر" ہوا، اور کثرت استعمال سے "ال" قائم مقام مضاف الیہ ہو کر المدینہ رہ گیا، یہ شہر سمندر کی سطح سے ۶۱۹ میٹر بلند ہے، اور طول ۳۹ درجہ ۵۵ دقیقہ اور عرض ۲۴ درجہ ۱۵ دقیقہ شمال خطِ استوا پر واقع ہے، گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ ۴۸ درجہ تک بڑھتا ہے، اور جاڑوں میں دن کو صفر سے دس درجہ اوپر اور رات کو صفر سے ۵ درجہ نیچے ہوتا ہے، اس لئے جاڑوں میں اکثر صبح کو پانی یہاں یخ ہو جاتا ہے، پہلے یہاں عمالیق آباد تھے، لیکن عہد اسلام میں یہاں یہود اور قبائل اوس و خزرج آباد تھے، محققینِ حال کا بیان ہے، کہ یثرب مصری لفظ "اتھربیس" کی تعریب ہے، ہمارے یہاں کے مورخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے، اور اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ عمالیق ۲۲۰۰ء میں مصر کے حکمران تھے، اور ۱۶۰۰ء ق م میں وہاں سے نکالے گئے تھے، اس بنا پر شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ء قبل مسیح اور ۲۲۰۰ء ق م کے درمیان ہے، عمالیق کے بعد یہاں سب سے پہلے یہود آ کر آباد ہوئے، اس کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آباد ہوئیں، یہ اوس و خزرج وہی قبائل ہیں جن کا لقب اسلام میں انصار ہوا اور جنھوں نے اسلام کی دعوتِ اولین قبول کی اور مسافرین اسلام کو اپنے گھروں میں اتارا، اور جس کی مکافات میں خداوند تعالیٰ نے انصار کے نام سے ان کو زندگی جاوید بخشی اور ان کے شہر کو پینتیس ۳۵ کروڑ نفوس کا مرکز قرار دیا۔

بنو لام جو طے کی ایک شاخ ہے مدینہ کے کوہستانی مقام میں آباد تھی، ہمدانی نے لکھا ہے کہ اسلام کے بعد یہ شاخ دیارِ ربیعہ کو منتقل ہو گئی، بنو ظفر بھی ہمدانی کے بیان کے مطابق مدینہ کے مقابل ہی سکونت پذیر تھے، بنو کلاب جو مشہور قبیلہ تھا، وہ مدینہ کے اطراف میں ربذہ، فدک اور عوالی میں آباد تھا، جو اسلام کے بعد حسبِ روایاتِ ہمدانی شام کو منتقل ہو گیا اور وہاں اس نے اپنی ایک ریاست قائم کی

۳۔ طائف حجاز کی جنت ہے، بے انتہا سرسبز و شاداب مقام ہے، امرائے حجاز عموماً گرمی وہیں بسر کرتے ہیں، ابتداءً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا، بعد کو وہ مشہور قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں آیا قبل ہجرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں دعوتِ اسلام کے لئے تشریف لائے لیکن جس طرح جلیل کے ایک شہر نے مسیحؑ کو قبول نہیں کیا، طائف نے بھی آپ کو قبول نہ کیا، ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا، ۹ھ میں سردار ثقیف عروہ بن مسعود نے اسلام قبول کیا اور خود اپنی قوم کے ہاتھ سے اسلام کی راہ میں مارا گیا، لیکن ان کی منادی بے اثر نہ رہی، اسی سال وفدِ ثقیف خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عقیدت کیش ہوا۔

جوف، ثمود، تبوک، خیبر، مدین

ان شہروں کے علاوہ بعض اور مقامات بھی قابل ذکر ہیں، مدینہ سے کچھ آگے بجانبِ شمال وہ میدان واقع ہے، جہاں ثمود کا قبیلہ آباد تھا، یہ جوف اور وادی القریٰ کے نام سے مشہور ہے، پایۂ تخت کا نام حجر تھا، جس کا قرآن میں بھی ذکر آیا ہے، یہ شہر زیادہ تر اپنے پیغمبر صالح کے نام سے مدائن صالح کہلاتا ہے، ۹ھ میں تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شہر سے گذر ہوا تھا، اسی سے متصل دوسری آبادی تیماء ہے حجر اب حجاز ریلوے کا اسٹیشن ہے، حجر کے بعد ایک اسٹیشن المعظم چھوڑ کر دوسرا اسٹیشن تبوک ہے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کی مدافعت کے لئے اقامت فرمائی تھی، مدینہ کی مغرب جانب خیبر ہے، جو یہود کی جنگی قوت کا مرکز تھا، اور یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے قلعے تھے، ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے اور اس کی تسخیر فرمائی، حجر کے مقابل مغرب کی جانب بحر احمر کے ساحل پر شہر مدین آباد تھا، جو حضرت موسیٰؑ کا دار الہجرۃ، ان کے خسر شیرو یا حوباب (حضرت شعیبؑ) کا وطن اور مدیانیوں کا پایۂ تخت تھا۔

آغازِ اسلام میں یہ شہر یہودیوں کے قبضہ تھے، اور یہاں ان کے بڑے بڑے قلعے تھے، جن کو اسلام نے عہدِ نبوت میں یکے بعد دیگرے فتح کیا۔

عرب شام

یعنی وہ قطعۂ عرب جس کو یونانی عرب سنگستانی کہتے ہیں اور جو شام، مصر، بادیۂ شام اور حجاز و نجد کے مابین واقع ہے، یہ آبادی عرب کا بہت قدیم حصہ ہے، بلکہ اولین حصہ ہے، اکتشافات جدیدہ سے پہلے بھی گو اس ملک کی وقعت کم نہ تھی کہ اس کے صحرا میں بنو اسرائیل کا مسکن تھا، اس کے ایک پہاڑ پر اسرائیل کا ایک پیغمبر (حضرت موسیٰؑ) خدا سے ہم کلام ہوا تھا، اس کے متصل ارض موعود واقع ہے، جس کو ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کے خدا نے اسرائیل کے فرزندوں کو وراثۃً بخشا تھا، لیکن اکتشافات جدیدہ کے بعد اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے، یہاں عمالقۂ عرب کی آبادی تھی، ان ہی کھنڈروں میں ان کی عظیم الشان حکومت قائم تھی، جس کا سلسلہ حجاز تک پھیلا تھا، اور جس میں بلقاء، عمان، بصریٰ، تدمر وغیرہ شہر داخل تھے، تدمر ایک مشہور تجارتی مقام تھا، زبا یہاں کی ایک ملکہ کا نام ہمیشہ عربوں میں ضرب المثل رہا ہے، اسلام سے کچھ پہلے یہ ملک بنو جفنہ ایک عرب خاندان کے زیر حکومت تھا، جو غسانیہ کے نام سے موسوم ہے، اور جس کا پایۂ تخت بصریٰ تھا، قبیلہ جہینہ کی متعدد شاخیں یہاں آباد تھیں، ہمدانی نے لکھا ہے، کہ اسلام کے بعد عرب شام میں حلب تک بنو عجلی آباد ہوئے تھے، طے کی یہ شاخ ربیعہ یہیں آباد تھی، بنو جذیمہ کی اکثر شاخیں غزہ کے پاس سکونت پذیر تھیں، ظہور اسلام کے وقت یہ تمام اطراف رومیوں کے زیر سایہ عرب عیسائی امراء اور یہود کے قبضہ میں تھے۔

عرب عراق

عرب عراق سے وہ سرزمین مراد ہے، جس کو یونانی عرب ریگستانی کہتے ہیں، اور خلیج فارس دریائے فرات، بادیۂ شام اور نجد کے مابین واقع ہے، اب عام طور سے لوگ اس کو عراق عرب کہتے ہیں، اس حصہ میں بھی عہد قدیم میں عمالقۂ عرب نے ایک شاندار حکومت قائم کی تھی، قبیلۂ ربیعہ کی ایک شاخ یہاں بھی آباد تھی، اسلام کے بعد عہد فاروقی میں اسی سرزمین میں کوفہ اور بصرہ آباد ہوئے جو خالص عربی تمدن کا مظہر اور علمائے اوّلین کے مرکز تھے، اور جس کی سرزمین میں متعدد علوم دنیاویہ و علوم اسلامیہ کی بنیادیں قائم ہوئیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اسی عرب عراق میں اسلام سے پہلے سنجار نام مقام میں نہر فرات کے پاس قبیلۂ عبید کی ایک ریاست تھی جس کا آخری بادشاہ ضیزن بن معاویہ تھا، اس خاندان کے آثار عمارات اب تک میدان سنجار میں باقی ہیں، زبید شاخ کے بھی اس مقام میں آباد ہوئی تھی، بنو عجل کی ایک شاخ یمامہ سے عراق تک پھیلی ہوئی تھی۔

ظہور اسلام کے وقت ایرانیوں کے ماتحت ایک عرب خاندان (مناذرہ) یہاں کا فرمانروا تھا، اس کا پایۂ تخت کوفہ کے متصل شہر حیرہ تھا۔

اقوام ارض القرآن

امم سامیہ

تاریخ ارض القرآن (عرب) کو جن قوموں سے تعلق ہے وہ عموماً امم سامیہ ہیں۔ امم سامیہ کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت تفصیل ذیل سے واضح ہوگی۔

علم الاقوام اور علم الالسنہ کے محققین نے اقوام عالم کو اخلاق، عادات، اعتقادات اور زبان کے اتحاد و تشابہ اور جسم، اعضاء اور دماغ کی مماثلت کے لحاظ سے تین مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے

۱۔ اریانی۔ (ایرین یا انڈو یورپین) مثلاً ہندوستان، ایران، فرنگستان۔

۲۔ تورانی۔ (ٹیرنین یا منگولین) مثلاً ترکستان، چین، منغولیا وغیرہ۔

۳۔ سامی۔ (سمیٹک) عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، کلدانی، فینیشین وغیرہ۔

بعض علماء اقوام عالم کی علم الالوان یعنی اختلافِ رنگ کی بناپر تین تقسیمیں کرتے ہیں۔

۱۔ جنس ابیض ۔ عام امم سامیہ و فرنگستان۔

۲۔ جنس اسود ۔ یا احمر، باشندگانِ افریقہ

۳۔ جنس اصفر ۔ جاپان و چین و بقیہ امم تورانیہ۔

تیسری تقسیم توراۃ کی ہے طوفانِ نوح کی زندگی ثانی کے بعد وہ بھی دنیا کی تمام قوموں کو تین خاندانوں پر منقسم کرتی ہے، حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے، یافث، حام اور سام، تمام دنیا ان ہی کی تین نسلوں کی یادگار ہے، تفصیل حسب ذیل ہے۔

بنو یافث | یافث کی ۷، اولادیں ہوئیں، غامر، ماجوج، مادی، یاوان، توبال، موشوخ، تیرس توراۃ کا بیان ہے، کہ جزائر میں رہنے والی اقوام اسی خاندان سے ہیں۔

بنو حام | حام کی چار اولادیں تھیں، کوش (پدر حبش) مصرائیم (پدر مصر) کنعان (فینیقیہ) اور فوط

۱۔ کوش سے سبا، حویلہ، سبتاہ، رعماہ، سبتکاہ، پیدا ہوئے، اسی کوش کی نسل سے کا خاندان پیدا ہوا، جو بابل کا پہلا بادشاہ تھا۔

۲۔ مصرائیم سے لودی، اتامی، لیبی، نافوتی، فطروسی، کفتوری اور کسلوہی جس سے فلسطین کا خاندان پیدا ہوا۔

۳۔ کنعان سے صیدا، حتی، یابوسی، عموری، جرجاشی، ہوی، ارکی، سینی، اروادی، سیماری اور حماتی پیدا ہوئے۔

عموماً یہ شام کے باشندے تھے جن میں سے شہر صیدا اور حماۃ اب تک اُن کی یاد گار باقی ہیں

بنو سام سام کے پانچ بیٹے تھے عیلام، ارفخشد، لود، اشود (اسیریا) اور ارام۔

توراۃ کو ان تمام خاندانوں میں سے صرف بنو سام سے تعلق ہے اور بنو سام میں سے بھی وہ صرف دو کی اولادوں کا ذکر کرتی ہے، ارام اور ارفخشد۔

۱۔ ارام کے بیٹے عوض، حول، جشر اور مس۔

۲۔ ارفخشد کے بیٹے کا نام سلح تھا، سلح سے عبر پیدا ہوا، جو تمام بنی عبر یعنی بنو قحطان، بنو ابراہیم، بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل) کا باپ تھا، عبر کے دو بیٹے تھے یقطان (یعنی قحطان جو قحطانی عربوں کا جد اعلیٰ تھا) اور فلج فلج سے رعو، رعو سے سروح، سروح سے نحور، نحور سے تارح (آزر) اور تارح سے حاران اور حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے[1]۔

حضرت ابراہیمؑ کے تین بیٹے تھے، اسماعیلؑ جو شمالی عرب کے اسمائیلی عربوں کے باپ ہیں، اسحاقؑ جن سے اسرائیلی کا گھرانا چلتا ہے، اور بنو قطورا جن میں ایک مدین ہے۔

توراۃ کی یہ تقسیمات کہاں تک تحقیقات علمی کے مطابق ہیں؟ اس سوال کے مختلف جوابات ہیں، علمائے یورپ کا ایک فرقہ ان میں سے اکثر کو لغو سمجھتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ محقق فرقہ کہتا ہے کہ یہ تقسیمات نسبی اور لسانی نہیں ہیں بلکہ صرف[2] جغرافی اور سیاسی ہیں۔

لیکن یورپ کا وہ گروہ جو معقول اور منقول کی تطبیق کا کوشاں ہے وہ سفر تکوین کے بیانات اور علم و بحث کے نتائج کو ایک ہی سمجھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ توراۃ نے جو نام گنائے ہیں، وہ تلاش اور تحقیق کے بعد تھوڑے تغیر کے ساتھ قدیم تاریخی ناموں سے خواہ وہ خود اشخاص کے ہوں یا اُن کے مقامات کے ہوں بالکل مطابق[3] ہیں۔

---

[1] ان تمام بیانات کے لئے دیکھو سفر تکوین باب ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۴۔ صفحہ ۶۱۸۔

[3] فصل جغرافیہ توراۃ، (BEVAN)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سفرِ تکوین کی اس فہرستِ انساب پر نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف فلسطین اور اس کے آس پاس کے اقوام و مقامات مثلاً سوریا (شام) اسیریا، بابل، کلدان، میڈیا، سیسانیا، مصر، دمشق، لیبیا، افریقیہ، سینا اور عرب کا ایک خاکہ ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس فہرست میں اشخاص کے بجائے زیادہ تر اقوام کے نام ہیں اور جو اشخاص کے نام نظر آتے ہیں وہ بھی حقیقت میں اقوام کے نام ہیں جن کے مسکن اب تک فلسطین کے آس پاس موجود ہیں اور خود ان اشخاص یا اقوام کے نام جیسا کہ آگے ظاہر کیا جائے گا علمیت کے بجائے اپنا جغرافی نام ظاہر کرتے ہیں۔

بہر حال توراۃ کی تقسیم لونی (ابیض) نسبی (سام، حام، یافث) یا علمائے السنہ کی تقسیم (ایرانی، تورانی، سامی) یا علمائے اقوام کی تقسیم لونی (ابیض، احمر، اصفر) ان میں سے جو بھی معتبر ہو ان اقوام کے لئے جو عرب و شام و عراق میں آباد ہوئیں، یہ عجیب مزیت ہے کہ وہ ہر نوعیت تقسیم کے لحاظ سے ایک ہی جماعت میں داخل ہیں۔ ان کو توراۃ کی بنا پر بنو سام کہہ سکتے ہو تقسیم لسانی کی بنا پر امم سامیہ اور تیسری حیثیت سے جنس ابیض۔

بنو سام اور امم سامیہ کی اصلاح میں صرف اتنا فرق ہو گا کہ بنو سام صرف اُن قبائل و اقوام پر مشتمل ہے جن کو توراۃ سام کی اولاد بتاتی ہے، لیکن امم سامیہ کا اطلاق ان تمام قبائل و اقوام پر ہے جو سامی زبان بولتے ہیں یا بولتے تھے، اس خصوصیت کی بنا پر عیلام جس کا مسکن خلیج فارس کے فارسی سواحل (سسینیا جس کو سوسستان بھی کہتے ہیں) ہیں، اور لود جس کا مسکن بھی اسی کے پاس لودیا میں ہے، امم سامیہ سے خارج ہوں گے کہ ان کی زبان کبھی سامی نہ تھی، اور کنعان (فینیشیا) بابل اوّل، کوش (حبش) عمورانی وغیرہ کا امم سامیہ میں شمار ہو گا، کہ ان کی زبان ہمیشہ سامی رہی ہے۔[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون السنۂ سامیہ۔

امم سامیہ کا مسکن اول

امم سامیہ زمانۂ تاریخ کے پہلے سے متفرق لیکن متصل مقامات میں آباد ہیں اس لئے سوال یہ ہے کہ امم سامیہ جب صرف چند کنبوں سے عبارت تھیں تو ان کا مسکن کہاں تھا؟ مورخین عرب کے نزدیک اس کا ایک ہی جواب ہے کہ عرب!

یورپ کے موجودہ علمائے اقوام والسنہ کے نزدیک اس سوال کے جواب میں چار نظریے پیش ہیں

اوّل یہ کہ ان کا پہلا مسکن افریقہ ہے، جہاں سام کے بھائی حام کی اولاد زمانۂ تاریخی میں آباد ملتی ہے، اس نظریہ کی دلیل بیان کی جاتی ہے کہ سامی اور حامی زبانوں میں بہت شدید مشابہت ہے نیز یہ کہ سامی اور حامی اور خصوصاً جنوبی عرب کے سامیوں اور حامیوں (شاید حبش مراد ہوں) کے بعض اعضاء میں مشابہت تامہ پائی جاتی ہے

لیکن یہ دلیل نہایت عجیب ہے دو بھائیوں میں اگر مشابہت پائی جاتی ہے اور ایک افریقہ میں رہتا ہے، تو کیا ضرور ہے کہ دوسرا بھی افریقہ ہی میں پہلے رہتا ہو، یہ کیوں نہیں فرض کیا جا سکتا کہ خود حامی پہلے سامی خاندانوں کے ساتھ رہتے۔ تھے اور ایک مدت کی یک جائی کے بعد ان سے الگ ہوئے اسی یک جائی و اجتماع و اتحادِ نسل کے بقیہ آثار دونوں میں اب تک موجود ہیں۔

جنوبی عرب (یمن) اور حبشیوں میں یقیناً تشابہ ہے لیکن اس کا سبب بالکل ظاہر ہے، حبش کوئی مستقل آبادی و نسل نہیں ہے بلکہ وہ یمنی عربوں کی ایک نو آبادی[1]، اور ان کی نسل کا مخلوط حصہ ہے اسی لئے عرب ان کو "حبش"، (مخلوط) کہتے ہیں، اور اسی بنا پر قدیم مورخین یمن و حبش کو دو مستقل ملک نہیں قرار دیتے ہیں، بلکہ ایک ہی ملک (ایتوپیا) کے اُن کو دو ٹکڑے[2] سمجھتے ہیں۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بنو سام کا پہلا وطن آرمینیہ اور کردستان تھا، لیکن اس تھیوری کی صحت پر کوئی دلیل بجز توراۃ کے چند الفاظ کے (جن کے معنی غلط قرار دیے گئے ہیں، جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے) کچھ اور نہیں اسی لئے نولدیکی نے جو محقق ترین مستشرق ہے، لکھا ہے،

---

[1] برٹانیکا ج ۴ ص ۲۱۴۔ [2] یہ بحث مفصل "اصحاب الفیل"، میں دیکھو۔

کہ اس تھیوری کو اب کوئی تسلیم نہیں کرتا۔[1]

تیسری تھیوری پروفیسر گیڈی (Guide) ایک اٹالین مستشرق کی ہے، اس کی رائے ہے کہ سامیوں کا مسکنِ اوّل فرات کا حصّہ زیریں تھا، گیڈی نے اپنے دعوی کو عجیب وغریب مقدمات پر مبنی کیا ہے، ان کا اجمالی بیان یہ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ابتدائی زبان میں سب سے پہلے ابتدائی ضروریات اور گرد و پیش کی چیزوں کے لئے الفاظ پیدا ہوں گے اور اس لئے یہ الفاظ عموماً مختلف خاندانوں اور زبانوں میں تقسیم ہونے کے بعد بھی بطور ترکۂ موروثی کے مشترک طور سے باقی رہیں گے، سامی زبان میں اس قسم کی چیزوں کے لئے جو مشترک الفاظ ہیں مجموعی طور سے ان کا وجود جہاں پایا جائے گا وہی امم سامیہ کا مسکن اوّل ہوگا، اس حیثیت سے جو مشترک چیزیں معلوم ہوتی ہیں، ان کی شہادت ہے کہ وہ فرات کے حصّۂ زیریں کی پیداوار ہیں۔

نولدیکی اس رائے کی بھی تردید کرتا ہے، کہ اولاً ابتدائی ضروریات کے قدیم مشترک الفاظ تطاولِ زمانہ سے باقی کہاں رہے ہیں، ثانیاً یہ اصول خود صحیح نہیں کہ تمام ابتدائی ضروریات کے لئے ابتدائی زبان اور اس کے فروع میں مشترک الفاظ ہوں گے، خیمہ، لڑکا، آدمی، بڈھا وغیرہ ان معانی کے لئے اکثر سامی زبانوں میں مختلف الفاظ ہیں، تو کیا یہ کہا جائے گا، کہ ان کے لئے موطنِ اوّل میں الفاظ نہیں پیدا ہوئے تھے، حالانکہ زندگی کی ابتدائی باتیں ہیں، ثالثاً جنوبی و شمالی امم سامیہ میں بعض مشترک الفاظ ہیں جو اصولِ مذکورہ کے مطابق مسکنِ اوّل کے متولدات ہونے چاہییں، حالانکہ بمشکل ان کا وجود فرات کے مقام میں تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

گیڈی سے پہلے اسی قسم کی دلیل وان کریمر نے قائم کی تھی، اور اس کے مطابق اس کا یہ نتیجہ تھا کہ سامی قوموں کا ابتدائی مسکن ایشائے وسطیٰ میں نہر جیحون و سیحون کے پاس ہے ایک ہی قسم کی دلیل سے دو مختلف نتائج کا ظہور دونوں کے ابطال کی دلیل ہے۔

چوتھی تھیوری جو قرینِ صواب اور باعتبار دلیل مستحکم ہے یہ ہے کہ بنو سام کا مسکنِ اوّل ملک عرب تھا، اس تھیوری کے طرفدار یورپ اور امریکہ کے علما کی ایک کثیر جماعت ہے، جس کے مشاہیر ارکان یہ ڈی خوئی (De Goege) شریڈر (Sehrader) ونکلر (Winehler) ٹیل (Tiele) میر (Meyer) اور اسپرنگر (Springer) نولدیکی (Noldehe) کی رائے بھی اسی،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا طبع ۱۱ ج ۲۴ ص ۶۲۔

طرف راجح ہے، انگریز علماء میں کین (Keane) روبرٹسن اسمتھ (Robertson Smith) سموال لے انگ (Samuel Laing) اور ولیم رائٹ (W. wright) اور اوکین میں سائس (Sayee) اور راجرس (R.W. Rogers) وغیرہ محققین کبار کی یہی رائے ہے، اس جماعت کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب سے نکل کر قومیں ادھر اُدھر پھیلی ہیں۔

۲۔ عربی زبان تمام السنۂ سامیہ میں سے قدیم سامی زبان کے قریب تر ہے۔

۳۔ عربوں کی جسمانی ساخت خالص و صحیح سامی ساخت ہے۔

۴۔ ان کی اجتماعی و معاشرتی زندگی صحیح سامی یادگار ہے۔[1]

مزید توضیح کے لئے ہم بعض علمائے السنہ و اقوام کے خیالات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں، امریکہ کا مشہور مصنف اور السنۂ سامیہ کا محقق سائس اپنی تصنیف "اسیرین گرامر" میں اس مسئلہ کے متعلق اپنی حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے۔

"سامی روایات ہر حیثیت سے ملک عرب کا اپنا اصلی گھر ہونا ظاہر کرتی ہیں، دنیا کا یہی ایک ٹکڑا ہے جو خالص سامی باقی رہا ہے، جنسی خصوصیات، مذہب کی شدت، توحش، غیر قوموں سے احتراز، بدویانہ زندگی ان تمام چیزوں کی بہترین تشریح ریگستان کی اصل ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر "جغرافیۂ عرب قدیم" میں لکھتے ہیں۔

میرے یقین کے مطابق سامی قومیں عرب ہی کے توبر تو طبقے ہیں انھوں نے اپنے کو طبقات در طبقات بنا رکھا تھا، اور کون جانتا ہے کہ مثلاً کنعانیوں سے پہلے جن سے ہم تاریخ کی ابتدا میں ملتے ہیں، کتنے طبقے گذر چکے ہیں۔

شریڈر ایک جرمن رسالہ میں اپنا خیال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

مذہبی فسانے، لغوی تحقیقات، جغرافی اور تاریخی بیانات سب ثابت کرتے ہیں کہ ان مختلف سامی قوموں کا مسکنِ اوّل عرب ہی۔

مشہور مستشرق ڈی خوی ۱۸۸۲ء میں ایک اکاڈمی کے خطبۂ صدارت میں اپنا اعتقاد یہ ظاہر کرتا ہے۔

"عرب وسطیٰ ہے سامی قوموں کا مسکنِ اوّل ہے جہاں سے مختلف طبقات نکل کر شام، بابل،

---

[1] ان تمام حوالوں کے لئے دیکھو: Rogers Vol I. P. 306. 307

عمان اور یمن وغیرہ میں پھیلے اور اپنے پیشرووں کو آگے کردستان، ارمینیہ اور افریقہ میں دھکیلتے رہے۔"

کیمرج یونیورسٹی کا عربی پروفیسر ولیم رائٹ تصنیف "السنۃ سامیہ کی نحو" میں لکھتا ہے۔

"ان مختلف علماء میں سے کس کی رائے صحیح ہے، ہم آہستہ آہستہ اس کا فیصلہ کرسکیں گے، لیکن اسی اثنا میں میں صرف یہ کہوں گا کہ میں خود کو عربی صف میں شریڈا اور ڈی خوئی کے ساتھ[1] منسلک کرتا ہوں۔"

امریکہ کا پروفیسر راجرس اپنی تصنیف "تاریخ بابل واشور" میں لکھتا ہے کہ امم سامیہ کا مسکنِ اوّل عرب ہونا اب عموماً مسلم ہے۔

"سامی قومیں کہاں سے آئیں، بعضوں کا خیال ہے کہ شمال کی جانب سے کردستانی کوہستان سے آئیں...... اور عرب، کنعان اور ارمینیہ کے ملک میں پھیلیں......... لیکن یہ رائے اب ساقط ہے........ دوسری تھیوری یہ ہے کہ امم سامیہ کا ابتدائی وطن افریقہ ہے، اس کی دلیل سامی وحامی زبانوں کا تشابہ ہے....... اس رائے کی تائید میں سب کچھ کہا گیا ہے، پھر بھی تیسرے نظریہ کے لئے قومی رائیں ہیں، کہ سامی قوموں کا مسکنِ اوّل عرب ہے جہاں سے موجیں مارتی ہوئی وہ وسیع وزرخیز قطعات ملک کی تلاش میں بابل وجزیرہ میں آئیں، اور نیز کنعان کے مغربی ملک میں آئیں، یہ آخری رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ نئے نئے طرفداروں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ اب موجودہ ارباب علم کی یہ عموماً قبول کردہ ہے[2]۔"

سموال لے انگ انگلینڈ کا ایک مقبول مصنف اور تاریخ قدیم کا واقف کار اصول الانسانیہ میں اپنی حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے۔

"شواہد اشارہ کرتے ہیں کہ سامی اقوام کا ابتدائی وطن جنوبی مغربی ایشیا (اور جنوبی مغربی ایشیا میں) شاید عرب ہے، عرب کے سوا سامی اقوام ہر جگہ بغرض سکونت یا بغرض فتح باہر سے آتی ہوئی نظر آتی ہیں، اور ہر جگہ وہ اپنے سے پہلے قدیم باشندوں کو وہاں موجود پاتی ہیں لیکن عرب میں وہ اصلی باشندوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں، اکلدانیہ اور اسیریا کے قدیم روایات میں بھی وہ جنوب سے (عرب جنوب میں ہے) آتی ہوئی ظاہر کی گئی ہیں، کچھ خلیج فارس سے اور کچھ بادیۂ عرب وشام کو قطع کرکے۔"

---

[1] ان تمام حوالوں کے لئے دیکھو Wright T P 789 [2] جلد ۱ ص ۳۱۵

چند سطروں کے بعد پھر لکھتا ہے ۔

اور صرف عرب میں ہم امم سامیہ کو اور تنہا امم سامیہ کو نہایت قدیم زمانہ سے پاتے ہیں ۔

ہیرن ایک مشہور مصنف جس کا موضوع "قدیم تجارت وسیاست کی تاریخی تحقیقات" ہے اپنا اعتقاد اس مسئلہ کی نسبت اس طرح ظاہر کرتا ہے [1]

تقریباً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (یعنی اہلِ اسیریا) عرب سے آئے جو غالباً سامی قبائل کا عموماً اصلی وطن ہے گو کہ دوسرے مقامات میں مقامی حالات کی بنا پر انھوں نے اپنی اس طرز زندگی میں جس کے وہ اپنی مادری ملک کے ریگستانی صحرا میں عادی تھے تبدیلی کر لی ۔

سب سے تازہ ترین تحقیق کا ماخذ انسائیکلوپیڈیا ہے، محقق کبیر نولدیکی جو موجودہ یورپ میں مشرقی زبان وتاریخ کا سب سے بڑا افاضل ہے، اپنے مضمون "السنہ سامیہ" میں کہتا ہے [2] ۔

بعض مشہور محققین خیال کرتے ہیں کہ جنس سامی کا مولد عرب ہو سکتا ہے، بہت سی چیزیں ہیں جو اس تھیوری کی تائید کرتی ہیں، تاریخ ثابت کرتی ہے کہ نہایت قدیم زمانہ سے عرب کے ریگستان سے قبائل نکل نکل کر قریب کے سرسبز ممالک میں آباد ہوتے رہے ہیں، آرامی اور عبرانی زبانوں میں بہت سے ایسے نشان پائے جاتے ہیں، جن سے ابتدائی خانہ بدوشانہ حالت پائی جاتی ہے، اور عرب کا شمالی حصہ صحرائے مابین شام وعرب خانہ بدوش قبائل کا مسکن ہے اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیرکٹر اپنے خالص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے اور ان کی زبان قریب ترین اصل زبان ہے ۔

نولدیکی دوسری تھیوریوں کی تغلیط کے بعد اس تھیوری پر چند ریمارکس کرتا ہے، جن کا آخری فقرہ یہ ہے :[3]

بہر حال ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں کہ یہ تھیوری کہ عرب امم سامیہ کا مسکن اوّل ہے، کسی معنی سے غیر معقول نہیں ہے ۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا ایک اور مضمون نگار لفظ "عرب" تحت میں لکھتا ہے [4] :

ملک عرب امم سامیہ کا اصلی وطن ہے، اس کی تائید متعدد علماء کی رائے سے ہوتی ہے، گو ابھی یہ مسئلہ محقق نہیں ہے، لیکن تحقیقاتِ السنہ اور اکتشافاتِ آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رائے کا صحیح ہونا بہت ممکن ہے، عرب سے نکل کر قبائلِ سامیہ کا دوسرے ممالک میں پھیل جانا آسانی سے

---

[1] Heerenuol 1 P 292 [2] Damuel Laing

[3] برٹانیکا یازدہم ج ۲۴ ص ۶۲۰ [4] طبع یازدہم ج ۲ ص ۲۶۳

تصور میں آسکتا ہے، بابل کی جانب سے بھی حرکت کرنا آسان ہے کہ کوئی قدرتی روک ان دونوں ملکوں کے درمیان نہیں، اور خود تاریخی زمانہ میں کی مثالیں ہیں، آرامی اقوام کا نقل مکان اور ہجرت بھی قدرتی موانع سے خالی ہے۔

اب تک زبان، آثار رسوم و عادات، تشابہ جسمی اور دلائلِ طبعی کی بناء پر بحث تھی، اب تاریخ کا موقع ہے، سامی قوم کی سب سے قدیم تاریخ توراۃ ہے، توراۃ میں موقع کے حسب ذیل الفاظ ہیں:

اور تمام روئے زمین میں ایک ہی بولی تھی، اور وہ جب پورب سے روانہ ہوئے تو ایسا ہوا کہ انھوں نے سنعار (بابل) کے ملک میں ایک میدان پایا اور وہاں رہنے لگے، تب خداوند نے ان کو تمام روے زمین پر پراگندہ کیا۔ . . . . . اس لئے اس کا نام بابل ہوا[1]

بنو سام، بابل میں پورب کے ملک سے آئے، پورب سے یہاں کیا مراد ہے، علمائے توراۃ ابھی تک اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے ہیں، عام خیال یہ ہے کہ اس سے مراد آرمینیہ ہے کیونکہ کشتی نوح جس پہاڑ پر آکر رُکی تھی، عبری میں توراۃ نے اس کا نام "اراراط" بتایا ہے اور اراراط کی نسبت مفروض ہے کہ وہ آرمینیہ میں واقع ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ آرمینیہ بابل کے پورب ہے، اور نہ ہی فلسطین کے پورب ہے، اس مشکل کو متعدد تدبیروں سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بعض کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت موسیٰ مصر اور عرب میں رہے تھے، اس لئے ان ملکوں کے اعتبار سے اس کو پورب کہا ہے، بعضوں کا جواب اس سے زیادہ تعجب انگیز ہے کہ چونکہ انسان نے سب سے پہلے سمتِ مشرق کو جانا کہ وہ مطلعِ خورشید ہے، اس لئے پورب[2] کہا۔

حقیقت یہ ہے کہ توراۃ کے ان فقروں سے یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ بابل مسکنِ اوّل نہ تھا، وہ یہاں پورب کے ملک سے آئے تھے، اور وہی ان کا مسکن اوّل تھا، سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ توراۃ کے محاورہ میں پورب سے عموماً فلسطین کا پورب مراد ہوتا ہے جو توراۃ کی جائے تالیف ہے، اس کے بعد یہ طے کرنا ہے کہ فلسطین کے پورب سے کون سے ملک توراۃ میں مقصود ہوتے ہیں، توراۃ کے استقصاء سے یہ متفقاً ثابت ہے کہ توراۃ میں پورب کے عموماً دو ملک مراد لئے گئے ہیں۔ بابل[3] اور عرب[4] لیکن جب اس فقرہ میں خود یہ مذکور ہے کہ وہ بابل میں پورب کے ملک سے آئے تو متعین ہو گیا کہ یہاں پورب کے ملک سے مراد ملک عرب ہے۔

---

[1] تکوین باب ۱۱ عدد ۱-۹ [2] Gruden P. 126 [3] تکوین ۹-۱
[4] تکوین ۲۵-۶ قضاۃ ۶-۲۳، اوّل سلاطین ۴-۳۰، تکوین ۱۰-۳۰ وغیرہ

مجموعۂ توراۃ کے بعد سب سے قدیم ماخذ یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخِ یہود ہے، جو ایک حیثیت سے کہا جاسکتا ہے کہ توراۃ کی تفسیر ہے، اس مسئلہ کے متعلق اس میں حسبِ ذیل فقرہ ہے، بنو سام کی آبادی کی نسبت لکھتا ہے[1] کہ:

"وہ نہر فرات سے بحر ہند تک آباد تھے۔"

نہر فرات بحر ہند تک عرب کے سوا کیا کوئی اور ملک ہے؟

بحث کا فیصلہ اس سے ہو جاتا ہے کہ عرب کے سوا قدیم الایام سے کوئی قوم اس کی مدعی نہیں کہ اُن کا ملک بنو سام کا مسکن اوّل اور امم سامیہ کا مسقط الراس ہے، عرب عام طور پر اس کے مدعی ہیں، اور حق یہ ہے کہ شواہد و قرآن کی شہادت کے ساتھ جب کوئی دوسرا مدعی موجود نہیں تو مقدمہ ان ہی کے حق میں فیصل ہونا چاہیئے، عربی تاریخوں میں اس دعویٰ کا تصریح ذکر ہے، مورخ ابن قتیبہ جس نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی ہے لکھتا ہے[2]:

و اما سام بن نوح فسکن وسط الارض الحرم وما حوله والیمن الی حضرموت الی عمان البحرین و یبرین و بار والدو والدھناء	سام بن نوح نے درمیانی زمین یعنی مکہ اور اطراف مکہ مثلاً یمن، حضرموت، عمان، بحرین، یبرین و بار، دو اور دہنا تک آباد ہوا۔

مورخ یعقوبی جس کا زمانہ بھی اسی کے قریب ہے اور ۲۸۰ھ میں وفات پائی ہے لکھتا ہے[3]

وصار لولد السام الحجاز و الیمن و باقی الارض	فرزندانِ سام کے قبضہ میں حجاز، یمن اور باقی ملک آیا۔

ان مقدمات پر ایک دفعہ کا اور اضافہ کرو کہ قرآن مکہ کو ام القریٰ (آبادیوں کی ماں) کا خطاب دیتا ہے

لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

[1] ترجمہ انگریزی ۱۸۲۲ء ج ۱ ص ۲۵ [2] کتاب المعارف ابن قتیبہ ص ۱۳ مصر [3] یعقوبی ج ۱ ص ۱۰ لیڈن

مسکنِ اوّل سے ہجرت

عرب کے ملک میں پانی کا دریا نہیں، لیکن وہاں انسانوں کا دریا ہے! تاریخ نے چار بار اس دریا میں طوفان آتے دیکھا ہے، ایک مسیحؑ سے ڈھائی ہزار یا تین ہزار برس پہلے، جب یہاں سے قبائل کا سیلاب موجیں مارتا ہوا بابل و اسیریا، مصر اور فینیشیا (کنعان) میں پھیل گیا، اس سلاب کا دور کم ہو رہا تھا کہ ۵۰۰ ق م میں ایک اور طوفان آدومی، موآبی اور مدیانی قبائل کا اٹھا اور پاس کے ملکوں میں پھیل گیا، لیکن اس کا دائرہ پہلے سے کم تھا، تیسری بار معینی، سبائی وغیرہ اٹھے اور پھیلے، لیکن سب سے آخری طوفان جو پہلی صدی ہجری میں مسیحؑ سے چھ سو برس بعد اٹھا، وہ سب سے زیادہ وسیع الاثر تھا جو ایک طرف گنگا کے دہانے سے مل گیا اور دوسری طرف بحر محیط سے۔

اس باب میں صرف پہلی جنبش و حرکت کا بیان ہے، اس جنبش اوّل کی تاریخی شہادتوں کا بڑا حصہ ہم "امم سامیہ کا مسکن اوّل" میں پیش کر آئے ہیں، لیکن نئی شہادتوں کے پیش کرنے سے بھی ہم ابھی نہیں تھکے ہیں، امریکن مورخ ولیم راجرس اپنی تاریخ بابل میں لکھتا ہے:۔

> امم سامیہ کا مسکن عرب ہے جہاں سے نکل کر وہ انتقالِ مکان کی موجیں مارتے ہوئے آباد و سرسبز قطعوں کی تلاش میں بابل و الجزیرہ میں اور نیز بعید قطعہ مغربی کنعان میں پھیل گئے۔[1]

ایک دوسرا انگریز مصنف سموال لے انگ اپنی مشہور تصنیف اصول الانسانیہ میں لکھتا ہے[2]

> ہر جگہ عرب کے سوا سامی قوموں کو ہم نشان دے سکتے ہیں کہ وہ مسافرانہ باہر سے بغرض سکونت یا بغرضِ فتح آرہی ہیں اور جو ہر جگہ جہاں وہ جاتی ہیں اپنے سے پہلی قوموں کو ان پر پاتی ہیں، لیکن وہ عرب میں قدیم باشندوں کی حیثیت سے نظر آتی ہیں، کلدانیہ اور اسیریا کی ابتدائی روایات میں سامی قوموں کو جنوب سے آئی ہوئی ظاہر کیا گیا ہے، کچھ تو خلیجِ فارس کی طرف سے اور کچھ سیدھے بادیہ عرب و شام سے جو رفتہ رفتہ قدیم اکادی آبادی کے ساتھ مل جاتی ہیں، یا ان کو ہٹا کر خود ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔

لہ[1] راجرس کی تاریخ بابل و اشور ج ا ص ۳۰۷ Rogers vol 1. P.307

لہ[2] سموال لے انگ کی ہیومن اوریجن ص ۳۹ - Samual P. 39

مصر میں سامی عنصر کا "چالان" اس کے بعد ہوا ہے، جس نے مصر کی قدیم تہذیب پر کوئی اثر نہیں پڑا، سیریا (شام) اور فلسطین میں غالباً فینیقی، کنعانی اور عبرانی خلیج فارس یا حدود عرب سے براہ راست یا اسیریا (عراق) اور مصر کے توسط سے، باہر سے آئے ہیں جنھوں نے کبھی اپنے کو ان ممالک کا قدیم باشندہ نہیں کہا۔

ایک فرینچ مورخ ہوآرٹ (Clement Huart) اپنی تاریخ عرب کے دیباچہ میں لکھتا ہے:۔

تین ہزار ق م میں ہم سامی اقوام کو ادھر اُدھر انتقال مکانی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، کنعانی شام میں نظر آتے ہیں، جہاں فینیقی (فینیشین) خلیج فارس کے سواحل (بحرین) سے آکر تجارتی شہر قائم کرتے ہیں، جہاز رانی میں ترقی کرتے ہیں، انجین تہذیب کو ختم کرتے ہیں، اور یورپ کو جانے کا بحری راستہ پیدا کرتے ہیں، ہائیکسوس مصر میں داخل ہوتے ہیں اور اس کا ایک حصہ فتح کرکے وہاں اپنا بادشاہ مقرر کرتے ہیں لیکن خود ریگستان عرب کے بدوی عرب کی تاریخ اب تک مجہول ہے، اسی اثنا میں وہ بھی شہروں کو بنیاد ڈالتے ہیں اور حکومتیں قائم کرتے ہیں جن کی دولت کا مدار تجارت ہے[1]

شریڈر (Shrader) اپنے اس نظریہ کی کہ تمام سامی قومیں عرب سے پھیلی ہیں ان الفاظ میں تشریح کرتا ہے۔

شمالی سامی قومیں یعنی ارمن بابلی اور کنعانی جنوب میں اپنے دوسرے بھائیوں سے جدا ہوکر ایک متحد جماعت کی صورت میں بابل آئے، وہاں باہم ایک مدت تک اجتماعی حالت میں رہے ارمن سب سے پہلے اس جماعت سے الگ ہوئے ہوں گے اور اس کے ایک معقول زمانہ کے بعد کنعانی اور سب سے آخر میں اشوری۔

ٹھیک اسی وقت میں ان میں سے بعض قوموں کی ہجرت جنوبی سمت میں واقع ہوئی، شمالی عربوں کو عرب وسطیٰ میں چھوڑتے ہوئے، یہ ہجرت گزیں جزیرہ نمائے عرب کے سواحل پر آباد ہوئے جہاں سے ان کی ایک جماعت دریا کو عبور کرکے افریقہ پہنچی اور حبشہ میں خیمہ زن ہوئی[2]

ان تشریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سامی قومیں ایک مدت کے اتحاد و اجتماع کے بعد ملک عرب سے نکل نکل کر اطراف کے ممالک میں پھیل گئیں، اور وہاں انھوں نے زور و اقتدار پیدا کیا، عرب مورخین بھی اس واقعہ سے ناواقف نہ تھے۔

---

[1] Huart Vol. 1. P 94 [2] W. Wright P. 9

مشہور مورخ ابن قتیبہ فرزندانِ سام کی تقسیم و تفریق کے بعد لکھتا ہے :۔

فمنهم العماليق ، امم تفرقوا في البلدان ومنهم فراعنة مصر والجبابرة[1]	ان ہی میں عمالیق ہیں ، یہ متعدد قوموں کے مجموعہ تھے جو ممالک میں متفرق ہو کر پھیلے منجملہ ان کے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں ۔

ابن خلدون کا بیان ہے :

وكان لهذه الامم ملوك ودول في جزيرة العرب وامتد ملكهم فيها الى الشام ومصر في شعوب منهم[2]	ان اقوام میں بہت سے بادشاہ گزرے اور ان کی عرب میں بادشاہیاں ہوئیں جن کے چند قبائل کا سلسلۂ حکومت مصر و شام تک وسیع ہو گیا تھا

اسی قسم کی تصریحات دوسرے مورخینِ عرب نے کی ہیں ، ابن ہشام کلبی جس کا مخصوص موضوع "عرب جاہلیت کی تاریخ و روایت ہے" اس نے اس موضوع پر کہ "عرب سے یہ قومیں نکل نکل کر کہاں کہاں پھیلیں" دو کتابیں لکھی ہیں ، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ پہلی کتاب کا نام تفرق عاد ہے یعنی عاد کی قوم عرب سے نکل نکل کر کہاں کہاں گئی ، دوسری کتاب کا موضوع بیان کتاب من نقل من عاد وثمود والعماليق وجرهم وبني اسرائيل من العرب ہے ، یعنی عاد ، ثمود ، عمالیق[3] ، جرہم

[1] کتاب المعارف ص ۱۰ مصر [2] تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۵۹

[3] عمالیق کی نسبت متعدد امور قابل تنبیہ ہیں ۔

۱ ۔ عمالیق کی لفظی حقیقت کیا ہے ؟ عمالیق خود السنۂ سامیہ کے قواعد پر عملوق کی جمع ہے ، عملوق دو لفظوں سے مرکب ہے عم עם جس کے معنی عبری میں قوم کے ہیں اور یہی لفظ عربی میں اُمّۃ ہے اور ملوق عام وادی کو کہتے ہیں ، لیکن قدیم زمانہ میں شمالی عرب کا از خلیج فارس تا حدود سینا تا حدود مصر "مغان" کہتے تھے "ملوق" "مغان" ان ہی ممالک کے نام کی حیثیت سے بابلی کتبہ میں ۳۰۰۰ ق م میں مستعمل ہوئے ہیں دیکھو Encycl. Rogers Vol. P 369 - Vol. 1. P 369 اور of Islam vol. 1. P. 377

۲ ۔ توراۃ میں عمالق ، عیشا ؤ بن اسحاق بن ابراہیم کے ایک پوتے کا نام بتایا گیا ہے (تکوین ۳۶ ۔ ۱۲) کاتبینِ اسفار یہود کی رائے معلوم ہوتی ہے کہ اقوامِ عمالیق اسی عمالق بن عیشاؤ کی اولاد ہیں ، لیکن یہ صحیح نہیں کیوں کہ عمالق بن عیشاؤ کا زمانہ پیدائش تقریباً ۲۰۰۰ ق م ہونا چاہیئے ، پھر ایک شخص کو کنبہ ، کنبہ ، قبیلہ اور قبیلہ کو قوم ہونے کے لئے اور خصوصاً ایسی قوم ہونے کے لئے جو بنی اسرائیل کے کئی لاکھ آدمیوں کا مقابلہ کر سکے[a] کم از کم پانچ سو برس تو درکار

بقیہ حاشیہ ص ۹۹ پر

[a] توراۃ سفر العدد ۔

اور بنی اسرائیل جو عرب سے نکل کر باہر گئے اُن کے حالات ۔

بقیہ حاشیہ ص ۹۸ { ہیں، اس بنا پر عمالق کا قومی ظہور چودہ[۱۴] پندرہ[۱۵] سو ق م سے ادھر نہیں ہو سکتا، حالانکہ روایاتِ عرب اور شہادتِ آثار کے رو سے عمالق کا وجود اس سے ہزار برس پہلے ثابت ہے۔

لیکن اگر ہم بغور تورات کا مطالعہ کریں تو ہم کو خود تورات سے عمالق کا وجود اس عمالق بن عیشاؤ سے بہت پہلے معلوم ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں (۲۲۰۰ ق م) میں جب بابل و عیلام اور سادوم کے بادشاہوں میں جنگ ہوئی ہے وہاں لکھا ہے[۱] کہ:

"انھوں نے تمام عمالق کے ملک میں ان کو مارا"

دوسری جگہ بلعام کاہن کی زبان سے تورات میں جو پیشین گوئی ہے اس میں عمالیق کو "اول الامم" سے خطاب[۲] کیا ہے، اگر یہ عمالیق وہی عمالیق بن عیشاؤ کی اولاد ہیں، جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے تو اس کو بجائے "اول الامم" کے "آخر الامم" ہونا چاہیے کہ ۱۵۰۰ ق م سے پہلے بہت سی قومیں اٹھ چکی تھیں۔

۳۔ عمالق سے غالباً قدیم اہلِ عرب واقف نہ تھے کیوں کہ باایں ہمہ جبروت و عظمت، آیاتِ قرآنی، روایات احادیث اور صحیح وغیر مشکوک اشعارِ عرب میں ان کا نام نہیں آیا۔ تورات میں اور یہودیوں کے لٹریچر میں البتہ کثرت سے عمالق کا ذکر ہے، اور ان کو ایک جبار قوم کی صورت میں پیش کیا ہے، اس بنا پر ظاہر ہے کہ عمالق کا علم یہودیوں کی راہ سے عربوں میں آیا، اور اس طرح آیا کہ اس کو انھوں نے بھی یہودیوں کی طرح بہت بڑا جبار و قہار قبیلہ قرار دے دیا، جس کے سامنے ان کا "عاد" بھی دب کر رہ گیا۔

---

[۱] تکوین باب ۱۰ [۲] سفر العدد ۲۴ – ۲۰

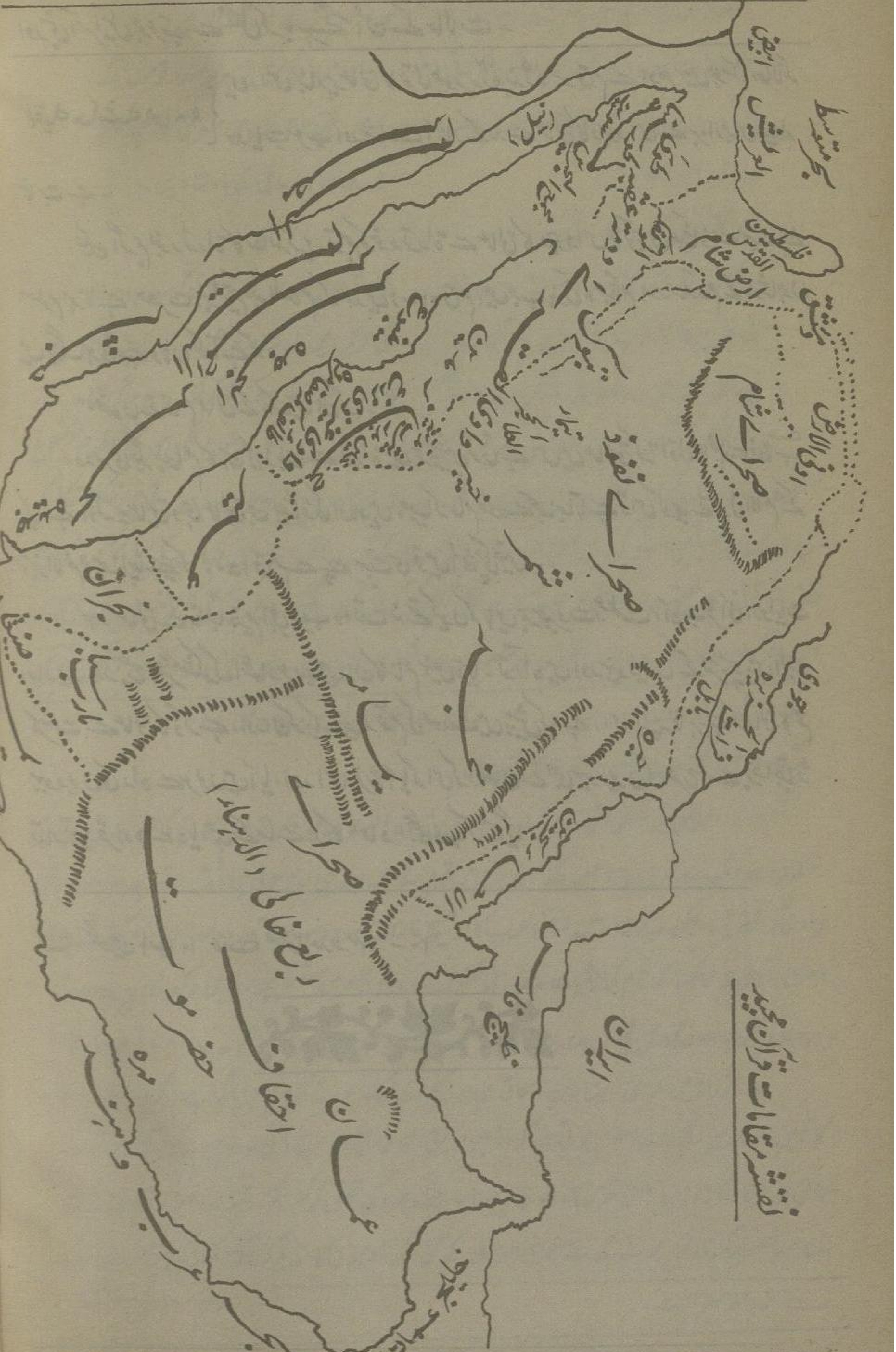
نقشہ مقامات قرآن مجید
بحر متوسط
فلسطین
القدس
ارض شام
دمشق
نیل
خلیج عمان
ربع خالی

امم سامیہ کے انساب

بہرحال توراۃ کی رُو سے ان سامیوں کے باہمی نسبی تعلقات بہ تفصیل ذیل ہیں:۔[۱]

طبقاتِ انساب ۱۔ نوح کے بیٹے سام کی پانچ اولادیں تھیں، عیلام، اشور، ارفکسد، لود اور آرم۔ آرم کے چار بیٹے تھے، عوض، حول، جثر اور مس۔ ارفکسد کے بیٹے کا نام سلح تھا، سلح سے عبر پیدا ہوا، عبر کے دو بیٹے ہوئے، قحطان اور فلج۔

۲۔ قحطان سے المداد، سلف، حضارموت، یارح، ہدورام، اوزال، وقلا، عائل، ابی مائل، سبا، اوفر، حویلاہ اور اوباب پیدا ہوئے جن کی آبادی جنوب عرب میں یعنی یمن میں مسا سے ظفار تک ہے۔

۳۔ فلج سے رعو پیدا ہوا، رعو سے سروج، سروج سے نحور، نحور سے تارح (آزر) حضرت ابراہیمؑ اور حاران کا باپ پیدا ہوا، یہ خاندان کلدانیوں کے شہر بابل میں آباد تھا، حضرت ابراہیمؑ مع اپنے برادر زادہ لوطؑ کے کنعان آئے جس کو فلسطین، اور اب عموماً کسی قدر وسعت دے کر شام کہتے ہیں۔

۴۔ حاران سے لوط پیدا ہوئے، لوط کے دو بیٹے عمون، جو اب عمان کہلاتا ہے اور مواب جو شمالی عرب میں سینا کے پاس ایک حکومت کا بانی تھا۔

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعدد بیٹے تھے، اسحاق پسر سارہ جنھوں نے کنعان یعنی فلسطین و شام میں حکومت کی، مدیانؑ[۲] پسر قطورا جو حجاز کے پاس بحر احمر کے ساحل پر آباد ہوا، اسمٰعیلؑ پسر ہاجرہ جو اپنے بھائی مدیان سے کسی قدر آگے بادیۂ فاران میں آکر رہے۔

۶۔ اسحاق کے دو بیٹے تھے، یعقوبؑ (جن کا لقب اسرائیل ہے اور جو بنی اسرائیل کے مورث ہیں) یہ پہلے کنعان میں تھے، بعدازاں حضرت یوسفؑ کے مصر پہنچنے پر مصر گئے، جہاں ان کی اولاد کئی سو برس تک مصر کی غلامی میں رہ کر حضرت موسیٰؑ کے عہد میں پھر کنعان واپس آئی۔ دوسرے بیٹے کا نام عیشاو (اور لقب ادوم) تھا، یہ شمالی عرب کے کوہ سرات میں ادومی قبائل کا جدِ اعلیٰ تھا۔

۷۔ اسمٰعیل کے بارہ بیٹے ہوئے جو توراۃ کی پیشین گوئی کے مطابق خاندان کے بارہ رئیس تھے نبایوط، قیدار، ادب ابل، مبشام، مشمع، دومہ، مسا، حدد، تیما، جطور، نفیش اور قدمہ، یہ تمام خاندان حویلا یمن سے سور (میریا یعنی شام) تک پھیلے تھے۔

ان ہم نسب اقوام قبائل کا باہمی رشتہ اور تعلق حسب ذیل شجرہ سے واضح ہوگا۔

---

[۱] تکوین باب ۱۔ ۱۱ سے ۲۵ دیکھو [۲] مدیان کے کئی بھائی تھے لیکن ان کے حالات نامعلوم ہیں

شجرۂ اقوامِ ارض القرآن بمطابقت توراۃ

نوح

یافث — سام — حام

یافث: روم و اصحاب الکہف

سام: عیلام — اشور (اسیریا) — ارفخشذ — لود — ارم

حام: مصر — کوش

مجوس عــــــــاد

یا

امم ســــــامیہ اولیٰ

ہود

امم ســــــامیہ ثانیہ عادِ ثانیہ

ثمود، جرہم، معین، طسم و جدیس. صالح

سلح

قحطان — فلج

قحطان: پدر قبائل قحطانیہ عرب

سبا اقوام تبع، حبش

تارح (آزر) — حاران

حاران: لوط

ابراہیم

اسحاق — اسماعیل — بنو قطورا

بنو قطورا: مدین و اصحاب الایکہ (ددان) و شعیب

اسماعیل: پدر عرب اسماعیلیہ

قیدار — نابط

قیدار: پدر قریش

نابط: پدر اصحاب الحجر و انصار

اسحاق: یعقوب اسرائیل — عیشاؤ ادوم

یعقوب اسرائیل: پدر بنی اسرائیل و انبیائے اسرائیل

عیشاؤ ادوم: پدر ایوب

اس تمام سلسلۂ انساب میں سے عرب اور قرآن کی تاریخ کو امم سامیۂ اولیٰ و ثانیہ، بنو قحطان، اور بنو ابراہیم سے بحث ہے، اور یہی تین سلسلے عرب کے مستقل اور دائمی باشندے ہیں اور ان ہی کے حالات و واقعات کی تشریح اس کتاب کا موضوع ہے۔

طبقۂ اولیٰ

اُمم سامیہ اولیٰ

امم سامیہ کی جو تفصیل اوپر بیان ہوئی، اس کی بنا پر امم سامیہ اولیٰ سے مقصود وہ قدیم سامی قبائل ہوں گے جو عرب کے سب سے پہلے اور ابتدائی باشندے تھے، اور مختلف اغراض سے یہاں سے نکلکر بابل مصر، اور شام وغیرہ کے ملکوں میں پھیلے، عرب مورخین ان کو امم بائدہ (برباد ہو جانے والے قبائل) کہتے ہیں، کہ وہ اپنے ملک (عرب) سے نکل کر برباد ہو گئے یا انقلابات و حوادث سے مٹ گئے، بعض لوگ ان کو عرب عاربہ (خالص اور غیر مخلوط عرب) کہتے ہیں کہ وہ عرب کے خالص اور غیر مختلط النسل باشندے تھے، اور نیز یہودیوں کی غلط پیروی میں اُن کو عمالق بھی کہا گیا ہے۔

یورپ کے علماے آثار ان قوموں کے الگ الگ نام نہیں بتا سکتے وہ مبہم طور سے صرف ان کو سامی کہتے ہیں، اہل عرب اپنے ان قدیم ہموطنوں کا ایک ایک کر کے نام بتاتے ہیں، ان سے عاد، ثمود، جرہم، لحیان، طسم، اور جدیس وغیرہ مشہور قبائل ہیں عاد سب سے بڑا اور سب سے وسیع قبیلہ تھا، اور تمام عرب بائدہ میں قوت حاکمہ تقریباً اسی کو حاصل تھی عربوں کی روایت کے مطابق عرب اور عرب سے باہر بابل اور مصر میں یہ عظیم الشان حکومتوں کا بانی تھا۔

ان قبائل بائدہ کا سلسلۂ نسب عموماً مورخین عرب نے ارم بن سام اور اس کی مختلف شاخوں سے ملایا ہے لیکن کس قبیلہ کو ارم بن سام کی کس شاخ سے تعلق تھا؟ علماے انساب کی رائیں اس باب میں اس قدر باہم متعارض ہیں کہ فیصلہ مشکل ہے ہم ذیل میں ارم کے مشاہیر قبائل کا نسب دو کتابوں سے نقل کرتے ہیں، جن میں سے ایک قدیم ترین ماخذ ہے، یعنی معارف ابن قتیبہ[1] اور دوسری متاخر ترین ہے یعنی سبائک الذہب[2] قلقشندی۔

---

[1] صفحہ ۱۰۔ مصر۔ [2] ص ۱۳ - ۱۴۔ بمبئی۔

ابن قتیبہ	قلقشندی
عمالیق بن لاوذ بن ارم بن سام	عملیق بن لاوذ بن سام
جدیس بن لاوذ بن ارم بن سام	جدیس بن ارم بن سام
عاد بن عوص بن ارم بن سام	عاد بن عوص بن عبیل بن ارم بن سام
ثمود بن جثر بن ارم بن سام	ثمود بن جاثر بن ارم بن سام
طسم	طسم بن لاوذ بن سام

ان انساب کی تحقیق بظاہر سخت مشکل ہے مورخ ابن خلدون نے ان مشکلات کو کسی قدر حل کرنا چاہا ہے، لیکن انسان کے لئے بیکار ہوگا کہ ظلمت کدہ میں وہ روشنی کی جستجو کرے، مجملاً اس قدر یقینی ہے کہ وہ بنو سام تھے، اور زیادہ آگے بڑھیں تو یہ کہیں گے کہ ارامی عنصر ان میں غالب تھا، عربی زبان میں ارامی الفاظ نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں[1]، یہاں تک کہ قدیم شہر عرب "مکہ" کا نام بھی ارامی ہے[2]، ثمود کے جو کتبات ملے ہیں وہ بھی بخط ارامی ہیں[3]، اور ثمود کا نام ثمود ارم تھا[4]، اور عاد کا نام کانوارم جزء لاینفک ہے۔

کان یقال عاد ارم فلما ھلکوا قیل	پہلے عاد ارم کہا جاتا تھا، جب وہ مٹ گئے تو
ثمود ارم فلما ھلکوا قیل نمرود	ثمود ارم کہا گیا، جب وہ بھی برباد ہو گئے تو نمرود
ارم (ابن خلدون جلد ۲ ص ۷۰)	ارم کہا جائے گا۔

عجیب تر یہ ہے کہ یہ ارامی سامی خاندان جن جن مقامات میں پھیلے خود ان کا نام "ارم" ہو گیا، چنانچہ توراۃ کی زبان میں مابین النہرین (عراق) کا نام "ارم نہرائم"[5] اور "پدان ارم" ہے، ملک شام کو "ارم"[6] اور "ارم دمشق"[7] اور شمالی عرب کو "ارام"[8] کہا گیا ہے، نیز ایک اور شہادت یہ ہے کہ بابل، اسیریا، شام، کنعان، فینیشیا اور شمالی عرب میں جو قدیم کتبات پائے گئے ہیں ان کی زبان اکثر ارامی ہے یا ارامی الفاظ سے پُر ہے[9]۔

کوئی بڑی قوم جب برسر اقتدار ہوتی ہے تو حقیقت میں اس کل کے ضمن میں کوئی جزء ممتاز ہوتا ہے اور اس کے انتساب سے مجموعی قوم مقتدر اور ممتاز تسلیم کر لی جاتی ہے امم سامیہ کی کثیر الافراد جمعیت میں ضروری ہے کہ کوئی خاص جزء قوت حاکمہ کا مالک ہو، اور بقیہ اجزا اس کے اشارہ پر حرکت کرتے ہوں اس جزء کا حقیقی نام کچھ ہو لیکن اہل عرب اس کا نام عاد بتاتے ہیں ولا مشاحۃ فی الاصطلاحات

---

۱ سواد السبیل پروفیسر پی آر فلڈ لاہور ۲ العرب قبل الاسلام جرجی زیدان ص۲۴۰ ۳ برٹانیکا جلد۱۴ ص۲۲۹ ۴ ابن خلدون جلد۲ ص۷۱ ۵ تکوین ۱۴-۱۰ ۶ یشمع ۲۵-۲۰-۲۸-۶-۳۱-۱۸-۳۵-۹-۴۶-۱۵ ۷ ملوک ثانی ۲۰، ۲۲ ۸ عدد ۲۳ ۹ برٹانیکا طبع یازدہم مضمون السنہ سامیہ اور ہیرن کی کتاب "ایشیائی تجارتی تحقیقات" Heeren. vol. 1. P. 381

تاریخ قدیم کے بعض یورپین مصنفین عاد کو صرف ایک فرضی اور مذہبی کہانی (میتھیا لوجی) سمجھتے ہیں، لیکن یہ انتہائی غلطی ہے، تحقیقات جدیدہ نے فیصلہ کیا ہے کہ عرب کے تمام قدیم باشندے (امم سامیہ) ایک کثیر الافراد با عظمت جمعیت تھی جس نے بابل، مصر و شام میں بڑی بڑی حکومتیں قائم کیں، یہ حقیقت اور واقعہ ہے، اہلِ عرب اگر اپنی زبان میں ان قدیم باشندوں کو امم مائدہ اور ان کی جماعت کے افراد کو عاد و ثمود و طسم و جدیس کہتے ہیں، تو کیا اس وضعِ اسماء کے جرم میں حقیقت اور واقعہ مٹ جائے گا؟

سب سے مستند ذریعہ ہمارے پاس قرآن مجید ہے، قرآن مجید نے عاد کی حقیقت یہ بیان کی ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ. اس آیت سے یہ ظاہر ہوا کہ عاد ارم ہی کا حصہ تھا۔

دوسری جگہ خدا فرماتا ہے:-

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ -(اعراف ۹)	اے عاد کے لوگو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے قوم نوح کے بعد تم کو اپنی خلافت عطا کی (یعنی حکومت دی)۔

قوم نوح کی بربادی کے بعد عرب میں جو سب سے پہلی مقتدر اور حکمران جماعت ظہور پذیر ہوئی، قرآن کی زبان میں اسی کا نام عاد ہے، کیا قدیم و ابتدائی امم سامیہ کی یہی حقیقت نہیں ہے فرانس کا مشہور اسلامی مورخ مسیو سیدیو (Sedillot) اپنی تاریخ عرب میں لکھتا ہے

قبائلِ بائدہ کے حالات قابلِ وثوق نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے بلکہ مفروض ہو سکتا ہے کہ عاد مسیح سے ۲۰۰۰ برس پہلے مصر و بابل پر قابض تھے، اور ان کا نام اس زمانہ میں چوپان یا ہیک سوس (چرواہے بادشاہ، یعنی بدوی بادشاہ) تھا۔[1]

لیکن امم سامیہ کی حقیقت سمجھنے کے بعد یہ "فرض" یقین سے بدل سکتا ہے۔

---

[1] ترجمہ عربی ذکر امم بائدہ

عاد

گذشتہ مباحث سے مفصّل معلوم ہو چکا ہے کہ قدیم امم سامیہ اور عاد مترادف لفظ ہیں، اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ عاد کی شخصیت، تاریخی وجود اور دعوائے حکومت کے متعلق کوئی شک باقی نہ رہے گا، اب دوسرے مسائل کی طرف توجہ کا موقع آیا ہے۔

لفظ عاد — السنہ سامیہ میں لٹریچر کے لحاظ سے عبرانی سب سے قدیم زبان ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم الفاظ کی اصلیت عربی سے زیادہ اس میں محفوظ ہے، لغوی حیثیت سے عربی میں عاد کے کوئی معنی ہی نہیں ملتے۔

عبری میں "عاد" کی اصلیت موجود ہے עד کے معنی "بلند و مشہور" کے ہیں اور عجیب تر یہ کہ "ارم" ארם اور "رشم" (سام) کے بھی یہی معنی ہیں، ان معنوں کا بقیہ اثر عربی میں بھی موجود ہے، ارم کے معنی پہاڑی اور نشانِ راہ کے پتھر کے لغت میں مذکور ہیں، اور "شم" سے "شمم" اور "سمو" تو اب تک مستعمل ہیں۔

توراۃ میں "عاد" مذکر[1] کے نام کے لئے اور "عادہ" عورتوں[2] کے لئے کئی جگہ آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد قدیم میں یہ نام عموماً مستعمل تھا۔

عاد کا زمانہ — نام کے بعد دوسری بحث زمانہ کی ہے، عرب قبلِ اسلام میں کوئی باقاعدہ تاریخ رائج نہ تھی، اس لئے عرب بائدہ کا کوئی زمانہ مذکور نہیں، لیکن اس بنا پر کہ مورخین عرب نے عاد کو عوض بن ارم بن سام کا حقیقی فرزند لکھا ہے (؟)، اس لئے اُس کا زمانہ ۳۰۰۰ ق م سے پہلے قرار دینا چاہیئے، قرآن مجید نے عاد کا جہاں ذکر کیا ہے اس کو خلفائے قومِ نوح کہا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین شام کی دوبارہ آبادی کے بعد بنو سام کی پہلی ترقی عاد سے شروع ہوتی ہے اس لئے اس آیت سے نہ صرف زمانہ کی تعیین ہوتی ہے بلکہ ہماری اس تھیوری کی بھی تائید ہوتی ہے کہ امم سامیۂ اولیٰ اور علی الاغلب عاد ایک چیز ہے اور اسی لئے قرآن نے ان کو عادِ اولیٰ کہا ہے۔

---

[1] تاریخ ایام اول ۷ - ۲۱ [2] تکوین ۳۶ - ۲ تاریخ ایام اول ۲۰۰۰

وَاَنَّہٗ اَھْلَکَ عَادَ نِ الْاُوْلٰی　　　اسی خدا نے عاد اولیٰ کو برباد کیا۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے اور آج کل عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ بنو سام کی حقیقی ترقی کا عہد ۲۲۰۰ ق م ۲۰۰۰ ق م ہے، سامی اقوام کے حملۂ مصر و بابل کی بھی یہی تاریخ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد ارم کا وجود ۲۲۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے، انتہاے مدت کی تعیین کی یہ صورت ہے کہ ۱۵۰۰ ق م میں یمن میں ایک دوسری قوت کا ظہور معلوم ہوتا ہے، اور اس سے کچھ ہی پہلے حضرت موسیٰؑ کا زمانہ ہے، حضرت موسیٰ کے عہد سے پہلے عاد کی تباہی عام ہو چکی تھی، قرآن مجید نے نقل قصص میں ہمیشہ عاد کا ذکر حضرت موسیٰ و فرعون سے پہلے کیا ہے، بلکہ ایک موسوی مسلم، فرعون کے دربار میں کہتا ہے:

یَا قَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ	بھائیو! میں ڈرتا ہوں کہ جماعتوں کے دن
الْاَحْزَابِ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ	کی طرح اور قوم نوح، عاد، ثمود اور جو
وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ	ان کے بعد ہیں، ان کے دن کی طرح ایک
بَعْدِھِمْ (مومن)	دن تم پر بھی آئے۔

ان وجوہ سے عاد کی عظمت اور ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م تک ہو سکتا ہے، صالحین عاد کا وجود اس کے بعد بھی ابتدائے عہد مسیح تک باقی رہا ہے، اور یونانیوں نے عادیٹا (عاد ارم) اور عاد ایٹ (عاد) کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے جو حضرموت اور یمن کے باشندوں میں ہے، تمیز کے لئے عہد اول کو عاد اولیٰ اور عہد ثانی کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔

عاد کا مقام عاد کی مرکزی آبادی، عرب کے بہترین حصہ یعنی یمن و حضرموت میں سواحل خلیج فارس سے حدود عراق تک تھی[۱]، دراصل حکومت کا مرکز ملک یمن تھا، لیکن خلیج فارس کے کنارہ کنارہ وہ عراق تک وسیع تھی، جس سے بنہایت آسانی سے وہ راہ معلوم ہو سکتی ہے جدھر سے یہ قوم عرب سے عراق میں اور عراق سے دیگر ممالک میں پھیلی اور یہی جدید تحقیقات کی رو سے بھی امم سامیہ کا راستہ سمجھا جاتا ہے[۲]۔

عاد کا دور دراز ممالک میں جانا عربوں میں اس قدر مسلّم تھا کہ وہ شعرا کے تمثیلوں میں آگیا ہے، ایک جاہلی شاعر محرز بن مکعبر ضبی کہتا ہے۔

---

[۱] معارف ابن قتیبہ ص ۱۰۔ مصر

[۲] سموال لے انگ کی ہیومن اور یچین ص ۳۳، ۳۹

حتی انتھی لمیاہ الجوف ظاہرۃ ما لم تر قبلھم عاد و لا ادم

وہ وسطِ صحرا کے تالاب پر آکر رُکا یہ وہ رفتار تھی جو اس سے پہلے عاد اور آرم بھی نہیں چلی

عاد کی سلطنتیں | عرب کا ملک ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے، جہاں بڑی اور حوصلہ مند قوموں کے لئے ترقی کا کوئی میدان نہیں ہے، ناچار پُرجوش قومیں باہر نکل پڑتی ہیں، عرب کا جزیرہ نما جنوب و مغرب اور کسی قدر مشرق کی جانب سے پانی سے گھرا ہوا ہے، اس لئے سان اور قدرتی راستہ ان کے لئے بعض مشرقی اور عموماً شمالی ممالک ہیں، یعنی بابل و شام و سینا، بابل سے ایران کا راستہ ہے، شام سے بحرِ ابیض و بحرِ روم ہو کر یورپ اور افریقہ کی طرف بھی رُوخ کیا جا سکتا ہے ۱۸۵۹ء سے پہلے جب نہرِ سویز موجود نہ تھی، بحرِ ابیض اور بحرِ احمر کے درمیان آج کل کی طرح متصل دریائی راستہ نہ تھا، نہ جزیرہ نمائے سینا اور مصر کے درمیان سویز کی مصنوعی نہر تھی، ایک تپلی سی خشک زمین تھی جو شام، عرب اور جزیرہ نمائے سینا کو خشکی کی راہ سے مصر سے ملاتی تھی، ہندوستان کی قدیم حملہ آور قوموں کے لئے جس طرح درۂ خیبر مشہور راستہ ہے، اسی طرح مصر کے قدیم حملہ آوروں کے لئے یہی تپلی گلی ایک پامال راہ تھی۔

امم سامیۂ اولیٰ یا عاد کی سیاسی تاریخ کے دو جولانگاہ ہیں، بیرونِ عرب اور اندرونِ عرب۔

بیرون عرب

۴۰۰۰ ق م تا ۱۹۰۰ ق م

۱۔ عربِ سامیہ یا عاد بابل میں۔

۲۔ عرب سامیہ یا عاد مصر میں۔

۳۔ عرب سامیہ یا عاد دیگر ممالک میں۔

عرب سامیہ یا عاد بابل میں

کسی مقدمہ کی صحت کے صرف تین جزء ہیں، مدعی کا دعویٰ، مدعا علیہ کا اعتراف اور گواہوں کی شہادت، اگر کسی مقدمہ کے یہ تینوں جزء باہم پہنچ جائیں تو مقدمہ کی صحت میں کیا شک ہوسکتا ہے اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے عراق کے شہر بابل پر حکومت کی، اہلِ عراق اس کا اعتراف کرتے ہیں اور تحقیقاتِ جدیدہ کی شہادت اس کی تائید کرتی ہے، پھر اصل مقدمہ میں کس کو شک ہوگا؟

اہل عرب کا دعویٰ علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

فمنهم العماليق امم تفرقوا في البلدان ومنهم فراعنة مصر والجبابرة [1]

ان ہی میں عمالیق ہیں، یہ متعدد قومیں ہیں، جو ملکوں میں منتشر ہوگئی تھیں اور ان ہی میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں

مورخ ابن خلدون کی تحقیق ہے جس کو اس نے اپنی تاریخ میں کئی جگہ دہرایا ہے۔

ان قوم عاد والعمالقة ملكوا العراق [2] يقال انهم انتقلوا الى جزيرة العرب من بابل لما زاحمهم فيها بنوحام [3] نزلوها (الحجاز) ايام خروجهم من

عاد اور عمالیق عراق کے بادشاہ ہوگئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بابل سے جزیرۂ عرب میں اس وقت چلے آئے جب بنو حام نے ان کی مزاحمت کی، یہ لوگ عراق سے نکلنے کے زمانہ

[1] کتاب المعارف ص ۱۰ مصر [2] کتاب العبر جلد ۲ ص ۲۵۹، مصر [3] کتاب العبر ج ۲ ص ۱۹ مصر

العراق امام النماردة من بنی حام[۱] — یں نمرحام کے بادشاہ سے بھاگ کر حجاز چلے آئے

اہل ایران کا بیان اہلِ ایران کا دعویٰ ہے کہ عراق و بابل کی قدیم ترین حکومت ان ہی کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اس واقعہ کی نسبت ان سے بھی پوچھنا ہے، ان کا بیان ہے کہ جمشید کے بعد جو نوسام ابن نوح کا معاصر تھا ضحاک تازی (عرب) نے ملک پر قبضہ کر لیا، عرب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

والیمن تدعیہ وتزعم انہ من انفسہا وھو الضحاک بن علوان (طبری ص ۲۰۲ ج ا یورپ)	اہل یمن بھی اس کے مدعی ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ ان ہی کی قوم کا تھا اور اس کا نام ضحاک بن علوان تھا۔
وبلغنا ان الضحاک ھو نمرود وان ابراھیم ولد فی زمانہ وانہ صاحبہ الذی اراد احراقہ (ص ۲۰۵)	ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ضحاک ہی نمرود تھا حضرت ابراہیمؑ اسی کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور یہی تھا جس نے ان کے جلانے کا قصد کیا تھا۔

فردوسی جو اہلِ ایران کی تاریخ کا ترجمان ہے، ضحاک تازی (عرب) اور اس کی ہزار سالہ عہد حکومت کا مفصل بیان شاہنامہ میں کرتا ہے۔

توراۃ کا بیان بنی اسرائیل کا خاندان عہد ابراہیمی سے پہلے اسی ملک کا باشندہ تھا، اور نہایت قدیم زمانہ سے (۲۵۰۰ ق م) اس کے تعلقات یہاں سے قائم ہیں، اس بنا پر اس باب میں ان کی رائے بھی وقعت کے قابل ہوگی، توراۃ کی روایت ہے کہ بابل کا سب سے پہلا بادشاہ کوش کا بیٹا نمرود تھا "اصل عبارت یہ ہے":

"کوش حام کا بیٹا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوش اولاد سبا، حویلہ، سباتا، رعماہ اور سباتیکا اور رعماہ کے بیٹے شبا اور ویدان، کوش نے نمرود کو پیدا کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس کی حکومت کی ابتدا، بابل اور ایرخ (عراق) میں ہوئی ڈنکرین ۱۰-۶، ۸، ۹، ۱۰)

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اقوام کی ابتدائی تقسیم، جدید تحقیق کے مطابق نسلی نہیں بلکہ جغرافی ہے، یہ تمام اقوام جن کا اولاد کوش کے نام سے ذکر ہوا ہے، وہ سب جنوبی سمت اور سواحل خلیج فارس کے باشندے ہیں، یعنی عرب ہیں، یورپ میں تاریخ قدیم کا سب سے بڑا مورخ جرمن فاضل ڈنکر (Duncker) ہے، وہ بابل کی فصل تاریخ میں توراۃ کے اس فقرہ کی تفسیر یوں کرتا ہے۔

---

[۱] کتاب العبر جلد ۲ ص ۲۷، مصر

"سفر تکوین، مثل متاخرین یہود کے "کوش" کے نام کے اندر اُن اقوام کو داخل کرتا ہے، جو جنوبی سمت میں رہتے ہیں نوبی، اثوبی (اتھوپین) اور جنوبی عرب کے قبائل، یہاں پر ہم اُن فرزندانِ کوش کو جنھوں نے بابل کی بنیاد ڈالی، جنوبی قبائل کے باشندے کہہ سکتے ہیں جو تقریباً خلیج فارس کے سواحل پر مقیم تھے[1]

اہل عراق کا بیان | بابل کا ایک کلدانی مورخ بروشوس نامی ہے جو اصلاً بابلی اور بعل کے معبد کا ایک کاہن تھا، یہ مسیح سے شاید ۳۰۰ برس پہلے تھا، اس نے بابل کی قدیم تاریخ لکھی تھی، اصل کتاب تو ضائع ہو گئی لیکن یہودی اور یونانی مصنفین نے اس کے حوالہ سے بہت سی باتیں لکھی ہیں، اور سنداً اس کی بعینہٖ عبارت بھی نقل کی ہے، ان ہی منقول عبارتوں میں ایک ملوکِ بابل کا نقشہ ہے مورخ موصوف کلدانی بادشاہوں کے بعد، عرب بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے، ان کی بعداد ۹ اور ان کی مدتِ حکومت ۲۲۵ برس قرار دیتا ہے۔ اصل نقشہ یہ ہے۔ یہ نقشہ قابل تنقید ہے، لیکن قابل تغلیط نہیں۔

عدد	خاندان ملوک	سال
۱۰	بادشاہانِ قبل طوفانِ نوح۔	۴۳۲۰۰۰
۸۶	بادشاہان بعد طوفان	۳۴۰۰۰
۸	میڈیا کے غاصب بادشاہ	۲۲۴
۱۱	بادشاہ . . .	۲۴۸
۴۹	کلدانی بادشاہ	۴۵۸
۹	عرب بادشاہ	۲۲۵

تحقیقات جدیدہ | اہلِ عرب اور اہلِ بابل کے بیانات سے اس سے زیادہ کوئی اور علم حاصل نہیں ہوتا کہ کسی قدیم زمانہ میں "عرب سامیہ" کے ایک خاندان نے عراق پر حکومت کی، اس سے زیادہ حالات قدامت کی تاریکی میں مخفی ہیں، لیکن ارکیالوجی کی اعانت سے بابل کے آثار حفریات[2] نے قدامت کے پردہ کو چاک کر دیا ہے، اب نئے سرے سے بابل کا تمدن زندہ ہو رہا ہے، اور

---

[1] ڈنکر کی تاریخ قدیم ج ۱ ص ۲۴۹

[2] زمین کے کھودنے سے جو پرانی چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔

علم الآثار کے چراغِ طلسمی ہیں اب نظر آرہا ہے کہ بابل و اسیریا کا ہر پتھر درحقیقت اُن کی تاریخ کا ایک صفحہ ہے [۱]

قدیم بابل (اہلِ فارس سے پہلے) کے جو کتبات و آثار ملے ہیں، زبان کی حیثیت سے یہ دو قسم کے ہیں، سامی اور غیر سامی، ان سے بابل کے قدیم باشندوں کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے، ان میں سے اکثر کتبات پر سلاطین کی تاریخیں ہیں، اور جن پر تاریخ مرقوم نہیں ہے، ان کا زمانہ جس کی تعین قرائن سے کی گئی ہے، غیر سامی کتبات و آثار عموماً قدیم ترین ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر سامی آبادی سامیوں سے پہلے یہاں آباد تھی، ان کی زبان سومری اور اکادی ہے، جس سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ وہ غیر سامی آبادی اکادی اور سومری تھی، جو تشابہ نام و زبان کے لحاظ سے غالباً تورانی النسل ظاہر ہوتی ہے۔

ارضِ بابل کے اس عہد کے تمام کتبات کو بہ ترتیب دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ...۲ ق م کی ابتدا میں قدیم سومری الفاظ کی بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اور یہ آمیزش اور اختلاط رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے، تا آنکہ الفاظ، خط اور خیالات بالکل سامی ہوجاتے ہیں اور ایک مدت تک کتبات و آثار بالکل سامی رہتے ہیں، پھر ایک زمانہ کے بعد سومری کتبات کا دوسرا

ہر چیز مذہب سے شروع ہوتی ہے، تورات، بابل و اسیریا کے سلاطین اور شہروں کے نام سے پر ہے نوع انسانی کا افتراق بابل میں ہوا (تکوین باب ۱۰) حضرت ابراہیمؑ بابل و کلدان کے شہروں سے نکل کر فلسطین آئے تھے، یہودیوں کی تباہی اہل بابل کے ہاتھوں سے ہوئی، ان وجوہ سے ضروری تھا کہ یورپ کے علمائے آثار ان ممالک کی تنقیب و اکتشاف کی طرف توجہ کریں، اس کی ابتدا سولھویں صدی سے ہوئی اور اب تک جاری ہے۔ سینکڑوں کتبات، خطوط، کتابیں (منقوش بہ سنگ) مجسمات، سکے، عمارات، نشانات، واقعات تاریخی کی منقوش یادگاریں زمین سے نکالی گئیں، خط اور زبان کی مشکل حل کی گئی اور باقاعدہ ان اکتشافات و تحقیقات کا سلسلہ جاری کیا گیا، یہاں تک کہ اُن سے بابل و اسیریا کی عظیم الشان تاریخ مدون ہوگئی، سینکڑوں علمائے مشرقیات نے ان تحقیقات میں اپنی زندگیاں وقف کیں، ان میں سے مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں۔

ہربرٹ (۱۶۷۷ء) سرجان چارڈن (۱۷۱۲ء) کارنیس ڈی برون (۱۷۱۸ء) نیبوہر (۱۷۶۴ء) جولیس موہل (۱۸۲۳ء) جارج اسمتھ (۱۸۲۶ء) اور ہالوے وغیرہ، اس وقت بھی ایک جرمن سوسائٹی مشغولِ کار ہے اور اس کے حیرت انگیز نتائج اسی سال شائع ہوئے ہیں اس سلسلہ میں عجیب بات یہ ہے کہ بابل و اسیریا کی تحقیقات و اکتشافات میں دولت عثمانیہ اور بعض ترک مثلاً سلمان حمدی بے اور خلیل بے کے نام بھی نہایت روشن ہیں۔

دور شروع ہوتا ہے، جس کا خاتمہ ایک اور تورانی النسل زبان عیلام پر ہوتا ہے جس کا وطن خلیج فارس کا فارسی ساحل تھا، پھر ایک زمانہ کے بعد ۲۵۰۰ ق م میں زبان بالکل سامی ہو جاتی ہے اور بعد ازاں ایک مرکب و متحد زبان کی صورت نظر آتی ہے (اس کے بعد کے انقلابات ہمارے موضوع سے الگ ہیں)۔

نقشہ کی ان سادہ لکیروں میں اگر ہم رنگ بھر دیں تو ایک قومی و سیاسی تاریخ کا مسلسل مرقع تیار ہو جائے گا کہ پہلے یہاں سومری و اکادی قوم آباد تھی، رفتہ رفتہ عرب کے سامی عنصر کی آمیزش شروع ہوئی، جس نے آہستہ آہستہ سیاسی قوت حاصل کر لی، اور ایک مدت تک حکومت اُس کے ہاتھ میں رہی، یہاں تک کہ سومریوں نے پھر جدید قوت حاصل کر لی، جس کا عیلامیوں کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا، عیلامیوں کی حکومت کے بعد پھر عربی سامی قوت کا عروج شروع ہوا، اور اس نے عیلامیوں کو مٹا کر اپنی پہلی جگہ پھر اختیار کر لی، بعد ازاں ایک مدت کے بعد ایک مشترک وطنی حکومت کی بنیاد پڑی۔

ان قدیم ترین حکومتہائے بابل کے سلسلہ میں ہم نے دو جگہ عرب سامی خاندانوں کا ذکر کیا ہے، ایک ۴۰۰۰ ق م اور ایک ۲۴۰۰ ق م، یہ دونوں علٰحدہ علٰحدہ بیان کے محتاج ہیں۔

چار ہزار ق م اس خاندان کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ سامی تھا، باہر سے آیا تھا، اور ابتداءً نہایت وحشی تھا، یہ بیرونی وحشی سامی کون تھے؟ غالباً عرب! اس خاندان کے حالات کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے:

> تقریباً چار ہزار ق م کی ابتدا میں سومری لوگوں نے جو ایک اعلیٰ تمدن حاصل کر رہے تھے اپنے ملک کو ایک بار (اس کے بعد) وسیع التعداد وحشی قبائل سے پُر پایا، یہ سامی تھے جو نہایت قریبی خون کا تعلق عربوں سے رکھتے تھے جو ایک بار (اس کے بعد) اسپین تک دوڑ چکے ہیں، اور عبرانیوں سے بھی اسی قسم کی مشابہت رکھتے تھے، جو ایک بار نہر اردن کو عبور کر کے کنعان پہنچے۔
>
> بعضوں کا خیال ہے کہ یہ کردستان سے آئے، اور بابل پہنچ کر یہاں سے ارمینیا عرب اور کنعان وغیرہ پہنچے لیکن یہ خیال اب متروک ہے، گو کہ ایک دو آدمیوں کے نام اب بھی اس کے مؤیدین میں نظر آتے ہیں، دوسری رائے یہ ہے کہ وہ افریقہ سے آئے اور مصر سے نکل کر تمام پھیلے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس تھیوری کے اثبات میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن بھی ایک تیسری تھیوری کے لئے بہت کچھ باقی ہے کہ "ان کا اصل مسکن عرب تھا" جہاں سے نکل کر ایک سرسبز

وسیع قطعہ کی تلاش میں الجزیرہ، بابل، اور دور مغرب میں کنعان میں موجیں لیتے ہوئے نکل آئے۔

یہ آخری خیال روز بروز نئے نئے طرف داروں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ عموماً اب یہی جدید علماء کی مقبول رائے ہے (ملخصاً از باب کتاب ۱)

سومری حکومت کے اس عہد کا ایک چھوٹا سا اور ٹوٹا سا کتبہ ملا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت ایک جدید داخل ہونے والی قوم سے جس نے شمالی بابل کو لے لیا تھا، دوبارہ اس کی واپسی کے لئے کوشاں تھی، یہ نئی آنے والی قوم کون تھی؟ سامی! جس کا اصل گھر غالباً عرب تھا لیکن اب وہ کچھ دنوں سے بابل کے شمالی و مغربی حصہ میں غالباً الجزیرہ میں آباد تھی، سامیوں نے ملک کے تمام آباد اور زرخیز شہر جن پر سومری جیتے تھے اپنے قبضہ میں کر لئے (باب کتاب ۲)۔

اس زمانہ میں حکومت ایک شہر سے عبارت تھا، جس کے آس پاس کچھ گاؤں، کچھ خیموں کی آبادی اور کچھ ادھر اُدھر رہنے والے قبائل ہوتے تھے، شہر میں ایک شاہی قصر اور ایک ہیکل پتھروں کا بنا ہوتا تھا، ہیکل کا کاہن اور قصر کا بادشاہ عموماً ایک ہی شخص ہوتا تھا، اور کبھی دو ہوتے تھے، ہر شہر کے ہیکل کا ایک خاص دیوتا تھا، جس کے قبضۂ قدرت میں تمام شہر کی جان ہوتی تھی، اس وقت شہر "کش" اور "غشبان" سومریوں کے خاص شہر تھے۔

جس عہد کا قصہ ہم لکھ رہے ہیں تقریباً دو سامی شہر یا حکومتوں کا ذکر پاتے ہیں، ایک حکومت کش و غشبان، و ارخ جس کا تمہیدی ذکر اوپر ہوا، اور دوسری حکومتِ اکاد۔

حکومت کش و غشبان وارخ یہ حکومت بابل میں پہلی سامی حکومت ظاہر ہوتی ہے، اس حکومت کے صرف تین کاہن بادشاہوں کے نام معلوم ہیں، اوکوش کاہنِ غشبان، لوغل زاغیسی ابن اوکوش لوغل اوکیسلسی۔

۱۔ "اوکوش" کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ غشبان کا کاہن اور سیاسی سے مذہبی قوت زیادہ رکھتا تھا۔

۲۔ "لوغل زاغیسی" نے باپ سے زیادہ سیاسی قوت حاصل کی، وہ کش اور غشبان دونوں کا بادشاہ تھا، تقریباً ۔۔ ۳۸ ق م میں اس نے تیسرے شہر "ارخ یا ارک" (عجب نہیں کہ لفظ عراق کی یہی اصل ہو) کی بنیاد ڈالی جس کو اس نے کل ملک کا دار الحکومت مقرر کیا۔

۳۔ "لوغل اوکیسلسی" اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، اس کے عہد میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سومری طاقت نے پھر عود کیا ہے، اور اس شہر کو بیرونی قوموں سے واپس لے لیا۔

حکومت اغاد) کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان میں چار بادشاہ گذرے ہیں، لطی بعل (بعل ایک دیوتا تھا) شرغنی شرعلی، کرنرام سن کر اور بن شرعلی۔

(۱) "لطی بعل" کے نام کا خود کتبہ نہیں ملا، لیکن اس کے بیٹے شرغنی کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ اپنے باپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"شرغنی شرعلی بن لطی بعل اغاد کا قدرت والا بادشاہ بعل کے ہیکل ایکور کا شہر نپور میں بنانے والا۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ ہونے کے علاوہ بہت سی عمارتوں کا بانی بھی ہے۔

(۲) "شرغنی شرعلی کر" (۸۰۰ ق م) اس کا پورا نام ہے لیکن کبھی صرف "شرغنی" بھی پایا گیا ہے لیکن زیادہ تر مشہور یہ شرغون اوّل یا سرجون اوّل کے نام سے ہے، سرغون اس خاندان کا گلِ سرسبد ہے اور حکومت ہائے بابل کے بزرگ ترین بادشاہوں میں اس کا شمار رہے، اس کے جو کتبات اس وقت تک ملے ہیں وہ متفقاً اس کی عظمت وجلال کے بیانات سے پُر ہیں اس نے ایک طرف سومریوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف فارس میں عیلامیوں کو مغلوب کر لیا

بعد کی تاریخوں میں شرغون کے کارناموں کے بیان میں اتنا مبالغہ کیا گیا ہے کہ وہ معمولی سی انسانیت سے نکل کر ایک غیر معمولی انسان بن جاتا ہے، ایک لوح پر جو آٹھویں صدی ق م کی کتابت ہے اور جس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ شرغون کے مجسمہ کی نقل ہے، اس کی پیدائش وظہور کے متعلق عجیب داستان تحریر ہے۔

(۳) "نرام سن کر" (۵۰، ۳ ق م) بھی عظمت میں اپنے باپ سے کم نہیں، اس کا خطاب تھا "شاہ چار دانگ عالم" "نرام سن" کی خاص مہم زمین "مغان" پر حملہ ہے "مغان" سے غالباً جزیرہ سینا ملحق بہ شمالی مغربی عرب مراد ہے، اس کے قریب شہر "مغان" اب تک معلوم ہے۔

فاتح ہونے کے علاوہ، یہ بادشاہ بانی عمارات بھی ہے، نپور اور اغاد میں ہیکل تعمیر کرائے اور شہر پناہیں بنوائیں، سفار میں آفتاب دیوتا کا ہیکل تیار کرایا۔

(۴) "بن علی شرعلی" خاتم خاندان اور مجہول الحال ہے[1]

---

[1] اس فصل کے لکھتے وقت حسب ذیل کتابیں ہمارے پیشِ نظر تھیں، نینوی اور اس کی یادگاریں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶ پر

۲۴۰۰ ق م گذشتہ صفحات میں ڈھائی ہزار برس کا مرقع پیش کیا گیا، جس میں بابل کے اسٹیج پر سومری عیلامی اور سامی قوموں کا کبھی بہ صلح و آشتی، کبھی بہ جنگ وجدال ظہور ہوتا رہا۔ ۲۴۰۰ ق م میں ایک اور سامی قوم کا ظہور ہوا، جس نے تمام قوموں کا خاتمہ کر دیا، اور ایک متحد سامی حکومت کی بنیاد ڈالی اس حکومت کی قومیت کی حقیقت امریکن مورخ راجرس ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے۔

سومری تہذیب اب پیری کو پہنچ چکی تھی، موت کے جراثیم اب اس میں پیدا ہو چکے تھے دوسری طرف سامی تمدن زندگی اور جوش سے لبریز تھا، سامی ریگستانِ عرب کی آزاد ہوا سے باہر آئے تھے، وہ اپنی رگوں میں زندگی رکھتے تھے [1]

اس خاندان کا شجرۂ ملوک جیسا کہ کتبات سے ظاہر ہوا ہے، حسب ذیل ہے [2]

۱۔ سمو۔ ابی	۲۴۵۴ - ۲۴۴۰ ق م	۱۵ برس
۲۔ سمولا ایلو	۲۴۳۹ - ۲۳۹۱ 〃	۳۵ 〃
۳۔ زابو	۲۴۰۴ - ۲۳۹۱ 〃	۱۴ 〃
۴۔ اَفل سِن	۲۳۹۰ - ۲۳۷۳ 〃	۱۸ 〃
۵۔ سِن مبلط	۲۳۷۲ - ۲۳۴۳ 〃	۳۰ 〃
۶۔ حمورابی	۲۳۴۲ - ۲۲۸۸ 〃	۵۵ 〃
۷۔ سمو۔ ایلونا	۲۲۸۷ - ۲۲۳۵ 〃	۳۵ 〃
۸۔ ابی شوع	۲۲۵۲ - ۲۲۲۸ 〃	۲۵ 〃

بقیہ صفحہ ۱۱۵ تاریخ قدیم (Nineveh and Its remain by A. H. Layard 1839 London)
رالنسن پروفیسر تاریخ قدیم کیمبرج A manual of ancent History by Rawlinson
(تحقیقات آثار نینویٰ و بابل) Discovien in the ruins of Nine and Baby A. H. Layard 1953
لیکن رالنسن کی کتاب صرف تاریخ یونان و روم اور توراۃ سے ماخوذ ہے اور لے یارڈ کی کتابیں کے معلومات جو گو بابل و نینویٰ کی ذاتی سیاحت کے نتائج ہیں، تاہم پرانے ہو چکے ہیں، راجرس ...... (R. W. Rogers) کی تاریخ بابل و اشور جو بالکل جدید تصنیف ہے، اور جس کی بنا صرف تحقیقات تازہ پر ہے اور جو تمام یورپ کے دار الآثار اور کتب خانوں کے مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہے، زیادہ تر اس فصل کا ماخوذ ہے (جلد اوّل کتاب اوّل باب ۱۱ - ۲ - اور کتاب ۲ باب اوّل)

[1] صفحہ ہذا Rogers. Vol. 1. P. 383

[2] راجرس ج ۱ ص ۳۲ -

۹ ۔ عمی بستانا	۲۲۲۷ ۔ ۲۲۰۳ ق م	۲۵ برس
۱۰ ۔ عمی ۔ صادقا	۲۲۰۲ ۔ ۲۱۸۳ ؍؍	۲۱ ؍؍
۱۱ ۔ سمو ۔ بستانا	۲۱۱۸ ۔ ۲۱۵۱ ؍؍	۳۱ ؍؍

اس فہرست میں پہلا نام "سموابی" کا ہے، اس کی نسبت کوئی واقعہ نہیں معلوم، اس کا نام صرف سلاطین کی فہرست میں ملا ہے، اس کے بعد کے جانشینوں کی نسبت بھی ہم کو کوئی صحیح علم نہیں ہے، "سمولاایلو" کے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ اس نے بابل میں چھ قلعے تعمیر کرائے تھے، "ذابو" صرف ایک ہیکل کے بانی کی حیثیت سے معلوم ہے جو شہر کے دیوتا کے نام سے بنا تھا۔ "افیل سن" اور "سن میلط بھی مجہول الحال ہیں۔

اس خاندان کا مشہور و ممتاز بادشاہ حمورابی ہے، جس کی نسبت ہماری اطلاعات کسی قدر وسیع ہیں، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے ملک کو عیلامیوں سے پاک کر دیا، اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمورابی سے پہلے تک عیلامیوں کا زور ملک میں باقی تھا، اور عجب نہیں کہ حمورابی کے اسلاف کا عدم اہمیت و عدم شہرت اسی علت کا معلول ہو، اور یہی وجہ ہے کہ حمورابی سے پہلے کے بادشاہوں کے ساتھ شاہی القاب نظر نہیں آتے۔

اب تک جو کتبات اس خاندان کے ملے ہیں وہ عموماً حمورابی ہی کے ہیں جن سے اس بادشاہ کی عجیب و غریب عظمت ظاہر ہوتی ہے[1]

توراۃ میں سب سے پہلا جو سیاسی واقعہ مذکور ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں شمالی عرب میں عراق اور شام کے بادشاہوں کی باہمی جنگ ہے، اس موقع پر شعار (بابل) کے بادشاہ کا نام امرافیل یا امورافیل مذکور ہوا ہے[2]، الف اور ح کا اور ب، پ اور ف کا مبادلہ، السنۂ سامیہ میں بہت متداول ہے، اس لئے عجب نہیں کہ امرافیل، اصلاً امورافی ہو اور اموارافی، حمورابی کا عبری تلفظ ہو "ال" کا اضافہ (بمعنی خدا) صرف عبری ناموں کی مناسبت سے کیا گیا ہے، جیسے اسرائیل، شماعیل، حزقیل وغیرہ، امرافیل اور حمورابی کے اتحاد کی بڑی دلیل دونوں کا تقریباً اتحادِ عصر اور اتحادِ ملک بھی ہے، بہر حال اگر یہ قیاس صحیح ہے تو حمورابی اور حضرت ابراہیمؑ کا باہم ایک ہی زمانہ ہوگا[3]

لہ Rogers Vol. 1. P. 391　　لہ تکوین باب ۱۴ - ۱۱

لہ Rogers Vol. 1. P. 390

حمورابی کے ایک کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید یہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن ہو، بابل کے ایک منارہ پر اس کے قوانین کندہ ملے ہیں، جو توراۃ کے احکام سے بہت مشابہ ہیں[۱] يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا، اہلِ ضلال کہتے ہیں کہ توراۃ کے احکام ان ہی قوانین سے ماخوذ ہیں، ارباب ہدایت کہہ سکتے ہیں کہ یہ احکام حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کے ہیں جن کو حمورابی نے سُنا اور قبول کیا، فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ

حمورابی کے بعد جو بادشاہ اس خاندان میں ہوئے، وہ باپ کی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے۔[۲]

[۱] حمورابی کے یہ قوانین انگریزی میں ایک رسالہ کی صورت میں چھپ گئے ہیں
[۲] اس باب کے تمام حوالوں کے لئے راجرس تاریخ بابل واسیر یاد رکھو۔

عرب سامیہ یا عاد مصر میں

عراق کی طرح مصر میں بھی اس واقعہ کے تین اجزا ہیں، اہلِ عرب کی روایت اہلِ مصر کا بیان اور تحقیقاتِ جدیدہ کی تصدیق، بلکہ اس مقدمہ میں ایک چیز اور زیادہ ہے یعنی تورات کے اشارات۔

روایت عرب | علامہ ابن قتیبہ کی شہادت ہے:۔

فمنھم العمالیق امم تفرقوا فی البلدان ومنھم فراعنۃ مصر[1]	ان ہی (قبائل عرب) میں سے عمالیق ہیں، یہ متعدد قومیں ہیں جو ممالک میں پھیل گئیں، ان ہی میں مصر کے بادشاہ تھے۔

مورخ یعقوبی لکھتا ہے[2]:۔

فلما ملکوا النساء طمع فیھم العمالقۃ ملوک الشام فغزاھم ملک العمالقۃ وھو یومئذ الولید بن دومع وطئ البلاد فرضوا ان یملکوا علیھم فاقام دھرا طویلا ثم ملک بعدہ ملک اٰخر من العمالقۃ یقال لہ الریان بن ولید وھو فرعون یوسف	مصریوں نے جب عورتوں کو بادشاہ بنایا شام کے بادشاہ جو عمالیق تھے انھوں نے طمع کیا، عمالیق کے بادشاہ نے جس کا نام ولید بن دومع تھا ملک کو پامال کیا تھا، اہل مصر ان کی بادشاہی پر راضی ہو گئے، ایک زمانہ تک یہ بادشاہ زندہ رہا پھر عمالیق کا دوسرا بادشاہ ہوا جس کو لوگ ریان بن ولید کہتے تھے حضرت یوسفؑ کا معاصر فرعون یہی ہے۔

جزئیاتِ بیان اور نام گو صحیح نہ ہوں، لیکن اصل واقعہ ثابت ہے اور کیا عجب کہ یہ عربی نام اصلی ناموں کے ترجمہ ہوں، اسی قسم کا بیان اور تاریخوں میں بھی ہے، معجم یاقوت میں ہے۔

وقیل ان فراعنۃ مصر کانوا من العمالیق وکان منھم فرعون	کہا گیا ہے کہ مصر کے فرعون عمالیق میں سے تھے، ان ہی میں حضرت ابراہیمؑ کا فرعون

[1] کتاب المعارف ص ۱۰ مصر [2] تاریخ یعقوبی جلد اوّل ص ۲۱۱ ، لیڈن

ابراهيم . . . . وفرعون يوسف . . . وفرعون موسیٰ (؟)

. . . . . . اور حضرت یوسفؑ کا فرعون . . . اور حضرت موسیٰؑ کا فرعون ہے

مورخ طبری کی روایت ہے ۔

وانہ ملك على مصر اخاه سنان بن علوان وهو اول الفراعنة وانه كان ملك مصر حين قدمها ابراهيم خليل الرحمٰن (۲۰۲ ج ۱ یورپ)

اس نے مصر پر اپنے بھائی علوان بن سنان کو بادشاہ بنایا، یہ مصر کا پہلا فرعون تھا، حضرت ابراہیمؑ جب مصر گئے تو یہی فرعون تھا ۔

اس معاصرت کی تائید دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔

مورخ ابن خلدون کی تحقیق [۱] ہے ۔

ان بعض ملوك القبط استنصر ملك العمالقة لعهده . . . . . فجاء معه وملك مصر

قبط (قدیم باشندگانِ مصر) کے بعض سلاطین نے اپنے زمانہ کے شاہِ عمالیق سے مدد مانگی، وہ آیا اور اس نے مصر پر قبضہ کر لیا۔

اہل مصر کا بیان مسیح سے دو ہزار برس پہلے مصر پر ایک اجنبی قوم نے قبضہ کیا، اس کا نام اہل مصر سوس (چرواہے) اور ہیک سوس (چرواہے بادشاہ) بتاتے ہیں، یہ چرواہے بادشاہ کون تھے عرب! جو اکثر شتربانی سے جہاں بانی تک پہنچے ہیں! اور اس وقت بھی ان کو یہی لقب دیا گیا، لیکن کیا کیا جائے کہ چرواہا ہونا نہ صرف عرب کا بلکہ تمام امم سامیہ کا قومی وملکی پیشہ ہے اور اس کی تحریری شہادت آج سے دو ہزار برس پیشتر کی ہمارے پاس موجود ہے، یہاں تک کہ پیشوایانِ امم سامیہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں [۲]۔

بہرحال ان ہی عرب چرواہوں کی نسبت اہل مصر کا اعتراف ہے کہ مسیح سے دو ہزار برس پیشتر مصر پر حکمران تھے، مصر کا قدیم مورخ اسکندریہ کا مانیتھو ہے، جس نے مسیح سے ۲۶۰ برس پیشتر یونانی میں مصر کے تاریخ لکھی تھی، اصل کتاب تو مفقود ہے لیکن اس کی جستہ جستہ عبارتیں بعد کی

---

۱ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ مصر ص ۱۲۰ ۲ فلسفہ یہودیت، یوسیفوس ذکر موسیٰ ہمدرین نیز توراۃ دیکھو حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی نے بکریاں چرائیں اور میں نے بھی چرائی ہیں۔" سر ولیم میور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بکریاں چرانے سے آپ کی ذلت وتحقیر کا پہلو نکالتے ہیں، ان کو یوسیفوس پڑھنا چاہیے تھا، اور اپنی مذہبی کتاب توراۃ میں دیکھنا چاہیے تھا کہ ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور موسیٰؑ کا کیا پیشہ تھا؟

یونانی اللسان مصنفین کے یہاں منقول ہیں جن میں سے ایک دو یہودی مورخ یوسیفوس بھی ہے۔

یوسیفوس نے ایک خاص رسالہ اُن یونانیوں کی رد میں لکھا ہے، جو یہودیوں کی قدامتِ عہد و مجد کے منکر تھے، اور اسی سلسلہ میں غیر یہودی مورخین کی شہادتیں نقل کی ہیں، جن میں سے اسکندریہ کا یہ مانیتھو بھی ہے، مانیتھو نے ہیک سوس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے ہم اُس کا یہاں اقتباس نقل کرتے ہیں:۔

ایک ہمارا بادشاہ طیماؤس نامی تھا، اس کے عہد میں یہ ہوا، لیکن ہم نہیں جانتے کہ کیوں کر ہوا، خدا ہم پر خفا تھا؟ ایک عجیب طریقہ سے شریر الخلقت لوگ "اطرافِ مشرق" سے چلے آئے، وہ اس قدر بہادر تھے کہ وہ ہمارے ملک میں گھس گئے، نہایت آسانی سے بزور مسخر کرلیا، گو اُن سے ہماری ایک قسمت آزما جنگ ہوئی، جب انھوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کرلیا جنھوں نے اپنی طاقت سے ہم پر حکومت کی تھی تو ہمارے شہروں کو جلا دیا، ہمارے دیوتاؤں کے ہیکلوں کو برباد کردیا.............. آخر وہ حاکم بن بیٹھے اور اپنا ایک بادشاہ بنایا جس کا نام "سلاطیس" تھا..... سلاطیس نے مصر زیریں دونوں سے خراج وصول کیا، اور مناسب مقامات پر دستے متعین کئے خصوصاً مشرقی حصوں کی حفاظت اہلِ اسیریا کے مقابلہ میں پیش بینی کے لئے بہت کرتے تھے جو اس زمانہ میں قوی ترین قوت تھی........ سلاطیس نے ۲۰ برس حکومت کی، پھر ایک دوسرا بادشاہ ہوا جس کا "بیئون" نام تھا، اور یہ ۴۴ برس زندہ رہا، بعد ازیں ۳۷ برس، مہینے کے لئے "ابوفیس" بادشاہ ہوا، اور پھر "جینیاس" نے ۵۰ برس اور ایک مہینہ تک حکومت کی۔ اور ان سب کے آخر میں "اسیس" بادشاہ ہوا، ۴۹ برس دو مہینے اس کی بادشاہی کا زمانہ ہے۔

اس تمام قوم کا نام ہائیک سوس رکھا گیا تھا، یعنی "چرواہے بادشاہ" کیوں کہ ہائیک کے معنی مقدس زبان میں "بادشاہ" کے ہیں اور "سوس" عام زبان میں چرواہے کو کہتے ہیں اور ان دونوں لفظوں سے مل کر ہائیک سوس بنا ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عرب تھے۔ ۵۱۱ برس یہ مصر پر قابض رہے۔[1]

ان عرب حملہ آوروں کے نام و لقب کے متعلق ایک بات یہاں قابلِ ذکر ہے عرب کی

[1] Josephus Against Book Dect. 14 Vol VI

صحیح روایات میں فاتح مصر کا نام "شداد" ظاہر کیا گیا ہے، مانیتھو نے "سلاط" لکھا ہے[۱]، حقیقت میں یہ دونوں لفظ کے معنی ایک ہی ہیں شداد کے معنی "قوی" اور "جابر" کے ہیں اور "سلاط" بھی سامی زبانوں میں یہی معنی رکھتا ہے، جس سے عربی زبان میں "سلطان"، "سلطنۃ" اور "سلطہ" نکلے ہیں۔

"ہیک" کو اگر ہم "شیخ" کا محرف نہ کہیں جو امیر بدو کا خاص لقب ہے، تو اس کو خاص مصری لفظ تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ مانیتھو نے بتایا ہے، لیکن سوس کا لفظ تو خاص عربی ہے، سوس کے اصل معنی نگرانی و انتظام کے ہیں، اسی مناسبت سے چرواہے کو بھی "سوس" ابتداً کہتے ہوں گے، جس سے منتقل ہو کر گلہ بانی سے جہاں بانی کے لئے عربی میں یہ لفظ مستعمل ہوا، اسی ماخذ سے سیاستہ کا لفظ اب عام طور سے اس معنی میں بولتے ہیں (سیاستہ کا اصل مادہ لغت میں یہی سوس ہے) یعنی اوّل بھی گلہ بانی و چوبانی کا اثر صرف ایک لفظ میں ہمارے ہاں باقی ہے، یعنی "سئیس" خادم اسپ عجب نہیں کہ عبری میں یہیں سے لفظ "صوص" D=7D گھوڑے کے لئے مستعمل ہوا ہو، تیسرے بادشاہ کا نام "ابوفلیس" بھی عربی وضع کا ہے، آخری نام "اسیس" وہی نام ہے جس کو ہم "عزیز" کہتے ہیں اور اب تک امرائے مصر کا لقب جانتے ہیں، ایک عجیب بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کے قصہ میں "عزیز" ہی کا لفظ ہم پاتے ہیں۔

قرائنِ تورات تورات میں حضرت ابراہیمؑ کا جب پہلی بار ظہور ہوتا ہے تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ عراق سے مصر تک کی زمینوں میں سفر کرتے ہوئے ملتے ہیں، اور اپنی بیوی سارا کو جو رشتہ کی بہن بھی تھی، اپنی بہن ظاہر کرتے ہیں اور فرعونِ مصر قرابت کی درخواست کرتا ہے، لیکن جب اصل واقعہ ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ خود اپنی بیٹی "ہاجرہ" کو کنیزگی میں پیش کرتا ہے[۲]، کیا ان اتفاقات سے نسبی تعلق کا اشارہ نہیں ملتا؟

ڈیڑھ سو برس کے بعد اتفاقاً حضرت یوسفؑ مصر تشریف لے جاتے ہیں، اور باوجود اس کے کہ اُن کا عبرانی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے، اور اہلِ مصر عبرانیوں کو ذلیل جانتے ہیں، اور ان کے ساتھ کھانا عار سمجھتے ہیں[۳]۔ فرعونِ مصر یوسف کی عزت کرتا ہے، ان کو اپنا نائب السلطنت مقرر کرتا ہے[۴] یوسف کے پدر بزرگوار حضرت یعقوبؑ اور اُن کے خاندان کے مصر آنے پر فرعون اور ارکانِ سلطنت

۱؎ "ی" اور "س" جو سلاطیس کے آخری اجزاء میں مذکر نام کے آخر میں یونانی اور لٹیں میں زائد کر دیئے جاتے ہیں۔

۲؎ یہ واقعہ کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں، تورات میں نہیں مگر یہودی روایات میں موجود ہے اور ان کا مصری ہونا تکوین میں بھی مسلم ہے۔ ۳؎ تورات تکوین باب ۴۳-۳۲۔ ۴؎ تورات تکوین باب ۴۱-۴۰-۴۲۔

خوشی کا اظہار کرتے ہیں[1] اور ان کے مرنے سے نہایت رنجیدہ ہوتے ہیں[2] اور سب سے عجیب یہ کہ حضرت یوسفؑ اپنے خاندان کو تاکید کرتے ہیں، کہ فرعون اگر پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو یہ جواب دینا کہ "ہم چرواہے ہیں! اور چوپانی ہمارا آبائی پیشہ ہے[3]" پھر خود تورات کا یہ عجیب تر بیان کہ "مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے تھے[4]" اور یقیناً یہ سیاسی نفرت تھی، ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چرواہے بادشاہوں کا وجود تاریخی ہے، اور حضرت یوسفؑ اور بنی اسرائیل کا قیام ان ہی عرب سامیہ یا چرواہے بادشاہوں کے عہد میں ہوا، جیسا کہ مورخین عرب کا بھی بیان ہے اور یہ بھی اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان عراقی اور مصر کے خاص شاہی خاندانوں میں ضرور کوئی خاص قومی تعلق تھا، جس کا اظہار کنایۃً حضرت یوسفؑ باوجود اس علم کے کہ مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے ہیں، چوپانی کے ذریعہ سے کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اہل مصر اس بدوی حکمران خاندان کو تحقیراً "شاشو" یعنی چوپان کہتے تھے۔

چند صدیوں کے بعد بنی اسرائیل کا مصر میں مبتلائے مصائب ہونا ہمارے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب اہل مصر یعنی بنو حام نے سابق حکمران خاندان یعنی بنو سام کو مصر سے نکال دیا، اور ان کی حکومت کا مصر میں خاتمہ ہو گیا تو بنو اسرائیل جو بنو سام کی ایک شاخ تھے، اور بعہد حکومت سابقہ مصر میں نہایت طاقتور ہو گئے تھے، ان کو سیاسی وجوہ سے کمزور کر دینا چاہا تورات میں اس موقع پر حسب ذیل عبارت ہے:۔

> لیکن اسرائیل کی اولاد برومند ہوئی اور بہت بڑھی اور فراوان ہوئی "اور بہت زور پیدا کیا" اور وہ زمین ان سے معمور ہوئی، تب مصر میں ایک "نیا بادشاہ" جو یوسف کو نہ جانتا تھا پیدا ہوا، اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا، دیکھو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں اور ہم ان کے ساتھ دانشمندانہ تدبیر کریں، تا نہ ہووے کہ جب وے اور زیادہ ہوں اور جنگ پڑے تو ہمارے دشمنوں سے مل جائیں اور ہم سے لڑیں اور ہم کو نکال دیں[5]

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کا معاملہ بالکل سیاسی تھا، قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، فرعون حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی نسبت کہتا ہے:۔

---

[1] تورات تکوین باب ۴۵-۱۶ [2] تورات تکوین باب ۵۰-۳-۱۱ [3] تورات تکوین باب ۴۶-۳۲ نیز باب ۴۷-۳ [4] تورات تکوین باب ۴۶-۳۴

[5] سفر خروج باب اول ۷-۸-۹-۱۰-۱۱

اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ۔	یقیناً یہ دونوں جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ تم کو تمھارے ملک سے نکال دیں۔

توراۃ کے اس فقرہ کا کہ "تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا" ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ "تب ایک نئی بادشاہی قائم ہوئی جو بنی اسرائیل سے جو سابق سامی حکومت کی ایک شاخ تھی، نفرت رکھتی تھی۔

ہمارے خیال مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ نے عرب سامیہ کی حکومت مصر کی جو مدت قرار دی ہے یہ تقریباً وہی ہے جو ابراہیم سے لے کر (جو ابتدائے حکومت کا زمانہ ہم فرض کرتے ہیں) حضرت موسیٰؑ سے کچھ پہلے تک (جو اختتام کا زمانہ ہے) توراۃ نے قرار دی ہے، یعنی تقریباً ۵۲۵ برس، کیونکہ بنی اسرائیل کی سکونت مصر کا زمانہ، جو حضرت یوسفؑ سے حضرت موسیٰؑ تک ممتد ہے، توراۃ نے ۴۳۰ بتایا ہے اس پر حضرت ابراہیمؑ سے حضرت یوسفؑ تک کا زمانہ اور اضافہ کرو، یہ چار پشتیں ہیں جن کے لئے ۱۰۰ برس فرض کیا جا سکتا ہے مجموعہ ۵۳۰ ہوتا ہے، اور مانیتھو نے اس حکومت کا زمانہ ۵۱۱ بتاتا ہے، چند سال جو توراۃ میں فاضل ہیں، یہ وہ ہیں کہ دوسری وطنی حکومت مصر میں قائم ہوئی جس کے چند سالہ مظالم سہہ کر بنی اسرائیل مصر سے نکلے۔

بنی اسرائیل اور عرب سامیہ کے باہمی تعلق مصر کا نہ صرف توراۃ کے ان فقروں سے ثبوت ملتا ہے، بلکہ مصر اور عرب دونوں کی تاریخوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، یعقوبی کی عبارت ہم نے پہلے بھی نقل کی ہے، اور پھر نقل کرتے ہیں۔

ثم ملك بعده ملك آخر من العمالقة يقال له الريان بن الوليد وهو فرعون يوسف ... ثم ملك فرعون موسى وهو الوليد ابن المصعب۔	اس کے بعد عمالقہ میں سے ایک اور بادشاہ ہوا، جس کا نام ریان بن ولید تھا، وہ حضرت یوسفؑ کا فرعون ہے، پھر حضرت موسیٰؑ کا فرعون بادشاہ ہو، جس کا نام ولید ابن مصعب ہے۔

لیکن ایک بڑی غلطی ان روایات میں یہ ہے کہ فرعون موسیٰؑ کو بھی عمالیق میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے ہی ان کا اخراج ہو چکا تھا۔

ادھر تو یہ غلط مبحث ہے اُدھر مانیتھو کے ہاں تاریخ مصر میں دوسرا غلط مبحث ہے، وہ عربوں

ؔ خروج ۱۲-۴۰ ؔ تاریخ یعقوبی جلد اصفحہ ۲۱۱ لیڈن۔

کو اور بنی اسرائیل کو گویا ایک ہی سمجھتا ہے اور ظاہر ہے کہ باہر کا آدمی ایک قبیلہ کے باہمی خاندان کے فصل و وصل کو کیا جانتا ہے؟ ہندوستان میں تمام یورپین انگریز ہیں، یورپ میں ترک ہر مسلمان کا نام ہے، اسپین میں عرب اور مسلمان ایک تھے مانیتھو کہتا ہے۔

مصر کا بادشاہ .... نے ان چرواہوں کو مفتوح کر لیا، اور درحقیقت ان کو مصر کے اطراف سے نکال دیا، لیکن وہ اوارس نام ایک زمین میں نظر بند کر دیئے گئے جس کی وسعت دس ہزار ایکڑ تھی، ... پھر اس شرط پر کہ وہ مصر چھوڑ دیں گے، رہا کر دیے گئے اور انھوں نے اپنا راستہ صحرا کی طرف شام کا لیا، اور چونکہ وہ اسیریا سے ڈرتے تھے، اس لئے اس ملک میں جس کو یہودیہ کہتے ہیں .... ایک شہر بنا لیا جس کو یروشلم کہتے ہیں۔[1]

مانیتھو نے یہاں متعدد غلطیاں کی ہیں، اولاً دو واقعات کو باہم ملایا، عرب سامیہ کی جلاوطنی اور بنی اسرائیل کی قید، دونوں کو ایک ہی خاندان سے متعلق سمجھا، ثانیاً یہ کہ بنی اسرائیل عمالیق سے خوف زدہ تھے، نہ کہ اسیریا سے، سوم یہ کہ بنی اسرائیل نے دریا کا راستہ اختیار کیا تھا، نہ کہ صحرا کا۔

توراۃ کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امم سامیہ میں سے عربوں کے تعلقات مصر کے ساتھ سب سے زیادہ تھے، اسماعیلی عربوں کی ماں "ہاجرہ" مصر کی تھیں[2]، خود حضرت اسماعیلؑ کی ماں کے سوا بیوی بھی مصریہ تھیں[3]، عربوں کے قافلے برابر مصر کو آتے جاتے تھے[4]، خود حضرت یوسفؑ کو دربار مصر تک جس نے پہنچایا وہ عرب ہی تھے[5]، حضرت یوسفؑ کے عہد میں جب مصر اور اس کے آس پاس کے ملکوں میں قحط پڑا، تو یمن نے جو عام روایت کی رو سے عاد و عمالیق کا وطن تھا، یہاں کی شاہزادی کے مصر سے غلہ طلب کیا تھا، یہ واقعہ اس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ جس کو مسلمان علمائے آثار نے ابتدائی صدی میں یمن میں پایا تھا۔[6]

اس کتبہ سے نہ صرف توراۃ کے اس فقرہ کی تائید ہوتی ہے کہ "تمام زمین میں قحط پڑا"، بلکہ ان عربوں میں جو یمن میں تھے اور ان سامی عربوں میں جو اس وقت چرواہے بادشاہوں کے نام سے مصر میں تھے، باہم تعلقات کا اظہار ہوتا ہے۔

تحقیقات جدید مانیتھو نے جو کچھ لکھا ہے ایجپٹیالوجسٹ (عالم مصریات یعنی آثار مصریہ کے ماہرین) اس

---

[1] Against Book Sect 14. [2] تکوین ۱۶-۱۳ [3] ایضاً ۲۱-۲ [4] ایضاً ۳۷، ۲۶۔ [5] تکوین ۳۰-۷، ۲۹ [6] ابن ہشام اس کتبہ کی اصل عبارت کو ہمدانی نے اکلیل میں نقل کیا ہے حمیری عبارت کا عربی ترجمہ مقدمہ میں گذر چکا ہے۔

پر کچھ اضافہ نہیں کرتے، وہ صرف اس کی شرح کرتے ہیں، آثار سے ثابت کرتے ہیں، . . . . کہ ہیک سوس سامی عرب تھے، بعض اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود مصری اصلاً شاید سامی عرب ہیں[۱]۔

ہائیک سوس عرب ہونے کی نسبت سب سے پہلی شہادت ایک مستند جرمن مورخ ہیرن کی پیش کرتے ہیں، مورخ موصوف لکھتا ہے۔

"اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف جہات سے مصر میں یہ قبائل حملہ آور تھے لیکن وہ جو مشرق سے آئے تھے، یعنی عرب سب سے زیادہ زبردست تھے یہ مصر زیریں تک دوڑ پڑے[۲]"

آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"ان کی لمبی ڈاڑھی، لمبے کپڑے ہر چیز ان کے عرب ہونے کو ظاہر کرتی ہے[۳]"

جارج رالنسن (G. R Rawlinson) جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ قدیم کا پروفیسر تھا اور مصر کی تاریخ قدیم کا مصنف ہے لکھتا ہے:۔

مصر جو پانچ سلطنتوں میں بٹ گیا تھا اس کے ضعف نے شمالی مشرق سے باہر کے حملہ آوروں کو طمع دلایا ۲۰۸۰ ق م میں یا اس کے کسی قدر بعد ایک طاقتور دشمن شمال مشرق سے مصر زیریں میں داخل ہو گیا، یو ممفط کی حکومت کے برباد کرنے اور ملک کے حصہ زیریں واقع طول بلد ۲۹-۳۰ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا، یہ حملہ آور ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھے، جو شام یا عرب کے صحرانورد اور بدوی لوگ تھے[۴]۔

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

مصریوں کے دوسرے دشمن اس جانب میں شاثوش تھے، جو شاید ہیک سوس ہیں، اور بظاہر عرب معلوم ہوتے ہیں[۵]۔

ایک جرمن فاضل بروکش مورخ (Brugsch Heinrich) نے مصر کی تاریخ صرف کتبات و آثار کی بنا پر لکھی ہے۔ اس کی کتاب کا ترجمہ انگریزی میں ہو گیا ہے، تاریخ مذکور میں فاضل موصوف کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ "ہائیک سوس یقیناً سامی تھے، مصر کی زبان میں قدیم ہائیک بادشاہ اور "سوس" چرواہان اور اہل بادیہ کو کہتے ہیں[۶]۔ اہل عرب کی اس روایت کو بھی اس نے تائید نقل کی ہے کہ شداد بن عاد نے مصر پر حملہ کیا تھا[۶]۔

۱؎ تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی رالنسن جلد ۱ ص ۹۸۔ ۲؎ ج ۲ ص ۱۱۳۔ ۳؎ تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی رالنسن ج ۲ ص ۱۱۸
۴؎ تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی رالنسن ج ۱ ص ۶۶۔ ۵؎ ایضاً ص ۱۱۱۔ ۶؎ ایضاً ص ۲۴۷-۴۸-۲۷۔

برٹش میوزیم لندن میں جو مجموعات مصریہ (Egyption collections) ہیں ۱۹۰۹ء میں ایک ان کا دلیل نامہ (Guide) لکھا گیا ہے، جو معلوماتِ تازہ کا خلاصہ ہے، ہائیک سوس کے متعلق اس میں حسبِ ذیل تحقیق ہے۔[1]

تیرہویں خاندانِ حکومت کے زوال کے بعد نسبتاً فوراً ہی مصرِ زیریں (ڈلٹا) اور شمالی اطراف مصر پر متحدہ سامی بدوی قبائل نے آہستہ آہستہ قبضہ کر لیا، جن کے سرداروں کا نام بروایت یوسفوس المتوفی ۱۰۰ء ہائیک سوس، یا چرواہے بادشاہ تھے، لفظ ہائیک سوس، دو مصری لفظوں سے ماخوذ ہے "ہیلو" اور "شوش" یعنی "شیخ" یا حاکم قبائل بادیہ صحرائے مشرق و شام وغیرہ۔

[illegible] ایک انگریز مورخ صاحب جو ایک چھوٹی سی لیکن مستند تاریخ کے مصنف ہیں فاتح عربوں کی شجاعانہ قوت سے برہم ہو کر لکھتے ہیں۔[2]

زمین عرب جہاں کے بادیہ نشین قبائل جو تاریخ کے قدیم ترین عہد سے گلہ بان اور غارت گر ہیں اور اب تک زمانہ تک بھی وہ ایسے ہی ہیں، ان مصر میں داخل ہونے والی قوموں کی ماں تھی، جنھوں نے نہایت سختی سے قدیم مصریوں کو ستایا۔۔ ان کا نام "ہائیک سوس" تھا، یا چرواہے بادشاہ۔

اس عصرِ جدیدہ میں مسلمان مورخین میں عمالقہ یا عرب سامیہ اور "ہائیک سوس" کے ایک ہونے کا خیال سب سے پہلے ایک مصری مسلمان عالم علامہ رفاعہ بک طہطاوی کا پیدا ہوا، جن کی ذات مصر کے دورِ انقلابِ علمی کا پہلا نتیجہ اور معلومات مغربی و مشرقی کے پیوند کا پہلا ثمر تھا، ان کی تاریخ مصر بنام "انوار توفیق الجلیل" ۱۲۵۸ھ میں آج سے تقریباً پچاس برس پہلے شائع ہوئی ہے اس میں اس موقع کی عبارت یہ ہے۔

ودولتهم تسمى دولة الهقصوص واشتهر	ان کی سلطنت کا نام ہیک سوس کی سلطنت
بالتواريخ باسم الملوك الرعاة وفى كتب	سے ہے بادشاہ چرواہے بادشاہوں کے نام سے
التواريخ الاسلامية يقال لهم العمالقة۔[3]	مشہور ہیں، اسلامی تاریخوں میں ان کا نام عمالقہ ہے

جمہور کی اس آواز متفق میں کہ "ہائیک سوس" سامی عرب تھے، کبھی کبھی ایک دھیمی آواز بھی سنائی دیتی ہے، کہ وہ تورانی یا منگولین تھے، آج سے ۸۰ برس پیشتر مسٹر روسی لینی Roslin نے یہ خیال ظاہر کیا تھا، اس مدعی کے پاس اس دعوی کی صرف یہ دلیل ہے کہ سوائس (Sus) جو "ہیک سوس" کا جزء ہے، اور ایک تورانی قوم کے یونانی نام سیتینس (Scythen) میں بعض حروف کی تمسخر انگیز لفظی مناسبت ہے جرمن عالم ہیرن نے اس کی تردید میں کہا ہے:۔

---

[1] تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی رالنسن ص ۲۳۴، [2] ایضاً ص ۷۰، [3] انوار توفیق الجلیل فی اخبار مصر ج ۱ ص ۵۸ مصر ۱۲۵۸ھ

ہائیک سوس جو مصر کے ایک بڑے حصہ پر مصر کے ۱۶-اور ۱۷ خاندان حکومت میں قابض ہو گئے تھے، مسٹر روسی لینی کا اور میرا اس پر اتفاق ہے، کہ وہ بادیہ نشین تھے، کیونکہ آثار میں جوان کی تصویر دکھائی گئی ہے، وہ گلوں اور چوپایوں کے جھنڈ کے ساتھ ہے اس سے سب نے یہ طبعی طور پر سمجھا ہے کہ وہ حدود مصر کے بدوی قبائل تھے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ ان میں عرب قوم کو میں اپنے مخصوص خصوصیات میں ڈاڑھی، لمبے کپڑے اور کھلے رنگ میں پاتا ہوں، اور جو ایک ایسی رائے ہے جس کی قوت کے ساتھ شہادت (خود ناقل روایت) یوسیفوس نے دی ہے، مسٹر روسی لینی ان کو سیتھینس فرض کرتے ہیں، سیتھینس سے مقصود شاید ایشیائے وسطیٰ کے تورانی بدوی قبائل ہیں لیکن ان کے ذکر کردہ بیان سے۔

. . . . علاوہ ازیں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو یہ دکھا سکے کہ ان قبائل نے اس قدر بعید زمانہ میں کوئی مہم بہ غرض فتح اس قدر بعید فاصلہ کے لئے اختیار کی ہو۔

مسٹر روسی لینی کی دلیل صرف لفظی تشریح پر مبنی ہے جس کی بنا پر ان کو نظر آتا ہے کہ مصری نام سائس (Scios) سیتھینس (Scythen) ہے جس کے معنی برباد کنندہ کے ہیں، میں اس مسئلہ کے اندر پڑنے کی جرأت نہیں کرسکتا، لیکن میں اپنے اعتراف و بیان میں بھی ترمیم نہیں کرسکتا۔[1]

پچاس، ساٹھ برس کے عرصہ میں اس دھیمی آواز میں اور بھی ضعف آگیا ہے، آج سے دس بارہ برس پہلے ایک کتاب لکھی گئی ہے جس میں یہ تسلیم ہے کہ تنہا تورانی نہ تھے، بلکہ سامی عرب بھی اس میں شریک تھے۔

اس میں متعد بہ حد تک شک ہے کہ ہائیک سوس کس قومیت سے تعلق رکھتے تھے، وہ بعض صرف کنعانی عرب اور دوسرے سامی قبائل سمجھے گئے ہیں، لیکن حیتی (ایک تورانی قبیلہ) بھی ان کے ساتھ شریک معلوم ہوتے ہیں اور ان کے لیڈر تورانی معلوم ہوتے ہیں۔ اس فیصلہ کی بناپر کہ آخری سلاطین ہیک سوس کے جو دو مجسمے ابھی حال میں ملے ہیں وہ بالکل تورانی شکل کے ہیں[2]

بعض اشخاص کی مشابہت شکل سے بغیر کسی تاریخی اور اثری دلیل کے قومیت کا فیصلہ عجیب ہے اور اسی لئے یہ آواز ہمیشہ بالکل غیر مسموع رہی ہے۔ تازہ ترین خیال جو برٹش میوزیم ایجپشین گائیڈ، (دلیل نامہ) آثار مصریہ اور انسائیکلو پیڈیا طبع یازدہم، مضمون (ایجپٹ) کو پڑھ کر متفقاً تسلیم شدہ نظر آتے ہیں، یہی ہے کہ ہیک سوس "متحدہ سامی" تھے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہیک سوس کے عرب ہونے پر اس قدر مبہم دلائل موجود ہیں، جن کا استخفاف تحکم

---

[1] جلد ۲ ص ۵۰، [2] سوال لے انگ ص ۱۷-۱۹

ہے، تم ان پر ایک بار اور مجموعاً نظر ڈال لو۔

۱۔ عربوں کا بیان کہ انھوں نے زمانۂ قدیم میں مصر پر حکومت کی۔

۲۔ قدیم اہل مصر کا اعتراف کہ عرب یہاں حاکمانہ داخل ہوئے۔

۳۔ ہیک سوس کے بادشاہ اول کے نام کا عربی ذکر کردہ فاتح مصر سے مطابقتِ معنوی ولفظی،

۴۔ سلاطین ہیک سوس کے نام کا عربی اللفظ یا سامی الماخذ ہونا۔

۵۔ آثار میں ان کے مجسمہ کا عربی شکل ولباس میں ہونا۔

۶۔ عرب ومصر کے قدیم تعلقات۔

۷۔ ہیک سوس کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان کا بعینہٖ عربوں میں موجود ہونا۔

۸۔ توراۃ کے قرائن واشارات۔

۹۔ علمائے آثار کی تائید۔

۱۰۔ یوسیفوس وغیرہ کے قدیم بیانات کی بنا پر اکثر یورپین مورخین کا اُن کے عرب ہونے کی تصدیق کرنا۔

۱۱۔ ان تمام مباحث ومطارحات کے بعد سب سے آخری قطعی اور فیصلہ کن شہادت خود اس قوم کی نقل کرتے ہیں جس نے شاسو کو اپنے ملک سے نکالا کہ وہ خود "شاسو" کو کیا سمجھتے تھے؟ مصر کا قدیم بادشاہ رعمسیس سویم اپنے ایک کتبہ میں اپنی ایک فتح کی نسبت لکھتا ہے۔

میں نے ساعیر کو جو "شاسو" کے قبائل میں ہیں برباد کر دیا۔

ساعیر سے مقصود اہل ساعیر ہیں جو شمالی عرب میں ایک کوہستانی مقام ہے، اور جہاں ادومی عربوں نے ایک حکومت قائم کی تھی، توراۃ میں کوہ سعیر کا نہایت کثرت سے ذکر ہے۔

عرب سامیہ

اسیریا، ایران، فنیقیہ، قرطاجنہ، کریٹ اور یونان ہیں۔

عرب سامیہ اولیٰ کا ان ممالک میں گذر یا یہاں کسی حکومت کی تاسیس ایک تعجب انگیز واقعہ ہے لیکن غیر معقول نہیں ۱۲۰۰ ق م میں بابل کی جگہ اسی ملک میں اسیریا کی حکومت قائم ہوئی، ایران اس وقت تک کوئی مستقل ملک نہ تھا، بابل اور اسیریا کا ایک جزء تھا، فنیقی (فینشین) شام و فلسطین کے سواحل بحر ابیض پر آباد تھے، توراۃ میں ان کو آرامی کہا گیا ہے، یہ دنیا کی سب سے پہلی تاجر اور ایشیا سے یورپ کا سفر کرنے والی قوم سمجھی جاتی ہے اور یہی قوم ہے جس نے قدیم یورپ میں تہذیب کی روشنی پیدا کی اس نے ایک طرف افریقیہ کی زمین شور میں کارتیج تمدن کی تخم ریزی کی، اور دوسری طرف یورپ کے برفشاں (یونان) میں تہذیب و تمدن کی آگ روشن کی۔

ان مباحث کی نسبت تفصیلاً بحث و اثبات تو طولِ کلام ہے چند مستند کتابوں کے حوالہ سے ضروری نتائج پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

اسیریا | اسیریا کے متعلق سب سے آخری بحث میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سامی قوم[1] تھی اور یہ معلوم ہے کہ وہ خلیج فارس کے سواحل عرب سے ٹھیک اسی راستہ سے بابل آئی تھی[2]، جس راستہ سے اس سے پہلے عاد یا امم سامیہ اولیٰ کا ادھر گذر ہوا تھا، اس بنا پر حقیقت میں اسیرین نسلاً عرب تھے، اور اسیریا کی اثری تاریخوں میں اس کے دلائل ہر جگہ ملیں گے۔

ایران | ایران کی قدیم روایت میں مذکور ہے کہ بعد ضحاک نامی ایک عرب نے (خاندان ضحاک سمجھنا چاہئے) ہزار برس تک ایران پر حکومت کی[3]۔

ہمارے مورخین کہتے ہیں کہ ضحاک یمن کے ایک بادشاہ کا نام[4] تھا، لیکن تاریخی اور اثری طور پر اس زمانہ قدیم میں یمن کا براہ راست ایران پر حملہ اور حکومت معلوم نہیں اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ یمن سے سواحل خلیج عرب سے ہو کر اسیریا میں جو عرب خاندان حکمران تھا وہ ایران پر حملہ آور ہوا اور ایک مدت تک اس پر حکومت کی ایران کا بابل و اسیریا کی محکومی میں میڈیا کے عروج (۶۰۱ ق م) تک رہنا

---

[1] سائنٹیفک ریویو امریکہ جلد ۱۹۱۴ء [2] راجرس امریکانی کی تاریخ بابل جلد ۲ تذکرۂ اسیریا۔

[3] فردوسی ذکر ضحاک تازی [4] تاریخ طبری ج ۱ ص ۹۸ مصر۔

اب ایک مسلّم واقعہ سمجھا جاتا ہے۔

اسیریا کا دورِ وجود ۱۸۰۰ سنہ ق م اور زمانۂ عروج ۱۲۰۰ سنہ ق م سے ۱۶۰۰ سنہ ق م تک ہے۔

فینیقیہ | فینیقی سواحل بحرابیض پر آباد تھے، تائرآن کے دارالحکومت کا نام تھا، اور ایشیا سے لے کر یورپ تک تجارت قدیم کے مالک تھے، عبرانی نے ان کا ارامی ہے، عادِ ارم کے ذکر میں معلوم ہو چکا ہے کہ بنو ارم کا مسکن عرب تھا، یہ تو اہلِ عرب کا دعویٰ ہے، لیکن خود ان ارامیوں کا بیان ہے کہ وہ اس مقام پر بحرین کے پاس سے آئے ہیں، جو عرب کا ایک ساحلی قطعہ ہے اور جس کا پہلا نام تائر تھا آثار کے رو سے بھی یہ تصدیق ہوتی ہے کہ ان کی زبان، مذہب اور رسوم تمام تر سامی ہیں اس بنا پر اہلِ فینیشیا کے تمام تر کارنامے اہلِ عرب کی طرف راجع ہوتے ہیں[۱]۔

قرطاجنہ | جہاں اب تونس آباد ہے ان ہی فینیشین یا ارامی عربوں کی آبادی تھی جس کو عام طور سے اب کہتے ہیں ان ارامی عربوں نے یہاں ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد ڈالی جس سے رومۃ الکبریٰ کی حکومت بھی لرز گئی کارتھیج وغیرہ اسی خاک کے فرزند تھے، رومیوں سے متعدد معرکے ہوئے اور آخر ان ہی کے ہاتھ سے اسی سنہ میں برباد ہو گئے۔

یورپ کا سب سے پہلا متمدن ملک یونان ہے اور یونان کا تمام تر تمدن و علوم و خط فینیشیا سے ماخوذ ہے اور یہیں سے اس کی ترقی کا باب شروع ہوتا ہے اس واقعہ سے اس مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے کہ عربی اور یونانی میں کیوں لوازم اور ایشیاء تجارت کے بہت سے نام مشترک ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ مسئلہ یہ ہے کہ عربوں کی براہ راست آبادی یورپ کے شہر یونان و کریٹ میں تھی، پلینی ایک جغرافیہ نویس اہلِ معین واقع یمن کے ذکر میں لکھتا ہے، کہ معین کے لوگ اپنے کو مینوس شاہ کے خاندان سے بتاتے ہیں، ایک دوسرا یونانی مصنف اسٹرابو جزیرہ یوبیا (مملکت یونانی کا ایک جزیرہ) کے قدیم باشندوں کی نسبت لکھتا ہے کہ یہاں پہلی آبادی ایک "عرب" نوآبادی تھی، جو قیدموس کے ساتھ یونان میں آئی تھی[۲]۔

ہم ان فقروں کا ماحصل اتنا سمجھتے ہیں کہ عرب تاجر قدیم زمانہ میں یونان تک پہنچ چکے تھے اور وہاں اپنی کوئی تجارتی نوآبادی بھی قائم کر لی تھی۔

---

[۱] ان بیانات کے لئے دیکھو سموال سے انگ صفحہ ۷۔ [۲] پلینی اور اسٹرابو کے لئے دیکھو فارسٹر ج ۲ صفحہ ۱۷-۵۷۔

عاد اور قرآن

گذشتہ صفحات پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا ہو گا کہ عاد کوئی محدود اور مختصر قبیلہ نہ تھا، بلکہ وہ ایک عظیم الشان قوم تھی، جو دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی، ایشیا اور افریقہ کا کثیر حصہ اس کے زور و قوت کا تماشا گاہ تھا، بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں اُس کے دستِ صنعت کا نتیجہ تھیں، اس بنا پر عرب کے لئے اس قوم سے زیادہ عبرت و بصیرت کا کوئی دوسرا نمونہ نہ تھا، اسی لئے قرآن مجید نے عرب کی اس عظیم الشان قوم کی داستان بار بار دہرائی ہے۔

اب تک تاریخِ قدیم اور تحقیقاتِ جدیدہ کے رو سے اس قوم کے حالات کا جو مرقع پیش کیا گیا ہے، اب آؤ دیکھیں کہ قرآن کی تصویر کیا اس سے الگ ہے۔

۱۔ معلوم ہو چکا کہ عاد ارم بن سام کی نسل سے تھے، قرآن بھی یہی کہتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے اس عاد ارم کے
ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا	ساتھ کیا کیا؟ جو بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے
فِي الْبِلَادِ (فجر)	جن کی نظیر دنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔

بعض داستان گو مفسرین نے "ارم" سے ایک عجیب الخلقت باغ مراد لیا ہے جس میں سونے چاندی کی اینٹیں تھیں، اور لعل و گوہر کی بچہ کاری تھی، عاد کے بادشاہ شداد نے اس کو بہشت کے مقابلہ میں بنوایا تھا، لیکن یہ دانشمند یہ نہ سمجھے کہ اس حالت میں عاد اور ارم میں باہمی نحوی تعلق کیا ہو گا؛ مشہور قراءۃ میں یہ بدل مبدل منہ ہیں، شاید وہ مضاف و مضاف الیہ کی ترکیب قرار دیتے ہوں، لیکن اس حالت میں قراۃ شاذہ کے لزوم کے علاوہ قافیہ جس کا نظمِ قرآن مقتضی ہے باطل ہوتا ہے ابن خلدون نے اس موضوع پر ایک محقق بحث مقدمہ میں لکھی ہے، اس موقع پر وہ قابلِ مطالعہ ہے۔

۲۔ ہم نے دعویٰ کیا ہے کہ عاد امم سامیہ کے ہم معنی یا تقریباً ہم معنی ہیں، نیز یہ کہ وہ ایک عظیم الشان حکمران قوم تھی؛ قرآن پاک با اعلانِ عام اس کی تصدیق کرتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ	عاد کے لوگ یاد کرو، خدا کے اس احسان کو کہ اس

بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (اعراف)

نے قوم نوحؑ کی تباہی کے بعد تم کو خلافت (حکومت) عطا کی۔

قوم نوحؑ کے بعد عرب اور اطرافِ عرب میں معلوم ہے کہ نوحؑ کے بیٹے سامؑ ہی کی نسل (امم سامیہ) نے ترقی کی تھی۔

۳۔ عادؔ کی عظمت وجلالت اور تفوقِ سیاسی کے مفصل بیانات گذر چکے ہیں، ان کو دعویٰ تھا کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم السجدہ) "ہم سے بڑا اور ے زمین پر آج کون ہے؟" ان کے پیغمبر نے کہا وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (ھود) "عجب نہیں کہ خدا اپنی خلافت تم سے لے کر کسی دوسری قوم کو عطا کردے۔"

۴۔ عادؔ بڑی عمارتوں کے بانی تھے، قرآن مجید نے اس واقعہ کو متعدد مقامات پر دہرایا ہے، اور اسی لئے وہ اس قوم کو "ذَاتِ الْعِمَادِ" (ستونوں والے) کا خطاب دیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (الفجر)

تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا، جو بڑی بڑی عمارتوں والا تھا، جس کی نظیر دنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔

دوسری جگہ حضرت ہودؑ کی زبانی ارشاد ہے:۔

اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ۔ (شعراء)

اے عاد والو! تم ہر بلند مقام پر بے فائدہ یادگار اور کاریگری کے مکان بناتے ہو شاید تم دنیا میں ہمیشہ رہو گے۔

ان ہی عمارات باقیہ کی طرف خطاب کر کے قرآن کہتا ہے:۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ مِّنْ مَّسٰکِنِهِمْ (عنکبوت)

اور عاد و ثمود کو ہلاک کیا اور ان کے گھروں کے کچھ حصے تمہارے سامنے ہیں۔

دوسری جگہ کہتا ہے:

فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰی اِلَّا مَسٰکِنُهُمْ (احقاف)

عادؔ کا یہ حال ہوا کہ اُن کے مکانوں کے سوا اب کچھ نظر نہیں آتا۔

عادؔ کا مقام عام روایات میں یمن بتایا گیا ہے، امم سامیہ کے مسکن کے بیان میں کسی خاص مقام کی تعیین نہیں کی گئی ہے، صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود کیا گیا ہے، لیکن قرآن نے ایک موقع

پر کہا ہے:۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ۔ | برادرِ عاد کو یاد کرو جب احقاف میں اس نے اپنی قوم کو ڈرایا۔

"احقاف" صحرائے ریگستان کو کہتے ہیں، یہ صحرا جنوبی اور شمالی عرب میں دونوں طرف واقع ہے اس بنا پر پیغمبرِ عاد کے مقام بعثت کو جنوبی صحرا (یمن) کے ساتھ تخصیص کا کوئی سبب نہیں ہے

قوموں کی ملکی محرومی اور سیاسی بدبختی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کے اخلاق و صفات عالیہ کا پایہ کس حد تک پست ہو گیا ہے، عاد کے سیاسی تفوق و امتیاز کا دیگر ممالک میں گر جانا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس حد تک گر چکے تھے کہ جہاں پہنچ کر خدا کا غضب قوموں پر بھڑکتا ہے، اور ان کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ بابل، اسیریا، نینشیا، قرطاجنہ، یونان، روما، فارس قدیم سب اسی کلیہ کے جزئیات ہیں۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا[1]

ایسے موقع پر خدا کا یہ قانون بھی ہے کہ قوم میں وہ کسی روحانی مصلحِ اعظم یعنی خود پیغمبر یا نائب پیغمبر (علماء و مصلحین) کو پیدا کرتا ہے، جو قوم کو عبرت دلاتا ہے، اس کے عیوب و مفاسد کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اُس کو صلاح و ہدیٰ کی دعوت دیتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا[2]

لیکن تمام قوموں کی پچھلی تاریخ شاہد ہے کہ کبھی بدبختی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ایک جماعت قلیل کے سوا، عموماً اس کی آواز ہر طبقہ میں غیر مسموع ہوتی ہے، اور جو سنتے ہیں وہ سمجھتے نہیں اور جو سمجھتے ہیں وہ عامل نہیں اور نتائج صرف عمل پر موقوف ہیں، اس وقت خدا کا غضب تلوار میں چمک کر، آسمان سے گرج کر، یا زمین سے پھٹ کر ظاہر ہوتا ہے، اور دوسری قوم کے لئے پہلی قوم کی جگہ صاف کر دیتا ہے۔

بعثتِ ہود اب وہ وقت آ گیا کہ اس عظیم الشان اور عظیم الجبروت قوم کو جس نے اپنے زور قوت سے دنیا کو ہلا دیا تھا، آخری دعوت دی جائے، آخر ان ہی میں ہودؑ مبعوث ہوئے جنہوں نے ان کو خدا کی آواز سنائی پیغمبر نے کہا:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ | اے میری قوم! خدا کو پوج، اس کے سوا تیرے لئے کوئی دوسرا خدا نہیں کیا ڈرتی نہیں اس کی قوم کا وہ

---

[1] ترجمہ خدا کا قانون گذشتہ قوموں میں بھی یہی تھا، اور خدا کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

[2] ترجمہ اور ہم کسی قوم کو اس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتے ہیں جب تک کہ ان میں پیغمبر نہ بھیج دیں۔

أفلا تتقون ۝ قال الملأ الذين كفروا من قومه إنا لنراك في سفاهة وإنا لنظنك من الكاذبين ۝ قال يا قوم ليس بي سفاهة ولكني رسول من رب العالمين ۝ أبلغكم رسالات ربي وأنا لكم ناصح أمين ۝ أوعجبتم أن جاءكم ذكر من ربكم على رجل منكم لينذركم واذكروا إذ جعلكم خلفاء من بعد قوم نوح وزادكم في الخلق بصطة فاذكروا آلاء الله لعلكم تفلحون ۝ قالوا أجئتنا لنعبد الله وحده ونذر ما كان يعبد آباؤنا فأتنا بما تعدنا إن كنت من الصادقين ۝ قال قد وقع عليكم من ربكم رجس وغضب ، أتجادلونني في أسماء سميتموها أنتم وآباؤكم ما نزل الله بها من سلطان فانتظروا إني معكم من المنتظرين ۝ (اعراف)

فأما عاد فاستكبروا في الأرض بغير الحق وقالوا من أشد منا قوة ، أولم يروا أن الله الذي خلقهم هو أشد منهم قوة وكانوا بآياتنا يجحدون ۝ (حم سجدہ)

بلند طبقہ جو کافر تھا، بولا اے ہود ہم تم کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں، اور تم کو جھوٹ بولنے والوں میں پاتے ہیں، ہود نے کہا اے میری قوم! مجھ میں حماقت نہیں، ہاں میں پروردگارِ عالم کی طرف سے رسول ہوں، اپنے پروردگار کے پیغام تم کو پہنچاتا ہوں اور میں درحقیقت تمہارا خالص خیر خواہ ہوں، کیا تم کو تعجب ہوا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت تم میں سے ایک شخص پر اتری تاکہ تم کو متنبہ کرے، یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اس نے تم کو قوم نوح کے بعد خلافت (حکومت دی) اور تم کو خلق میں وسعت عطا کی، خدا کی نعمتوں کو یاد کرو کہ فلاح پاؤ۔ کافروں نے جواب دیا کیا تو اس لئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم ایک خدا کو پوجیں اور جن کو ہمارے بزرگ پوجتے تھے، اُن کو چھوڑ دیں جس عذاب کا تم دعویٰ کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو لے آؤ پیغمبر نے کہا، تمہارے پروردگار کا عذاب و غصہ تم پر آگیا، کیا تم مجھ سے ان چند ناموں میں جھگڑتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لیا ہے خدا نے اس کے لئے کوئی دلیل نہیں اُتاری، عذاب کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں

لیکن عاد نے بلا استحقاق، زمین میں غرور کیا، اور کہا کون مجھ سے طاقت میں بڑا ہے، کیا وہ یہ بھی نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو بنایا وہ طاقت میں ان سے زیادہ بڑا ہے اور وہ ہماری نشانیوں کے منکر تھے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ
وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ
يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا
إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝
قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا
فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ
قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُم
مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا
تَجْهَلُونَ

(احقاف)

عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو صحرائے ریگستان میں متنبہ کیا خدا کی عبرتناک دھمکیاں اس کے سامنے اور اس کے پیچھے تھیں اس نے کہا، اس ایک خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر کوئی بڑا عذاب نہ آجائے، انھوں نے کہا، اے ہود تو اس لئے ہمارے پاس آیا کہ ہم کو اپنے دیوتاؤں سے مرتد کر دے، جس عذاب کا دعویٰ کرتے ہو، اگر سچے ہو تو لے آؤ اس نے کہا کہ اس کا علم خدا کے پاس ہے کہ عذاب کب آئے گا، جو پیغام لے کر میں بھیجا گیا ہوں وہ صرف تم کو پہنچاتا ہوں، لیکن میں تم کو نادان قوم خیال کرتا ہوں۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ
اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ
إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَا قَوْمِ لَا
أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا
عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝
وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا
إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا
وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا
تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا
بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا
عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِينَ ۝ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ
بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي

عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا اس نے کہا، میرے بھائیو! خدا کو پوجو! اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں، دوسرے خداوں کا نام تمہارا صرف افترا ہے بھائیو! اس وعظ و نصیحت کا کوئی معاوضہ میں تم سے نہیں چاہتا، میرا معاوضہ اس پر لازم ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟ بھائیو! خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اس کی طرف رجوع کرو، تو وہ آسمان کو تم پر برستا ہوا بھیجے گا، اور تمہارے زور قوت میں ترقی دے گا، گناہگار بن کر منہ نہ پھیرو، اس کے بھائیوں نے کہا ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہ لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے

أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ
مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ
فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝
اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ
مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ
بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ
بِهٖٓ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ
قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ
شَيْـًٔا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
حَفِيْظٌ ۝

(هود - ۵)

كَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ
اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ
وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ
اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَبْنُوْنَ
بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ
مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا
بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا
الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ
بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّيْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝
قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ

والے ہیں، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض دیوتاؤں نے تم کو کچھ کر دیا ہے، ہودؑ نے کہا میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں جس کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو اُس سے بیزار ہوں، تم سب مل کر میرے لئے سازش کرو پھر مجھے مہلت نہ دو میں نے خدا پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے، کوئی چلنے والا نہیں جس کی پیشانی اس کے ہاتھ میں نہیں، میرا پروردگار صحیح راستہ پر ہے اگر تم انکار کرو تو میں پیغام لے کر بھیجا گیا تھا وہ تم کو پہنچا چکا، خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت بخشے گا، تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔

عادؔ نے پیغمبروں کو جھوٹا کہا، جب ان سے ان کے بھائی ہودؑ نے کہا تم پرہیزگار بنو، میں تمہارا پیغمبر امین ہوں پس خدا سے ڈرو اور میری بات مانو میں اس کے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ پروردگار عالم کے ذمہ ہے، کیا تم ہر بلند مقام پر بے فائدہ یادگار نشانی اور کاریگری کی عمارتیں بناتے ہو؛ شاید تم ہمیشہ رہو گے، جب کسی کو پکڑتے ہو تو جابر بن کر، خدا سے ڈرو اور میری بات مانو، اس خدا سے ڈرو جس نے تمہاری ان نعمتوں سے مدد کی جن کو تم خود اچھی طرح جانتے ہو، چوپائے، اولادیں، باغ اور چشمے، مجھ کو ڈر ہے کہ تم پر کوئی بڑا عذاب نہ آئے۔

انھوں نے جواب میں کہا خواہ تم وعظ و نصیحت کرو

مِنَ الْوَاعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَا اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعرا ع)

یا نہ کرو ہم ماننے والے نہیں، یہ اگلے زمانہ والوں کی عادت ہے اور نہ ہم پر عذاب آئے گا، ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو برباد کیا اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے، یہ لوگ اکثر ایماندار نہ تھے۔

ان آیات پاک میں عاد کی تباہی کے تین اسباب بتائے گئے ہیں جو ہمیشہ ہر قوم کی تباہی کے باعث ہوئے ہیں۔

۱۔ **غرور و قوت** عاد کو اپنی قوتِ بازو پر ناز تھا، اور اسی طرح ہر قوم جو مجد و تفوق پر قابض ہوتی ہے، اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بھی اپنی قوت پر مغرور رہتی ہے۔

متکبرین عاد نے کہا اے ہود ہمیں کس سے ڈراتے ہو۔

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً

قوت و زور میں ہم سے کون بڑا ہے؟

حضرت ہودؑ نے کہا تمھاری قوت مسلّم، لیکن اگر صلاح و تقویٰ کی دعوت قبول کرو گے،

يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ

تو خدا تمھاری قوت کو اور قوت بخشے گا۔

لیکن وہ نہ سمجھے!

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۔

کیا وہ نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے بھی زیادہ قوی ہے۔

اُن کو نہ صرف اپنی فوجی و سیاسی قوت پر ناز تھا، بلکہ اپنے افراد کی تعداد اور اپنی مواشی کی کثرت اور اپنے باغوں کی بہتات پر بھی ناز تھا، جو اس عہد کی سب سے بڑی دولت تھی۔

حضرت ہودؑ نے کہا کہ یہ شکر کی بات ہے نہ استکبار کی۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (شعرا ع)

اور اُس خدا کا خیال کرو جس نے تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جن کو تم جانتے ہو، مواشی، اولاد، باغ اور چشمے۔

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً (اعراف ۹)

اور تم کو خلق میں وسعت عطا کی۔

۲۔ **ظلم و جور** قوم کی حاکمانہ زندگی کے لئے سب سے زیادہ زہر قاتل ظلم اور جور و ستم ہے، اور اقوام کی تاریخ اس دعویٰ پر بہترین شاہد ہے، عاد اپنے ممالک مقبوضہ میں اکڑتے پھرتے تھے

بغیر کسی استحقاق کے قوموں کو چھیڑتے تھے، جیسا کہ ہر عہد کے عادؔ زمین کے ہر قطعہ پر اکڑتے پھرتے ہیں، اور معصوم قوموں کو چھیڑ چھیڑ کر فنا کرتے رہے ہیں۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ	لیکن عادؔ نے زمین میں بلا استحقاق غرور کیا،
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً	اور کہا کہ کون ہم سے زور و قوت میں بڑھا ہے۔

عادؔ کی اس جباری و ستمگری کا ثبوت مصرؔ کی مفتوح اقوام کی زبان سے بھی ملتا ہے۔

"خدا ہم سے ناراض تھا، ایک عجیب طریقہ سے اطرافِ مشرق سے شریر الخلقت لوگ چلے آئے وہ اس قدر قوی تھے کہ ہمارے ملک میں گھس گئے اور بزور نہایت آسانی سے اس کو مسخر کر لیا ...... جب انھوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کر لیا...... ہمارے شہروں کو جلا دیا، ہمارے دیوتاؤں کے مندر گرا دیئے، اور ہمارے باشندوں کے ساتھ وحشیانہ طریقہ سے سلوک کیا، اور نہ صرف یہ بلکہ بعض کو ہتھیاروں سے مار ڈالا اور اُن کی بیوی بچوں کو غلام بنایا[1]

۳۔ سب سے آخری چیز جو انتہائے بربادیٔ عالم ہے، خدائے واحد کا انکار اور معبودانِ باطل کی پرستش ہے، ہودؔ نے کہا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ	بھائیو! خدا کو پوجو، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں،
غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (اعراف)	کیا پرہیزگار نہیں بنتے۔
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ	بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا کوئی خدا نہیں
غَيْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ (هود)	دوسرے خداؤں کا نام تمہارا افترا ہے۔

جواب وہی ملا جو اکثر ملتا ہے:۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ	انھوں نے کہا، اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی
مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ	حجت نہیں لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے
مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (هود)	دیوتاؤں کو چھوڑنے والے نہیں، اور نہ ہم تم پر
	ایمان لانے والے ہیں۔

ہودؔ نے اب خدا کا آخری پیغام پہنچایا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّا اُرْسِلْتُ	اگر اعراض کیا تو میں تم کو جو پیغام دے کر بھیجا گیا

[1] یوسیفوس کی تاریخ بحوالہ سابق۔

بِهٖٓ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ

تھا، پہنچا چکا، خدا تمہارے سوا اور کو حکومت دے گا۔

(احقاف و شعراء)

آخر وہ دن آگیا، جب سنت الٰہی نے اپنی زمین کے لئے ایک دوسری قوم کا انتخاب کیا، اور اُس شریر قوم کو احقاف کے باہر تلوار سے اور احقاف کے اندر ہوا اور ریگ کے طوفان سے برباد کر دیا کہ یہ سب اس کے ہتھیار ہیں، اس کا ہاتھ انسانوں کے ہاتھ میں بھی ویسا ہی کام کرتا ہے جس طرح ہوا، پانی اور آگ ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ
اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ
الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ
الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى (حٰم السجدہ)

ہم نے ان پر منحوس دنوں میں باد صرصر بھیجا تاکہ ہم ان کو عذاب ذلت کا اسی زندگی میں مزہ چکھائیں اور عذاب اخروی سب سے زیادہ ذلت والا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ
قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ
مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا
فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ۔

(احقاف)

جب ان کو باد صرصر کا عذاب ایک بادل کی صورت میں جس کا رُخ ان وادیوں کی طرف تھا نظر آیا، بولے یہ ہم کو سیراب کرنے والا بادل ہے، نہیں بلکہ یہ وہ ہے جس کی اے گنہگارو، تم کو جلدی تھی، یہ ہوا ہے جس میں (دردناک عذاب ہے) اپنے خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے، پھر وہ ایسے نیست نابود کر دیئے گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا

اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ
سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ
اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى
كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ
تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ (الحاقۃ)

لیکن عاد تو وہ تند باد صرصر سے برباد کر دیئے گئے خدا نے جڑ کاٹنے والی سات رات اور آٹھ دن تک ان پر اس ہوا کو لگا دیا، تم دیکھتے ہو اس ہوا میں اُس قوم کو افتادہ جیسے وہ کھوکھلے درخت کی جڑ تھے، کیا اب ان میں کا کوئی تم کو زندہ نظر آتا ہے۔

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ
الْعَقِيْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ

اور عاد میں عبرتیں ہیں، جب ہم نے بے فائدہ نحس ہوا کو بھیجا جو ایسی تھی کہ جس شے پر اُس کا گذر ہو جاتا

اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ (ذاریت: ۲۰) اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر چھوڑتی۔

اور ملکوں میں پانی کا دریا ہے جس میں کبھی کبھی طوفان آتا ہے، عرب اور افریقہ میں ریگستان کا دریا ہے، کوسوں تک ریگستان ہے **احقاف** وہ عظیم الشان ریگستان ہے، جو سینکڑوں میل تک وسیع ہے، اور اب اس کو الربع الخالی کہتے ہیں، اس میں جب تیز ہوا چلتی ہے زندگی دشوار ہو جاتی ہے، ریگ کے پہاڑ کے پہاڑ ہوا پر اڑتے پھرتے ہیں اور جہاں وہ تھمتے ہیں، اس کو دبا کر دفن کر دیتے ہیں، قافلہ کا قافلہ گاؤں کا گاؤں اس کے نیچے دب کر موت سے پہلے مدفون ہو جاتا ہے، پھر اتفاق سے جب یہاں سے ریگ ہٹتی ہے تو ہڈیوں کا قلعہ نظر آتا ہے، ایک انگریز سیاح جس نے اس طوفانِ سموم کا عرب میں نمونہ دیکھا ہے اس کی کیفیت یوں بیان کرتا ہے۔

"دوپہر تھی، جنوب کی طرف سے دفعۃً لُو کے جھونکے آنے لگے، ہوا کی تیزی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔۔۔

۔۔۔ میرے عرب رفیقوں نے اپنے چہروں کو کپڑے سے لپیٹ لیا، اور اونٹوں کو مار مار کر تیز کرنے لگے، لیکن اونٹ بار بار بیٹھ جاتے کی کوشش کرتے تھے میں نے رفیقوں سے واقعہ دریافت کیا، لیکن نہایت گھبراہٹ کے ساتھ صرف یہ کہا کہ سامنے کے خیمے میں اگر پہنچ گئے تو جان بچ جائے گی۔ اس اثنا میں ہوا اور زیادہ تند و تیز ہو گئی، گرمی کا یہ شدت ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے دوزخ اتر آئی ہے، بالآخر کوشش کر کے ہم خیمے تک پہنچ گئے، وہاں ایک عورت منہ لپیٹے اوندھی پڑی تھی، ہمارے اونٹ ہوا کے رُخ سے منہ پھیر کر ناک کو ریت میں گاڑ کر مردے کی طرح پڑ گئے۔

ہم بھی خیمہ میں جا کر منہ لپیٹ کر اوندھے پڑ گئے، تاریکی اتنی شدید تھی کہ رات معلوم ہوتی تھی، دس منٹ تک تقریباً یہی حالت رہی، پھر ہوا اور گرمی میں تخفیف ہوئی، جب ہم اُٹھے تو ہمارے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی [1]

تنبیہات حضرت ہودؑ کو عام طور سے "عابر" سمجھا جاتا ہے جو از روئے توراۃ تمام عبرانیوں کا باپ تھا، بظاہر ہم اس اتحاد کی کوئی وجہ نہیں سمجھ سکتے، گو نصرانی مصنفین جو آباء توراۃ کا تاریخی ثبوت ڈھونڈھتے ہیں، اور ایک ایک ذرہ کو جو ان کے موافق ہو پہاڑ ماننے کو تیار رہتے ہیں لیکن، اپنی مخالفت میں پہاڑ کو ذرہ ماننے پر بھی آمادہ نہیں، بدل و جان اس اتحاد کے مؤید ہیں۔

عدن کے پاس عاد ثانیہ کا ایک کتبہ ملا ہے اس میں ہود کا نام بھی مذکور ہے۔

---

[1] سیاحت نامہ عرب پالگریو

عام طور سے مشہور ہے کہ حضرت موت کے دامنِ کوہ میں حضرت ہود ؑ کی قبر شریف ہے اور اب تک لوگ اس کی زیارت کو آتے جاتے رہتے ہیں۔

قوم عاد کی نسبت عام طور سے نہایت لغو باتیں مشہور ہیں، مثلاً یہ کہ اُن کا قد کئی کئی گز کا ہوتا تھا، یہ شبہہ اس لئے ہوا کہ قرآن نے ان کو ذَاتِ الْعِمَاد (ستونوں والے) کہا ہے، اس سے وہ سمجھے کہ ان کا قد ستونوں کی طرح تھا، حالانکہ "ستونوں والے" سے مقصود "عمارتوں والے" ہے

دوسری جگہ قرآن میں ان کی نسبت ہے:۔

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً — خدا نے تم کو خلق میں زیاتی بخشی ہے

بَصْطَةً سے مقصود زور و قوت ہے یعنی خدا نے تمہارے بدن میں زور و قوت بخشا ہے یہی محاورہ دوسری جگہ حضرت طالوت کی نسبت مستعمل ہوا ہے وَزَادَهُ بَصْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ [1]، اس سے یہ معنی کون سمجھ سکتا ہے کہ طالوت بڑے قد آور تھے، بلکہ یہ مقصود ہے کہ صاحبِ قوت تھے، یہ بھی عام طور پر مشہور ہے کہ عذاب کے بعد قوم عاد میں پھر کوئی زندہ نہ بچا، یہ غلط خیال قرآن کی ان آیتوں سے سمجھا گیا ہے۔

فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ (احقاف) — وہ اس طرح ہو گئے کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ (الحاقۃ) — اس ہوا میں یہ قوم اس طرح افتادہ تھی جیسے کھوکھلے درخت کی جڑ ہو کیا ان ان میں سے اب کوئی زندہ نظر آتا ہے

لیکن یہ تو زمانۂ نزولِ قرآن کا حال بیان کیا گیا ہے، اس سے دو ہزار برس پہلے کا حال کیا تھا، خود قرآن کہتا ہے۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا۔ (اعراف: ۹) — ہم نے ہود کو اور جو اُن کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات دی، اور جنھوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی ان کی جڑ کاٹ دی۔

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا — اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے ہود کو اور جو

[1] لفظی ترجمہ: خدا نے اس کو بدن میں اور علم میں زیادتی بخشی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (ھود ۵۰)

لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات دی اور ہاں ہم نے ان کو بڑے عذاب سے نجات دی۔

اور تیسری جگہ قرآن نے تفصیل کر دی ہے، اور اُن ہلاک ہونے والوں کو "عاد اولی" کا نام دیا ہے:-

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَاۨ الْاُوْلٰى (نجم)

اور اُس خدا نے عاد اولیٰ کو ہلاک کر دیا

اس آیت سے خود بخود یہ سمجھنا چاہیئے کہ نجات پانے والوں کا عاد ثانیہ نام ہے ابن ہشام کلبی نے "عاد اولیٰ" و "عاد ثانیہ" کے حال میں ایک کتاب لکھی تھی[1] لیکن اب وہ کہیں نہیں ملتی۔

---

[1] ابن ندیم ص ۹۸

اندرونِ عرب

یہ اُن قبائل کی سرگزشت تھی جو ملک سے باہر جاکر آباد ہوئے، خود اندرونِ ملک میں بھی بہت سی قومیں رہ گئی تھیں جن میں ثمود سب سے زیادہ مشہور اور جن کی ترقی کا زمانہ عاد اولیٰ کے بعد ہے امم سامیہ کا جو حصہ باہر سے شکست کھا کر پھر عرب واپس آیا[1]، اُس نے ڈیڑھ سو برس یہاں بھی اپنے عروج کو قائم رکھا اس کی صحیح مثال مسلمانوں کی ہے، فتنۂ تاتار کے بعد بھی کئی سو برس تک وہ جیتے رہے لیکن کی روح اسی دن مر چکی تھی۔

بہرحال خواہ باہر سے منہزمانہ واپس آکر یا خود عرب میں رہ کر جن قبائل نے اندرونِ ملک میں حکومتیں قائم کیں وہ یہ ہیں۔

حضر موت سے سواحل خلیجِ فارس کے طول میں عراق تک عادِ ثانیہ، عرب میں حجاز سے حدود سینا تک ثمود، یمامہ میں طسم وجدیس، یمن میں اہل معین۔

۱۔ عادِ ثانیہ یا عادِ عرب

اس سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ہودؑ نے مع اپنے متبعین و صالحین عاد کے عذاب سے نجات پائی، روایات عرب میں ہے کہ وہ عذاب سے پہلے عاد کی آبادی سے نکل کر حجاز چلے گئے تھے، بہرحال ان میں لقمان نام ایک نیک بادشاہ ہوا، اس کی عمر کئی سو برس بیان کی گئی ہے، اور یہ کچھ عجب نہیں تمام قدیم قوموں کی ابتدائی تاریخ اسی قسم کے طویل العمر بادشاہوں سے شروع ہوتی ہے، عام طور سے اب اس قسم کی روایات کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ اُس شخص کے خاندان میں حکومت کئی سو برس تک رہی اور مجازاً بجائے خاندان کے خود اس کا شخصی نام خاندان قرار دیا گیا، اس بنا پر لقمان کی عمر سے خاندان کی عمر مراد لینی چاہیئے۔

حضرت لقمان یہ لقمان کون تھا؟ روایات عرب میں ایک شخص لقمان مشہور ہے جس کو لوگ اب عموماً حکیم لقمان کہتے ہیں، اس کی طرف حکایات و تمثیلات حکیمانہ کثرت سے منسوب ہیں، قرآن میں بھی لقمان کا تذکرہ ہے، اور اس کے بعض نصائح کا حوالہ ہے، ہم ان دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں، اور اس اتحاد

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ ص ۸ ایقال انهم انتقلوا الی جزیرة العرب لما زاحمهم فیها بنو حام

کی ہمارے پاس ایک قدیم شہادت بھی موجود ہے، مشہور مورخ ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ جس کی سیرت آج آنحضرت صلعم کے حالات میں قدیم ترین تصنیف ہے، اور تصنیفات موجودہ کی بنا پر عرب قدیم کا سب سے پہلا مورّخ ہے، کتاب التیجان میں جو مخصوص عربِ قدیم کی تاریخ ہے، روایت کرتا ہے

قال وهب فلما مات شداد بن
عاد صار الملك الى اخيه لقمان بن
عاد وكان اعطى الله لقمان ما لم
يعط غيره من الناس فى زمانه
اعطاه حاسة مائة رجل وكان
طويلًا لا يقارب اهل زمانه
قال ابن وهب قال ابن عباس
كان لقمان بن عاد بن الملطاط بن
السلك بن وائل بن حمير نبيا غير
مرسل۔[1]

وہب (ایک مشہور راوی) نے کہا کہ شداد بن عاد
جب مرگیا تو حکومت اس کے بھائی لقمان بن عاد کو
ملی، خدا نے عاد کو وہ کچھ دے رکھا تھا جو کسی
دوسرے کو اس زمانہ میں نہیں دیا تھا، اس کو حواس سَو
آدمیوں کے برابر خدا نے دی تھی اور اپنی معاصرین
میں سب سے زیادہ وہ بلند قامت تھا، ابن وہب نے
کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لقمان بن عاد
ملطاط بن سلک بن وائل بن حمیر ہ (نسب نامہ صحیح
نہیں) نبی بلا کتاب تھا۔

عام لوگ غلطی سے لقمان عاد اور لقمان حکیم کو دو سمجھتے ہیں، عرب کے افسانہ گو کہتے ہیں کہ لقمان حکیم افریقی الاصل تھا، اور ایک غلام کی حیثیت سے عرب میں آیا تھا، بعض علمائے یورپ حکیم لقمان اور ایساپ نام ایک یونانی حکیم کو ایک قرار دیتے ہیں اس اتحاد کی جو دلیل وہ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جو حکایات و تمثیلات منسوب ہیں، وہ تقریباً ایک ہی قسم کے ہیں، لیکن یہ ایک تعجب انگیز استدلال ہے، کسی دو تصنیف کے مطالب کا اتحاد، ان کے مصنفین کے اتحاد شخصیت کو اگر مستلزم ہے تو افسوس ہے کہ اس جرم میں ہم کو سینکڑوں تاریخی اشخاص کے مٹ جانے کا افسوس ہوگا، اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ قدیم عرب حکمائے یونان سے کب واقف تھے؟ عرب کا ایک شاعر جاہلی سلمٰی بن ربیعہ کہتا ہے۔

اهلكن طسمًا وبعدً ❊ غذى بهم وذا جدون
واهل اجاش ومارب ❊ وحى لقمان والتقون

حوادث زمانہ نے قبیلہ طسم کو اور اس کے بعد ذاجدون
شاہ یمن کو اور اہل اجاش و مارب اور قبیلہ لقمان کو مٹا ڈالا

اس دوسرے شعر سے نہ صرف لقمان کا عرب ہونا ظاہر ہوتا ہے، بلکہ ایک قبیلہ کا مالک یمن کا

[1] کتاب التیجان قلمی موجودہ کتب خانہ بانکی پور ص ۷۔

باشندہ اور عظمت و شوکت میں "سبا" کا مقابل، اور یہ تمام باتیں لقمانِ عاد پر صادق آتی ہیں۔

عرب میں لقمان نہایت مشہور تھا، اُس کا صحیفۂ حکمت خود عرب میں موجود تھا اور لوگ اس کو پڑھتے تھے[1]

عاد کا ایک کتبہ جو ۱۸ھ میں ملا تھا اس میں حسب ذیل فقرے ہیں:۔

ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے، اور ہود کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوتے تھے، اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔

کیا ہم ان آخری الفاظ سے جو کاغذ پر نہیں پتھر پر لکھے پائے گئے ہیں یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں کہ صحیفۂ لقمان لقمان کے اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے۔

اس نیک دل بادشاہ کا جو ہود کی شریعت کا متبع تھا، قرآن نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کی نیکی اور دانائی کی شہادت دی ہے۔

لَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ

بیشک ہم نے لقمان کو دانائی دی، کہ خدا کا شکر کر اور جو خدا کا شکر ادا کرتا ہے اس کا نفع خود اسی کو ملتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو خدا بے پروا اور حمد کیا گیا ہے، یاد کرو! جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے۔ کہا، فرزندمن! خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا، شرک بڑے ظلم کی بات ہے (خدا کہتا ہے کہ) ہم نے انسان کو حکم دیا ہے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا، کمزوری پر کمزوری دو برس کے اندر اس کا دودھ چھڑانا ہے اے انسان میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گذار رہ بازگشت میری طرف ہے، گر والدین تجھ کو میرے شرک پر مجبور کریں تو ان کا کہنا نہ ماننا، لیکن دنیا میں

[1] ابن ہشام ذکر سوید و بیعت عقبہ

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰبُنَيَّ إِنْ تَكُ
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ
صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ
يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝
يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا
أَصَابَكَ ۚ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ
الْأُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ
فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ
مِنْ صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنْكَرَ
الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝

(لقمان)

نیکی کے ساتھ ان کے ساتھ رہنا، اور ان لوگوں کا پیرو نہ بن جو میری طرف رجوع کرتے ہیں پھر میری طرف بازگشت تمہاری ہے تو تم کو بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے، فرزندِ من! اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز ہوگی اور وہ کسی چٹان کے اندر یا آسمان میں یا زمین میں ہوگی تو وہ بھی خدا لے آئے گا، خدا بے شبہہ باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے، فرزندِ من! نماز پابندی سے پڑھا کر اور نیک بات کی لوگوں کو ہدایت کر اور بری بات سے روکا کر اور جو تجھ پر مصیبت آئے اس پر صبر کیا کر، یہ بڑی باتیں ہیں غرور سے منہ لوگوں سے نہ پھیرا کر اور زمین میں اترا کر نہ چل یقین رکھ کہ خدا مغرور اور فخار کو پیار نہیں کرتا، اور چال میں میانہ روی اختیار کر، اپنی آواز کچھ نرم کر کہ بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے (جو زور سے چیختے ہیں)۔

عاد ثانیہ کی تاریخ اثری عاد ثانیہ کے متعلق کوئی مزید تاریخی یا اثری حال نہیں معلوم، اب تک اس قوم کا صرف ایک کتبہ حصن غراب (واقع قریب عدن) کے کھنڈروں میں ۱۸۳۴ء میں ملا ہے، اس کی دو سطریں ہم نے اوپر نقل کی ہیں، یہ کتبہ ایک منہدم عمارت میں پتھر پر کندہ تھا، ایک انگریز افسر جس کا نام ولسٹڈ (Wellsted) تھا، ان کتبوں کا مکتشف ہے، اور یہ سب سے پہلا عربی کتبہ ہے جو یورپ نے عرب کی سرزمین میں دریافت کیا، اس کتبہ کی زبان اور خطہ جنوبی عربی ہے جس کو متاخرین غلطی سے حمیری کہتے ہیں اور اب اسی نام سے مشہور ہے کتبہ کی اصل حمیری عبارت تو الگ صفحہ پر ہے، اس کا اردو ترجمہ بہ ترتیب سطر یہ ہے:[1]

۱- ہم مدت تک اس وسیع قصر میں رہے، ہماری حالت بدنصیبی اور ادبار سے دور تھی۔

[1] اصل کتبہ اور اس کا حل و ترجمہ اولاً ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں چھپا تھا لیکن ہم نے فارسٹر سے نقل کیا ہے۔

۲۔ ہماری نہروں میں دریا کا پانی امنڈا آتا تھا، سمندر موجیں مارتا ہوا ہمارے قلعہ کی دیواروں سے غضب ناک ہو کر ٹکریں مارتا تھا۔ ہمارے چشمے خوش آیند آواز سے بہتے تھے۔

۳۔ بلند کھجوروں کے اوپر جن کے باغبان خشک چھوہارے ہماری وادیوں کے چھوہاروں کی زمینوں میں لگاتے تھے، اور خشک چاول بوتے تھے (؟)

۴۔ ہم پہاڑی بکروں کا اور جوان خرگوشوں کا شکار پنجروں اور جالوں سے کرتے تھے اور مچھلیوں کو۔

۵۔ بہلا بہلا کر باہر نکال لیتے تھے اور ہم آہستہ آہستہ خراماں خراماں، رنگ برنگ کے ریشم کے کپڑے اور کاہی سبز مختلف الالوان جامہ پہن کر، چلا کرتے تھے، اور ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے تھے جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے ہود کی شریعت کے مطابق۔

۶۔ اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے، قیامت کے راز اور نتھنوں کے راز پر ایمان تھا۔

۷۔ رہزن دشمن گھس آئے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ جھگڑا کرتے، مگر ہم نے گھوڑوں کو پویہ ڈال دیا، اور ہمارے کریم نوجوان سخت اور نوکدار نیزوں کو لے کر آگے بڑھے۔

۸۔ ہمارے خاندان کے مغرور بہادر مرد اور عورتیں گھوڑوں پر لڑ رہی تھیں، جن کی گردنیں لمبی تھیں اور جو چمکدار کمیت رنگ کے تھے۔

۹۔ ہماری تلواریں بدستور دشمنوں کو زخمی کر رہی تھیں اور چھید رہی تھیں، یہاں تک کہ اُن کے قلب پر حملہ کر کے ان کو مفتوح اور بالکل پست کر دیا جو بدترین نوع انسان میں تھے۔

مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے کہ یہی کتبہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بھی بعض مسلمان علمائے آثار نے پڑھا تھا، اور اس وقت ان کا ترجمہ یہ کیا گیا تھا:-

عُمّرنا زمانا فی عراصة ذا القصر — بعیش رخی غیر ذی ضنك ولا نزر

یفیض علینا البحر بالمد زاخرًا — وانهارها بالماء مترعة تجری

... خلال نخیل باسقات .... — ..... بالقسب المجزع والتمر؟

ونصطاد صید البحر بالخیل والقنا — وطورا نصید النون من لجج البحر

ونرفل فی الخز المرقم تارۃ — وفی القز احیانا وفی الحلل الخضر
یلینا ملوک یبعدون عن الخنا — شدید علی اهل الخیانۃ والغدر
یقیم لنا من دین هود شرائعا — ونومن بالآیات والبعث والنشر
اذا ما عدو حل ارضا یریدنا — برزنا جمیعا بالمثقفۃ السمر
نحامی علی اولادنا ونسائنا — علی الشهب والکمت المعتق والشقر
نقارع من یبغی علینا ویعتدی — باسیافنا حتی یولون بالدبر

اس کتبہ سے نہ صرف عادِ ثانیہ کے بعض حالات پر روشنی پڑتی ہے، بلکہ متعدد حیثیات سے یہ قرآن کی تائید کرتا ہے، اوّل یہ کہ ہودؑ کی تاریخی شخصیت ثابت ہے، ثانیاً یہ کہ بقایائے عاد صرف متبعین ہودؑ تھے، ثالثاً یہ کہ عاد ذات العماد اور عمارتوں کے بانی تھے، رابعاً یہ کہ وہ حقیقۃً جیسا کہ قرآن نے کہا ہے، بڑے بڑے باغ، چشمے، آل و اولاد، اور چوپایوں کے مالک تھے۔

اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَبَنِیْنَ وَجَنّٰتٍ وَعُیُوْنٍ (شعراء) — خدا نے تمہاری مواشی، اولاد، باغ اور چشموں سے مدد کی

یونانی تاریخ و جغرافیہ میں عادِ ثانیہ کا نام مدین کے شمالی، مشرقی جانب نظر آتا ہے، اُن کا نام یونانی تلفظ میں عاد وائٹ (Oaditae) لیا گیا ہے[1]، مسلمان بھی عاد کے اس مسکن سے واقف[2] تھے، لیکن عربوں کے عام روایات کے مطابق یمن میں اس کی سکونت بھی یونانی جغرافیہ سے ثابت ہے بطلیموس جنوبی عرب کے قبائل میں عاد ریمیٹا (Adnemata) اور عاد وائٹ (Oadite) کا ذکر کرتا ہے[3]، ہم پہلے نام کو عاد ارم اور دوسرے کو عاد سمجھتے ہیں، بطلیموس دوسری صدی عیسوی میں تھا، اس بنا پر عاد کا وجود اس زمانہ تک مسلّم ہے۔

عدن | یمن و حضرموت کے حدود پہ عدن نام ایک مشہور شہر واقع ہے، اور اب تک اسی نام سے مشہور ہے اور آج کل انگریزی مقبوضات میں داخل ہے لفظ عدن کی حقیقت پر تھوڑی دیر غور کر لینا چاہیئے۔

عہد قدیم میں عموماً سامی مذاق یہ رہا ہے کہ شہر کا نام بعینہٖ بانی شہر کے نام پہ رکھتے تھے عرب کے شہر رقیم، سبا، حضرموت، عمان، مدین، اوفر، حویلہ، تیما وغیرہ کے اسی قسم کے نام ہیں

---

[1] Gold mines of midian [2] یاقوت "وادی القری"
[3] Beeuan. ch. Analia

اس بنا پر اگر یمن کے قدیم شہر "عدن" کو جس کے قریب وہ تمام عمارات واقع ہیں، جن کو عرب عادیات کہتے ہیں، اور تاریخ جس کے قریب عاد کی آبادی کا نشان بتاتی ہے، اگر ہم "عادین" کا مخفف سمجھیں تو کیوں غلط ہوگا؟ عادین کی جمعیت پر اعتراض نہ کرو کہ قبیلہ کے نام کے پہلے بنو (فرزندان) کا اضافہ کرنا شمالی عرب کی زبان ہے عموماً قدیم طریقہ یہی ہے کہ پدر قبیلہ کے نام کی جمعیت سے قبیلہ کا نام پیدا کر لیتے ہیں، مثلاً لودیم، مصرایم، جراہیم وغیرہ، عربی میں جمع مکسر میں اب تک یہ قاعدہ جاری ہے مثلاً منذر سے مناذرہ، غسان سے غسانہ، ارقم سے ارقمہ، فارسٹر عدن کو عدنان سے نسبت دیتا ہے حالانکہ عدنان کو یمن سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کا مسکن تو عرب کا شمالی حصہ تھا۔[1]

نیوبھر (Newbher) اٹھارہویں صدی کا ایک یوربین سیاح عدن کو انبیم[2] کے دوان کے ساتھ تطبیق دیتا ہے، لیکن شاید نیوبھر کو حزقیال کے اس درس کی خبر نہیں، جس میں عدن اور دوان ایک ساتھ واقع ہیں۔[3]

یمن وحضرموت کے احقاف میں جس کو جوف بھی کہتے ہیں، ہالوے اور گلازر دو ماہر اثریات نے سینکڑوں کتبات پائے ہیں، لیکن جس مقام میں پائے گئے ہیں اُس کا نام شہر معین معلوم ہوا ہے اس لئے ان کتبات کو معینی اور یہاں کی اثری تاریخ کو اہل معین نام ایک مجہول الاصل قوم کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن چونکہ موقع اور مقام وہی ہے جہاں عرب عادثانیہ کی آبادی بیان کرتے ہیں، اور کتبات کی تاریخ بھی حسب رائے علمائے جرمن ۱۶۰۰ ق م تک پہنچتی ہے[4] اس لئے بہتر ہوتا کہ معین کے باشندوں کی قومیت "عادثانیہ" قرار دی جاتی، لیکن اب "اہل معین" کی اصطلاح پھیل چکی ہے تو اتباع لازم ہے۔

۲۔ ثمود

عاد کے بعد شہرت اور سیاسی جانشینی ثمود کو حاصل ہوئی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ — ثمود یاد کرو کہ خدا نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا

"ثمود" کی لفظی تحقیق شاید عربی میں صحیح نہ مل سکے، "ثمد" عربی میں "آب قلیل" کو کہتے ہیں، لیکن اس سے کوئی خاص مناسبت نہیں معلوم ہوتی، عربی میں ایک لفظ تامید . . . . . ہے جس کے معنی دائم اور خالد کے

---

[1] جلد ۲ ص ۳۰۴ [2] یسعیاہ ۲۱-۳۱ [3] حزقیال ۲۷-۲۰-۲۳ [4] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام "عرب"

ہیں، عربی کی "ث" اور عبری کی "ت" ایک چیز ہے، عبری میں "ث" نہیں ہے اس لئے اکثر وہ الفاظ جو عربی میں "ث" سے ہیں، عبری میں "ت" سے ہیں، اس بناء پر ثمود کے معنی عام سامی زبان میں وہی ہوں گے جو عربی میں خالد کے معنی ہیں اور بہت سے قبائلِ عرب کے نام ہیں۔

اس سے پہلے عاد کے حالات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ وہ عرب جنوبی و مشرقی کے جو سواحل خلیج فارس کے ساتھ ساتھ حدودِ عراق تک وسیع ہے، مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغربی و شمالی پر قابض تھے جس کا نام اُس زمانہ میں وادی القریٰ تھا، وادی القریٰ اس لئے کہتے تھے کہ اُس عہدِ قدیم میں یہ وادی چھوٹی چھوٹی آبادیوں سے جابجا آباد تھی، ان آبادیوں کے سنگی کھنڈر اور آثار جغرافینِ اسلام نے دیکھے تھے[1] اور اب بھی باقی ہیں، قرآن نے سورۂ فجر میں وادی سے اسی وادی القریٰ کو مراد لیا ہے۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (فجر) — اور ثمود جو وادی (قریٰ) میں پتھر تراشا کرتے تھے (بغرضِ تعمیر)

ثمود کے ملک کا دارالحکومت حجر تھا، یہ شہر اس قدیم راستہ پر واقع ہے، جو حجاز سے شام کو جاتا ہے، اسی راستہ پر ثمود کا ایک دوسرا مقام "فج الناقہ" ہے جس کو یونانیوں نے بہ لفظ (Badn cilu) لکھا ہے، لیکن اصلی شہر حجر ہی تھا، اب عموماً اس شہر کو مداین صالح کہتے ہیں۔

قوم ثمود کے سیاسی حالات بالکل نہیں معلوم، صرف اتنا معلوم ہے کہ یہ شمالی عرب کی ایک بروت قوم تھی، فنِ تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا، پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کے عمارات و مقابر تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا، یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں، ان پر آرامی و ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں، لیکن ان میں سے اکثر آرامی کتبات نبطی اقوام کے ہیں[2] جنھوں نے مسیح کے قبل و بعد اسی مقام پر حکومت کی ہے۔

قرآن مجید نے اُن کی عظمتِ تعمیر کا متعدد آیات میں ذکر کیا ہے۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (فجر) — اور ثمود جو وادی میں (بغرضِ تعمیر) پتھر تراشا کرتے تھے

وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا (اعراف: ۱۰) — اور (صالح نے کہا اے لوگو!) خدا نے تم کو زمین میں جگہ دی، جس کے میدانوں میں تم قصر و محل اور پہاڑ کو کاٹ کر گھر بناتے ہو۔

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ (شعراء) — اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔

---

[1] دیکھو معجم یاقوت لفظ وادی القریٰ [2] B erita nica. Vol 24. P. 636 E.D.I.II

[3] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۱ ص ۶۳۶

یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس قوم کا زمانۂ ترقی عاد سے متاخر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس قوم کا نام اسیریا اور یونان میں نہایت صراحت کے ساتھ ملتا ہے، قرآن کی حسبِ ذیل آیت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ (اعراف ۱۰) — یاد کرو جب خدا نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا (یا حکومت عطا کی)

اور اس ترقی کی انتہا حضرت موسیٰؑ سے پہلے ہو جاتی ہے، کیونکہ شمالی عرب کے نام بڑے بڑے قبائل کے سیاسی تعلقات کی بنا پر توراۃ میں مذکور ہیں، لیکن اس فہرست میں ثمود کا نام نظر نہیں آتا، قرآن سے بھی یہی اشارہ مفہوم ہوتا ہے، ایک مومن موسیٰؑ، اہلِ فرعون سے کہتا ہے۔

يَا قَوْمِ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ (مومن ۴) — بھائیو! مجھ کو ڈر ہے کہ دوسری قوموں کی طرح نوح کی قوم، عاد اور ثمود کی طرح تم پر بھی عذاب آئے۔

اور یہ زمانہ تقریباً ۱۸۰۰ ق م سے ۱۶۰۰ ق م تک کا ہے، حضرت موسیٰؑ سے پہلے اس قوم کی بربادی عام کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس عہد میں ٹھیک اُس جگہ پر جہاں اس قوم کو از روے روایات ہونا چاہیے، اہلِ مدین غالب نظر آتے ہیں، یہ حقیقت سفرِ خروج کے ہر مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے۔

صالحؑ ثمود کے پیغمبر کا نام صالح تھا۔

قوم کی آخری زندگی میں جو مرض عام پیدا ہوتا ہے ثمود بھی اُس سے مستثنیٰ نہ تھے، خدائے واحد کی پرستش چھوڑ کر انھوں نے ستاروں کے مادّی ہیکلوں کے سامنے سر جھکایا، حسبِ سنتِ الٰہی ایک پیغمبر صالحؑ نام مبعوث ہوا، توراۃ میں ارم کے بھائی ارفخشد کے ایک بیٹے کا نام سالح ہے، جو تمام اولادِ ابراہیم اور عرب یقطانی کا باپ ہے[1]، نصرانی پادری جو بزرگانِ توراۃ کی تاریخی ہستی کے اثبات کے لئے کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے، روایاتِ عرب اور قصصِ قرآن کا نام عام طور سے اُن کی زبان میں افسانہ ہے، لیکن اگر خود اُن کو ضرورت پڑے تو وہ تاریخ کی بلند ترین شہادت ہے، کہتے ہیں کہ "صالح" اور "سالح" ایک ہی شخص تھے[2]۔ تاریخ اگر اجازت دے تو ہمیں اس اتحاد کی تسلیم میں کوئی عذر نہیں، خدا کے پیغمبر نے خدا کی دعوت دی، لیکن بدبخت قوم نے قبول نہ کیا، پیغمبر نے کہا "یہ اونٹنی ایک نشان ہے، زمین میں اس کو چرنے دو، چشمہ کا پانی ایک دن یہ پئے گی اور ایک دن تم پینا اگر اس اونٹنی کو صدمہ پہنچا تو وہ خدا کے عذاب کا دن ہوگا" آبادی میں مومنوں اور کافروں کی دو جماعتیں

[1] تکوین ۱۰ - ۲۴ [2] Goldmines P. 278

تھیں، مومنوں نے صالحؑ کی دعوت کو لبیک کہا، کافروں کی جماعت میں سے نو آدمیوں نے سازش کی کہ صالح اور متبعین پر شبخون ماریں، انھوں نے اونٹنی کی کونچ کاٹ ڈالی کہ یہ مرجائے، خدا کا عذاب پر شور زلزلہ کی صورت میں نمودار ہوا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰىهَا قرآن مجید میں یہ تمام قصہ نہایت تفصیل سے مذکور ہوا ہے۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

ثمود کے پاس ہم نے ان کے بھائی (ہم قوم) صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اس نے کہا کہ اے بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا تمھارا کوئی دوسرا خدا نہیں تمھارے پاس خدا کی دلیل آچکی، یہ خدا کی اونٹنی تمھارے لئے نشانی ہے، اس کو خدا کی زمین میں چرنے دو، اس کو دق نہ کرو، ورنہ ایک دردناک عذاب تمھیں آلیگا اور یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اس نے عاد کے بعد تم کو خلافت بخشی اور ملک میں تم کو جگہ عنایت کی جس کے میدانوں میں تم محل اور جس کے پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو، خدا کی عنایتوں کو یاد کرو، اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

انہیں کی قوم کے مغرور سرداروں نے ان کمزوروں سے جو اُن کی قوم میں مومن تھے، پوچھا، کیا تم سچ مچ یقین رکھتے ہو کہ صالح اپنے خدا کی طرف سے پیغمبر ہے، انھوں نے جواب دیا کہ بیشک صالح جو پیغام لے کر بھیجا گیا ہے اس پر ہم کو ایمان ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

مغروروں نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم کو اس سے انکار ہے، اس کے بعد انھوں نے اونٹنی کی کونچ کاٹ ڈالی اور خدا کے حکم کی نافرمانی کی، اور صالح سے کہا اے صالح اگر تم پیغمبر واقع

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ
يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ
وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ
النّٰصِحِيْنَ ۝

(اعراف ۱۰)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ
لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ مَا هٰهُنَا
اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ
وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ
مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِيْعُوْا اَمْرَ
الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ
فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝
قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝
مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ
نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ
يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝
فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝

میں ہو تو جس عذاب کے آنے کا تم ہم سے وعدہ
کرتے ہو وہ لے آؤ، پس زلزلہ نے آکر اُن کو پکڑ
لیا، اور وہ اپنی جگہ پر اوندھے رہ گئے، صالح نے
اُن کی جانب سے منہ پھیرا اور کہا بھائیو! میں لپنے
خداوند کا پیغام یقیناً پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی
کر چکا لیکن تم اپنے خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔
ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی، جب اُن کے بھائی
صالح نے کہا، کیا تم پرہیزگار نہیں بنتے ہیں تمہارا رسول
میں ہوں، خدا سے ڈرو، اور میری بات مانو اور
میں اور میں اس کا تم سے کوئی معاوضہ بھی نہیں چاہتا
میرا معاوضہ پروردگار عالم پر ہے، کیا جو نعمت
تم کو یہاں حاصل ہے اسی میں تم باطمینان تمام چھوڑ
دیئے جاؤ گے، ان باغوں، چشموں اور کھیتوں
میں اور ان چھوہارے کے درختوں میں جن کے
خوشے ہیں اور پہاڑوں کو کاٹ کر تم بڑی بڑی
عمارت بناتے ہو، پس خدا سے ڈرو اور میری بات
سنو، اور اُن کی نہ سنو جو حد سے گذر گئے ہیں جو
ملک میں فساد پھیلاتے ہیں، صلح نہیں۔
انھوں نے کہا تم پر جادو کر دیا گیا ہے، تم ہماری
ہی طرح ایک آدمی ہو، کوئی نشانی لاؤ، اگر سچے
ہو، اس نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے اس کے لئے پینا
ہے اور تمہارے لئے ایک مقررہ دن کا پینا، اور اس
کو چھیڑو نہیں ورنہ ایک بڑا عذاب تم کو آئے گا،
انھوں نے اس کی کونچ کاٹ ڈالی، پھر نادم
ہوئے، پس عذاب نے اُن کو آلیا، یقیناً اس

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (شعراء)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا
أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ
يَخْتَصِمُونَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ
بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ
اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا
بِكَ وَبِمَنْ مَعَكَ قَالُوا طٰئِرُكُمْ
عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ۝
وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ
يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ
قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَ
أَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا
شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ
وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ
أَجْمَعِينَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً
بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ
يَعْلَمُونَ ۝ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا
وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝

(نمل - ۴)

وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ

میں اللہ کی نشانی ہے اور اُن میں سے اکثر مومن نہ تھے، اور خدا تو غالب و رحم والا ہے۔

اور البتہ ہم نے بھیجا ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالحؑ کو کہ خدا کو پوجو، ناگہاں وہ دو فریق ہو کر باہم جھگڑنے لگے، صالحؑ نے کہا کہ بھائیو! نیکی سے پہلے برائی کیوں جلد چاہتے ہو، کیوں خدا سے مغفرت نہیں چاہتے، شاید تم پر رحم کیا جائے انھوں نے کہا ہم نے تم سے اور تمھارے ساتھیوں سے شگون لیا، اس نے کہا تمھارا شگون خدا کے پاس ہے، بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے جاؤ گے شہر میں نو آدمی تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے، صلح نہیں۔ انھوں نے کہا، آؤ باہم خدا کی قسم کھائیں کہ ہم صالحؑ اور صالحؑ کے خاندان پر شبخون ماریں، پھر اس کے وارث سے ہم کہہ دیں گے کہ اس کے خاندان کے قتل میں تو شریک بھی نہ تھے، انھوں نے مخفی تدبیر کی خدا نے بھی مخفی تدبیر کی، اور انھیں خبر نہیں، پس دیکھو اُن کی مخفی تدبیروں کا کیا انجام ہوا ہم نے اُن کو اور اُن کی قوم کو سب کو برباد کر دیا، یہ ہیں اُن کے گھر اور مسکن جو اُن کی گنہگاری کے باعث ویران پڑے ہیں، اس میں جاننے والوں کے لئے بڑی عبرت ہے، اور ایمان والوں کو ہم نے نجات دی کہ وہ پرہیزگار تھے۔

اور ثمود میں نشانیاں ہیں جب ان سے کہا گیا کہ کچھ

حِيْنٍ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝

(ذاریات)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ (الحاقۃ)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ اِنَّا اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ (قمر)

وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا نِ الْاُوْلٰى وَثَمُوْدَاْ فَمَآ اَبْقٰى (نجم ۳)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَا ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

دیر فائدہ اٹھالو، انھوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی، توان کو کڑک نے آلیا اور وہ دیکھ رہے تھے، پھر نہ کھڑے ہو سکے اور نہ مہلت پا سکے۔

ثمود و عاد نے عذاب کا انکار کیا، لیکن ثمود تو نافرمانی کے باعث ہلاک کر دیئے گئے۔

ثمود نے ہماری تنبیہوں کو جھٹلایا اور بولے کہ ہم میں سے ایک آدمی ہے، اس کی ہم پیروی کریں اس وقت ہم گمراہ و مجنون ہوں گے، کیا ہم لوگوں سے چن کر اسی پر وحی آئی نہیں! وہ جھوٹا اور مغرور ہے، کل اُن کو معلوم ہو جائے گا، کون جھوٹا اور مغرور تھا، ہم اونٹنی کو ان کے لیے آزمائش بنا کر بھیجتے ہیں، اے پیغمبر! تو بھی تاک اور انتظار میں رہ اور انھیں خبردار کر دے کہ پانی ان میں بانٹ دیا گیا ہے، ہر ایک کا پانی الگ موجود ہے انھوں نے اپنے ساتھی کو بلایا، اس نے پکڑا اور کونچ کو کاٹا، پھر میرا عذاب اور میری دھمکی کیسی تھی؟ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی جس کے اثر سے وہ پامال بھُس کی طرح ہو کر رہ گئے،

اور خدا نے عاد اولیٰ اور ثمود کو ہلاک کر دیا، اور کچھ رحم نہ کیا۔

ثمود نے اپنی سرکشی سے تکذیب کی جب انھوں نے اپنے بدبخت ترین آدمی کو بھیجا، پیغمبر خدا نے کہا، خدا کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کا خیال رہے، انھوں نے جھٹلایا اور اس کی کونچ کاٹی،

بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۔

(شمس)

خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر بلا کی ڈالی، اور ان کو برباد کر دیا، اور ان کے انجام کا وہ خوف نہیں کرتا۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝

(هود)

ثمود کے پاس ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا، اس نے کہا بھائیو خدا کو پوجو، اس کے سوا تمھارا کوئی خدا نہیں، اُس نے زمین سے تم کو پیدا کیا، اور زمین ہی میں تم کو آباد کیا، اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، میرا پروردگار پاس ہے اور قبول کرتا ہے، انھوں نے کہا صالح ہم کو اس سے پہلے تمھاری ذات سے بڑی توقع تھی، تم ہم کو اُس کے پوجنے سے روکتے ہو جس کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے، تم جدھر بلاتے ہو اس میں تو ہم کو بڑا شک ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ

(هود)

صالح نے کہا بھائیو! تم سمجھتے ہو، اگر خدا کی طرف سے میں بصیرت پر ہوں، اور اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو اس میں سے کچھ عنایت کیا ہے تو اگر میں (پیغام رسانی میں اُس کی نافرمانی کروں) تو خدا سے بچانے میں میری کون مدد کرے گا، تم صرف میرا نقصان بڑھاؤ گے اور ہاں اے بھائیو! خدا کی اونٹنی تمھارے لئے نشانی ہے، اس کو خدا کی زمین چرنے دو اور اس کے ساتھ برائی نہ کرو، ورنہ خدا کا عذاب جو نزدیک ہے تم کو آلے گا، انھوں نے اُس کی کوچیں کاٹ ڈالیں، صالحؑ نے کہا اب اپنے گھر میں تین دن اور لطف اٹھا لو، یہ جھوٹا وعدہ نہیں۔

حسب سنت الٰہی حضرت ہود اور صالحین ثمود کو اس عذاب سے نجات مرحمت ہوئی

فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ (ھود)

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے صالح اور جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا اپنی رحمت سے اور اُس دن کی خواری سے نجات بخشی، بیشک تیرا پروردگار زبردست اور غالب ہے، اور گنہگاروں کو چیخ نے آلیا، پس اپنے گھر میں سینہ کے بل پڑے رہ گئے گویا کہ کبھی وہ اُن گھروں میں آباد ہی نہ تھے، ہاں ثمود نے اپنے پروردگار کو نہ مانا، ہاں ثمود کے لئے ہلاکت ہو۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (حم سجدہ)

ثمود کی ہم نے رہنمائی کی، انھوں نے ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی، تب رسوا کر دینے والے عذاب کی کڑک نے ان کے اعمال کے سبب اُن کو آلیا، اور ایمان والوں کو ہم نے نجات بخشی کہ وہ پرہیزگار تھے۔

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (نمل)

اور ایمان والوں کو ہم نے نجات بخشی کہ وہ پرہیزگار تھے۔

اِن بقایائے ثمود کو ثمود ثانیہ کہتے ہیں۔

طریقۂ ہلاک کو کہیں خدا نے صرف عذاب کہا ہے، کہیں صاعقہ (بجلی کی کڑک) اور کہیں صیحہ (چیخ) سے ادا کیا ہے، اس سے کوئی خاص طریقۂ عذاب نہیں، مطلق عذاب مراد ہے، جو انسان کے لئے کڑک اور چیخ سب کچھ ہے، بعض مفسرین نے کڑک اور چیخ سے زلزلہ مراد لیا ہے، اس بنا پر کڑک اور چیخ کے لحاظ سے یہ آتش فشانی زلزلہ ہوگا، اور جغرافیہ نویسانِ سابق و حال تسلیم کرتے ہیں کہ۔

...... ثمود کے مقامات آتش فشاں مادہ سے لبریز ہیں۔

عام روایات میں ہے کہ یہ اونٹنی معہ اپنے بچہ کے کفار کے حسبِ طلب، حضرت صالحؑ کے ایک معجزہ سے ایک پہاڑ کی چٹان سے پیدا ہوئی تھی، لیکن صحیح طریقہ سے یہ روایتیں ثابت نہیں

قرآن مجید نے بھی اپنی تمام تفصیل میں اس خاص طریقۂ پیدائش کا ذکر نہیں کیا، اس بنا پر وہ غیر مسلّم ہیں۔
قرآن مجید کی آیتوں کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جانوروں پر ظلم کرتی تھی، خدا نے ایک اونٹنی کو نشانی بنایا کہ جس دن تم نے اس کو ستایا وہی عذاب کا دن ہوگا ثمود کی ایک پہاڑی کا نام عربوں میں فج الناقہ مشہور ہے بطلیموس نے اس مقام کو یونانی لفظ میں "بنڈاناٹا" لکھا ہے، اس تسمیہ سے نفس اونٹنی کے واقعہ کا ثبوت قرآن سے ۴۰۰ برس پیشتر ملتا ہے۔

ثمود ثانیہ یعنی بقایائے ثمود

تاریخ میں ثمود ثانیہ کا نام عاد ثانیہ سے زیادہ روشن نظر آتا ہے، اس کا ایک سبب تو قربِ زمانہ ہے اور دوسرا سبب دیگر اقوامِ قدیمہ سے قربِ مکان ہے، اسی لیے اُن کا نام ایک طرف تو اسیریا کے کتبوں میں نظر آتا ہے[1] اور دوسری طرف رومیوں کی تاریخ میں[2] رومی مسیح سے کچھ پہلے عرب سنگستان پر جو مقامِ ثمود سے بالکل متصل ہے، اور اس وقت انباط اور ادوم ان اطراف کے ممتاز قبائل تھے قابض تھے۔

سرجون یا شرغون ثانی اسیریا کا ایک بادشاہ تھا جس کا زمانہ ۷۲۲ء قم سے ۷۰۵ء قم تک ممتد ہے، اس بادشاہ نے عرب پر فوج کشی کی تھی جس کا ذکر اس نے اپنے کتبۂ فتح میں کیا ہے اس کتبہ میں جن عرب محکوم قبائل کا نام مذکور ہے ان میں ثمود کا نام بھی ہے[3] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثمود دورِ ثانی میں کوئی جدید قوت حاصل نہ کر سکے اور اگر کر سکے تھے تو وہ زائل ہو چکی تھی۔

مورخین یونان و روم میں ڈایڈورس (۸۰ء قم)، پلینی (۷۹ء)، اور بطلیموس (۱۴۰ء) نے ثمود کا ذکر کیا ہے[4] ڈایڈورس نے ثمود کا تلفظ تھموڈینی (Thamudani) اور بطلیموس نے تھموڈینی (Thaudiotai) کیا ہے مگر دونوں نے جو جگہ اس کی مقرر کی ہے ٹھیک روایاتِ عرب کے مطابق ہے[5]

ثمود کے ذکر میں ایک دوسرے یونانی مصنف اورنیوس (Uranus) کی شہادت ڈاکٹر اسپرنگر نقل کرتے ہیں، جو گواہی دیتا ہے کہ ثمود انباط کے پہلو میں آباد تھے[6]

---

[1] Rojers. 1.11.146
[2] Beuan. P. 173
[3] Augers. P. 17
[4] Forster. 11. P.125
[5] Goldmines. P. 278
[6] Goldmines. P. 278.

رومیوں نے جب عرب شمالی پر قبضہ کیا تو ثمود رومیوں کی فوج معاون میں داخل ہو گئے تھے قیصر جیسٹینین کے عہد میں جو ۴۸۳ھ سے ۵۶۵ھ تک ہے ۲۰۰ ثمود عرب بھی رومی فوج میں داخل تھے[1] ان کے لمبے نیزے اور سواری کے اونٹ مشہور تھے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کے ملک کا اکثر حصہ چونکہ اہل مدین نے پہلے دبا لیا تھا، اور باقی حصہ پر بعد کو انباط قابض ہو گئے تھے اور رومی انباط کے خلاف عرب پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے تھے، اور اس ارادہ کو انھوں نے پورا بھی کیا، اس تقریب سے عجب نہیں کہ انباط کی مخالفت میں ثمود نے رومیوں کا ساتھ دیا ہو۔

تاہم تعجب ہوگا کہ ثمود کا ذکر توراۃ میں نہیں، لیکن توراۃ کی تحریر واقعات کے سنین جاننے کے بعد یہ تعجب رفع ہو جائے گا، توراۃ کی تاریخ بدر عالم سے حضرت یعقوب تک بنی ابراہیم تک محدود ہے، اس کے بعد ہجرت مصر کا واقعہ ہے جو تقریباً ۱۶۰۰ ق م میں واقع ہوا ہوگا، اس زمانہ سے تا عہد موسیٰ جو تقریباً ۴۵۰ برس کا زمانہ ہے، توراۃ کی کامل خاموشی کا عہد ہے اور از روے تاریخ ثمود کے عروج و زوال کا یہی زمانہ ہے، اس کے بعد توراۃ میں صرف اُن غیر اقوام کا ذکر ہے جن سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات تھے اور یہ رتبہ ثمود کی جگہ اب مدین کو حاصل تھا جو ثمود اولیٰ کے جانشین تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۹۰۰ یا ۱۰۰۰ ق م اہل مدین جب بنی اسرائیل کے ہاتھ سے کلیۃً برباد ہو گئے تو ثمود ثانیہ نے پھر ایک سنبھالا لیا، اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں شاہ اشور نے شمالی عرب پر حملہ کر کے ثمود سے ۷۰۰ ق م میں خراج وصول کیا، اس کے بعد ظہور مسیح سے پہلے انباط نے ثمود کو فتح کر لیا، اس کے بعد جب رومیوں نے انباط پر حملہ کیا تو ثمود دشمنوں کے ساتھ ہو گئے اور اسی خصوصیت سے تاریخ روم میں ثمود کا ذکر آیا۔

اسلام جب آیا تو ثمود کا نام و نشان نہ تھا، یہاں قبائل جہینہ، بلی اور یہود اس وقت آباد تھے[2]

عجب نہیں کہ انباط نے خیانت وطنی کی سزا میں ان کو برباد کر دیا ہو۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا (نمل)

---

[1] Gibbon vol. I Huart. P. 3

[2] معجم یاقوت لفظ وادی القریٰ

۳۔ جرہم

یہ قبیلہ حجاز میں آباد ہوا تھا، تقریباً ۲۲۰۰ ق م میں جب حضرت اسمٰعیلؑ اس ملک میں آئے تو یہ قبیلہ ان ہی اطراف میں موجود تھا، حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنے پڑوس میں جگہ دی[1] اور باہم اس سے رشتہ قائم کیا، جرہم کی قومیت کیا تھی اور کس سلسلۂ نسبت سے اس کو تعلق تھا؟ بعض ارباب تاریخ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ نسباً امم سامیہ اولیٰ سے تھا[2]، اور بعض اس کو قحطان کی نسل کہتے ہیں، عام مورخین نے دونوں تھیوریوں کو یکجا کر دیا ہے کہ جرہم دو تھے، جرہم اولیٰ اور جرہم ثانیہ، جرہم اولیٰ معاصر عاد تھا، اور وہ امم سامیہ اولیٰ سے تھے، اور جرہم ثانیہ قحطان کا بیٹا اور حضرت اسمٰعیلؑ کا پڑوسی اور رشتہ دار تھا، جرہم کا دوسرا بھائی یعرب بن قحطان یمن کا مالک تھا، اور جرہم بن قحطان کے حصہ میں حجاز کا ملک دیا گیا تھا۔

قحطان اور اس کی بارہ اولاد کا نام بنام توراۃ میں ذکر ہے جن میں ایک یارح ہے جس کو یعرب سمجھ لو، لیکن جرہم یا اس کا مماثل کوئی نام مذکور نہیں، اس بنا پر بعض نصرانی علمائے یورپ نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ یارح اور جرہم ایک ہی نام ثابت کیا جائے اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ عربی و عبرانی اور لاطینی و یونانی میں باہم ی اور ج کا مبادلہ ہو جاتا ہے اور اس بنا پر یورپین تراجم میں جن کا ماخذ لاطینی و یونانی ترجمہ ہے یارح کا تلفظ جرح یا جارح ہوا ہے جس کو نہایت آسانی سے جرہم فرض کرنا ممکن ہے لیکن یہ شدید غلطی ہے، اولاً یہ کہ توراۃ کے نام عربی میں عبری سے آئے ہیں، یونانی یا لاطینی سے نہیں آئے ہیں اس لئے ثبوت طلب تو یہ ہے کہ عربی اور عبرانی میں "ی" اور "ج" کا باہم مبادلہ ہوتا ہے، اور یہ غیر مسلم ہے، ثانیاً یہ کہ اگر یرح اور جرح جرہم ہے تو پھر یعرب کی اصل کیا ہے، ثالثاً یہ کہ یعرب اور جرہم ایک ہی نام (یارح) کے دو متفرق تلفظ ایک ہی ملک اور ایک ہی زبان میں کیوں کر پھیلے؟

آخراً یہ کہ جس زمانہ میں جرہم کا وجود حجاز میں نظر آتا ہے، اس وقت قحطانی عربوں میں کوئی سیاسی جنبش نہیں پیدا ہوئی تھی قحطانیوں کی حرکتِ سیاسی، امم سامیہ اولیٰ و ثانیہ کی تباہی کے بعد ایک ہزار ق م میں نظر آتی ہے، ان وجوہ سے ہم اس فریق کے ساتھ ہیں جو جرہم کو صرف ایک اور اس ایک

---

[1] بخاری کتاب الانبیاء [2] تاریخ یعقوبی ص ۲۵۳ - ۲۳۱ فکان ولد جرھم بن عاد اما صار اخوتھم من بنی قحطان بن عامر الی الیمن - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرہم قحطان کا بیٹا نہ تھا بلکہ برابر کا بھائی تھا مطبوعہ لندن ج ۱

کو بھی امم سامیہ اولیٰ میں سے تسلیم کرتا ہے، ملوکِ جرہم کا کچھ حال عربی تاریخوں میں مذکور ہے، ہم یہاں صرف اُس کا لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں[1]۔

پہلے مضاض بن عمرو جرہمی بادشاہ ہوا، لیکن سمیدع نام ایک مدعی نے اس سے جنگ کی، مضاض کو فتح ہوئی، اور سمیدع شام چلا گیا اور وہاں عمالیق کا بادشاہ ہوا، مضاض کے بعد اس کی جگہ حارث اس کا بیٹا حاکم ہوا، پھر عمرو بن حارث، بعد ازیں معتسم بن طلیم، پھر حواس ابن جحش بن مضاض، اس کے بعد عداد بن ضداد بن جندل بن مضاض، پھر فحص ابن عداد اور آخریں حارث، یہ جرہم کا آخری بادشاہ تھا، جس کے عہد میں جرہم اپنی سرکشی اور طغیان کی پاداش میں ہلاک ہو گئے۔

اسی جرہم کے گھرانے میں بہ روایتِ عرب حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی تھی[2]، لیکن توراۃ میں ہے کہ ان کی ماں نے جو مصریہ تھیں، ایک مصری عورت سے اُن کا بیاہ کر دیا تھا[3]، اس اختلاف پر علمائے نصاریٰ کی اکثر انگلیاں اٹھی ہیں، لیکن اگر انھیں یہ معلوم ہوتا کہ اس وقت عرب سامیہٴ اولیٰ خود مصر پر قابض تھے، اور ان کا سلسلۂ تعلق مصر سے جاری تھا، تو کبھی اس اختلاف ان کو حیرت نہ ہوتی بیان مذکور کے مطابق یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ امم سامیہ کے خاندان جرہم نام میں شادی ہوئی اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی بیوی مصر سے تعلق رکھتی ہیں۔

بنی اسماعیلؑ و جرہم اور بنائے کعبہ کی روایت، احادیث اور روایاتِ عرب کے علاوہ اشعارِ عرب میں بھی موجود ہے، عرب کا ایک جاہلی نصرانی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کہتا ہے۔

واحلفت بالبیت الذی طاف حولہ ۔۔۔ اناس بنوہ من قریش وجرھم

پلینی اپنے زمانہ کے قبائل عرب میں سے ایک نام "چرمی" (Charmai) بتاتا ہے[4]، عجب نہیں کہ یہ جرہم کی تحریف ہو۔

عہدِ ظہورِ اسلام میں جرہم کی جمعیت باقی نہ تھی، تاہم اس کے منتشر افراد باقی تھے، عبید ابن شریہ جرہمی نام ایک شخص اس زمانہ میں یمن میں موجود تھا جو اسی خاندان جرہم کی طرف منسوب تھا، کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر وہ اسلام لایا تھا، حضرت معاویہؓ کے عہدِ حکومت تک وہ زندہ رہا، امم قدیمہ کی تاریخ و قصص سے اس کو کامل واقفیت تھی، حضرت معاویہؓ کے حکم سے اُس کی یہ زبانی داستانیں قیدِ تحریر میں لائی گئیں[5]۔

---

[1] یعقوبی ج ا ص ۲۵۲ بیروت۔ [2] بخاری کتاب الانبیاء۔ [3] تکوین ۲۱ - ۲۱۔
[4] Forster vol. 1. P. 124 [5] کتاب الفہرست ابن ندیم ۸۹، لیڈن۔

قبیلہ جرہم کے حالات میں غالباً تیسری صدی کے ایک مورخ ابراہیم بن سلیمان النہی الکوفی نے اخبار جرہم کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی[1]

۴۔ طسم وجدیس

یہ دونوں قبائل یمامہ میں تھے، یہ کلبی کی روایت ہے اور زیادہ مشہور ہے مورخ ابن خلدون نے ان کو بحرین میں جگہ دی ہے، ہماری تحقیق میں یہ اختلاف صرف لفظی تشابہ سے پیدا ہوا ہے زمانہ قدیم میں ان دونوں شہروں کا نام "ہجر" تھا[2] اور صحیح یہ ہے کہ خلیج فارس پر یمامہ، بحرین اور عمان کے نام سے جو شہر آباد ہیں، طسم وجدیس کی آبادی ان سب پر مشتمل تھی[3]، یہ عاد کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے[4] سیاسی قوت اولاً طسم کے ہاتھ میں تھی، ایک زمانہ کے بعد "عملوق" نام ایک ظالم بادشاہ تخت نشین ہوا جس نے اپنے شرمناک قواعد سے قبائل جدیس کو برہم کر دیا، آخر جدیس کی ایک خاتون عروس نے قبیلہ کو غیرت دلائی، یہ غیرت آگ بن کر اٹھی، طسم نے شاہ یمن سے مدد مانگی، اس نے آکر جدیس کو شکست دی، آخر قبائل کی باہمی نا اتفاقی نے ملک غیروں کے ہاتھ سپرد کر دیا[5]

مورخین عرب نے اس شاہ یمن کا نام تبع حسان یا حسان (باختلاف روایت) لکھا ہے، لیکن یہ یقیناً غلط ہے، ایک طرف تو یہی ارباب روایت ان قبائل کو اتنا قدیم ٹھہراتے ہیں کہ ان کو ارم کی صرف بہ دو واسطہ اولاد قرار دیتے ہیں، یعنی ۳-۴ ہزار ق م ان کا زمانہ بتاتے ہیں، اور دریا اس قدر پیچھے کرتے ہیں کہ نابغہ یمن کا معاصر قرار دیتے ہیں، جن کا زمانہ ۱۱۵ ق م سے اوپر نہیں، اس بنا پر غالباً تبع یمن سے عام شاہ یمن مراد ہے۔

یونانیوں نے قبائل عرب میں سے ایک کا نام جولستی (Iolisitae) لکھا ہے[6]، شاید اس سے جدیس ہی مراد ہو، طسم کا نام ہلاکت و بربادی کی عبرت کے لئے اس قدر مشہور رہے کہ عربی زبان میں "طسم" کے معنی خود برباد ہو گئے ہیں، عربی کا ایک جاہلی شاعر سلمی بن ربیعہ کہتا ہے۔

اھلکن طسماً وبعدہ ۔ غذی بھم وذا جدون	حوادث زمانہ نے طسم اور اس کے بعد۔ ذاجدون شاہ
واھل جاش ومارب ۔ وحی لقمان والتقون	اور اہل جاس اور اہل مارب اور قبیلہ لقمان کو ۔ ہلاک کیا

---

[1] کتاب الفہرست طوسی ص ۱۳ کلکتہ۔ [2] دیکھو معجم یاقوت لفظ "حجر" و "ہجر"۔ [3] اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری صفحہ ۱۷۔ [4] القاموس للفیروزآبادی لفظ طسم۔ [5] یہ واقعات اغانی اور تاریخ عرب کی تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔ [6] دول العرب والاسلام طلعت حرب بک جلد اوّل ذکر طسم وجدیس۔

اس ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ طسم کا زمانہ، سبا (اہل مارب) اور عاد ثانیہ (حیّ لقمان) سے متقدم تھا،

یمامہ کا قدیم نام "جو" ہے، "لیکن زیادہ تر اپنے قصبۂ حکومت کے نام سے مشہور ہے جس کا نام قریہ اور حجر ہے، قریہ اور حجر لفظ دو ہیں، لیکن معنی ایک ہی ہیں ابن الحائک ہمدانی یمنی جو عرب کی قدیم زبانو سے واقف تھا، وہ کہتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی آبادی کے ہیں، قدیم عربی زبان میں حجر لفظ تھا، بعد کی عربی زبان میں اس کے لئے قریہ کا لفظ استعمال ہوا، جو حجر کا بعینہٖ ترجمہ ہے۔

یمامہ میں جس کو قدیم نام کے لحاظ سے حجر یا قریہ کہنا چاہئے آثار قدیمہ کے نشان جغرافیہ نویسانِ اسلام کے عہد تک باقی تھے، اور انھوں نے خود ان کو مشاہدہ کیا تھا، نجران اور بحرین کے مابین ایک پہاڑی پر مشقر نام ایک قلعہ ہے، جو طسم کی طرف منسوب ہے ایک اور عمارت ایک ٹیلہ پر واقع ہے، جس کا نام معنق ہے وہ بھی طسم ہی کی یادگار ہے، شموس بھی اسی قسم کی ایک عمارت ہے "قریہ بنی سدوس" یمامہ میں ایک مقام ہے، اوپر سے نیچے تک صرف ایک پتھر کو تراش کر ایک پوری عمارت بنائی گئی ہے، ایک اور عمارت "بتیل حجر" کے نام سے ہے اس عمارت کا حصہ زیریں مربع الشکل ہے اور بلندی ۸۰ ہاتھ کے قریب ہے، جعدہ نام ایک اور قلعہ یہاں بنائے قدیم کی یادگار ہے[۲]

خدا جانے ان آثار کا اب کس قدر حصہ باقی ہے؟ تاہم اگر یہ کل یا ان میں سے بعض بھی طسم وجدیس کے مصنوعات ہوں تو ان قبائل کی عظمت و تمدن کے دلائل نہایت واضح ہیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قریہ اور ہجر، یمامہ و بحرین کا نام ہے جغرافیین یونان و روم خلیج فارس کے سواحل پر اور کبھی یمن کے قرب میں عرب کے دو شہروں کا نام لیتے ہیں۔ جن میں سے ایک کا لفظ ان کے ہاں اگرا (Agerra) گرآ (Gaerra) اور کبھی جرہا (Gerr ha) اور دوسرے کا "اگریا" (Agraea) غالباً پہلے اور دوسرے نام کی اصلیت "قریہ" اور تیسرے کی "ہجر" ہے، یونانیوں اور رومیوں نے عرب تجارت پیشہ قوموں میں یہاں کے باشندوں کا مخصوص ذکر کیا ہے، ہندوستان کی تجارت میں خاصۃً ان ہی کو دخل تھا، آج بھی ان مقامات کے عرب اپنی قدیم خصوصیات کے ساتھ قائم ہیں، اور تمام قبائل عرب میں سب زیادہ ہندوستان کے ساتھ ان ہی کو تعلقات حاصل ہیں۔

ان مقامات پر یونانیوں یا رومیوں نے کبھی حملہ نہیں کیا، سکندر کے بعد جب عراق، سلوقی (سلوکس)

---

[۱] معجم یاقوت ج ۸ ص ۴۴۶ مصر۔ [۲] ان تمام عمارات و مقامات کے نام معجم میں مطابق حروف اسماء دیکھنا چاہئے۔

خاندان قائم ہوا، تو اس نے صرف ایک بار ۲۰۵ء ق م میں[1] اہل قریہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ حملہ آوری کی جرأت کی تھی، یمامہ و بحرین کے قدیم قبائل کی بربادی کے بعد ایک مدت تک یہاں ویرانی رہی، تاآنکہ آخر میں اسماعیلی و قحطانی عربوں نے ادھر رخ کیا، ربیعہ اسمٰعیل کی ایک شاخ عنزہ بن اسد اور قحطانی کی بعض اولادوں نے بحرین پر اور بنو حنیفہ نے یمامہ پر قبضہ کیا،[2] اسلام آیا تو بحرین اہل فارس کے قبضہ میں تھا اور ان کی طرف سے ایک عرب خاندان نائب حکومت تھا، اور یمامہ بدستور بنو حنیفہ کے ہاتھ میں تھا بحرین نے خود اپنی رضا و رغبت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دعوتِ اسلام قبول کی اور یمامہ ایمان لا کر پھر مرتد ہو گیا، اور آخر خلافت صدیقی میں ایک جنگ عظیم کے بعد وہ مطیع ہوا۔

۵۔ اہل معین

جوف یمن میں معین نام ایک آبادی تھی، اس کے مشرق میں حضرموت اور جنوب مغرب میں سبا موجودہ صنعاء واقع تھا، آج کل علمائے آثار میں اس آبادی کو نہایت اہمیت حاصل ہے، ان کو اس آبادی کا سراغ مل چکا ہے، وہاں کے کتبے پڑھے گئے ہیں، یونانی بیانات سے ان کی تشریح کی گئی ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ معین آبادی کا نام تھا، باشندوں کا قومی نام کیا تھا، یہ معلوم نہیں اسی بنا پر یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ عربوں کو اس قوم کے حالات کہاں تک معلوم تھے، لیکن تحقیقات جدیدہ نے اس کی جائے وقوع کی جو تعیین کی ہے وہ بعینہ عاد ثانیہ کا مقام و مسکن نظر آتا ہے، عام تقلید کی بنا پر ہم بھی ان کو اجمال و ابہام کے ساتھ صرف اہل معین کہتے ہیں۔

معین کے لفظی معنی "منبع آب اور چشمہ" کے ہیں، دیگر سامی زبانوں میں مثلاً عبری میں یہ لفظ "معیان" ہے، جو نہایت آسانی سے معان کی صورت میں بگاڑا جا سکتا ہے جو اب تک شمالی عرب میں ایک آبادی ہے۔

اہل معین کا ذکر تحریری حیثیت سے سب سے پہلے آٹھویں صدی ق م میں اسفارِ یہود میں نظر آتا ہے[3] اس کے ۶۰۰ برس بعد اراٹستھینیس المتوفی ۱۹۲ء ق م ایک یونانی مصنف معین کا ذکر کرتا ہے۔ اراٹستھینیس کے علاوہ اسٹرابون (۷۹ء) پلینی (۸۰ء) اور بطلیموس (۱۴۰ء) نے بھی معین کا بہ تلفظ (Minaei Mantai) اپنے اپنے زمانہ میں ذکر کیا اور تشریح کی ان کا اصلی مقام حضرموت کے پاس مارب اور قتاب کے درمیان ایک معین نام آبادی ہے اور ان کے پایۂ تخت کا نام قرن (Charnaei) ہے۔

---

[1] برٹانیکا طبع ۱۱ جلد ۲۴ ص ۲۰۴۔ [2] اخبار الطوال ابو حنیفہ ۱۷، ۱۸ مصر۔ [3] تاریخ دوم ۲۶۔۷۔

عرب مورخین کو بھی معین سے واقفیت تھی، لیکن ان کو اس آبادی کا کوئی تفصیلی حال معلوم نہ تھا یونانیوں نے جو حالات لکھے ہیں وہ گویا معلوماتِ عرب پر بہت کچھ اضافہ کرتے ہیں، تاہم واقعات کے افشا کے لئے قدرت کو علم الآثار کے ہاتھ کا انتظار تھا۔

اب ہم ترتیباً عرب، یونان اور علم الآثار کے بیانات و نتائج کا ذکر کرتے ہیں۔

عربوں کو معین کے متعلق صرف اس قدر معلوم تھا کہ یہ ایک مقام یا عمارت کا نام ہے ہمدانی کتاب الاکلیل اور صفۃ جزیرۃ العرب[1] میں جہاں اضلاعِ یمن کا ذکر کرتا ہے لکھتا ہے۔

محافد الیمن براقش ومعین	یمن کے اضلاع، براقش اور معین ہیں
وھما باسفل جوف الرحب مقابلیات	اور یہ دونوں جب کہ صحرائے ریگستانی
فمعین بین مدینۃ نشان	کے نیچے واقع ہیں، معین شہر نشان اور
وبین دوب سراقۃ	وہ سب شراقہ کے مابین ہے

یاقوت حموی نے بھی معجم میں ان دونوں مقامات کا ذکر کیا ہے لفظ معین کے تحت میں لکھتا ہے۔

معین اسم حصین بالیمن وقال	معین یمن میں ایک قلعہ کا نام ہے، اور
الازھری معین مدینۃ بالیمن	ازہری کا بیان ہے کہ معین ایک شہر تھا
تذکر فی براقش	جس کا براقش میں واقع ہونا کہا جاتا ہے۔

براقش کے ذکر میں لکھتا ہے۔

قال الاصمعی براقش ومعین	براقش اور معین یمن میں دو قلعے ہیں، بعض
حصنان بالیمن کان بعض التبابعۃ	شاہان یمن نے قصر سلحین کی تعمیر کا حکم دیا
امر ببناء سلحین فبنی فی ثمانین عاماً	تھا، وہ اسّی برس میں بن کر تیار ہوا،
وبنی براقش ومعین بغسالۃ ایدی	اور براقش اور معین کاریگروں کے ہاتھ
صناع سلحین۔۔۔۔ قال ولاتری	کے دھووں سے بنے، لیکن دیکھو کہ قصر سلحین
لسلحین اثرا وھما قائمتان	کا کوئی نشان نہیں اور وہ دونوں کھڑے ہیں

اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ یمن کے بادشاہوں کی تعمیر ہے دوم یہ ہے کہ یہ دونوں مقامات دوسری صدی ہجری تک موجود تھے براقش کا ذکر اس کے بعد بھی تاریخ اسلام

---

[1] اکلیل میری نظر سے نہیں گزری، مولر نے اس کا حوالہ دیا ہے، جزیرۃ العرب میرے پیش نظر ہے۔

میں آٹھویں صدی ہجری تک نہایت کثرت سے آتا ہے اور اس وقت یہ ایک آباد شہر تھا[۱]

شعرائے عرب نے بھی ان مقامات کا ذکر کیا ہے، حسب ذیل اشعار کو ہمدانی اور یاقوت دونوں نے اکلیل اور معجم میں نقل کیا ہے، فروہ بن مسیک کہتا ہے۔

احل بحاجر جدی غطیف و معین الملک من بین ابینا

ملکنا براقش دوان اعلیٰ وانعم اخوتی وبنی ابینا

علقمہ کا شعر ہے۔

قد اسوا براقش حین اسوا ببلقعة ومنبسطٍ اینق

وحتوا من معین حین حتوا لعزهم لدی الفج العمیق

مالک بن حریم الدلانی کا یہ شعر صرف ہمدانی کے ہاں ہے۔

وتحمی الجوف مادامت معین باسفله مقابلة عرادا

یہ دو شعر صرف یاقوت نے نقل کئے ہیں۔

ینادی من براقش اومعین فاسمع فاتلاب بتاملیع

وقال الجعدی

تستن بالقرو من براقش او هیلان او بالع من العتم[۲]

ابو علکم مرانی حمیری کہتا ہے۔

براقش ومعین نحن عامرها ونحن ارباب سرواح وروثانا

ان شہادتوں سے چند امور ثبوت کو پہنچے ہیں، معین ایک آبادی کا نام تھا، مقام جوف میں واقع تھا، اس کا وجود دوسری صدی ہجری تک باقی تھا، یہ شہر کسی زمانہ میں حکومت کا مستقر تھا، براقش اس سے متصل ایک دوسری آبادی تھی، ان روایتوں اور شعروں میں البتہ یہ دعویٰ عجیب ہے کہ یہ سبا اور حمیر کی تعمیر تھی، یہ تعجب اس لئے رفع ہو جاتا ہے کہ اہل معین کے بعد سبا ہی اس کے مالک بن بیٹھے تھے، بعد کے لوگوں نے ان ہی کو غلطی سے اصل بانی سمجھ لیا۔

معین اور اکتشافات جدیدہ معین کی تاریخی حقیقت واضح کرنے میں جدید اثری تحقیقات نے بڑی مدد دی ہے۔

---

[۱] تاریخ یمن (العقود اللؤلؤیۃ) للخزرجی جلد ۱ ص ۱۰۰۰ طبع گب سیریز۔ [۲] معجم البلدان یاقوت جلد ۲ ص ۹۸ مصر۔

یمن کے آثار قدیمہ کے اکتشافات تمام تر دو جرمن فاضل گلازر اور ہالوے کے نتائج سعی ہیں، ان دونوں نے یمن کے لئے ہزار کتبات حاصل کئے اور ان کو حل کیا، جن سے سینکڑوں سیاسی، مذہبی اور تجارتی واقعات کا سراغ لگا، معین، حضرموت، قتاب اور مارب وسبا کی حکومتوں کی تاریخ، موقع وقوع، بادشاہوں کے نام مذہبی رسوم، طرز تمدن کا نشان ملا، ان تمام یمنی حکومتوں میں قدیم تر معین کی حکومت ہے۔

معین کا زمانہ | معین کے عہد وجود اور زمانۂ بقا کے متعلق گو کوئی قطعی تاریخی فیصلہ نہیں ہو سکتا، تاہم آثار کی مدد سے کچھ روشنی پہنچی ہے، بڑی مشکل یہ ہے کہ معین کے کتبات پر عموماً تاریخ ثبت نہیں اس بنا پر زیادہ تر قیاسات سے کام لینا پڑتا ہے، جرمن علمائے آثار کی رائے ہے کہ خاندان حکومت ۱۴۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک موجود تھا، فرنچ ماہرین اثریات اور بر اے نام انگریز واقفین اس کا زمانہ یقینی طور سے ۸۰۰ ق م سے شروع کرتے ہیں[۱] لیکن عجیب تر یہ ہے کہ تازہ ترین انگریزی تحقیق برٹانیکا طبع یازدہم میں ہم یہ الفاظ پاتے ہیں

آخر زمانہ کے کتبات کو چھوڑ کر زمانۂ قدیم کے کتبوں میں کوئی سنہ یا تاریخ مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اور نیز اس لئے کہ کتبات کی تعداد کم ہے، علماء میں زمانۂ تاریخ عرب قبل اسلام کی نسبت بہت اختلافات پیدا ہو گئے ہیں لیکن تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کتباب کی تاریخ ۱۱۰۰ ق م تک پہنچی ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ صرف ۷۰۰ ق م تک پہنچ سکتی ہے، اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں کم از کم چار متمدن حکومتیں (۱) معین (۲) سبا (۳) قتاب اور (۴) حضرموت قائم تھیں۔[۲]

مصنفین انسائیکلوپیڈیا آف اسلام معین کا زمانہ بظاہر اس سے بھی زیادہ قدیم قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں۔

اس قدر قدیم کہ ۳۰۰۰ ق م میں قدیم بابل کے کتبات ایک شاہ معینوم (جس کا پورا نام معنوم وانوم ہے) کا ذکر کرتے ہیں، جو "معان" یا مشرقی عرب کا بادشاہ تھا، اس نظریہ کی نسبت سے بہت کچھ کہا جا سکتا ہے کہ معان عربی لفظ معین کا سومری تلفظ ہے، اور اسی صدی سے (جس کی تاریخ غیر معلوم ہے) جنوبی عربی حکومت معین یا معینان کی بنیاد پڑی، جس نے شاید اپنی ابتدا میں تمام جنوبی عرب کو جس میں قتاب اور حضرموت داخل ہے، اپنے آغوش میں لے لیا تھا، اور جس میں ایک اور صوبہ ملوخ یا ملوخا بھی شامل تھا جس کی نسبت بیان یہ ہے کہ وہ غالباً عرب وسطی اور عرب شمالی و مغربی کا نام تھا۔[۳]

---

[۱] Huart - Tome. 1. P45 [۲] مضمون عرب (تاریخ)

[۳] Brugsch. Vol. 1. P. 268

ان معلومات پر دو واقعات کا اور اضافہ کرنا چاہیئے، ہائیکسوس عرب جب ۲۰۰۰ ق م میں مصر پر قابض تھے، تو ان حکمران قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام اہل مصر معین بتاتے ہیں، جو "معین" کی نہایت صاف شکل ہے، نیز معین و اشور کے کتباب، باہم واقعات کا تعلق ظاہر کرتے ہیں، اشور کے کتبات میں جن کا زمانہ ۱۹۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک ہے، معین کا ذکر موجود ہے[۱] ان وجوہ سے جیسا کہ فرنچ مورخ عرب ہوارت (Huart) کہتا ہے "ہم زیادہ نیچے بھی نہیں اتر سکتے"[۲]

حکومت معین کی تعیین زمانہ کے وقت ایک اور واقعہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے، یمن کی ایک اور عظیم الشان حکومت کا نام سبا ہے، سبا کا زمانہ بلاشک وشبہ ۸۰۰ یا ۹۰۰ ق م سے شروع ہے، اور وہ حکومت آخر عہد تک حمیر کے نام قائم رہی، اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ معین کا پورا زمانہ یا کم از کم عروج کا زمانہ ۸۰۰ یا ۹۰۰ ق م سے قبل ہونا چاہیئے، تاکہ معین کا زوال و عہد آخر سبا کی ابتدا و عہد اول ہو، بعض اشخاص دونوں کو معاصر فرض کرتے ہیں، لیکن یہ قابل غور امر ہے کہ اس مختصر خطۂ ارض یعنی یمن میں دو عظیم الشان سلطنتیں ایک ساتھ کیوں کر قائم رہ سکتی ہیں۔

بہرحال اس عقدہ کے حل کرنے میں ہم انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون نگار "عرب" مشہور جرمن فاضل ہومل (Hommal) کے ساتھ ہیں جس نے بدلائل متعددہ یہ ثابت کیا ہے کہ معین کا تمام زمانہ یا کم از کم زمانۂ عروج سبا سے پیشتر تھا۔

> مولر (وائنا) (Muller of Viena) کی رائے ہے کہ سبا اور معین معاصر تھے اڈورڈ گلازر (Glaser) کی مشہور رائے ہے جس کی تقلید و تائید ونکلر Hlerwinc اور راقم سطور (ہومل) نے کی ہے کہ معین کی حکومت کا زمانہ سبا کی حکومت سے اقدام ہے اور نیز اسبا کے کاہن بادشاہوں (مکارب) سے پہلے ہے، اس تھیوری کی بنا پر طبعاً معین کے لئے ایک قدیم زمانہ کم از کم ۱۲۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک مفروض کرنا چاہیئے۔

حال میں سبا و معین کی ہمعصری کی تائید بعض علماء نے مثلاً ماہر عربیات مارٹن ہارٹمن (Hart manin) اور مورخ اڈورڈ ماٹر (E. Merer) کی ہے، لیکن پھر بھی ہارٹمن یہ قبول کرتا ہے، کہ معین کا زمانۂ زرین یقیناً سبا سے مقدم تھا۔

موئدین معاصرت کا سارا زور اس پر ہے کہ کتبہ معین (گلازر، نمبر ۱۱۵۵، ہالوے نمبر ۵۳۵) میں ذکر ہے کہ معین کے بخورات کی تجارت مصر، عشور اور عبر نہرین کے ساتھ تھی، اور نیز اس میں ایک

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ "عرب"، [۲] VOL I. P 450

جنگ کا ذکر ہے، جو "مذی" نام ایک قوم اور مصر میں ہوئی تھی، مذی کو یہ میدی یعنی میڈیا (فارس) سمجھتے ہیں، جن کی لڑائی مصر کے ساتھ ۵۲۵ ق م میں ہوئی تھی۔

ہومل جواب دیتا ہے کہ "مذی" سے اہل مدین، یا منتی، کیوں نہ سمجھا جائے جو بادیہ نشینانِ سینا کا نام تھا، اور سب سے عجیب بات اس کتبہ میں ہماری تائید میں یہ ہے کہ کتبہ میں عشور (اشور یعنی اسیریا) اور عبر نہرین (ما بین النہرین یعنی الجزیرہ) کا ذکر ہے عشور سے اسیریا مراد ہوگا، جس کا توراۃ میں اشور املا ہے از روئے تاریخ اسیریا کا زوال ۷۰۰ ق م میں ہوچکا تھا، اس بنا پر یقیناً معین کا زمانہ اسیریا سے یعنی ۸۰۰ یا ۹۰۰ ق م سے بہت پہلے فرض کرنا چاہئے۔ اس بنا پر معین کا تمام زمانہ سبا سے اقدم ہوگا، یا کم از کم یہ کہ معین کا آخری زمانہ سبا کے ابتدائی زمانہ کے معاصر ہے[1]

یہ منازعات و مباحث معین کے ابتدائی زمانہ وجود یا زمانہ عروج کے متعلق ہیں، معین کا آخری زمانہ یونانی شہادتوں کی بنا پر سو برس ق م تک قائم تھے اس کے بعد پہلی صدی مسیحی میں بھی معین کے متعلق ایک دو حروف ملتے ہیں، لیکن زیادہ تر سبا کی عظمت سے یہ روایات پر ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معین اس وقت گم نام ہوچکے تھے۔

معین اور یونانی مورخین یونانی مورخین نے اپنی تصنیفات سے نہ صرف اپنی قوم کو زندہ رکھا بلکہ اپنے زمانہ کی تمام قوموں کو بھی انھوں نے زندہ رکھا ہے۔

یونانیوں اور عربوں میں صرف تاجرانہ تعلقات تھے، مصر چوتھی صدی ق م سے یونانیوں کے قبضہ میں تھا، اسکندریہ اس وقت تجارت کا مرکز تھا، اس زمانہ میں معدنیات اور لوبان وغیرہ خوشبودار چیزوں کی تجارت خاص عرب تاجروں کی ملکیت تھی، اور اراٹسٹھینیس (Eratosthenes) جس کی تاریخ وفات ۱۹۶ق م ہے، وہ قبائل یمن کے ذکر میں لکھتا ہے[2]

ملک عرب کے انتہائے اختتام پر سمندر کے کنارے اہل معین (Minaians) رہتے ہیں جن کا خاص شہر قرن (Harna) ہے ان کے بعد سبا آتے ہیں، جن کا پایۂ تخت مارب ہے آگے بڑھ کر بجانب مغرب خلیج عرب کے گوشہ پر اہلِ قتاب آباد ہیں جن کے بادشاہ تمنع میں رہتے ہیں، آخر انتہائے مشرق میں اہل حضرموت ہیں جن کا شہر سباتا ہے، ان چاروں ممالک میں سے ہر ایک کی وسعت مصر زیریں سے زیادہ ہے۔

ان ممالک میں ایام گرما میں بارش ہوتی ہے اور ندیاں بہتی ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ا ص ۳۷۹ [2] ڈنکر کی تاریخ قدیم ج ا ص ۳۱۰، ۳۱۱۔

گم ہوجاتی ہیں، اسی لئے زمین اس قدر زرخیز ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبارہ ہوتی ہے،
حضرموت سے ملک سبا تک ۴۰ روز کا راستہ ہے سوداگر "معین" سے عیلانہ (عقبہ) تک ۷۰ دن میں جاتے ہیں حضرموت، قتاب، سبا اور معین کے شہر دولتمند اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہے۔

اس بیان سے جو مسیح سے ۲۰۰ برس قبل کی شہادت ہے، یہ ظاہر ہے کہ اس وقت یمن میں چار آباد قطعات تھے جن میں سے ایک معین تھا، اس کی وسعت مصر زیریں سے کم نہ تھی، زمین نہایت زرخیز سر سبز تھی، مملکت معین کا خاص شہر قرن تھا، موقع وقوع کے لحاظ سے یونانی مورخ کا بیان ہے کہ یمن کے مشرق میں حضرموت، مغرب میں بجانب بحر عرب قتاب اور وسط میں معین اور سبا، معین اور خلیج عقبہ کے درمیان جو یمن سے شام و مصر کا راستہ تھا، ۷۰ دن کی مسافت تھی۔

معین تجارت پیشہ قوم تھی، زیادہ تر خوشبودار لکڑی اور بخورات کی تجارت کرتی تھی، ایک قدیم جغرافیہ نویس لکھتا ہے۔

یہاں سے بطرا اور فلسطین تک سڑک جاتی ہے، جہاں اہل قریہ اور اہل معین اور آس پاس کے تمام عرب بالائی ملک سے خوشبودار چیزوں کے بستے اور بخورات لاتے ہیں[۱]

پلینی کے بیان کے مطابق اُن کی زمین کی خاص پیداوار چھوہارے اور انگور تھے، لیکن اُن کی دولت کا اصلی سرچشمہ جانوروں کی تجارت تھی[۲]

پلینی کا سال وفات ۷۹ء ق م ہے، اس وقت تک معین گو زندہ تھے، لیکن سبا کے مقابلہ میں گم نام ہو چکے تھے۔ جیسا کہ پلینی کا یہ فقرہ ظاہر کرتا ہے۔

سبا تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ مشہور ہیں، ... وہ سمندر کے اس ساحل سے اُس ساحل تک کے مالک ہیں، حضرموت اُن کے ملک کا ایک ٹکڑا ہے ... حضرموت کے پیچھے اندرونی حصہ میں معین واقع ہے[۳]

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں معین سبا کے مقابلہ میں گم نام ہو چکے تھے اور اس وقت سبا سمندر کے اس گوشہ سے اُس گوشہ تک یعنی خلیج فارس سے بحر احمر تک کے تنہا مالک تھے، گو شہر معین کا وجود دوسری صدی ہجری اور آٹھویں صدی عیسوی تک باقی تھا[۴] پلینی نے ایک مزہ کی بات یہ لکھی ہے، کہ "معین" اپنا نسب "مینوس" شاہ کریٹ تک پہنچاتے ہیں[۵]، یہ

[۱] Gold minees of Midian. p. 179 [۲] فارسٹر ج ۲ ص ۲۲۴-۲۲۶ [۳] ڈنکر کی تاریخ قدیم جلد ۱ ص ۳۱۲-۳۱۳ [۴] معجم البلدان یاقوت ج ۲ ص ۹۸ مصر [۵] فارسٹر جلد ۲ ص ۷۵

دعویٰ شاید یونانیوں کا طبع زاد ہو، تاہم اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ معین کا سلسلۂ تجارت یونان کی سرحد تک پہنچ چکا تھا۔

معین کا دائرہ حکومت | معین کا دائرہ حکومت کس قدر وسیع تھا، اس سوال کا جواب آسان نہیں، تاہم کوشش کی جاتی ہے کہ اس کی تحدید ہوسکے عرب و یونان کی روایت اور علم الآثار کی تائید کی بنا پر معین، حضرموت اور سبا (صنعاء) کے وسط میں واقع تھا جس کو آثار نے جنوبی جوف کی حدود میں محدود کیا ہے عربوں کے بیانات بھی معین کے لئے اسی مقام کی تعیین کرتے ہیں ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

وتحمی الجوف "مادامت معین" باسقلہ مقابلۃ عرادا

معین کے خاص دارالحکومت کا نام یونانیوں نے قرن لکھا ہے، آثار میں بھی قرن ہوا پایا گیا ہے، آثار سے قرن کے علاوہ اور بھی بہت سی آبادیوں کے نام معلوم ہوئے ہیں، جو معین کے حدود میں واقع تھے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، یثیل، نشق، نشان، حریم اور کمنہ[۲]، براقش کا نام اوپر آچکا ہے۔

معین کے کھنڈر اب تک باقی ہیں، اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کے تمام قلعے اور شہر ایک دائرہ کی صورت میں واقع تھے، معین خود سبا کے قلب میں اس شاہراہ کے دست راست پر جو مآرب کے شمالی جانب ہے، واقع تھا، روایات عرب میں معین کے ساتھ ساتھ براقش کا ذکر ہوتا ہے براقش کا محل وقوع معین کی مغربی وجنوبی جانب اور موجودہ صنعاء کے قریب جو کوہستانی سلسلہ ہے اس کی مغربی جانب تھا، براقش کا قدیم نام یثیل تھا، اہل معین کا تیسرا قلعہ یا شہر جو شاید یونانیوں کا بیان کردہ قرن یا قرنا ہو، شمالی جوف کے وسط میں معین و براقش کے شمال میں[۳] تھا۔

یمن کے علاوہ معین کے آثار و خط و زبان کے نمونے شمالی عرب میں العلاء میں بھی ملتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ معین کی کوئی نو آبادی یہاں بھی قائم تھی[۴] غالبًا اس نو آبادی کی غرض یہ ہوگی کہ معین ان تجارتی راستوں کی حفاظت کرے، جو سواحل بحر احمر پر عقبہ (عیلانہ) ہو کر شام و فلسطین اور اسکندریہ کو جاتے ہیں۔

معین کے اُن شمالی آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف تجارتی حکومت نہ تھی، بلکہ جنگ و فتح میں حصہ لیتی تھی، شمالی معین کا ایک گورنر اپنے آقا کی جنگ سے بخیریت واپسی پر ایک یادگاری

---

[۱] برٹانیکا مضمون عرب۔ [۲] Huart Tome. 1. p. 45 [۳] برٹانیکا مضمون عرب۔ [۴] سموال لے انگ، فصل عرب۔

لوح پر لکھتا ہے۔

استار (دیوتا) کے شکرانہ میں اس کی حفاظت پر فرمانروائے جنوب اور فرمانروائے شمال کی باہمی جنگ میں اور مدی اور مصری لڑائی میں اور اُن کے بخیریت اپنے خاص شہر قرن واپس پہنچ جاتے ہیں۔

اس کتبہ کا نوسیدہ اپنے کو ابی یدع تبع شاہ معین کا ماتحت ظاہر کرتا ہے اور اپنا لقب "تسار اشور" اور بالائی ساحل بحر کا حاکم بتاتا ہے "تسار" کا ذکر مصری کتبات میں بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری وعربی سرحد پر جہاں اب سوئز ہے۔ تسار کوئی سرحدی قلعہ تھا معین کے ایک دوسرے شمالی کتبہ میں حکام معین شہر غزہ کا حاکم ہونا بھی اپنے کو بیان کرتے ہیں[1] شہر غزہ شام وفلسطین کے پاس اب تک موجود ہے، ان بیانات سے معلوم ہوگا کہ معین کی حکومت یمن سے شروع ہوکر شام ومصر اور اشور (اسیریا) تک ممتد تھی۔

معین کے شمالی آثار میں مصران نام ایک آبادی کا نام بھی منقوش ہے، یہ آبادی غالباً مدین کے پاس تھی مصران، عبری کے مصرائم اور عربی کے مصر سے بہت متشابہ ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ مصر کی طرح یہاں کا حاکم بھی اپنا لقب فرعون رکھتا تھا، اس بنا پر جرمن علماء میں عموماً یہ نظریہ قبول ہوتا جاتا ہے کہ توراۃ میں جہاں جہاں مصرائم (مصر) کا ذکر ہے اس سے مراد یہی شہر مصران ہے لیکن یہ تھیوری اب بہت سے اعتراضات کا مورد ہے[2]

ہم نے آغاز فصل میں لکھا ہے کہ ۸۰۰ ق م میں بنی اسرائیل نے "معین" کا ذکر کیا ہے اس زمانہ میں بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا، عزیاہ اس زمانہ میں عربوں سے لڑا تھا، اس لڑائی کا نتیجہ تیم میں اس طرح مذکور ہے۔

اور خدا نے اس کو مدد دی کہ اہل فلسطین پر اور اُن عربوں پر جو جوز بعل میں رہتے تھے۔ اور معینوں پر اس کو غالب کیا۔ (تاریخ دوم ۲۶-۷)

یہ جنگ معین کے شمالی مقبوضات میں جو فلسطین سے متصل تھے، واقع ہوئی ہوگی، اس شہادت سے جو ۸۰۰ برس ق م کی ہے، چند نتائج مستند ہوتے ہیں اولاً یہ کہ جیسا کہ آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ معین کی نوآبادی شمالی عرب میں بھی تھی، اس واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ثانیاً یہ کہ ۸۰۰ برس ق م معین کی ابتدائی قوت کا زمانہ نہیں ہے جیسا کہ فرنچ علمائے آثار نے قرار دیا ہے بلکہ ابتدائے ضعف کا زمانہ ہے، جیسا کہ جرمن علماء کی رائے ہے، اس کی ترقی کا زمانہ اس کے زمانہ شکست سے بہت اوپر فرض کرنا چاہئے ثالثاً یہ کہ معین اصل میں ایک فاتح قوم تھی، اگر ۲۰۰ ق م سے ۲۰۰ تک یونان کے جغرافیہ نویسوں نے اس کا ذکر صرف ایک تاجر قوم کی حیثیت سے کیا ہے، تو وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی سیاسی عظمت اس سے بہت پہلے مفقود ہو چکی تھی، اور اس زمانہ میں وہ صرف ایک تجارت پیشہ قوم ہو کر رہ گئی تھی۔

---

[1] بیانات بالا کے لئے دیکھو Huart tome. 1. p. 46 [2] Hamanarigens. p. 37

شاہانِ معین | خاندانِ معین میں کتنے بادشاہ گذرے اور ان کے کیا نام تھے؟ اس کا جواب نہ خود روایت عرب میں ہے اور نہ مورخین یونان کے بیانات میں اُس کے لئے دنیا کو صرف علمائے آثار کا ممنون ہونا چاہئے، انھوں نے معین کے تقریبًا ۲۵ بادشاہوں کے نام دریافت کئے ہیں، جن میں سے ۲۰ باہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں، ناموں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

۱- ایل صادق	ابی یدع یاثع	دقہ ایل صادق
دقہ ایل یاثع	وقہ ایل ریام	ابی کریب یاثع
ابی یفع یاشر	حُفنم صادق	عمی یدع نابط
حُفنم ریام	ابی یفع یاتوش	۴- ابی یفع ریام
۲- ابی یفع یاثع	۳- ابی یفع وقہ	ہوفاعثت
ابی یدع	۶- یثع ایل ریام	۷- ابی یدع
خالی کریب	تبع کریب	حُفنم
حفن یاثع		

یہ کل ۲۳ نام ہیں جو عمارات اور مقبروں کے کتبوں سے جمع کئے گئے ہیں[1]، یہ تعداد زمانۂ حکومت کے لحاظ سے بہت کم ہے، اور ظاہر ہے کہ متعدد نام ایسے ہوں گے جن کے نام کے کتبے ہم کو نہیں ملے، اور بہت سے ایسے ہوں گے جن کے نام کے کتبے سرے سے نہ ہوں گے، اس لئے زمانۂ حکومت کی وسعت کے مطابق کم از کم دس بارہ نام اور فرض کئے جا سکتے ہیں، کل ۳۵ نام ہوتے ہیں، اصفہانی نے ۲۶ تبابعۂ یمن کی مدتِ حکومت ایک ہزار برس لکھی ہے، لیکن یہ مدت ۲۶ بادشاہوں کے زمانۂ حکومت کے لئے بہت زیادہ ہے کیوں کہ زیادہ سے زیادہ ہر ایک کا زمانہ ۲۰ برس سے زیادہ مفروض نہیں ہو سکتا، اگر ایک طرف ان میں بہت سے ۵۰ برس کے ہوں گے تو دوسری طرف بہت سے ۱۰ برس کے ہوں گے، اس لئے زیادہ سے زیادہ اوسط ۲۰ برس ہم فرض کرتے ہیں۔

اس فرض کی بنا پر ۳۵ بادشاہوں کے لئے ۷۰۰ برس کا زمانہ ہونا چاہئے، یہ زمانہ اگر ۱۷۰۰ ق م سے شمار کیا جائے جو یمن میں عاد کی خاتمۂ حکومت کا زمانہ ہے تو ۱۰۰۰ ق م پر آکر یہ ۷۰۰ کی مدت ختم ہوتی ہے اور یہ ٹھیک وہ زمانہ ہے جب توراۃ کے رو سے (قصۂ سلیمان و سبا) قوم سبا کی ابتدا ہو رہی ہے۔
گلازر (Glaser) اور ہومل (Hommel) جو جرمنی کے محققین علمائے آثار ہیں،

[1] ان ناموں کی فہرست کے لئے دیکھو Huart Tome 1. P. 56

وہ معین کا عہدِ حکومت ۱۵۰۰ق م سے ۹۰۰ ق م تک متعین کرتے ہیں جس کے بعد اُن کا بیان ہے کہ سبا نے شمال عرب سے اگر معین کو فتح کر لیا۔[1] ہم نے معین کی ابتدا عاد کے خاتمہ سے لے کر (۷۰۰ ق م) سبا کی ابتدا تک (۱۰۰۰) جو قرار دی ہے، اس سے بغیر کسی تکلیف کے یمن کی ایک مسلسل تاریخ قائم ہو جاتی ہے، اور یہ فرض محققینِ آثار سے زیادہ دور بھی نہیں واقع ہوتا، معین کی زبان، خط اور دیوتا کے نام سبا سے مختلف ہیں، اور کسی قدر بابل سے مشابہ ہیں، اس نتیجہ سے معین کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے کہ وہ عرب سامیۂ اوّل کے بقایائے یادگار تھے۔

۶۔ بنی لحیان

منجملہ عرب بائدہ کے رواۃِ عرب بنی لحیان نام ایک قبیلہ کا ذکر کرتے ہیں، بنی لحیان کی نسبت وہ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ یہ جرہم کی ایک شاخ تھی، ابن خلدون نے بھی اسی قدر لکھا ہے۔[2]

آج کل شمالی عرب کے شہر العلا میں چند کتبات سبائی اور نبطی کتبوں کے پہلو بہ پہلو ملے ہیں جن سے نہ صرف "بنو لحیان" کا وجود ثابت ہوتا ہے، بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمالی عرب میں حدود شام میں اور خصوصاً العلا کے اطراف میں آباد تھے، خط لحیانی جنوبی عرب کے خط معینی کے مشابہ ہے بلکہ ان ہی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔[3]

علمائے آثار بنو لحیان کی سیاسی قوت کا زمانہ شمالی عرب میں معین و سبا کے انحطاط (۳۰۰ ق م) اور انباط کے ارتقاء (۳۰۰ ق م) کے درمیان میں قرار دیتے ہیں، لحیانی کتبات کے مضامین کچھ زیادہ واضح طور سے پڑھے نہیں جا سکے ہیں، لیکن اس خیال کی ہر طرح تائید ہوتی ہے کہ فارس و مصر کے فاتحانہ تعلقات کے عہد (۵۰۰ ق م) کے ہیں، اسی بنا پر اس زمانہ میں ہیروڈوٹس (۴۳۰ ق م) نے فارس و مصر کے تعلق سے جن عربوں کا ذکر کیا ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بھی "بنی لحیان" ہیں۔[4]

بنی لحیان کا مسکن حکومت فارس و مصر کے درمیان واقع تھا، ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ یہ عرب ہر سال ہزاروں وزن (؟) بخورات شاہ فارس کو نذر دیتے ہیں لیکن یہ نذر غلامی و عبودیت کی قیمت نہ تھی، بلکہ دوستانہ ہدیہ تھا، کیوں کہ مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "ان عربوں کو اب تک کوئی مفتوح نہ کر سکا"۔

۵۲۵ ق م میں قمبیز شاہ فارس نے جب مصر پر حملہ کرنا چاہا تو صحرائے سینا کے بے آب و

---

[1] برٹانیکا مضمون عرب یازدہم [2] تاریخ ابن خلدون جلد ۲۔ مصر۔ [3] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اص ۳۹۲-۳۳ [4] ایضاً جلد اص ۳۷۹۔

دشوار گزار میدان بغیر ان عربوں کی اعانت کے قطع کرنا محال تھا، شاہ فارس نے ان عربوں کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ وہ ان کی مدد کریں اور اس ریگستان میں اس کی فوج کے لئے پانی کا انتظام کریں، شاہ عرب نے امداد کا وعدہ کیا اور پتھر سے انگلی پر مار کر خون نکالا جو مستحکم وعدہ کی عربوں میں نشانی تھی، اونٹوں کی کھالوں میں پانی بھر کر اس ریگستان کو چشمۂ پُر آب بنا دیا[۱]

پلینی نے پہلی صدی عیسوی میں خلیج ایلانہ (عقبہ) کے پاس لیانیین نام ایک قوم کا ذکر کیا ہے[۲]، بعض لوگ اس کو لحیانیین سمجھتے ہیں[۳]

لیکن ہماری رائے میں وہ ایلانیین ہے، اور اس کی شہادت یہ ہے کہ اس خلیج کا نام "ایلہ" اور "ایلانہ"، نہایت قدیم ہے، اور اس نام سے یہود کے صحیفوں اور یونان کے جغرافیوں میں اس کا ذکر ہے، حالانکہ اس کے بعد اور اس کے پہلے بنو لحیان کا وجود بھی نہ تھا۔

بنو لحیان عرب کے ایک اور قبیلہ کا بھی نام ہے جو اسماعیلی قبائل کی شاخ، ہذیل ابن کنانہ کی فرع ہے یہ ظہورِ اسلام میں نجد کے قریب آباد تھی، مسلمانوں کو اس کے ساتھ ایک غزوہ بھی پیش آیا تھا۔

---

[۱] ہیروڈوٹس باب ۳ فقرہ ۸۔ [۲] Goldmines. p.

[۳] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۳۷۹۔

مجہول قبائلِ سامیہ

ان قبائلِ مذکورہ کے علاوہ اور بہت سے قدیم قبائل بائدہ کے نام منقول ہیں، لیکن نام کے سوا اور کچھ نہیں معلوم، مثلاً عبل، عبس اولی، امیم، ارقم، وبار وغیرہم، جاہلی شاعر نابغہ جو اسلام سے کچھ پہلے گذرا ہے ایک قصیدہ میں عرب کے قبائلِ بائدہ کا بہ تفصیل ذکر کرتا ہے[1]

الم تروا ارما و لا عادا	افناهم الليل والنهار
وانقرضت بعدهم	ثمود بما جنى فيهم قدار
وخاسم بعدهم وسطم	قد اوحشت منهم الديار
وحل بالحي من جديس	يوم من الشر مستطار
ومر دهر على صحار	فهلكت جهرة صحار
ومتعت بعدهم وبار	ولا صحار ولا ديار
باد و او خلوا سوم دار	فاستوطنت بعدهم نزار
لان لهم سود وحلم	ونجدة شانها وقار
احنت عليهم صروف دهر	له على اهله عثار

[1] حمزہ اصفہانی، کلکتہ ص ۱۱۱

طبقۂ ثانیہ

بنو قحطان

(۲۵۰۰ سنہ ق م)

قحطان قبائلِ یمن کا جد اعلیٰ تھا، عبرانی توراۃ میں قحطان کے بجائے یقطان مذکور ہے (تکوین ۱۰ - ۲۶) توراۃ کے یونانی تراجم میں "یا" کو "جیم" سے بدل کر جقطان استعمال کیا گیا ہے، قحطان، یقطان اور جقطان تینوں ایک ہی نام کے مختلف تلفظ ہیں، یہ نظریہ گو پہلے علمائے نصرانیت میں مسلّم نہ تھا لیکن اب یہ عام طور سے قبول کیا جارہا ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا میں جو زمانہ حال کی مستحکم ترین سند ہے، اس اتحاد کو تسلیم کیا گیا ہے[۱] ریورنڈ فارسٹر جنھوں نے انیسویں صدی کے وسط میں عرب کا جغرافیۂ تاریخی لکھا ہے، وہ اس اتحاد کے لئے نہایت بیقرار ہیں[۲]، کہ توراۃ کے یقطان کی تاریخی شخصیت کی تصدیق عرب کے قحطان کے سوا کسی اور صورت میں نظر نہیں آتی، انہی اسباب سے ہم دیکھتے ہیں کہ توراۃ کے مشرقی تراجم میں یقطان کی بجائے اب عام طور سے قحطان لکھا جاتا ہے۔

قحطان و یقطان کے اتحاد مسمیٰ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ توراۃ میں جن اولادوں کا ذکر ہے، اصول تطابقِ اسمار کی بنا پر ان کا مسکن یمن ثابت ہوتا ہے جس کی تفصیل یہیں آگے آتی ہے، توراۃ نے ان کی جاے سکونت "مسا سے صفا یورپ کے پہاڑ تک" بتائی ہے، (تکوین ۱۰ - ۳۱) مسا اور صفا دونوں مقام مجہول ہیں، صفا سے اب عموماً ظفار واقع یمن مراد لیا جاتا ہے مسا سے اگر حجاز مراد لیا جائے[۳] (کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام مسا تھا) تو مطلب یہ ہوگا کہ حجاز سے یمن تک بنو قحطان آباد تھے، اور یہ بیان عربوں کی روایت کے بالکل مطابق ہے۔

توراۃ میں ہے کہ قحطان کے تیرہ بیٹے تھے الموداد، شلف، بدوورام، اوزال، دقلاہ عوبال، ابی مال، اوخیر، حویلہ، یوباب، یارح، حضار، موت، شبا (تکوین ۱۰ - ۳۰)

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲ ص ۲۸۴ [۲] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱ فصل ۲

[۳] اسی کتاب میں جغرافیہ عرب حسب بیان توراۃ دیکھو۔

عرب رواۃ یارح، حضارموت اور شبا کے سوا کسی اور سے واقف نہیں، لیکن یورپ کی مذہبی جماعت نہایت اہتمام و کوشش سے ان میں سے ہر ایک کا وطن و مسکن عرب کے ایک ایک گوشہ میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکال رہی ہے، اُن کی تحقیقات کا نتیجہ حسبِ ذیل ہے گو اُن کی صحت قطعی نہیں۔

الموداد

الموداد اور اس کی اولاد نے مشرقی عرب کے سواحل بحرِ فارس پر اقامت کی، کیونکہ بطلیموس نے الومائیٹو (Allumaeotn) نام ایک عرب قبیلہ کو جو الموداد کے نام سے مطابق ہے اُنہیں جگہ دی ہے۔

شلف

بنو شلف، حجاز میں مدینہ اور کوہ ذامس کے مابین آباد تھے بطلیموس نے سلفنی نام یہاں ایک قوم کا ذکر کیا ہے جو عبرانی نام کی یونانی شکل ہے۔

ہدورام

ہدورام کی اولاد نے بھی یہی سمت اختیار کی، ہدرمہ (Hadrama) نام ایک آبادی ابوالفدا نے ذکر کیا ہے (اصل نام حضرمہ ہے، ان ناواقفوں کو D کے تلفظ نے دھوکا دیا ہے، جو یورپین زبانوں میں عربی کے "د" اور "ص" دونوں کا کام دیتا ہے، جغرافیۂ ابو الفداء کے یورپین ترجمہ میں حضرمہ کو ——— (Hadrama) لکھا ہوگا۔

اوزال

وسط یمن میں اس مقام پر آباد ہوئے جہاں اب صنعاء آباد ہے، ان ہی کے نام سے یمن میں "اوزال" ایک مشہور شہر تھا، یہ شہر حضرت مسیح سے چھ سات سو برس پہلے تجارت کی ایک بڑی منڈی تھی، یہاں سے فولاد، تیز بات اور مسالہ لایا کرتے تھے (حزقیال ۲۷ - ۱۹) یہود اب تک موجودہ شہر صنعاء کو جو قدیم اوزال کی جگہ چھٹی صدی عیسوی میں آباد ہوا ہے، اوزال ہی کہتے ہیں۔

دقلاہ

یمن میں ایک مقام کا نام "دار الخلاعہ" ہے شاید وہ عبری دقلا کی عربی شکل ہو۔

عوبال

عرب میں اس خاندان کا نشان نہیں ملتا، شاید کہ وہ افریقہ (ایتھوپیا) چلا گیا ہو۔

ابی مائل

بعض اشخاص کے بیان کردہ آثار کے مطابق مسکن بنی ساکف اور حجاز کے مابین اس کی اقامت ظاہر ہوتی ہے۔

اوفر

بنو اوفر یمن کے سواحل پر جاگزین ہوئے۔ ان ہی کے نام سے اس مقام کو اوفر کہتے تھے، یہ یمن کا قدیم بندرگاہ تھا حضرت سلیمانؑ کے جہاز یہاں آ کر لنگر انداز ہوا کرتے تھے اور اُن کے لیے یہاں سے سونا لاد کر لے جایا کرتے تھے (سلاطین ۹-۲۸) اوفر کے سونے کا تمام اسفار یہود میں بکثرت ذکر ہے[1]

حویلہ

اس کی اولاد یمن میں شمال کی جانب آباد ہوئی جہاں اُن کے نام سے شہر حویلہ آباد ہے۔

یوباب

یوباب کو یونانی میں جواب کہیں گے، یمن کے جنوب میں جو بارٹی (
کو بطلیموس نے جگہ دی ہے، شاید یہ وہی ہو۔[2]

یارح، حضرموت اور سبا کے متعلق کسی قدر زیادہ حالات ہم کو لکھنے ہیں اس لئے ان کے لئے مستقل عنوانوں کی ضرورت ہے۔

---

[1] ایام دوم ۸-۱۸ و ۹-۱۰ و ۱۰-۱۱ - ایام اوّل ۲۹-۴ - سفر ایوب ۲۲-۲۴ و ۲۸-۱۶ - زبور ۴۵-۹ - اسعیا ۱۳-۱۲

[2] ان تمام بیانات کے لئے دیکھو فارسٹر ج ۱ فصل ۲-

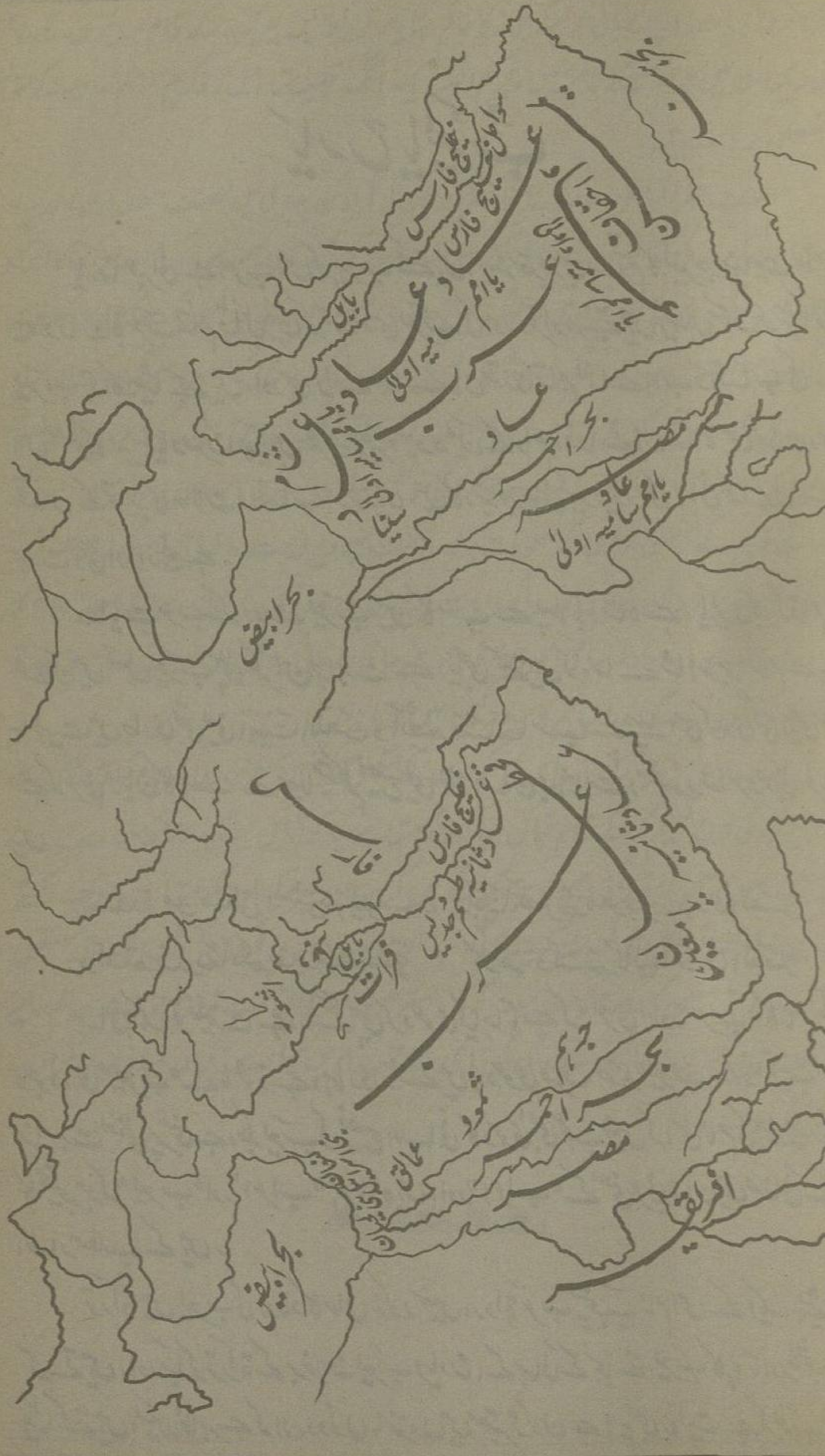

عاد بحالت اجتماع وقوم واحد

عاد بحالت انتشار وافتراق

یارح یا یعرب

یارح عبرانی ہے، عرب اس کو یعرب کہتے ہیں السنۂ قدیمہ میں اس قسم کا تغیر لہجہ نہایت عام ہے یہودی رواۃِ عرب تمام قبائل یمن کو تنہا اسی یعرب کی اولاد قرار دیتے ہیں، یہاں تک کہ سبا کو بھی یعرب ہی کا بیٹا سمجھتے ہیں، اور یہی رائے ہمارے ہاں متفقاً تمام علمائے ادب و انساب کی ہے اس غلطی کا سرِ بنیاد صرف عبید بن شریہ وغیرہ یہود یمن کے عام افسانے ہیں، توراۃ میں قحطان و اولاد قحطان کے تحریری حالات و انساب موجود ہیں، جن کا رتبہ بہر حال یہودیوں کی زبانی کہانیوں سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

روایاتِ عرب کے رو سے یعرب، یمن کا سب سے پہلا بادشاہ ہے، یا یوں سمجھو کہ تمام بنو قحطان میں نسلِ یعرب پہلی حکمران جماعت ہے، یہ بھی کہتے ہیں کہ دعائے شاہانہ جو اسلام سے پہلے جاہلیت میں جاری تھی یعنی اَبَیْتَ اللَّعْنَ وَ اَنْعِمْ صَبَاحًا سب سے پہلے اسی کو دی گئی، یہ بھی مشہور ہے کہ عربی زبان کا سب سے پہلا متکلم فصیح یہی تھا حسان بن ثابت رضؓ (مشہور شاعر و صحابی) فرماتے ہیں۔

تعلمتم من منطق الشیخ یعرب ۔ اَبِیْنَا، فصرتم معربین ذوی نفر

وکنتم قدیما ما بکم غیر عجمۃ ۔ کلام، وکنتم کالبھائم فی الفقر

یہاں تک تو غنیمت ہے، آگے چل کر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ "عربی" اور "عرب" کا نام بلکہ وجود اسی "یعرب" سے ماخوذ ہے، ہماری رائے میں یہ دعویٰ صرف لفظ "یعرب" اور "عرب" کی مناسبت لفظی پر مبنی ہے، بلکہ یعرب کی فصیح اللسانی کا دعویٰ بھی عجب نہیں کہ اسی نام کی معنوی مناسبت کا نتیجہ ہو کہ "یعرب" اور "اعراب" ہم مادہ ہیں، اور "اعراب" کے معنی عربی زبان میں صفائی کے ساتھ اظہار مطلب کے ہیں۔

توراۃ میں یعرب کی اولاد کا حال مذکور نہیں، رواۃِ عرب یشجب نام اس کے ایک بیٹے کا ذکر کرتے ہیں، اور سبا کو توراۃ کے برخلاف یعرب (یارح) کے بھائی کے بجائے، یعرب کا پوتا اور یشجب کا بیٹا کہتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان دونوں ماخذوں میں معتبر تر کون ہے؟ یہ بھی روایت ہے کہ یعرب خود یمن

کا فرمانروا ہوا، اور اپنے بھائی جرہم کو حجاز کا حاکم بنایا، توراۃ میں یعرب کے تمام بھائیوں کے نام مذکور ہیں ان میں جرہم کسی کا نام نہیں، جرہم البتہ ایک الگ قبیلہ تھا جس کا ذکر ہم "امم سامیہ" کے عنوان میں مفصل کر آئے ہیں۔

مصنفِ جغرافیہ عرب ریورنڈ فارسٹر اور ان کی گمراہ کن پیروی میں مصنف "خطبات احمدیہ" نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یارح، یعرب اور جرہم ایک ہی نام ہے یارح اور یعرب کا اتحاد تو ظاہر ہے لیکن یارح اور جرہم میں باہم کیا تعلق ہے؟ یہ غلطی اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ یونانی تلفظ میں جس کی تمام السنہ یورپ میں تقلید ہے "ی" "ج" سے بدل کر "یرح" کا "جرح" ہو گیا ہے، اس بنا پر ایک یورپین کی نگاہ میں اگر "جرح" اور "جرہم" ایک نظر آتے تو تعجب نہیں، لیکن ایک عرب نژاد مسلمان کو کیوں کر دھوکا ہوا؟ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جرہم خاص سامی التلفظ نام ہے، یونانی نہیں، کیونکہ اسمائے قدیم کے متعلق عربوں کے معلومات براہِ راست یہودیوں سے ماخوذ ہیں جن کی زبان عبرانی و سریانی تھی، اور یا خود اُن کے عربی موروثی روایات ہیں، اور ان دونوں کے لحاظ سے "ی" اور "ج" کا مبادلہ غیر مسلّم ہے، یہ مبادلہ سامی (عبری و عربی) اور غیر سامی (یونانی ولاطینی) زبانوں کے مابین ہوتا ہے ورنہ خود سامی زبانوں کے اندر اس قسم کا مبادلہ کبھی نہیں ہوتا۔

یعرب اور نسل یعرب اور اس کی حکومت کے متعلق کچھ نہیں معلوم، روایاتِ عرب میں غلطی سے سبا کو یعرب کی فرع تسلیم کر کے تمام قبائلِ سبا اور حکومتہائے سبا کو قبائل یعرب اور حکومتہائے یعرب کہتے ہیں، لیکن ہم بحوالہ توراۃ ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ سبا اور یعرب اور حکومتہائے یعرب کہتے ہیں، لیکن ہم بحوالۂ توراۃ ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ سبا اور یعرب دونوں قحطان کی الگ الگ اور مستقل شاخیں ہیں، اہلِ معین کا دورِ حکومت جیسا کہ گذرا ستر ھویں صدی ق م سے شروع ہوتا ہے اور امم سامیہ اولیٰ (عاد وغیرہ) جو یمن پر قابض تھے، اُن کی تباہی ۱۸۰۰ء ق م میں ہوئی ہے تو کیا درمیانی زمانہ بنو یعرب کا فرض کیا جائے؟

حصارِ موت یا حضر موت

عبری زبان میں "ض" نہیں ہے، اس لئے حضرموت کا تلفظ اُس میں حضر موت یا حصار موت بزیادت الف ہے، حضرموت کی اولاد نے جس قطعہ عرب کو اپنا مسکن بنایا وہ حضرموت کے نام سے آج تک مشہور ہے، حضرموت، عرب کے انتہائی جنوب میں بحرِ عرب کے سواحل پر یمن کے مشرق میں واقع ہے۔

بنو حضرموت کی ایک مستقل حکومت تھی جس کا ذکر یونانیوں نے جا بجا کیا ہے، مسلمان مورخین بھی اس دورِ حکومت سے واقف تھے، علم الآثار نے بھی یہاں کے متعدد بادشاہوں کے نام دریافت کئے ہیں یونانی زبانوں میں باہم "ح" اور "A" اور "Ch" "ض" اور D اور T اور ی میں مبادلہ ہو جاتا ہے اس لئے حضرموت کا تلفظ یونانی میں مختلف طرق سے ہوا ہے سینٹ جیروم نے (Adramonth) پلینی نے Chatramotitae اور Chathramitae اور بطلیموس نے Atranitae Chatramotitae کیا ہے[1]

عرب مورخین نے حضرموت کی گو مفصل تاریخ کہیں بیان نہیں کی ہے، لیکن اتنا اُن کو معلوم تھا کہ سبا کی طرح اس خاندان میں بھی متعدد بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں، ان کا لقب عیاہل ہوتا تھا، مورخینِ عرب کا بیان ہے کان فیھم ملوک التبابعۃ فی علو الصیت و نباھۃ الذکر یعنی شاہانِ حضرموت، شہرت اور ناموری میں تبابعۂ یمن کے ہم درجہ تھے، ابن خلدون نے تاریخ میں بعض بادشاہوں کا ذکر کیا ہے، نشوان بن سعید حمیری نے بھی ان کا نام لیا ہے[2]

وعیاھل من حضرموت من بنی	اجماد ذی الاشباو آل صباح
والعزمن جدن وابنا مرة	وبنی شبیب والاولی بتاح
وبنی الھزیل وآل قھد منھم	من کل حش بالندی سرتاح

فرزندانِ حضرموت زیادہ تر لڑائیوں میں برباد ہو گئے اور جو بچے انھوں نے اپنے کو قبیلہ کندہ میں منضم کر دیا، ابن خلدون کی عبارت ہے۔

---

[1] فارسٹر اور بیوان [2] قصیدۂ حمیریہ قلمی کتب خانہ بانکی پور

قد ذهب اکثرهم واندرج باقیهم فی کندة وصاروا فی عدادهم[1]

اکثر لوگ فنا ہو گئے جو بچے وہ قبیلہ کندہ میں مختلط ہو گئے اور ان کا شمار ان ہی میں ہو گیا۔

بنی حضرموت چونکہ بحر عرب کے ساحل پر آباد تھے جو تقریباً جنوبی ہندوستان کے سامنے ہے، اس لئے ہندوستان کی بحری تجارت کے یہ عہد قدیم سے مالک تھے، ہندوستان کا تمام بیوپار اُن ہی کے توسط سے انجام پاتا تھا، جہاز رانی میں ان کو خاص دست گاہ حاصل تھی، اسلام کے بعد ان کی یہ قوت اور زیادہ نمایاں ہو کر چمکی، جزائر ہند، جاوہ، سماٹرہ اور تمام سواحلِ ہند میں اُن کی نو آبادیاں قائم ہیں، دکن کی فوجی طاقت میں حیدرآباد اور مرہٹوں کے زمانہ تک ان کا عنصر ایک جزو اہم تھا، ان سواحل جزائر میں اشاعتِ اسلام کی خدمت بھی اُن ہی حضرموتی عربوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہے۔

حضرموت اور توراۃ حضرموت اُن خوش نصیب عرب قبائل میں ہے جن کا نام توراۃ میں مذکور ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ خوش نصیبی نام کی حیثیت سے صرف ایک ہی بار نصیب ہوتی ہے، یعنی قحطان کے بیٹوں کے سلسلہ میں، لیکن حضرموت کے بندرگاہ قانہ یا قانع کا نام تجارت کی مناسبت سے مذکور ہے، حزقیال ۲۷-۲۲ میں ہے "قاران اور قانہ اور عدن، سبا کے تاجر اسیریا ..... تیرے بیوپاری تھے"۔ قانہ کا بندرگاہ کتبات میں بھی مذکور ہے۔

حضرموت اور یونان یونان نے بھی بحری تجارت اور ہندوستان بیوپار کے تعلق سے ان کا ذکر کیا ہے، اراٹوستھنیس (Eratosthenes) المتوفی ۱۹۶ق م بیان کرتا ہے کہ یمن کے آخر میں مشرق کی طرف حضرموت (Chatramitis) ہے، اس کے دار الحکومت کا نام سباتھا (Sabbatha) ہے، سباتھا کا اصلی تلفظ "شبوہ" ہے، جو اب تک حضرموت کی ایک مشہور آبادی ہے، یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے "حضرموت زیادہ تر بخورات پیدا کرتا ہے، لیکن ہر قسم کے میوے بھی وہاں وافر اور جانور بھی بکثرت ہوتے ہیں، حضرموت سے سبا کا ملک ۴۰ روز کی مسافت پر ہے.... حضرموت ...... اور شبا نہایت دولت مند شہر ہیں اور مذہبی اور شاہی عمارات سے آراستہ ہیں۔

پلینی (۷۹ء) کہتا ہے سبا کے ایک حصّہ کا نام حضرموت ہے جس کا خاص شہر سباتھا (شبوہ) ہے اس شہر میں ۶۰ ہیکل ہیں ...... یہاں سے بخورات جمع کر کے سباتھا لائے جاتے ہیں اُس وقت تک

[1] ابن خلدون ج ۲ ص

یہ خرید نہیں کئے جا سکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جا سکتا ہے، جب تک کاہن سبا تھا کے دیوتا کے لئے ایک عشر (دسواں حصہ) اُن سے نکال نہیں لیتا۔[1]

ایک یونانی مورخ لکھتا ہے کہ "حضرموت میں بادشاہ وراثۃً نہیں ہوتا، بلکہ شرفاے ملک کے گھر میں بادشاہ کے انتخاب کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے وہی ولی قرار پاتا ہے۔"

تھیوفراسٹینس (Theophrastus)، جو تاریخ طبعی کا مصنف ہے، بیان کرتا ہے، کہ لوبان وعود وغیرہ بخورات، سبا اور حضرموت کے عرب اضلاع میں پیدا ہوتے ہیں..... یہ تمام ملک سبا کے متعلق ہے[2]، تھیوفراسٹینس کا زمانہ ۳۱۲ سنہ ق م ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد قدیم

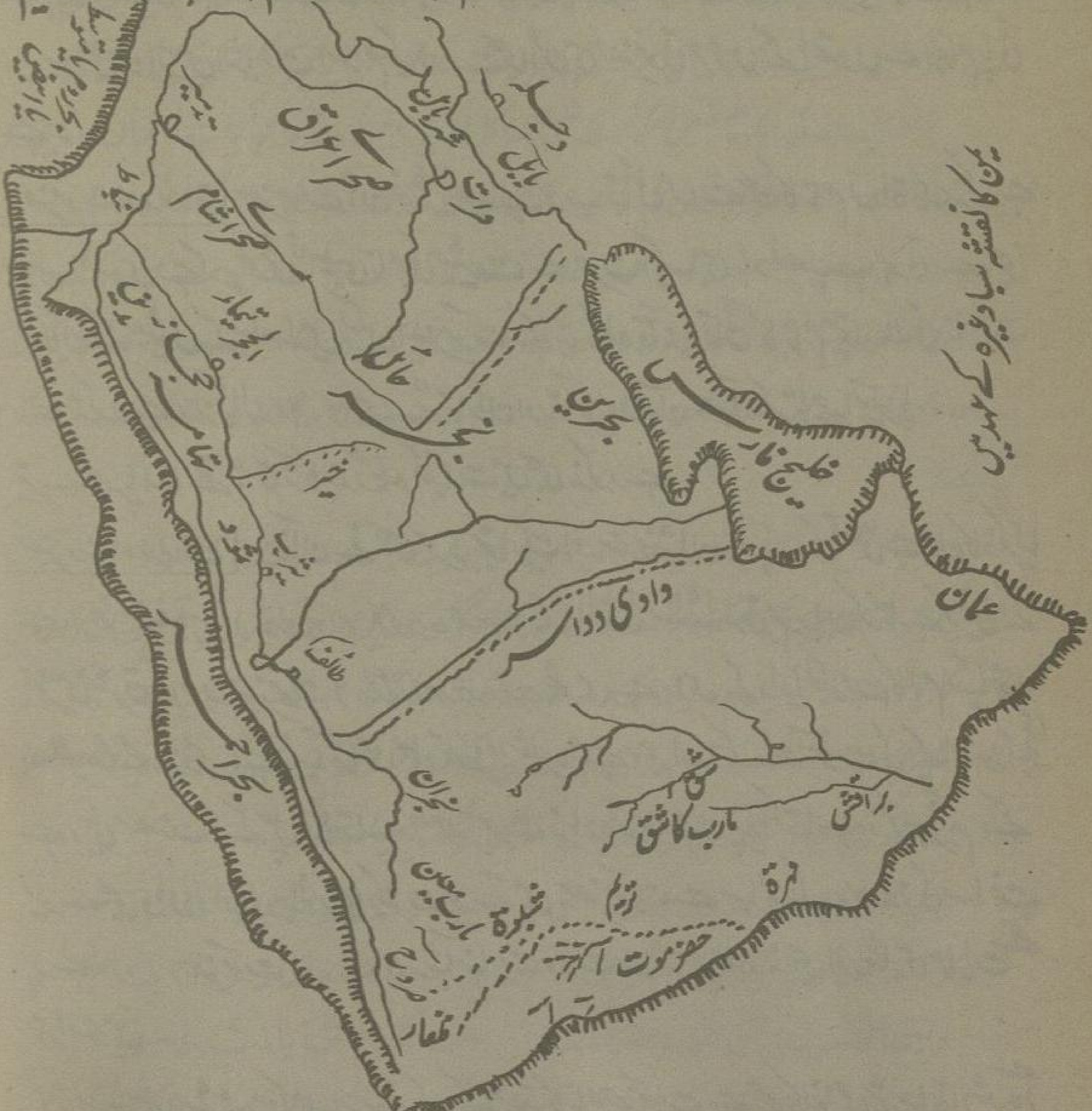

عرب کا نقشہ سبا وغیرہ کے عہد میں

[1] ان دونوں یونانی حوالوں کے لئے دیکھو Dunkers History Antiquitgad I. P.P. 310 311-313

[2] Heeren's Historical researches quity vol. P. 351

میں بھی حضرموت، سبا سے آزاد نہ تھا۔

حضرموت اور آثار قدیمہ حضرموت کے آثار کی تحقیق بہت کم ہوئی ہے، ۱۹۱۳ء تک جو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اوّل کے طبع کی تاریخ ہے، حضرموت کے پایۂ تخت شبوہ میں سینکڑوں کتبات ایسے موجود تھے، جو پڑھے نہیں گئے تھے[۱]، تاہم جو آثار دریافت ہو چکے ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرموت کا تعلق نہایت قدیم زمانہ سے معین کے ساتھ تھا، بلکہ حضرموت کا خاندان معین کے ساتھ نسبتی تعلقات بھی رکھتا تھا، اور قانہ کا بندرگاہ اور ملک کا ایک ٹکڑا ایک حد تک اس کے ماتحت تھا، ایک طویل خاموشی بعد حضرموت کا نام سبا کی ماتحتی میں نظر آتا ہے[۲]۔

سبا کا زمانہ نو سو یا دس سو ق م سے ۱۱۵ ق م فرض کیا گیا ہے، اس دور میں بھی حضرموت کی حکومت کا ذکر جنگ و صلح کے تعلق سے آتا ہے، شاہانِ سبا کے خطابِ شاہی کے ساتھ "شاہ حضرموت" کا لقب بھی نظر آتا ہے، سواحل یمن کی دوسری جانب ملک حبش سے اہل حبش بھی حقیقت میں سبائی عرب تھے، انھوں نے اپنی نوآبادی زمانہ قدیم میں اپنے وطن کی دوسری مقابل جانب میں قائم کی تھی، اس زمانہ میں رفتہ رفتہ وہ بھی سواحل حضرموت پر واپس آ رہے تھے تقریباً ۳۰۰ء میں بالآخر حضرموت پر انھوں نے استیلا حاصل کر لیا[۱]۔

حضرموت کے بادشاہوں کے جو نام کتبات و نقوش میں پڑھے گئے ہیں، ان میں سے ہم کو صرف دو معلوم ہیں "صدوق ایل" اور "معدی کرب"، "معدی کرب، اصدوق ایل کا پوتا تھا، اور معین کے بادشاہ ابی یدع یاثع کا چچا اور معاصر

حضرموت اور اسلام ۱۰ھ میں حجاز و نجد سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں حضرت علی، معاذ بن جبل اور موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کو جو اصلاً یمنی تھے دعوت اسلام کی غرض سے یمن بھیجا، ایک ہی سال کے اندر اندر تمام ملک مسلمان تھا، اسی سال زیاد بن ولید خزرجی یہاں عامل مقرر ہو کر آئے، عہد اسلام میں حضرموت کا آخری بادشاہ ہتولا، وائل بن حجر تھا، حضرموت کی زبان حجاز کی زبان سے مختلف تھی، شاہانِ عالم کے سلسلہ میں وائل کو عربی میں جو خط لکھا گیا تھا، وہ حضرموتی الفاظ کی آمیزش کے ساتھ تھا۔

من محمد رسول اللہ الی الاقیال العباھلة، والارواع المشابیب ......

فی التیعة لامقورة الالباط، ولاحتاك وانطوا الثبجة وفی السیوب الخمس و

من زنا مم بکم فاصفعوه مائة واستوفقوه عاما ومن زنا مم ثیب فضرجوه

بالاضامیم ولاتو...... فی الدین۔

---

[۱] Heeren, s Historical researches of Antiquity vol. P. 351

[۲] Encyclop of Islam vol 1 Histoire. L. Arabeetome 1 P. 49

سبا

یہ امم قحطانیہ کی سب سے مشہور شاخ ہے، ایک طرف روایاتِ عرب، حکایاتِ یونان اور آثار قدیمہ ہیں، دوسری طرف قرآن مجید، توراۃ، زبور اور انجیل میں اس کی شہرت و رفعت کی داستانیں اور واقعات موجود ہیں، جنوبی و شمالی عرب جو تمدن کے گہوارے تھے اس کی حکومت کے مرکز ہیں، لیکن اس کی حکومت کو حقیقی وسعت و اقتدار جنوبی عرب میں حاصل تھا، معین کی حکومت اب برسرِ زوال تھی، یمن میں معین کے قلعوں کے چاروں طرف سبا نے اپنے قلعے قائم کر لئے تھے۔

نام تورات میں شبا ایک جدِ قبیلہ کا نام ہے، عرب روایت کے مطابق اس جدِ قبیلہ کا نام عمر یا عبد شمس اور لقب سبا تھا، محققین جدید بھی زیادہ تر اس کو لقب خیال کرتے ہیں، لغویین عرب کی رائے ہے کہ یہ "سبی" سے مشتق ہے، جس کے معنی غلام بنانے کے ہیں، چونکہ عبد شمس بہت بڑا فاتح تھا اور اس نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے غلام بنایا، اس لئے اس کا لقب سبا قرار پا گیا تحقیق جدید یہ ہے کہ "اسبی" اور "سبا" اُس معنی سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم تجارت ہے، کتبات میں عموماً "سبا" کا مادہ تجارتی سفر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے[1]، عربی زبان میں یہ اب تک "شراب کی تجارت اور خرید و فروخت اور اس کے لئے سفر کے معنی میں مستعمل ہے، سبا چونکہ تاجر قوم تھی اس لئے اس لقب سے مشہور ہوئی

زمانہ سبا کا زمانہ عروج کب سے شروع ہوتا ہے؟ روایاتِ عرب میں براہ راست اس کا کوئی ذکر نہیں، لیکن تمام مورخین اور اہل نسب نے عبد شمس سبا کو قحطان کا پوتا لکھا ہے اور اس کی حکومت کا زمانہ ۴۸۴ برس بتاتے ہیں[2] اس کے بعد اس کا جانشین اُن کی تصریح کے مطابق حمیر ہوتا ہے بقاعدہ عام عبد شمس سے اگر عبد شمس کا خاندان مراد لیا جائے تو قحطان کی تیسری پشت سے جو کم از کم ۲۵۰۰ ق م میں ہو گی، اس کا زمانہ شروع ہو کر ۴۸۰ برس کے بعد ۲۰۰۰ کے پس و پیش میں ختم ہو جائے گا، حالانکہ سبا اور حضرت سلیمان (۹۵۰ ق م) کی معاصرت قرآن مجید، اسفارِ یہود اور انجیل سے اس کے ایک ایک ہزار برس کے بعد بھی ثابت ہے۔

---

[1] Encyclo. Brit. Vol 23. P. 955 [2] مروج الذہب مسعودی جلد اص ۱۹۳ مصر

اسفار یہود میں سبا کا حکومت کی حیثیت سے ذکر سب سے پہلے حضرت داؤد کی زبور میں نظر آتا ہے[1] اس سے ثابت ہوتا ہے ۱۱۰۰ ق م سے پہلے عہدِ عروج شروع ہو چکا تھا، اسیریا کے کتبات میں ۷۱۵ ق م میں اس کا ایک بادشاہ اسیریا کو خراج دیتا ہے، یہ سبا کی ترقی کا درمیانی زمانہ ہے آخر میں ولادتِ مسیح کے پس و پیش یونانی تاریخوں میں بھی اس کا ذکر ہے، اس سے سبا کا آخری زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔

یمن کی تمام قدیم حکومتوں میں سے سبا کے آثار و کتبات سب سے زیادہ ملے ہیں، یہ کتبے اکثر غیر مورخ ہیں لیکن بعض اوقات، اشارات اور خود کتبات کے حوالوں کی مدد سے علمائے آثار نے زمانہ کی تجدید کرنی چاہی ہے، یہ متفق طور سے ثابت ہے کہ از روئے کتبات ۱۱۵ ق م سبا کی آخری تاریخ ہے، ابتدائی تاریخ کی نسبت بھی یہ متفق ہے کہ وہ نویں صدی ق م سے پیچھے نہیں ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ اُنیسویں صدی ق م سے پیچھے نہیں ہے[2] ہماری رائے ہے کہ چونکہ حضرت داؤد کی زبور میں جس کا زمانہ تصنیف دسویں صدی ق م کا وسط حصہ ہے، شاہانِ سبا کا ذکر صریح موجود ہے اس لئے سبا کا ابتدائی زمانہ عروج ۱۱۰۰ ق م سے کسی حال میں کم نہیں ہو سکتا۔

دائرہ حکومت سبا کا اصلی مرکزِ حکومت جنوبِ عرب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا، اس کا دار الحکومت شہر مارب تھا، لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مغرب میں حضرموت تک وسیع ہو گیا تھا، اور چونکہ یہ ایک تاجر قوم تھی اس لئے بہت سے بحری اور تجارتی راستوں پر بھی اس کو قبضہ کرنا پڑا تھا، اسی سلسلہ میں شمالی عرب میں سبا کی حکومت نظر آتی ہے، اور افریقہ میں بھی اُس کے آثار ملتے ہیں، حبشہ میں اذنیہ کا ضلع سبا کے ماتحت تھا، اس ضلع پر "معافر" کے لقب سے ایک سبائی گورنر حکومت کرتا تھا[3] یمن سے براہ حجاز شام تک جو قدیم تجارتی راستہ تھا، یہ بھی اُن ہی کے قبضہ میں اس وقت نظر آتا ہے اور اس پر جابجا ان کی نو آبادیاں قائم معلوم ہوتی ہیں، غالباً ان مقامات پر سبا کا قبضہ و استیلا نویں یا آٹھویں صدی میں اہلِ معین کے مفتوح ہونے کے بعد ہوا ہوگا۔

اسیریا کے بادشاہ سرجون کے ایک کتبہ میں جو ۷۱۵ ق م کا ہے، شمالی عرب کے چند قبائل کا ذکر ہے، ان میں ایک کا نام "یثعمر سبائی" ہے، یہ سرجون کو خراج دیتا ہے[4] سرجون کا یمن تک آنا آثار سے ثابت نہیں ہے، اس لئے لامحالہ خود سبا کا گذر وہاں تک ہوا ہوگا، اس واقعہ سے سبا کی حکومت

[1] زبور داؤد ۷۲-۱۰ [2] Encyclo Bret Vol. II P. 264

[3] Encyclo Bret Vol 23 P. 488 [4] Encyclo Bret vol. 23 P. 488

کا رقبہ شمالی عرب میں عراق تک ثابت ہوتا ہے اور سبا کی حکومت کا ان اطراف میں سراغ بھی ملتا ہے، سفر ایوب ۱-۱۵ میں ہے کہ سبا نے اور اہلِ اسیریا نے حضرت ایوب کے غلام اور جانور لوٹ لیے۔ ۶-۱۹ میں ہے کہ "سبا کے ساتھی تیماء کے سواروں کا انتظار کرتے ہیں" تیماء شام کے پاس شمالی عرب میں ایک شہر ہے، اس آیت سے سبا اور شام کے تعلقات ظاہر ہوتے ہیں، دیگر اسفارِ یہود میں بھی سبا کا بہ کثرت ذکر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک شام و فلسطین و مدین کے آس پاس بھی سبا کی نو آبادیاں تھیں۔

سبا اور اس کی شاخوں میں امتیاز

عام عرب مورخین نے حمیر کو سبا کا بلاواسطہ جانشین فرض کیا ہے، اور ان تمام ملوکِ یمن کو جو اس سلسلہ میں اول سے آخر تک گزرے ہیں، ان کو حمیر بن سبا اور ملوکِ حمیر بن سبا سمجھتے ہیں، اس بناء پر مستقلاً خاص سبا کے نام سے کسی زمانہ میں بھی ان کے اصول کے مطابق کوئی حکومت نہ تھی، لیکن تصریح قرآن کے یہ بالکل مخالف ہے، اس نے حمیر کے بلاتوسط حکومتِ سبا کا صاف و صریح نام لیا ہے، اور تمام عبرانی، یونانی اور اثری شہادات قرآن کے ساتھ ہیں، عبرانی صحائف جن کا زمانہ آخر ۱۰۰۴ ق م ہے، حکومتِ یمن کا ہمیشہ سبا کے نام سے ذکر کرتے ہیں، یونانی مورخین نے ۲۰ ق م سے پہلے حمیر کا نام نہیں لیا ہے، آثار میں ۱۱۵ ق م کے بعد حمیر خاندان کا وجود نظر آتا ہے۔

مورخینِ عرب نے ایک بڑی غلطی یہ کی ہے کہ حمیری بانی حکومت سے حمیر بن سبا تک جتنے آبائے نسب تھے ان سب کو بادشاہ قرار دے کر وہیں سے حمیری حکومت قائم کردی، حالانکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک فرزند قبیلہ جو اتفاق سے ایک سلطنت کا بانی ہوجائے اس سے لے کر خود پدر قبیلہ تک اس سلطنت کی نسبت مسلسل ہو، ابو العباس سفاح عباسی حکومت کا بانی ہے لیکن اس خاندان کے پدرِ اول حضرت عباسؓ اس سے پانچ چھ پشت پہلے ہیں، اس بنا پر نسبِ عباسی کی ابتداء بیشک حضرت عباسؓ سے کی جائے گی، اس طرح نسب حمیری کی ابتداء حمیر بن سبا سے ہے لیکن حکومت حمیری اس کے سینکڑوں برس بعد قائم ہوئی اور نسب خاندانی کے لحاظ سے صحیح طور پر اس کو حمیری کہا گیا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ خود حمیر بن سبا نے اس کی بنیاد بھی ڈالی، امیر معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کی حکومت کا نام اُمویہ ہے لیکن کیا اس کا یہ مفہوم ہے کہ خود اُمیہ کا بانی بھی تھا۔

سبا کو چھوڑ کر سبا کی متفرق شاخوں میں جو بادشاہ گذرے ہیں ان کے نام و تعداد و حالات کسی قدر زیادہ روشن ہیں، اس بنا پر ان کا زمانہ ہیا، سو سے زیادہ نہیں[1]، اس زمانہ کی انتہائی حد معلوم ہے یعنی تقریباً

---

[1] حمزہ اصفہانی سے ملوک غسان اور مناذرہ کے زمانوں کو جمع کرو اور حمیر کے زمانہ کی تعدیل کرکے دیکھو۔

تقریباً ۶ سنہ جو ظہورِ اسلام کا زمانہ ہے اس حساب سے ان کی ابتدائے تفرق ۱۱۵ سنہ ق م یا علی العموم پہلی صدی ق م ہونا چاہیئے، اور یہی وہ زمانہ ہے جس کو گلازر وغیرہ نے ابتدائے حمیر و انتہائے سبا کے لئے ازروئے آثار مقرر کیا ہے، اس بناء پر اس زمانہ تفرق و تفرع سے پہلے فرزندانِ سبا کا جو مشترک زمانہ تھا، حکومتِ سبا سے وہی عہد مراد ہے۔

فرمانروایانِ سبا حکومتِ سبا کا نام تحریری حیثیت سے سب سے پہلے ۱۱۰۰ ق م میں حضرت داؤدؑ کے عہد میں نظر آتا ہے، اس زمانۂ بعید العہد میں بھی سبا کی دولت و حشمت ہمسایہ بادشاہوں کی نگاہوں میں قابلِ رشک تھی، حضرت داؤدؑ زبور میں کہتے ہیں۔

"الٰہی! اپنے بادشاہ کو اپنا فیصلہ عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو راستی۔۔۔۔ شیبا اور سبا کے بادشاہ اس کو نذرین دین گے۔۔۔۔ اور شیبا کا سونا اُس کو پیش کیا جائے گا[1]۔"

بادشاہ (داؤدؑ) کی دعا قبول ہوئی، اور بادشاہ کے بیٹے (سلیمانؑ) کی بارگاہ میں سبا کے بادشاہ نے نذر دی، اور سبا کا سونا اس کے سامنے پیش کیا ۹۵۰ ق م میں جو تقریباً حضرت سلیمانؑ کا عہد ہے ازروئے قرآن و توراۃ، سبا پر ایک عورت حکمران تھی، رواۃِ عرب اس عورت کا نام بلقیس بتاتے ہیں لیکن بلقیس کا جو زمانہ وہ قرار دیتے ہیں وہ صحیح نہیں مفصل بحث آگے آئے گی۔

سرجون یا سرغون شاہ اسیریا کے عہد میں جس کا زمانہ ۷۲۱ ق م و ۷۰۵ ق م ہے ملک سبا پر شعمر نام کا بادشاہ تھا، سرجون نے اپنے ایک یادگاری کتبہ پر لکھا ہے کہ "اُس کو۔۔۔۔ ثمود۔۔۔۔ شمسیہ ملکہ عرب (عریبی) اور شعمر سبائی نے خراج دیا[2]" یہ متفق ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے، کہ سرجون یمن تک نہیں پہنچا، اس لئے ظاہر ہے کہ خود سبا حدود اسیریا تک پہنچ گئے تھے، اس کی سفر ایوب سے بھی ہوتی ہے، جس میں کلدان (اسیریا) اور سبا کو باہم متحد اً شمالی عرب کے حدود میں ظاہر کیا گیا ہے۔

یثعمر سبا کے متعدد بادشاہوں کا نام ہے ان ہی میں سے ایک وہ یثعمر بھی ہے جس نے سبا کے دار الحکومت مارب میں سدارم کی بنیاد ڈالی۔

عرب مورخین نے چونکہ سبا اور حمیر میں کوئی تفریق نہیں کی ہے اس لئے سلسلہ حمیری سے الگ انھوں نے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں کیا، البتہ حمیر کے انھوں نے دو ٹکڑے کئے ہیں، ملوک حمیر اور تبابعۂ حمیر ملوک وہ ہیں جو صرف یمن میں حکمران تھے، تبابعہ وہ ہیں جن کے ماتحت یمن، حضر موت دونوں تھے، ان کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے تبع، حارث الرائش ہے، ملوک حمیر کی تعداد اُن کے ہاں بہت کم ہے

---

[1] زبور ۷۲۔ ۱۰۔۱۵ [2] تاریخ بر س امریکانی ج ۲ صفحہ ۱۶۴

بلکہ بعضوں نے تو اس طبقہ کو بالکل حذف کر دیا ہے، وہ حمیر بن سبا کے بعد فوراً بلا واسطہ یا بچند واسطہ حارث الرائش کا نام لے لیتے ہیں، حالانکہ حمیر اور حارث کے درمیان کم از کم ایک ہزار برس کا فصل ہے، جس کی رخنہ پُری صرف مخصوص مورخین نے کی ہے، لیکن وہ باہم اس قدر مختلف ہیں کہ نتیجۃً اُن سب کی بے اعتباری کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بجز چند ناموں کے ان میں سے کوئی نام سبائی اسماء کے طرز کا نہیں ہے حالانکہ ناموں کے اسلوب وطرز کو قومیت کی تعیین میں بہت بڑا دخل ہے، بہر حال مثالاً چند مختلف مستند روایات سے یہ درمیانی نام پیش ہیں۔

نشوان بن سعید حمیری	قلقشندی	ابوالفداء	ابن خلدون	مسعودی
سبا	سبا	سبا	سبا	سبا
حمیر	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر
الہمیسع	الہمیسع	وائل	وائل	وائل
ایمن	ایمن	الکسک	الکسک	ابومالک
زہیر	زہیر	یعفر	یعفر	جبار بن غالب
عریب	عریب	ذوریاش	نعمان	حارث الرائش
المغوث	قطن	نعمان	ذوریاش	.
وائل	الغوث	اشمح	اشمح	.
عبدشمس	وائل	شداد	حارث الرائش	.
زہیر الصوار	عبدشمس	لقمان	.	.
ذویقدم	زرعہ حمیر اصغر	ذوسدد	.	.
ذوانس	شدد	الحارث الرائش	.	.
عمرو	الحارث الرائش	.	.	.
الملطاط	.	.	.	.
القلیص	.	.	.	.
سدد	.	.	.	.
الحارث الرائش	.	.	.	.

غالباً اسی اختلاف و اختلاط کی بنا پر حمزہ اصفہانی نے حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان کے

نام چھوڑ دیتے ہیں، اور مجملاً لکھا ہے کہ حمیر بن سبا انتہائے عمر کو پہنچ کر مر گیا، اس کی نسل اس کے بعد وراثۃً حکومت کرتی رہی، اور اُن کے خاندان سے نکل کر یمن کی مملکت دوسروں کو نہیں ملی، یہاں تک کہ صدیاں گذر گئیں، اور حکومت حارث الرائش کے ہاتھ میں آئی، یہ پہلا تبع ہے، حارث سے پہلے حکومتِ یمن سبا اور حضرموت دو ٹکڑوں پر منقسم تھی، کل اہلِ یمن ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے، لیکن حارث الرائش جب بادشاہ ہوا تو سب اس پر متفق ہو گئے اور اس کے تابع بنے، اس لئے اس کا نام تبع پڑا.. ..... حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان پندرہ پشتیں ہیں[1]

اس عبارت میں آخری فقرہ کے علاوہ اور سب نہایت محتاط و قابلِ قبول باتیں ہیں، تبابعہ زیادہ سے زیادہ ۱۱۵ق م سے شروع ہوتے ہیں، اس بنا پر اگر بقولِ صحیح، سبا کی اور بقولِ عرب ملوک حمیر بن سبا کی ابتدا کم از کم ... ۱ ق م سے یعنی زمانۂ داؤد سے ہو تو تبابعۂ حمیر کے پہلے ملوک حمیر یا سبا کے لئے .. ۹ برس رہتے ہیں، اگر ایک ایک بادشاہ کا اوسط زمانہ ۲۵ برس بھی فرض کیا جائے تو کم از کم اس عرصہ میں ۳۶ پشتیں ہوں گی، اس لئے "حمیر بن سبا" کے معنی صرف یہ لینے چاہئیں کہ حمیر جو سبا کی اولاد در اولاد میں تھا، اور جو تقریباً ۱۱۵ق م میں دولتِ حمیریہ کا بانی ہوا، اس حمیر اور حارث رائش کے درمیان ۱۵ پشتیں ہونا ممکن ہے۔

بہرحال رواۃ عرب نے تبابعۂ حمیر سے پہلے کے جو نام ملوک حمیر کے نام سے بتائے ہیں وہ بہت کچھ محتاجِ نقد و تصحیح ہیں۔

آثار و کتبات نے تاریخ یمن کا جو حصہ روشن کیا ہے نوشتہائے یونان و روما کی مدد سے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت اشارۂ قرآن کے مطابق حکومتِ یمن کے دو مستقل دور، دو مستقل ناموں سے ہیں، سبا اور حمیر، سبا کی انتہا معلوم و متفق ہے کہ وہ ۱۱۵ق م ہے[2]، اور یہی سال حمیر کی ابتدا کا ہے، سبا کی ابتدا ہم نے بوجوہ سابقۃ الذکر (دیکھو سبا کا زمانہ) ۱۲۰۰ق م سے کی ہے، اس بنا پر حمیر سے پہلے حقیقی سبا کی تاریخ ۱۰۸۵ برس پر مشتمل ہوگی جس میں کم از کم ۴۵ سے ۵۰ بادشاہوں تک کی پشتیں گزرنی چاہئیں"

مکارب سبا | باعتبار کتبات، دورِ سبا کے دو طبقے نظر آتے ہیں، پہلے طبقہ میں شاہانِ سبا کا لقب مکارب سبا لکھا ہوا ملتا ہے، اس وقت ان کا مرکزی شہر قلعہ "صرواح" تھا، مکارب دو لفظوں سے مرکب معلوم ہوتا ہے "مکا" اور "رب"، مکا کے معنی مذہبی کے ہیں، اور "رب" بڑے کو اور بادشاہ کو کہتے ہیں، "مکا"

[1] حمزہ اصفہانی ص ۱۰۸ کلکتہ [2] Encyclop Bret vol. II. 264

کے معنی مذہبی بادشاہ یا" کاہن بادشاہ کے ہیں" الغرض مکارب سبا حکومت سبا کے ابتدائی کاہن بادشاہوں کا لقب تھا، صرواح جو ان کاہن بادشاہوں کا دار الحکومت تھا، اس کے آثار اب تک مارت اور صنعاء کے درمیان میں باقی ہیں، صرواح سے عرب بھی واقف تھے، عمرو بن نعمان بن سعد بن خولان کہتا ہے:

ابونا الذی کانت بصرواح دارہ	وفی جبلی نعمان عز تمکنا
ہمارا باپ تھا جس کا مسکن صرواح تھا	اور نعمان کے دو پہاڑوں میں عزت متمکن ہوئی

شاعر جاہلی علقمہ کہتا ہے۔

من یامن الحدثان بعد	ملوک صرواح ومارب
صرواح اور مارب کے بادشاہوں کے بعد	اب کون حوادث سے محفوظ رہ سکتا ہے

ابو علکم مرانی قصور یمن کے ذکر میں کہتا ہے:۔

براقش ومعین نحن عامرھا	ونحن ارباب صرواح وروثانا
براقش ومعین کے آباد کرنے والے ہم ہیں	اور ہم ہیں مالک (رب) صرواح اور روثان کے

ان شعروں میں چند نہایت کارآمد تاریخی اشارے ہیں علقمہ صرواح اور مارب دو دار الحکومتوں کے بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے، اور بعینہٖ یہی جدید تحقیق ہے، ابو علکم اپنے شعر میں بجائے "ملاک" یا "حکام" اور اس وزن کے الفاظ کے "ارباب صرواح" کہتا ہے جس سے "مکارب صرواح" کی بو آتی ہے۔

مکارب سبا کا زمانہ از روے کتبات ۹۰۰ء ق م سے شروع کرتے ہیں، اور اس کا اختتام جو ۵۵۰ء ق م میں ہو جاتا ہے ۳۵۰ سال (حسب کتبات) یا ۴۵۰ سال (حسب احتیاط) کے لئے بادشاہوں کی ایک کثیر تعداد چاہیئے، لیکن افسوس کہ ہم کو صرف ۱۰ مکارب سبا کے نام کتبات سے ملے ہیں اور وہ بھی کل ایک ہی باپ کے بیٹوں اور پوتوں کی چار پشتیں ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کو مکارب سبا کی بہت کم تعداد معلوم ہے، ملکۂ سبا جس کا ذکر اسفار یہود (نبیہم) میں، قرآن مجید میں اور انجیل میں موجود ہے، اس کو اسی طبقہ میں ۹۵۰ء میں ہونا چاہیئے لیکن جو نام معلوم ہوئے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ۸۰۰ء ق م سے شروع ہو سکتے ہیں، اس بنا پر اس ملکہ کے حالات سے اب تک علم الآثار بے خبر ہے[1]

---

[1] مکارب سبا کے معلومات جدیدہ کے لئے دیکھو Encyclop. Byet Vol. II. P. 264

مکارب سبا کے جو نام اب تک دریافت ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں،[1] جن میں بجز آخر کے کہ اس کے متعلق ہم کو علم نہیں، ہر ایک کو دوسرے سے نسبی تعلقات ہیں، الفاظ کے فصل کے لئے نقطے اصل سبائی خط کی مطابقت ہے۔

۱۔ ذمر علی مکارب سبا۔
۲۔ کرب ایل، وتار بن ذمر علی ″
۳۔ سمہی علی، ینوف بن ذمر علی ″
۴۔ یثع امر، بیین بن سمہی علی، ینوف ″
۵۔ یدع ایل، ذرح بن سمہی علی، ینوف ″
۶۔ یثع امر، وتار بن سمہی علی، ینوف ″
۷۔ کرب ایل، بیین، بن یثع امر، وتار ″
۸۔ یدع ایل، بیین، بن یثع امر، وتار ″
۹۔ سمہی علی، ینوف، بن یثع امر، وتار ″

متحد خاندان

۱۰۔ ذمر علی، وتار، بن کرب ایل میں متفرق نام

۱۱۔ یدع ایل، ذبی، مکارب، سبا

شجرۂ خاندانِ مکارب

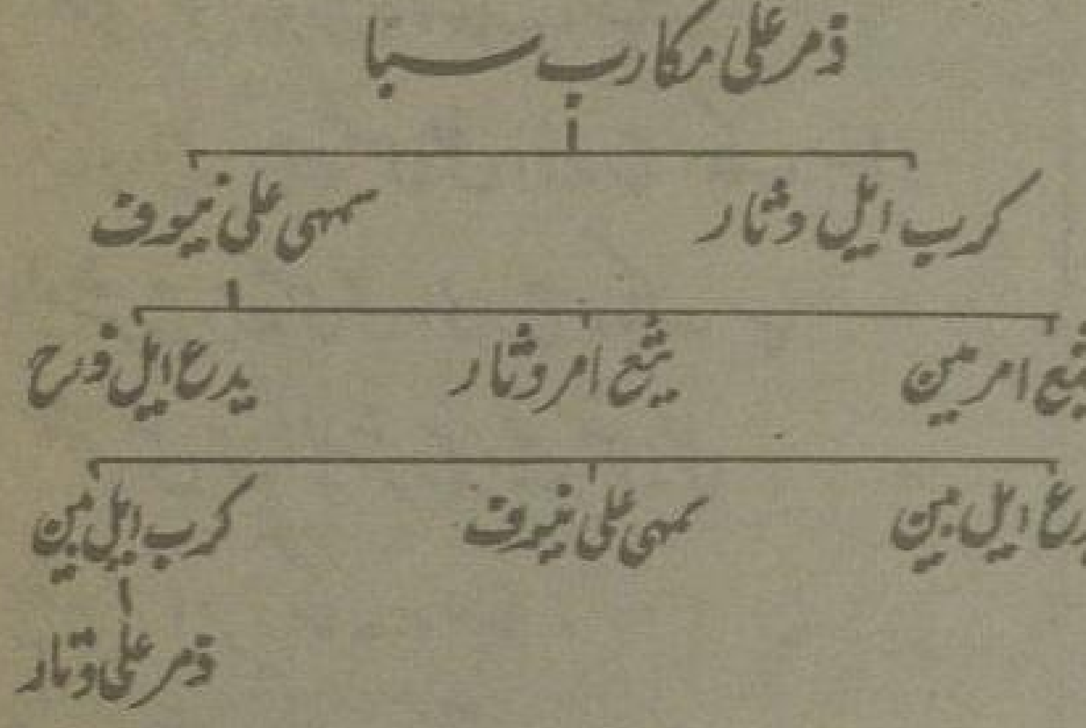

ملوک سبا شاہانِ سبا کا زمانہ ۵۵۰ ق م تک نظر آتا ہے، اس عہد میں ان کا لقب "ملک سبا" منقوش ملتا ہے، ان کا دار الحکومت شہر "مارب" تھا، یہ شہر یمن کے مشرق میں واقع تھا، اور اس کا دوسرا نام شہر سبا تھا، مارب کے قصرِ شاہی کا نام "سلحین" تھا، سکوں میں جا بجا ضرب "بیت سلحین وحضر مارب" (قلعہ سلحین اور شہر مارب) منقوش ملتا ہے، مارب تو مشہور مقام ہے لیکن سلحین بھی غیر معروف نہیں۔

جاہلی شاعر علقمہ کہتا ہے۔

وقصر سلحین قد عفاه　　ریب الزمان الذی یدیب

اور سلحین کا قصر جس کو حوادثِ زمانہ نے مٹا دیا ہے۔

یہی شاعر دوسری جگہ کہتا ہے:۔

۱؎ یہ فہرست ہم نے ہالوے (M. J. Halevy) کے شائع کردہ اصل کتبات سبا سے جو مجلہ عبری (Jonnal Asiatique) ماہ دسمبر ۱۸۷۴ء میں پیرس میں چھپے ہیں، التقاط کی ہے اور اس کی تطبیق Huart yemci. p. 66 سے کر لی ہے۔

۱؎ و ما ترین و کل شئ للبلی سلحین خاویۃ کان لم نعم
کیا تو نہیں دیکھتی کہ ہر چیز فنا کے لئے ہے سلحین اب ایسا ویران ہے گویا کبھی آباد نہ تھا

ابو علکم مرانی کہتا ہے۔

وقصر سلحین علاہ و شیدہ لھلان والدنا، احیب یکھلان
سلحین کا قصر جس کو ہمارے باپ کہلان نے بنایا تھا؛

۵۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک ۴۳۵ برس ہوتے ہیں، جو تقریباً اس عربی روایت کے مطابق ہے کہ "سبا نے ۴۸۴ برس حکومت کی ہے[۱]"۔ اس زمانہ مدید کے لئے، ملوکِ سبا کے نام ہم کو ملے ہیں جو تقریباً مفروضہ مدتِ زمانہ کے برابر ہیں اور وہ نام یہ ہیں:۔

سمہی علی، ذرح، ملک، سبا۔
کرب ایل، بن سمہی علی، ذرح، ملک سبا
الیشرح، بن سمہی علی، ذرح، ملک سبا
سمہی علی بن الیشرح، بن سمہی علی ″

متحد خاندان

ذمر علی، ذرح، ملک سبا
نشا کریب، یوہمین، ملک سبا

یثع، امر، ملک، سبا،
کرب ایل، وتار بن یثعمر، امر ″
یدع ایل، بیّن، یثع، امر ″
وہب ایل، یاحوذ، ملک سبا
کرب ایل اوتار، یوہنعم، بن وہب ایل ″
یوہمین، ابن وہب ایل، ملک سبا

دتبروم، یوہمین، ملک سبا
یکرب ملک، وتار، ملک سبا
یارم، ایمن، ملک سبا
تبع شرجبیل، ملک سبا
فرع نیہب، ملک سبا
″

نام متفرق

ان ناموں کے علاوہ کتبات میں میں نے اور نام بھی پڑھے ہیں، لیکن ان کے ساتھ کوئی لقب شاہی نہیں ہے، ممکن ہے کہ امرائے سبا ہوں، فرع نیہب کا نام سب سے آخر اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ایک کتبہ میں "الیشرح ملک سبا وذ ذریدان۔۔۔ بن فرع نیہب ملک سبا" منقوش ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرع نیہب "ملک سبا" کے لقب سے آخری شخص تھا، اس کا بیٹا "ملک سبا ذوریدان" کے نام سے تیسرے طبقہ کا بانی ہے۔

سبا کی تقسیم و تنظیم | مملکتِ سبا کی حقیقت سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ مملکتِ یمن کس اصول پر منقسم

[۱] مروج الذہب مسعودی جلد ۱ ص ۱۹۲ مصر

تھی، اور امرا کی ترتیب و تنظیم کیوں کرتھی؟ ایک قلعہ ہوتا تھا، قلعہ کے آس پاس گاؤں کی صورت میں مختلف چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوتی تھیں، اُن ہی کے مجموعہ کو محفد کہتے تھے، قلعہ داران گاؤں کا حاکم ہوتا تھا، اس کا لقب اُس کے قلعہ کے انتساب و اضافت سے رکھا جاتا تھا، مثلاً ذوغمدان، ذو ثعلبان، ذو نبیین، ذو یمنی زبان میں کلمۂ اضافت ہے، اور اس کے معنی آقا کے ہوتے ہیں، اسی لئے حجازی عربی میں اس کے معنی "صاحب و مالک" کے ہیں اور بغیر اضافت مستعمل نہیں ہوتا، اس "ذو" کی جمع "اذواء" (قلعہ داران) ہے۔

یہ قلعے یا محافد مل کر ایک "مخلاف" کے تابع ہوتے تھے، جس کو صوبہ کا ہم معنی سمجھنا چاہیئے۔ حاکم مخلاف کا لقب "قیل" تھا، اس کی جمع اقیال ہے، اور عام طور سے مشہور ہے کہ "اقیال" یمن کے بادشاہوں کو کہتے ہیں، محفد اور مخلاف کی یہ تقسیم عہدِ اسلام میں بھی باقی رکھی گئی تھی، دولتِ عباسیہ کے زمانہ میں یمن میں ۸۴ مخلاف تھے، یہ تمام اقیال ایک بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے، جس کا نام باختلافِ عہد مکارب سبا اور ملک سبا تھا۔

ان اذواء، اقیال اور ملوک میں امن و اطمینان اور نظام کی زندگی بہت کم قائم رہتی تھی، قوی ضعیف کے ماتحت ہوتے تھے، جو "ذو" یا "قیل" قوی ہو جاتا ہے، وہی بادشاہ بن بیٹھتا تھا، عموماً بادشاہ کسی قلعہ میں سکونت کرتا تھا، اس قلعہ کی طرف نسبت بھی القاب شاہی کا جز ہوتی تھی، مثلاً ملک سبا قلعہ ریدان میں رہتا تھا اس کا لقبِ شاہی "ملک سبا و ذو ریدان" تھا۔

سبا کے تمدنی و تجارتی حالات حکومتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، صلح پسند اور فاتح، بابل، اسیریا اور مصر کی حکومتیں فاتح تھیں، اُن کے آثار و کتبات فتوحات کی یادگاروں سے پُر ہیں، لیکن سبا کی حکومت بالکل صلح پسند تھی، سبا کے جتنے کتبات میری نظر سے گذرے ہیں جن کی تعداد ۳۰۔ ۴۰ سے کم نہ ہوگی، وہ تمام تر یا مقابر کی لوحیں ہیں، عمارتوں کے یادگاری پتھر ہیں یا دیوتاؤں کے ہیکل و مذبح پر نذر و شکر کے سپاس نامے ہیں۔

ہم نے پہلے بتایا ہے کہ سبا ایک تاجر قوم تھی جس کی صحیح مثال موجودہ تاریخ میں برطانی حکومت ہے، عرب میں کثرت سے سونے اور جواہر کی کانیں تھیں، اور اب بھی ہیں، ہمدانی نے ان کانوں کا ایک ایک کر کے نام گنایا ہے[1]، ڈاکٹر اسپرنگر نے ان بیانات کو اپنے جغرافیۂ عرب قدیم میں یک جا کیا ہے، خدیو مصر کے اشارہ سے برٹن نام ایک انگریز عرب کے شہر مدین میں صرف وہاں کے معدنیات کا پتہ لگانے کو بھیجا گیا تھا، حضرموت اور یمن کا ملک خوشبودار چیزوں کی پیداوار کے لئے طبعی طور سے مخصوص ہے، اس زمانہ میں تمام دنیا میں، دیوتاؤں کی عام پرستش کی جاتی تھی، ان کے لئے بڑے بڑے ہیکل بنائے جاتے تھے، ان ہیکلوں میں

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب ص ۱۵۰ لیڈن

شب و روز خوشبودار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں، اس لئے قدیم زمانہ میں ہر ملک میں اُن کی بڑی مانگ تھی، عمان و بحرین میں موتیوں کے خزانے ہیں، اور یمن کے سواحل ہندوستان و حبش کی پیداوار کی منڈی تھے، یہ تمام تجارتی اشیاء اس عہد میں سباہی کی وساطت سے بحر احمر کے راستہ سے یا حجاز کی راہ سے شام، فینیشیا اور مصر کو جاتی تھیں اور یہاں سے تمام یورپ میں پھیلتی تھیں۔

توراۃ سبا کی دولت و عظمت کے بیانات سے پُر ہے، سب سے پہلے حضرت داؤدؑ کہتے ہیں (زبور ۷۲)

"شبا اور سبا کے بادشاہ اس کو تدریں دیں گے اور ..... شبا کا سونا اُس کو پیش کیا جائے گا"

حضرت سلیمانؑ کے دربار میں سبا کی ملکہ آتی ہے۔

وہ بہت فوج اور تزک و احتشام کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی، بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا، اور بیش قیمت جواہر لدے تھے ..... ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمانؑ کو دیئے، ملکہ نے جیسی خوشبوئیں دیں ایسی پھر کبھی نہ ملیں۔ (تاریخ ایام)

اشعیاء نبیؑ کی پیشین گوئی ہے:

"حبش اور سبا والوں کی تجارت جو شریف ہیں تیرے پاس آوے گی" (۱۴-۴۵)

حزقیال نبی کہتے ہیں۔

"جمہور آدمیوں کے ساتھ سبا والے بیابان (عرب) سے آئے جن کے ہاتھوں میں کنگن ہیں اور سروں پر خوبصورت تاج" (۴۲-۲۳)

"سبا اور عما تیرے تاجر ہیں وہ عمدہ خوشبو، جواہر اور سونا تیرے بازاروں میں بیچتے ہیں، حران، قانہ اور عدن (یہ تینوں یمن کے شہر ہیں) تیرے تاجر ہیں، سبا اور اشور اور کلماد تیرے سوداگر" (۱۴-۲۷)

اشعیاؑ کی پیشین گوئی ہے:

"اونٹوں کی قطاریں (اے یروشلم) تجھ پر چھا جائیں گی، مدین اور عیفا کی اونٹنیاں تمام سبا سے سونا اور لوبان لے کر آئیں گی" (۶ - ۶۰)

یرمیاہ نبی بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں کہ:

"خدا کہتا ہے جب تمہارے اعمال صحیح نہیں تو ہیکلوں میں سبا کا لوبان میرے سامنے کیوں پیش کرتے ہو"

(۶۰ : ۶)

چوتھی صدی ق م سے پہلی صدی ق م تک یونانی مصر کے حکمران تھے، ان کے عہد میں مصر کا دارالحکومت اسکندریہ تمام مشرقی اور مغربی تاجروں کا مرکز تھا، سبا اس عہد کی سب سے بڑی قوم تھی، اس بنا پر

دیگر عرب قبائل کی بہ نسبت وہ سبا سے زیادہ واقف تھے اراٹوستھینس (Eratosthenes) ۱۹۴ سنہ ق م بیان کرتا ہے۔

"عرب کی انتہائی حد پر سمندر (بحر ہند و عرب) پہلو میں ...... سبا کے لوگ ہیں جن کا دارالحکومت مارب (Mariaba) ہے ...... یہ قطعۂ ملک مصر زیرین سے بڑا ہے، گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہوتے ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں جاکر خشک ہو جاتے ہیں، اسی سبب سے زمین اس قدر سرسبز شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے۔

حضرموت سے سبا کے ملک تک ۴۰ روز کا راستہ ہے، اور معین سے سوداگر ۷۰ دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں، حضرموت، معین اور سبا کے ملک خوش و خرم ہیں اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔"

یونانی مورخ اگاتھر شیڈس (Agartherchides) (۱۴۵ سنہ ق م) جس کی تصنیف کا زمانہ دوسری صدی ق م ہے بیان کرتا ہے:۔

سبا عرب آبادان (Arabia felex) میں رہتے ہیں، جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں، زمین جو سمندر کے متصل ہے اس میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں، اندرونِ ملک میں بخورات، دارچینی اور چھوہارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں، اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے، درختوں کے اقسام کی کثرت تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں، اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی، جو اشخاص اس زمین سے دور، ساحل پر سے بھی گذرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محفوظ ہوتے ہیں، ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں، اور کاٹ کر ان کو انبار نہیں لگاتے، لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں، اس لئے جو شخص اس ساحل سے گذرتا ہے، آبِ حیات کا گو لطف اٹھاتا ہے یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و لطافت کے لحاظ سے ناقص ہے۔

سبا میں حکومت وراثۃً منتقل ہوتی ہے، ان کا بڑا شہر مارب ہے، جو ایک پہاڑ پر واقع ہے (جبل ابلق) بادشاہ اسی شہر میں رہتا ہے، جو لوگوں کو فیصلہ دیتا ہے، لیکن اس کو کبھی اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنا قصر چھوڑ کر نکل سکے، اگر وہ اس کے خلاف کرتا ہے تو وہ حکمِ مذہبی کے مطابق سنگسار کر دیا جاتا ہے۔

سبا میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے، بُعد کے سبب سے کسی نے اُن کو فتح نہیں کیا ہے، اسی لئے خصوصاً اُن کے دارالحکومت میں سونے چاندی

کے برتن ہیں، تخت اور پیشگاہیں ہیں جن کے ستون زرنگار اور نقرئی و طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں، ایوان اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں، اس قسم کے زیب و زینت پر نہایت ہنرمندی اور محنت وہ صرف کرتے ہیں۔"

مشہور مورخ آرٹی میڈوروس (Artimidorus) (سنہ ۱۰۰ ق م باشندۂ شہر افسوس (Ephesus)، جو سبا کے عہد آخر میں تھا، لکھتا ہے:

"سبا کا بادشاہ اور اُس کا ایوان مارب میں ہے جو ایک پُر اشجار پہاڑ پر زمانہ خوشحالی (عیش و آرائش و مسرت) میں واقع ہے، میووں کی کثرت کے سبب سے لوگ سست اور ناکارہ ہو گئے ہیں، خوشبودار درختوں کی جڑوں میں لیٹے پڑے رہتے ہیں، جلانے کی لکڑی کے بدلے دار چینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے، اور کچھ ملکی اور غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں، یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں، جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں، قرب و جوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں[1]۔"

سبا کی عمارتیں ہم نے پہلے بتایا ہے کہ سبا ایک صلح پسند اور امن و مسرت کی حکومت تھی یہی سبب ہے کہ اُس نے اپنی قوت کا زیادہ تر حصہ اسلحہ کی بجائے عمارتوں پر صرف کیا، یونانی مورخین کے بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، ان میں بعض عمارتیں عہدِ اسلام تک باقی تھیں، مسلمان مورخین نے خود دیکھا اور اپنی کتابوں میں اُن کے حالات لکھے ہیں، ہمدانی نے اکلیل کا ایک باب صرف ان ہی عمارتوں کے لئے مخصوص کیا ہے سبا کے اب تک جو کتبات ملے ہیں، وہ زیادہ تر ان ہی عمارتوں کی یادگاری لوحیں ہیں، نشوان بن سعید حمیری نے قصیدۂ حمیریہ میں تقریباً ۲۵ عمارات شاہی کا ذکر کیا ہے، یورپین سیاح بھی ان عمارات کے کھنڈروں کے عجیب و غریب حالات بیان کرتے ہیں، قصر سلحین جو قیام گاہ شاہی تھا، اُس کا نشان بھی اب تک موجود ہے۔

سدِ مارب اسی سلسلۂ عمارات میں ایک چیز بند آب ہے جس کو عرب جاہلیت سد، اور عرب یمن عرم کہتے ہیں، عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں، صرف سلسلۂ کوہستان ہے، پانی پہاڑوں سے بہہ کر ریگستانوں میں خشک ہو جاتا ہے، اور ضائع ہو جاتا ہے، زراعت کے مصرف میں نہیں آتا، سبا مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور دیواروں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے کہ پانی رُک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے مصرف میں آئے، مملکتِ سبا میں اس قسم کے سینکڑوں بند تھے، ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مارب

---

[1] تمام بیانات تاریخ قدیم کے مستند ترین ماخذ Duncker (ڈنکر) کی تاریخ قدیم سے ماخوذ ہیں ج ۱ ص ۳۱۰-۳۱۳

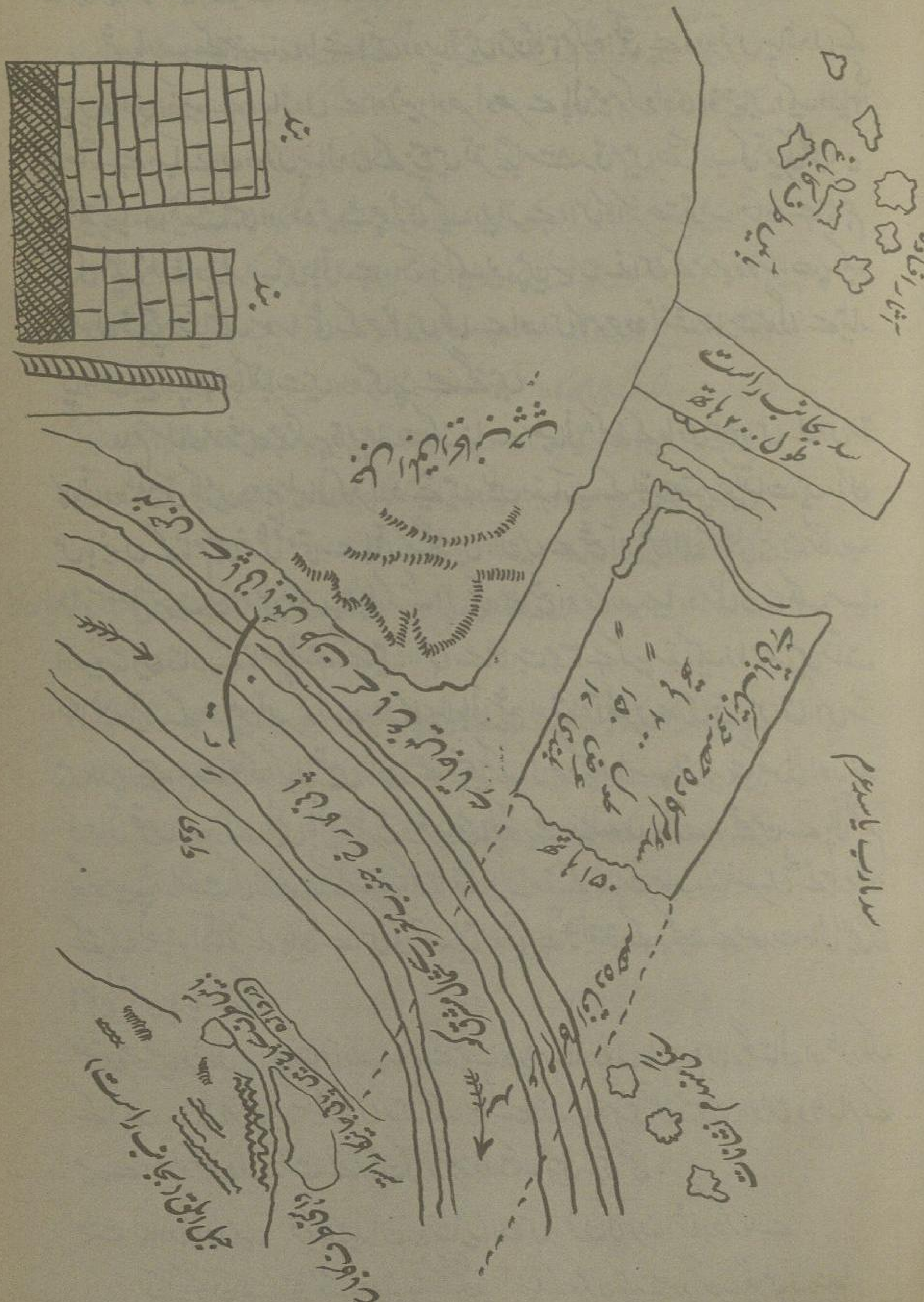

تھا، جو خود دار الحکومت کے اندر واقع تھا۔

شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں، جن کا نام کوہ ابلق ہے، دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادیِ اذینہ ہے، پہاڑوں سے اور نیز ادھر اُدھر سے پانی جمع ہو کر وادی اذینہ میں ایک دریا جاری ہو جاتا ہے، سبا نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ۸۰۰ ق م میں سدّ مارب کی تعمیر کی تھی، یہ بند تقریباً ۱۵۰ فیٹ لمبی اور ۵۰ فیٹ چوڑی ایک دیوار ہے، اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے تاہم اس کی ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے، ارناڈ ایک یورپین سیاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اور اس کا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا، اس دیوار پر جا بجا کتبات ہیں، وہ بھی پڑھے گئے ہیں۔

عام مسلمان مورخین چونکہ ہر قدیم عمارت کو "بنائے سلیمانی" کہنے کے عادی ہیں، اس لئے اس سدّ کا بانی وہ بلقیس ملکۂ یمن وحرم سلیمانی کو قرار دیتے ہیں، لیکن سدّ مارب کے بقیہ حصہ پر جو کتبات ہیں، اُن میں بانیوں کے نام بھی خوش قسمتی سے باقی رہ گئے ہیں، ان میں سے یثع امر بیّن ابن سمہعلی ینوف مکارب سبا، سمہعلی ینوف بن ذمر علی مکارب سبا، کرب ایل بیّن بن یثع امر مکارب سبا، ذمر علی ذرح ملک سبا، اور یدع ایل وتار کے نام پڑھے گئے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سدّ ایک زمانہ ممتد میں مختلف سلاطین یمن کے عہد میں تعمیر ہوا ہے، اس کا پہلا بانی یثع امر تھا جو آٹھویں صدی ق م میں تھا، اس سدّ میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں، اوپر سے نیچے تک کی کھڑکیاں حسب ضرورت کھولی اور بند کی جاتی تھیں، سدّ کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ، راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا، اس سدّ کے حالات ہمارے مفسرین[1] نے جو بیان کئے ہیں بعینہٖ ارناڈ کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے[2] نقشہ کے دیکھنے سے صورت حال اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔

جنتین عن یمین وشمال اس نظام آب رسانی سے چپ و راست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر ۳۰۰ میل مربع میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی، جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے، اُن کی خوشبو دور تک پھیلی رہتی تھی۔

جنت سبا اور قرآن مجید قرآن مجید ان آیات میں ان ہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ سبا کے لوگوں کے لئے خود اُن کے گھر میں قدرت خدا

---

[1] تفسیر آیت مذکور طبری اور بغوی میں دیکھو [2] فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ ۱۸۷۴ء

عَنْ يَمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ (سبا ۲)

کی ایک عجیب نشانی موجود تھی دو باغوں (کا سلسلہ) داہنے بائیں سبا کے لوگو! اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور شکر کرو، شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشنے والا۔

ہمارے پاس اس جنت زار کے قصے عربوں کی روایت سے کئی سو سال بعد کے موجود ہیں لیکن خود ہمارے دشمنوں کے سفینوں میں اس کی معاصرانہ شہادتیں جو محفوظ ہیں ان کو ایک دفعہ پھر پڑھو۔

اراٹوستھینس (Eratosthenes) (جو ۱۹۴ سنہ ق م میں سبا کا معاصر تھا لکھتا ہے:۔

"..... سبا کے لوگ ہیں جن کا دار الحکومت شہر مارب ہے..... یہ قطعہ ملک مصر زیریں سے بڑا ہے، گرمیوں میں بارش ہوتی ہے، اور دریا جاری ہوتے ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں خشک ہو جاتے ہیں، اس سبب سے زمین اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے..... سبا کا ملک خوش و خرم ہے"

غاتھارشیدس (Agatharchides)، جو ۱۴۵ سنہ ق م میں سبا کے زمانہ وعصر میں تھا بیان کرتا ہے:۔

"سبا عرب کا حصہ سرسبز و آباد (Yaman) میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں، دریا کے کنارے جو زمین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں، جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں، اندرون ملک میں بخورات، دارچینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پھیلا کرتی ہے، درختوں کے اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے، جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی، جو اشخاص زمین دور ساحل سے گذرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محفوظ ہوتے ہیں..... وہ گویا آب حیات کا لطف اٹھاتے ہیں اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے"

آرٹی میڈروس (Artimidorus)، جو سبا کے عہد آخر میں تھا لکھتا ہے:۔

"سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے، جو ایک پر اشجار پہاڑ پر عیش و مسرت (زمانہ خوشحالی) میں واقع ہے[1]۔"

[1] ان عبارتوں کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے

خدائے پاک اس کے بعد فرماتا ہے:-

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ (قرآن) — پھر انھوں نے سرتابی کی تو ہم نے اُن پر بند (توڑ کر اس) کا سیلاب بھیجا۔

یہ سیلاب آیا اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن اس عصر تاریخی میں جب ہر غیر معاصرانہ روایت قابلِ شک واشتباہ ہے، خدائے قرآن نے اپنے کلامِ معجز کی صداقت کا نیا سامان پیدا کر دیا، یعنی اس بند کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں واقعۂ سیلاب کے مشرح حالات کا کتبہ جو ایک عیسائی فاتح یمن کے ہاتھ کا لکھا ہوا مل گیا ہے، یہ عیسائی فاتح وہی ہے جو اپنے ہاتھوں کے بل پر کعبہ کو ڈھانے نکلا تھا، لیکن آج اسی دشمن کعبہ کا سنگی ہاتھ کعبۂ مکرمہ کی کتاب مقدس کی تصدیق کے لئے بلند ہے[1]

وَبَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَيۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَيۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِيۡلٍ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا وَهَلۡ نُجٰزِيۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ○ (سبا ۱۲) — اور ان اعلیٰ میووں کے باغوں کے بدلہ معمولی پھلوں یعنی پیلو، جھاؤ اور کچھ بیری کے باغ دے دیئے یہ ان کے کفران کی سزا ہے ہم کفران نعمت کرنے والوں ہی کو سزا دیتے ہیں۔

قرآن مجید جب نازل ہو رہا تھا تو اس سزا کو جو ان درختوں کی شکل میں نمودار ہوئی تھی یمن کا ہر باشندہ بچشمِ خود معائنہ کر رہا تھا، لیکن ...۱۳ برس کے بعد بھی برای العین ہر سیاح کو نظر آ رہی تھی، ہمدانی المتوفی ۳۳۰ھ جس کی صداقت بیانی کے نہ صرف سیاحینِ یورپ بلکہ اثریین (ارکیا لوجسٹ) بھی معترف ہیں، وہ خود چوتھی صدی کے اوائل میں شہادت عینی پیش کرتا ہے کہ "ان باغوں کی جگہ یہاں پیلو کے درخت اتنے ہیں کہ کہیں اور نہیں۔"

سبا کی آبادیاں ہم نے "سبا کے دائرہ حکومت" کے تحت میں لکھا ہے کہ یمن کے علاوہ حبشہ اور شمالی عرب میں بھی سبا کی آبادیاں تھیں، توراۃ واسفار میں متفرق خاندانوں کے نام بتائے گئے ہیں، سبا بن یقطان (قحطان)، باشندۂ یمن، سبا بن......بن ابراہیم برادر زادۂ مدین باشندۂ عرب شمال سبا بن کوش بن حام باشندۂ حبش (تکوین)

نولڈیکی کے اصول کی بنا پر کہ توراۃ کے قبائل واقوام کا مقسم صرف جغرافی نسب و تعلق ہے ان تینوں متفرق النسب سبا کے یہ معنی ہیں کہ سبا کے تین جغرافی مرکز یا آبادیاں تھیں، یمن، حبشہ اور شمالی عرب میں یمن میں سبا کا وجود و قیام تو محتاجِ اثبات نہیں، روایاتِ عرب، تاریخِ اقوام، آثار قدیمہ ان سب کی

[1] تفصیل اصحاب فیل میں دیکھو ۱۲

شہادت قاطعہ موجود ہے، دیگر اطرافِ ملک میں بھی ان کا وجود و اثر مخفی نہیں ہے، شمال عرب میں بطرفِ شام و عراق توراۃ کے متعدد فقروں میں ان کا وجود عارضی نہایت قدیم زمانہ سے مذکور ہے اور ان کا بار بار ذکر اوپر گذر چکا ہے (دیکھو سبا کا دائرہ حکومت اور سبا کی دولت و عظمت) یونانی مورخین نے بھی ان اطراف میں ان کا ہونا بیان کیا ہے، آغا تنار سیدوس (۱۴۵ ق م) کہتا ہے کہ "سب سے پہلے نبطی (جن کا مسکن عراق و شام کے درمیان تھا) اور سبائی جو شام کے اوپر واقع ہیں، عرب سعید پر قابض ہوئے ہیں[1]" ایک اور یونانی مورخ بیان کرتا ہے[2]

"یہاں سے اس شہر تک ایک سڑک جاتی ہے جس کا نام پڑا (رقیم) ہے، جہاں اہلِ قریہ اہلِ معین اور وہ تمام عرب اس کے قریب رہتے ہیں، جو بالائی ملک (عرب) سے بخورات لاتے ہیں"

یہ پہلے گذر چکا ہے کہ اسیریا کے آثار میں بھی شیخ امر سبائی کا ساتویں صدی ق م میں اسیریا سے مغلوب ہونا مذکور ہے، معلوم ہے کہ اہلِ اسیریا کبھی یمن نہیں آئے، اس لئے یہ بالکل واضح ہے کہ خود سبا یہاں تک پہنچ گئے تھے، جیسا کہ سفر ایوب (۱-۱۵ و ۶-۱۹) سے بھی ثابت ہے۔

حبشہ میں اہلِ سبا کا وجود عہدِ قدیم سے تھا، حبشہ، یمن کے بالمقابل سواحل پر واقع ہے یہ سواحل تاریخ کی ابتدا سے اس وقت یمنی و حضرموتی عرب کے جولانگاہ ہیں، بعض کتبات سے معلوم ہوا ہے کہ سبا کا ایک گورنر معافر کے لقب سے حبشہ میں رہتا تھا[3] خود حبش بھی اپنے کو سبا کی اولاد کہتے ہیں[4] ایک یونانی مورخ کی شہادت بھی جو سبا کا معاصر تھا پہلے گذر چکی ہے کہ سبا سواحلِ حبشہ میں بھی تجارت کا مرکز رکھتے ہیں"

ملکہ سبا توراۃ (نبیہم) انجیل اور قرآن میں سبا کی شہزادی کا ذکر ہے جو حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں آئی تھی، یہ سبا کی شہزادی بہ زبانِ توراۃ کس سبا کے خاندان سے تھی؟ یا بہ زبانِ تاریخ سبا کی کس آبادی سے آئی تھی؟ توراۃ میں صرف "سبا کی شہزادی" کا لفظ بلا تعین خاندان و جہت ہے[5] ترگوم میں ہے کہ "اس کا ملک (فلسطین کے) مشرق میں ہے[6]" انجیل میں ہے کہ وہ (فلسطین) کے جنوب سے آئی تھی[7] یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخ میں ہے کہ وہ مصر و حبشہ[8] کی شہزادی تھی، اہلِ حبش اس کو حبشی سمجھتے ہیں[9] جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ کوشی خاندان کی سبا تھی، قرآن نے بھی کوئی تعین خاندان و جہت نہیں کی ہے لیکن تمام

---

[1] کولڈ مائنس آف مدین ص ۲۴۲ [2] حوالہ مذکور ص ۱۷۱ [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ ص ۱۵۵ [4] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۲۲۰ [5] تاریخ ملوک ۱ باب ۱۰-۱ و ایام ۲ باب ۹ [6] جوئش انسائیکلوپیڈیا مضمون سبا [7] متی ۱۲-۴۲- لوقا ۱۱-۳۱ [8] جلد ۱ ذکر سلیمان [9] جوئش انسائیکلوپیڈیا مضمون سبا۔

مفسرین و مورخین اُس کو عرب قحطانی اور باشندۂ یمن سمجھتے ہیں، آج کل کہ اثریات کا زمانہ ہے، اس بنا پر کہ یمن کی عورت کا کوئی کتبہ نہیں ملا ہے، اور شمال عرب میں متصل عراق تین چار قدیم حکمران عورتوں کے نام ملے ہیں، ملکہ سبا کا اس حصۂ آبادی سے جانا ممکن خیال کیا جاتا ہے۔[1]

جن قدیم تحریروں میں ملکہ سبا کا ذکر ہے اُن میں سے صرف تین میں تعیینِ جہت ہے یوسیفوس، ترگوم اور انجیل، یوسیفوس کا بیان ہے کہ وہ مصر کی شہزادی تھی متفقاً غلط ہے بقیہ بیانات میں کہ وہ مشرق جنوب یا حبشہ کی تھی، ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں کہ یہ سب سبا کے مقامات تھے، تاہم اصل مرکز کے لحاظ سے وہ یمن ہی کی کہی جائے گی (یعنی جنوب عرب کی) جیسا کہ انجیل کی شہادت اور روایاتِ عرب کا تواتر ہے۔

اہلِ حبش جو ملکہ سبا کو حبشہ کی بتاتے ہیں اور اب تک حبشہ کا شاہی خاندان تفاخراً اپنے کو اسی ملکۂ سبا کی اولاد یقین کرتا ہے، اُس کا نام ان کی زبان میں ماکدہ ہے، یمن کے عرب یہودیں اس کا نام بلقیس مشہور تھا، اور اسرائیلیات کے ذریعہ یہی نام مسلمان مورخین اور اہل تفسیر میں مقبول ہے لیکن لفظی دلالت کے لحاظ سے یہ عربی نہیں بلکہ یونانی الاصل نام معلوم ہوتا ہے، بعض روایاتِ تفسیر میں بلقیس کو پری زاد کہا گیا ہے یعنی اس کی ماں (بلقمہ) ایک پری تھی لیکن یہ روایتیں بالکل لغو اور موضوع ہیں "بلقمہ" کو ممکن ہے کہ یمن کی مشہور دیبی "القمہ" سے کوئی نسبت ہو، اسی طرح اہلِ تاریخ کا ملکۂ سبا (بلقیس) کو بنت شرجیل لکھنا بھی غلط ہے، شرجیل حمیر کا بادشاہ اور حضرت سلیمانؑ سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس بعد تھا۔

ملکۂ سبا اور قرآن مجید سبا کا نام قرآن مجید میں دو بار آیا ہے اول حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں ملکہ سبا کے نام سے اور دوسری بار سیلِ عرم کے ذکر میں، سیل عرم کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے، ملکہ سبا کا قصہ سورۂ نمل میں مذکور ہے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ
أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا
شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ
مُبِينٍ ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ
بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ

سلیمانؑ نے پرندوں کا جائزہ لیا پھر کہا مجھے کیا ہے کہ
میں نے ہدہد کو نہیں دیکھا وہ موجود نہیں ہیں اس کو سخت
سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا یا کوئی صاف دلیل لائے
سلیمان تھوڑی دیر ٹھہرے کہ ہدہد آکر گویا ہوا مجھے وہ
معلوم ہے جو آپ کو نہیں معلوم، سبا سے ایک سچی خبر لے کر

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ا ص ۳۷۲

يَقِيْنٍ ۝ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ
مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا
يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ
الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ
لَا يَهْتَدُونَ ۝ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ
الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا
تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ
رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ
أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ اذْهَب
بِّكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ
تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا
يَرْجِعُونَ ۝

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ
إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ
الرَّحِيمِ ۝ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝
قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ
قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ۝ قَالُوا
نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ
شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي
مَاذَا تَأْمُرِينَ ۝

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً
أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً
وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ
إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ
الْمُرْسَلُونَ ۝

میں آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا جو سبا پر حکومت کرتی ہے اس کو ہر شے عنایت کی گئی ہے اسکا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اس عورت کو اور اس کی رعایا کو خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا، شیطان نے اُن کے اعمال اُن کی نگاہ میں اچھے کر کے دکھائے ہیں صحیح راستہ سے اُن کو باز رکھا ہے وہ راہ نہیں پاتے کہ خدا کو وہ سجدہ کریں جو آسمانوں سے اور زمین سے چھپی ہوئی چیز کو باہر نکالتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہے، خدا جس کے سوا کوئی خدا نہیں وہی بڑے تخت کا مالک ہے سلیمان نے کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے، میرا یہ خط لے جا اُن کے پاس ڈال دے پھر اُن سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں
ملکہ نے خط پا کر درباریوں سے کہا میرے نام ایک نامہ مقدس آیا ہے یہ نامہ سلیمان کے پاس سے آیا ہے عبارت یہ ہے مہربان اور رحم والے خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ
ملکہ نے کہا اے سردارو! اس معاملہ میں اپنی رائے دو میں تمہاری حاضری کے بغیر کسی بات کا فیصلہ کرنے والی نہیں ہوں
سرداروں نے کہا ہم زور و قوت والے ہیں لیکن فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے دیکھئے کیا حکم دیتی ہیں۔
ملکہ نے کہا، بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہو جاتے ہیں تو اس کو ویران کر ڈالتے ہیں اور وہاں کے معزز ترین باشندوں کو ذلیل بنا ڈالتے ہیں، اور اسی طرح کیا کرتے ہیں میں اُن کے پاس ہدیہ دے کر قاصد بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ
فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ
بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ
فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا
وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ ۝
قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا
قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتٌ
مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ
مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ
اَمِيْنٌ ۝
قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ
اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ
فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا
مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ
وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ
كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝
قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ
اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا
جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ
كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا
وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ
تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ
كٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ
حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۔

قاصد جب سلیمان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا اس حقیر مال و دولت سے تم میری مدد کرتے ہو خدا نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو اس نے دیا ہے تم اپنے اس تحفہ پر شاداں ہو، سبا کو واپس جاؤ ہم اپ لشکر لے کر آئیں گے کہ جس کا وہ مقابلہ نہ کرسکیں گے اور ملک سبا سے ذلیل کر کے ان کو نکال باہر کریں گے۔

سلیمان نے اپنے سرداروں سے کہا، کون اس کا تخت میرے پاس اٹھا لائیگا، ایک تنومند جن نے کہا میں اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اُٹھیں یہ وہ تخت لے آتا ہوں میں اس تخت کے اٹھا لانے کی قوت رکھتا ہوں اور امانت کے ساتھ لاؤں گا۔

جس کو خط کا علم تھا اس نے کہا نگاہ پلٹنے سے پہلے میں اٹھا لاتا ہوں، سلیمان نے جب تخت اپنے پاس رکھا دیکھا، کہا یہ خدا کے فضل سے ہوا تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں کہ ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو خدا بے پروا اور بزرگ ہے۔

سلیمان نے حکم دیا کہ تخت کا روپ بدل دو، وہ راہ پاتی ہے، یا نہ راہ پانے والوں میں سے ہوتی ہے جب ملکہ آئی تو اس سے کہا گیا کہ تیرا تخت کیا اسی قسم کا ہے؟ جواب دیا کہ گویا وہی ہے، اور اس سے پہلے ہم کو علم دیا جا چکا تھا اور ہم مسلمان ہو چکے تھے بلکہ اس کو غیر خدا کی پرستش نے حق سے روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم سے تھی، ملکہ سے کہا گیا کہ محل کے اندر چل جب اس نے محل کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے، دونوں پنڈلیاں کھول دیں

فَقَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ نمل)

سلیمان نے کہا یہ تو شیشہ کا مکان ہے، ملکہ نے کہا خدایا میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی، سلیمانؑ کے ساتھ میں بھی خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے اطاعت گذار ہوئی۔

بعینہٖ یہی قصّہ اسفار یہود میں بھی مذکور ہے، گو تفصیل و اجمال میں کسی قدر اختلاف ہے سب سے پہلے تیم کے سفرِ ایام اور سفرِ ملوک میں یہ قصّہ مذکور ہوا ہے اور یہ دونوں اسفار بیانِ واقعہ میں حرف حرف متفق ہیں

"جب سلیمان کا شہرہ سبا کی ملکہ تک پہنچا تو مشکل سوالوں سے وہ اس کو آزمانے آئی اور بڑی فوج اور شان و شوکت کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی، بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لدے تھے، وہ سلیمان کے پاس آکر ٹھہری اور جو کچھ اس کے دل میں تھا اس کی بابت اس سے گفتگو کی، سلیمانؑ نے اس کے تمام سوالوں کا جواب دیا، سلیمانؑ سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی جو جواب نہ دیتا۔

سبا کی ملکہ نے جب سلیمانؑ کی دانشمندی، اور اُس کے گھر کو جو اس نے بنایا تھا اور اس کے دسترخوان کے کھانوں کو اور اس کے نوکروں کی نشست و برخاست کے طور کو اور اُن کی پوشاک اور اس کے ساقیوں کو اور اس سیڑھی کو جس سے وہ خدا کے مسکن پر چڑھتا تھا۔ (یہ ملوک کی آیت ہے ایام میں اس کے بجائے یہ ہے)۔ اور قربانیوں کو جو وہ خداوند کے مسکن میں چڑھایا کرتا تھا۔ دیکھا تو اُس کے ہوش اُڑ گئے، اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے تیری دانش اور تیرے کاموں کی نسبت اپنے ملک میں جو سنا تھا وہ تحقیقی خبر تھی، لیکن جب تک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا باور نہیں آتا، لیکن جو دیکھا اس کا آدھا بھی نہیں سنا تھا۔

مبارک ہیں تیرے لوگ! اور مبارک ہیں تیرے نوکر! جو ہمیشہ تیرے حضور کھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت کی باتیں سنتے ہیں، خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے اور جس نے تجھ کو اسرائیل کے تخت پر بٹھایا کیونکہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھ کو بادشاہ بنایا کہ تو عدل و انصاف کرے۔

ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا، اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمانؑ کو دیئے ملکہ نے جیسی خوشبوئیں پیش کیں ایسی پھر کبھی نہ ملیں.... سلیمانؑ نے سبا کی ملکہ کو جو کچھ اُس نے مانگا اُس سے زیادہ تحفہ دیا اور ملکہ اپنے ملازموں سمیت اپنی مملکت کو پھر گئی" (۲ سفر ایام باب ۹، ۲ ملوک باب ۱۰)

ترگوم (ددم براسترا) میں جو توراۃ اور نبیئیم کا ارامی ترجمہ، بلکہ آرامی زبان میں اُن کی تفسیر ہے یہ قصہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے، گو بعض نہایت لغو باتوں کی بھی اس میں آمیزش ہے، ترگوم کی روایت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:۔

"سلیمان عرقِ انگور پیکر جب نشاط میں آتے تھے تو تمام بادشاہوں کے سامنے اپنے غلاموں کو بٹھاتے تھے، اور اُس وقت دنیا کی تمام زندہ مخلوقوں کو حکم دیتے تھے کہ ان کے سامنے ناچیں ایک دن سلیمان نے دیکھا کہ ہُدہُد غائب ہے (سلیمان نے حکم دیا کہ وہ حاضر کیا جائے) جب ہدہد آیا تو اُس نے بیان کیا کہ (تین مہینہ سے وہ ادھر ادھر اڑ رہا تھا کہ کوئی ایسا ملک ملے جو اب تک حضور کے ماتحت نہیں ہے، آخر "مشرق" میں ایک ملک ملا جس پر سبا کی ملکہ حکومت کرتی ہے (اس ملک کی خاک سونے سے زیادہ بیش قیمت ہے وہاں چاندی کوڑی کی طرح گلیوں میں پھرتی ہے، درخت دہاید خلقت سے ایسے ہی ہیں، پانی وہاں جنت سے آتا ہے اور وہیں سے بن کر ہار آتے ہیں جن لوگ پہنتے ہیں اس ملک کے دارالحکومت کا نام "قیطور" ہے پھر پرندہ نے یہ رائے دی کہ وہ اڑ کر اس ملک کو پھر جائے گا، اور وہاں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لائے گا، سلیمان نے یہ تجویز پسند کی اور خط لکھ کر ہدہد کے بازو میں باندھ دیا گیا، ہدہد شام کے وقت جب وہ آفتاب کی عبادت کو جا رہی تھی) پہنچا (یہ خط ملکہ کے حوالے کیا) ملکہ نے خط پڑھ کر جس میں یہ دھمکی تھی کہ فوراً میری بارگاہ میں حاضر ہو، ورنہ اس کی فوج (جو جانوروں، پرندوں، روحوں اور رات کے دیوؤں کی ہے) اس سے لڑنے کو آئے گی (ملکہ بہت خوف زدہ ہوئی اور اس نے بوڑھوں کی) اور سرداروں کی مجلس میں مشورہ کیا، لیکن یہ لوگ سلیمانؑ سے بالکل واقف نہ تھے، تاہم ملکہ نے اپنے جہازوں کو بیش قیمت لکڑیوں، گراں بہا جواہر اور موتیوں سے بار کر کے اور ۶۰۰۰ ایک ہی ساعت کی پیدائش اور ایک ہی قد و قامت اور ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی حریر سرخ کے لباس میں غلام اور لونڈیاں تحفہ بھیجیں (خط کے جواب میں لکھا کہ اگرچہ "قیطور" اور یروشلم کے درمیان عموماً ۷ برس کا راستہ ہے تاہم وہ تین برس میں وہاں پہنچے گی (سلیمان نے اپنے دورہ میں ملکہ سے ملنے کو ایک نوجوان کو جو صبح کی طرح خوبصورت تھا بھیجا) (ملکہ جب یروشلم پہنچی) تو ایک شیشہ کے محل میں اس سے سلیمانؑ نے ملاقات کی، ملکہ نے یہ سمجھ کر کہ بادشاہ پانی میں بیٹھا ہے پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا (سلیمانؑ مسکرائے اور یہ دیکھ کر کہ اس کے پاؤں میں بال ہیں، بولے کہ شکل تو ایک عورت کی، لیکن بال مردوں کی طرح پاؤں کے بال مردوں کی زینت ہیں، لیکن عورتوں کے لئے عیب ملکہ سبا نے سلیمانؑ سے بہت سی پہیلیاں پوچھیں (تفصیل میں نے چھوڑ دی ہے) سلیمانؑ نے سب کے

ٹھیک جواب دیئے "۔

اس عبارت کے جو فقرے گھیر دیئے گئے ہیں وہ قرآن میں نہیں ہیں، اس سے ظاہر ہوگا کہ قرآن جو گذشتہ کتابوں کی تصحیح و تمحیص کے لئے آیا تھا یہ خدمت اس نے کس حد تک انجام دی، علاوہ ازیں ترگوم نے اس واقعہ کو جس طرز و عبارت میں ادا کیا ہے وہ بالکل ایک کم پایہ انسان کے معمولی افسانہ کی حیثیت رکھتا ہے، برخلاف اس کے قرآن کا طرزِ ادا ایک شاہانہ پیغمبری ایک تبلیغ دانش و حکمت ایک روحانی جبروت و اقتدار کے اظہار پر مبنی ہے، قرآن کا بیان ترگوم کی واضح غلطیوں سے کہ سبا کا ملک مشرق میں ہے، اس کا پایہ تخت قیطور تھا، وہاں سونا چاندی کوڑی کی طرح پڑی رہتی تھی، دونوں ملکوں میں سات برس کی مسافت ہے، پاک ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قصوں کی غرض و غایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ترگوم کی بنا پر ملکہ سبا کی طلب، صرف شاہانہ ملک گیری کی ہوس پر مبنی ہے لیکن قرآن کے لحاظ سے یہ طلب دعوۃ الی اللہ منع شرک، قمع کفر اور اصلاحِ نفوس انسانی ہے۔

ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے ترگوم کے مطابق حضرت سلیمانؑ، سبا سے واقف نہ تھے اور تعجب و حیرت زائی کا سبب سبا کی دولت و حشمت کا مبالغہ آمیز بیان تھا۔

لیکن وحی قرآنی نے اس حیرت و تعجب کا سبب اسی طرح بیان کیا ہے۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ۝ إِنِّي وَجَدْتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ (نمل)

اور ہدہد نے کہا میں سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں میں نے پایا کہ ایک عورت اُن پر بادشاہ ہے جس کو ہر چیز دی گئی ہے اُس کا ایک بڑا تخت ہے میں نے اس کو اور اس کی قوم کو آفتاب کو سجدہ کرتے پایا، نہ خدا کو، شیطان ان کے کاموں کو اُن کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے، پھر ان کو راہ سے روک دیا۔

بعض شکوک کا ازالہ ۱۔ ترگوم اور قرآن مجید دونوں میں قصوں کی ابتدا ہُدہُد سے ہوتی ہے، ہمارے اُن تمام مفسرین نے اس ہُدہُد سے یہی معروف مرغ مراد لیا ہے، لیکن اس زمانہ کے بعض "فطرت پرست" کہتے ہیں کہ مرغ کا بولنا اور اُس کی بولی سے مفہوم کا سمجھنا خلاف عقل ہے، اس لئے ہُدہُد کسی انسان کا نام ہوگا۔ اور اس زمانہ میں عموماً یہ نام رکھا جاتا تھا، ہم کو اس دعویٰ کی صداقت سے انکار نہیں کہ ہُدہُد آدمی کے نام ہوتے تھے، خود حضرت سلیمانؑ کے عہد میں مدین کے شہزادہ کا نام ہُدہُد تھا (سلاطین) اور روایاتِ عرب میں ملکہ کے باپ یا چچا کا نام بھی ہدہد مذکور ہے لیکن قرآن کے لفظ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ (پرندوں کا جائزہ لیا) کا کیا جواب

ہوگا؟ میری رائے میں اب جب کہ جانوروں کی عاقلیت کا مسئلہ مسلّم ہوتا جاتا ہے بندروں کی بولیوں کی ابجد تیار کی جارہی ہے، تو ہُدہُد کے بولنے پر تعجب کیوں ہو، "طیر" کے معنی فوج کے لینا جیسا کہ مولوی چراغ علی نے لیا ہے، اُسی طرح بے ثبوت ہے، جس طرح سرسید کا سورۂ فیل کی تفسیر میں "طیر" سے فالِ بد لینا، اور اگر پرندوں کا بولنا اب بھی کھٹکتا ہے تو فرض کر لو کہ نامہ بر کبوتروں کی طرح تربیت یافتہ نامہ بر ہُدہُد ہوگا اور اس کے بولنے سے مقصود اس مضمون کا خط اُس کے پاس ہوتا سمجھ لو، جیسا کہ خود اسی موقع پر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے خط دے کر اُس کو ملکۂ سبا کے پاس بھیجا، اسی طرح پہلے بھی خط لے کر آیا ہوگا۔

۲۔ دوسری چیز قابلِ بحث ملکۂ سبا کا تخت ہے جس کی نسبت قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کو اپنے دربار میں اٹھوا منگوایا، اور اُس میں کچھ ردّ و بدل کر کے ملکہ سے پوچھا کہ "تم یہ تخت پہچانتی ہو؟ تمہارا ہے؟" روایاتِ تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ تخت طلائی اور جواہرات سے مرصع تھا، یہودیوں کے اسفار (نبییم) میں سبا کے تخت کا مطلق ذکر نہیں، لیکن یہ مذکور ہے کہ ملکۂ سبا حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں بہت سے جواہرات سونا اور دیگر تحائف لائی جس سے حضرت سلیمانؑ نے ایک ہاتھی دانت کا مرصع و جواہر نگار تخت بنوایا۔" (۲۔ ایام باب ۹) ممکن ہے کہ یہ اُسی سبائی تخت کے متفرق اجزا کا ذکر ہو، تمرگوم استرا میں بھی اس تخت کے متعلق بہت سے عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں

تاریخی شہادات سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ سبا میں اس قسم کی صنعت کاری کا رواج عام تھا، اگاتھر شیدوس ایک یونانی مورخ جو اسلام سے ۸۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا، شہادت دیتا ہے کہ

"سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت لایا جاتا ہے، بُعد کے سبب سے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا ہے، اس لئے مخصوصاً ان کے پایۂ تخت میں طلائی و نقرئی ظروف تخت اور دو لچے ہیں جن کے پائے زرنگار اور نقرئی و طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں، پیش گاہ اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں اور اس قسم کی زیب و زینت پر وہ نہایت سرمندی اور محنت صرف کرتے ہیں۔

اس تحریری بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مملکتِ سبا میں اس قسم کی چیزوں کا خاص طور سے اہتمام تھا، ممکن ہے کہ اس بیان سے ۱۲۰۰ برس پہلے ملکۂ سبا کا تخت بھی اسی قسم کا ہو۔

۳۔ ایک سوال یہ ہے کہ تخت کس غرض سے بنایا تھا؟ اور حضرت سلیمانؑ کے دربار میں کیوں لایا گیا تھا؟ عام جواب یہ ہے کہ ملکہ کے بیٹھنے کا تخت شاہی تھا جو یمن میں بحفاظت مقفل کمروں میں تھا جہاں سے اظہارِ معجزہ کے لئے پل کے پل میں حضرت سلیمانؑ نے اپنے ملک شام میں اٹھا منگوایا، ہم کو اس

سے اختلاف ہے، ہماری رائے یہ ہے کہ ملکۂ سبا نے تحفہ کے طور پر حضرت سلیمانؑ کے لئے اپنے ملک کی صنعت کاری کی ایک چیز تیار کرائی تھی، اور چونکہ یہ تحفہ تھا ضرور ہے کہ ملکہ اپنے ساتھ شام لائی ہوگی، تحفہ کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ قرآن نے سبا کی پہلی سفارت میں تحفہ کا ذکر کیا اور نبیئیم میں بھی سبا کے تحائف کا ذکر ہے۔

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے ایک درباری نے جو کتاب سے واقف تھا، عرض کی کہ "میں نگاہ پلٹنے سے پہلے، ملکہ کا تخت اٹھا لاتا ہوں" نگاہ پلٹنے سے پہلے تخت اٹھا لانے سے مقصود جیسا کہ ہماری زبان میں سرعت اور جلدی سمجھا جا سکتا ہے اسی طرح عربی زبان میں بھی قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ سے یہی سمجھنا چاہیئے، بعض تابعین اور مفسرین کبار نے بھی اس لفظ کے یہی معنی لئے ہیں اور یہ کہنا تو درحقیقت محاوراتِ زبان سے نادانی کا ثبوت ہے کہ واقعاً اس سے نگاہ کے پلٹنے کے ساتھ کام کا ہو جانا مقصود ہے۔

۴۔ اس قصہ کے متعلق چوتھی بحث یہ ہے کہ قرآن مجید کے ان الفاظ میں کہ "وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا بولا کہ میں تخت کو نگاہ پلٹنے سے پہلے لا دوں گا، کتاب کے علم عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ سے کیا مقصود ہے؟ عام مفسرین توراۃ مراد لیتے ہیں یا اسمِ اعظم، لیکن ظاہر ہے کہ توراۃ کے علم سے تخت کا جلد اور بسرعت لے آنا کیا مناسبت رکھتا ہے؟ اسم اعظم کا یہودی تخیل کہ وہ جادو منتر کی طرح کوئی سریع التاثیر مخفی لفظ ہے جس کے تکلم کے ساتھ ہر کام ہو جائے، اسلام میں نہیں البتہ بعض اسمائے الٰہیہ کے ساتھ دعائے مستجاب سے انکار نہیں مگر اس کے لئے تو خود پیغمبرِ وقت سب سے زیادہ موزوں ہونا چاہیئے۔

ایک مدعی علم کلام جدید نے کتاب سے رجسٹر اور دفتر مراد لیا ہے یعنی بعض درباری جو حضرت سلیمانؑ کے سرکاری دفتر اور رجسٹر سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ تخت کہاں رکھا ہوا ہے، انھوں نے کہا کہ میں ابھی اٹھا لاتا ہوں، لیکن اس عہد میں انیسویں صدی کی طرح باقاعدہ دفتر اور رجسٹر کا دعوٰی ایک مضحکہ خیز امر ہے، میری رائے یہ ہے کہ کتاب سے خط مراد ہے لفظ کتاب، اسی قصہ میں اس سے پہلے دوبار اسی معنی میں قرآن مجید میں آچکا ہے۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا (نمل ۲۰)	میری یہ کتاب (خط) لے جا
اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ	میرے پاس ایک کتاب (خط) آئی ہے

اس کے علاوہ لفظ کتاب کا معنی خط، عربی میں عام طور سے استعمال ہے بلکہ فصحا اس کے سوا خط

کے لئے کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کرتے، میری تاویل کے مطابق آیت کا مقصود یہ ہے کہ درباریوں میں سے ملکہ سبا کے مضمونِ خط کا جس کو علم تھا کہ وہ بطور تحفہ اپنے ساتھ ایک تخت لائی ہے اُس نے کہا میں ابھی لاتا ہوں۔

۵۔ قرآن مجید میں ہے کہ ملکہ حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ پر اسلام لائی اور پیغمبرانہ جاہ وجلال دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھی اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لیکن بظاہر بیبیم سے اس کی تائید نہیں ہوتی لیکن بیبیم میں ملکہ کے یہ فقرے "خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے، اور جس نے تجھ کو اسرائیل کے تخت پر بٹھایا، کیونکہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھ کو بادشاہ بنایا کہ عدل و انصاف کرے کیا اُس کے ایمان قلب کو نہیں ظاہر کرتے؟ مسیحی احباب تو قرآن کی تائید پر مجبور ہیں، کیوں کہ انجیل کا یہ درس اُن کو دیا ہوگا۔

جنوب کی ملکہ فیصلہ کے دن اس نسل کے ساتھ کھڑی ہوگی، اور ملامت کرے گی کہ وہ زمین کے انتہائی حصہ سے سلیمان کی حکمت سننے آئی، اور دیکھو کہ یہاں سلیمان سے بڑا ہے (یعنی مسیح) متی ۱۲-۴۲۔

سبا کا مذہب | قرآن مجید نے بتایا ہے کہ سبا کا مذہب آفتاب پرستی تھا۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (نمل) — میں نے سبا کی ملکہ اور اُس کی قوم کو خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا۔

بیبیم اس ذکر سے خاموش ہے، لیکن ترگوم سے تصدیق ہے، ترگوم کا فقرہ یہ ہے "جب کہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جارہی تھی"[۱] یونانی مورخ تھیوفراسٹینس (۱۳۱۲ ق م) جو اسلام سے تقریباً ۹۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا، بخورات کے ذکر میں لکھتا ہے "یہ ملک سبا سے متعلق ہے جو بخورات کی ملکیت کی بڑی حفاظت کرتے ہیں، ان بخورات کا ڈھیر آفتاب کے ہیکل میں جو اس قوم میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے، لایا جاتا ہے"[۲]

روایاتِ عرب سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، بانی قبیلہ سبا کا لقب[۳] "عبد شمس" مشہور ہے جس کے معنی پرستار آفتاب کے ہیں، اکتشافاتِ اثریہ نے اس مسئلہ کو اظہر من الشمس بنا دیا ہے جس کی تفصیل "ادیان" میں آئے گی مجمل یہ ہے کہ سبا کے متعدد دیوتاؤں میں سے ایک "شمس" بھی تھا جس کی تمام جنوب عرب میں پرستش کی جاتی تھی،[۴] مسلمانوں نے ابتدائی صوبوں میں (۲ یا ۳) یمن کی ایک عمارت کا

۱؎ جیوئش انسائیکلوپیڈیا جلد ا ص ۲۳۶ ۲؎ ہیرن کی ہسٹاریکل ریسرچیز ج ا ص ۲۵۱ ۳؎ ملوک الارض حمزہ اصفہانی ص ۱۰۷ اکسفرڈ ۴؎ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ا ص ۳۷۹

کتبہ پڑھا تھا جو جنوبی (حمیری) زبان میں تھا، اس میں یہ عبارت منقوش تھی "بسم اللہ ھذا ما بناہ شمر یرعش یسدہ الشمس" شمر یرعش نے سورج دیبی کے لئے یہ بنایا۔[1]

سبا کا تفرق وانتشار ہم نے اوپر کہیں بتایا ہے کہ سبا کے مقبوضات تین حصوں میں منقسم تھے، حبش، یمن اور شمالی عرب ۱۱۵ق م میں یہ شیرازے بکھر گئے، حبش پر اکسومی خاندان (اصحاب فیل) قبضہ کر بیٹھا، شمالی عرب میں اسماعیلی عربوں نے خروج کیا، یمن میں حمیر نے ظہور کیا اور بقیہ قبائل تمام ملک میں تتر بتر ہو گئے۔

لیکن سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ اس پراگندگی، تفرق اور انتشار کا کیا سبب ہوا! روایات نامعتبرہ، حکایاتِ تفسیر اور افسانہائے عرب کا منشا یہ ہے کہ سیلِ عرم کے خوف سے جس کی خبر کاہنو کے ذریعہ سے پہلے مل چکی تھی، قبائل یمن سے نکل کر دیگر اقطاعِ ملک میں چلے گئے لیکن اوّلاً تو کاہنوں کی پیش گوئی ایک لغو امر ہے، ثانیاً سیل تو صرف شہر مارب میں آنے والا تھا، تمام یمن میں نہ آنے والا تھا، اور نہ آیا، اس لئے یہ سبب تو ترکِ مارب کا ہو سکتا ہے، ترکِ یمن کا نہیں۔

اصل یہ ہے کہ سبا کی دولت و ثروت کا اساس صرف تجارت تھی، یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے، اور دوسری طرف سواحلِ افریقہ کے، سونا، بیش قیمت پتھر، مسالہ، خوشبوئیں، ہاتھی دانت، یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے ٹھیک یمن میں آکر اترتی تھیں، یمن سے سبا اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی حجاز سے گذر کر شام و مصر لاتے تھے، قرآن مجید نے اسی راستہ کو "امام مبین" (کھلا راستہ) اور اسی سفر کا نام رحلۃ الشتاء والصیف رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا، ان تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت کے سبب سے یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی، جہاں بے خوف و خطر سفر ہو سکتا تھا۔

چوتھی صدی ق م کے اواخر میں یونانیوں نے اور پہلی صدی ق م میں رومیوں نے علی الاتصال شام و مصر پر قبضہ کیا، یہ عربوں کے بار بار حملوں سے خوف زدہ رہتے تھے، عرب اس تجارت کو صرف اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے، اس لئے غیر قوموں کو اپنے ملک سے گذرنے نہیں دیتے تھے انباط اور حمیر کے واقعات پڑھو کہ اس کے لئے کیا کیا خونریزیاں ہوئیں، اور یونانی و رومی ان دشوار گذار پہاڑوں اور ریگستانوں کو بہ آسانی طے بھی نہیں کر سکتے تھے، لاجرم انھوں نے ہندوستان اور افریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا، اور تمام مال کشتیوں کے

[1] ملوک الارض حمزہ اصفہانی ص ۱۱۰ کلکتہ۔

ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر و شام کے سواحل پر اترنے لگا، اس طریق نے یمن سے شام تک خاک اڑادی اور سبا کی تمام نوآبادیاں بے نشان ہو کر رہ گئیں۔

دیکھو! مفسرین کے علی الرغم قرآن مجید ان واقعات کی کیوں کر حرف بحرف تصدیق کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ○ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ، ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ○ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ○ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ○ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ -

(سبا - ۲)

بے شبہ سبا کے لئے خود اپنے گھر میں نشانیاں تھیں، دو باغوں (کا سلسلہ) داہنے بائیں اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ، اور اس کا شکر کرو، ستھرا شہر ہے اور معاف کرنے والا مالک انھوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند (توڑ کر) سیلاب بھیجا اور ان کے دونوں باغوں کے بجائے بدمزہ پھلوں اور پیلو اور کچھ بیری کے جھاڑ پیدا کر دیئے، یہ اُن کی ناشکر گزاری کی جزا تھی اور ہم تو صرف ناشکر گزاروں ہی کو یہ جزا دیتے ہیں، اور ہم نے اُن کے (ملک) اور برکت والی آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور ان میں سفر کی منزلیں مقرر کی تھیں، چلو ان آبادیوں کی منزلوں میں دن رات بے خوف و خطر انھوں نے کہا کہ خدا نے ہمارا سفر بڑا بنایا (یا اے خدا ہمارے سفر کو دور کر دے) انھوں نے خود اپنی جان پر آپ ظلم کیا تو ہم نے ان کو کہانی بنا دیا اور پارہ پارہ کر دیا، حقیقتہً اس میں عبرت کی نشانیاں ہیں شکر گذار اور صابر بندوں کے لئے۔

دیکھو! ان آیتوں میں دو باتیں ہیں، ایک تو سیلاب عرم کا ذکر ہے جو مسکنِ سبا یعنی شہر مارب میں خدا نے بھیجا، اس سیلاب کے اثر سے تم کہتے ہو تمام قوم متزلزل ہو گئی، لیکن خدا کہتا ہے کہ سیلاب بھیج کر بند توڑ دیا جس سے صرف اُن کے باغ ویران ہو گئے، دوسری بات یہ ہے کہ تجارت کی جو پُرامن آبادیاں اور راہیں قائم تھیں، وہ اجڑ گئیں، تم کہتے ہو کہ اس کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن خدا فرماتا ہے کہ یہی وہ عذاب تھا جس سے وہ مٹ کر قصہ کہانی بن گئے اور ان کی قومیت کا شیرازہ پارہ پارہ ہو گیا۔

پارہ ہو گیا۔

قرآن کی صداقت پر ایک قرآن کا منکر (مول) شہادت دیتا ہے کہ "سبا کی بربادی سیلاب سے نہیں ہوئی جیسا کہ روایت عرب کا بیان ہے بلکہ تجارتی راہوں کے بدلنے سے ہوئی ہے، جس طرح کہ قرآن نے بوضاحت تمام بیان کیا ہے[1]"

نیز کہلان کیا قحطانی ہیں؟ عام علمائے انساب سبا کے دو بیٹے قرار دیتے ہیں، حمیر اور کہلان، حمیر کو تمام تر یمن کا مالک قرار دیتے ہیں اور کہلان کو اطراف وحدود کی پاسبانی سپرد کرتے ہیں بنو کہلان کا سالار خاندان خواب دیکھتا ہے، یا کسی کاہن سے اس کو معلوم ہوتا ہے کہ سد مارب ٹوٹے گا اور سبا برباد ہوں گے، اس بنا پر وہ یمن چھوڑ کر حجاز، نجد، بحرین، عمان، یمامہ، مدینہ عراق اور شام میں نکل جاتے ہیں، ان میں سے مشہور شاخوں کی جو متفرق صوبوں میں جاکر آباد ہو گئے حسب ذیل تفصیل ہے۔

یمن	ہمدان، اشعر
نجد	کندہ، قضاعہ
حجاز	خزاعہ (مکہ) اوس اور خزرج (مدینہ)
عمان	ازد
شام	عاملہ، غسان
عراق	لخم، جذام

لیکن ہمارے نزدیک ہمدان واشعر اور بعض دیگر قبائل کا قحطانی الاصل ہونا مشکوک ہے قضاعہ، خزاعہ اور لخم کو تو عموماً محققین انساب نے اسمٰعیلی وعدنانی کہا ہے، خزاعہ (اسلم) کو حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسمٰعیل کہا ہے[2] اوس وخزرج کا اسمٰعیلی النسب ہونا بھی بخاری کی روایت سے ثابت ہے[3] اور خود اوس وخزرج کو بھی اس کا دعویٰ تھا، کندہ کے شاعر خود اپنے کو معد (بنی اسمٰعیل) کہتے ہیں، غسان کا بھی اسمٰعیلی ہونا شعرائے عرب کے کلام سے ثابت ہے، اصل یہ ہے کہ عام علمائے انساب کو صرف تین سلسلے معلوم تھے، عرب بائدہ، قحطانی، سبا اور اسمٰعیلی قیدار (عدنان) اس بنا پر جب کسی قبیلہ کی نسبت یہ

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون سبا

[2] صحیح بخاری باب المناقب [3] باب واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً

ثابت ہوجاتا تھا کہ وہ بائدہ اور عدنانی نہیں ہے تو لامحالہ اس کو قحطانی فرض کر لیتے تھے، حالانکہ توراۃ اور تاریخ کی رو سے عرب میں اور بہت سلسلے ثابت ہیں۔

قحطانی اور اسمٰعیلی خاندان میں تمیز کرنا نہایت آسان ہے، جنوبی عرب عموماً بنو قحطان کا مسکن ہے اور شمالی بنو اسمٰعیل کا، بنو قحطان کی زبان سبائی وحمیری ہے، بنو اسماعیل کی عدنانی اور نابتی، اول کا خط تحریر مسند ہے اور ثانی کا نابتی، دونوں کے نام کا طریقہ مذہبی تخیل اور دیوتاؤں کے نام بالکل مختلف ہیں اس نکتہ کے سمجھنے کے بعد یہ عقیدہ خود بخود حل ہوجاتا ہے کہ بعض علمائے انساب وحدیث خود قحطان کو اسماعیلی کیوں کہتے ہیں؟ امام بخاری کا میلان طبع بھی ادھر ہی نظر آتا ہے، چنانچہ صحیح میں انھوں نے "باب نسبۃ الیمن الی بنی اسماعیل" ایک مستقل باب باندھا ہے علمائے انساب میں زبیر بن بکار مکی اور ابن اسحاق کی بھی یہی روایت ہے، علامہ ابن حجر بھی فتح الباری میں اسی پہلو کو راجح قرار دیتے ہیں[1]۔ اس مبالغہ میں اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ بعض قحطانی شاخیں اسمٰعیلی ہیں اور یمن میں سکونت کے باعث یا کسی اور سبب سے ان کو قحطانی فرض کر لیا گیا ہے[2]۔

---

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۳۹۱　[2] جامع ترمذی میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ لخم، جذام، غسان عاملہ، ازد، اشعر، حمیر، کندہ، مدحج اور انمار، سبا کے خاندان سے ہیں، یہ حدیث غریب وحسن ہے۔

حمیر
یا
سبا کا طبقۂ ثالثہ و رابعہ
(۱۱۵ ق م - ۲۵ م)
قوم تبع و اصحاب الاخدود

ملک یمن کا نقشہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ مغربی و مشرقی دو حصوں پر منقسم ہے، قطعۂ مشرقی جو اندرونی ملک سے ملحق ہے، مملکتِ سبا ہے، قطعۂ مغربی جو ایک طرف بحرِ عرب اور دوسری طرف بحرِ احمر کو چھوتا ہے حمیر کی مملکت ہے۔

اس سے تم نے سمجھا ہوگا کہ بحری تجارتوں نے سبا کو مٹا کر حمیر کو کس حد تک چمکا دیا ہوگا یہی سبب ہے کہ یمن کی حکومت مشرق سے منتقل ہو کر مغرب کو چلی آئی اور حمیر جو مغربی قبیلہ تھا، اس نے قوت مزید حاصل کر لی، ناچار مشرقی قبائل رزق و معاش کی تلاش میں کچھ مغرب کو اُٹھ آئے، کچھ یمامہ، بحرین، حجاز، عراق اور شام کو چلے گئے، یہ بھی سمجھ لو کہ حمیر سبا سے کوئی الگ شے نہیں ہے، صرف خاندان اور موقعِ حکومت کا فرق ہے، زبان، مذہب اور طریق تمدن تمام چیزیں ایک ہیں، اسی لئے خود حمیر کے کتبات میں بھی بجائے حمیر کے سبا ہی مذکور رہے، البتہ مورخینِ یونان نے ۲۰ ق م میں اور اہلِ حبشہ نے چوتھی صدی عیسوی میں اپنے کتبہ میں ان کو حمیر کہا ہے۔

لفظ حمیر علمائے انساب کہتے ہیں کہ حمیر سبا کے جانشین فرزند کا نام تھا، اور اس لئے سبا کی تمام تاریخ میں وہ بجائے سبا کے ہر جگہ حمیر بولتے ہیں، لیکن اب تک جو کتبات ملے ہیں اور جن میں سے اکثر کی بعینہٖ عبارتیں میری نظر سے گذری ہیں ان میں لفظ حمیر کہیں نظر نہیں آیا[۱]، خود حمیر کے سلاطین اپنے آپ کو "ملک سبا و ذو ریدان" لکھتے ہیں، ہاں اہل حبش کے بعض کتبات میں "حمیر" اور "ارض حمیر" البتہ کہیں کہیں ملتا ہے، حمیر عربی اور حبشی میں "حمر" سے مشتق ہوگا، جس کے معنی سُرخ کے ہیں اور محاورہ میں گورے رنگ کو احمر کہتے ہیں، اس کا مقابل اسود ہے، عرب "سیاہ و سپید" کی جگہ "اسود الاحمر" بولتے ہیں

[۱] جہاں جہاں ہم نے اس باب میں کتبات کے حوالے دیتے ہیں وہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل ۱۸۷۴ء کے مضامین مطالعہ زبانِ سبا سے الفاظ ہیں

چونکہ عرب اہل حبش کو اسود اور اسودان کہتے ہیں، اس کے مقابلہ میں حبش عربوں کو "حمیر" یعنی گورے رنگ کے آدمی کہتے ہوں گے، ابرہہ یمن کا حبشی فاتح اپنے ایک کتبہ[1] میں لکھتا ہے کہ "بادشاہ حبشی حمیری فوج لے آیا"، موجودہ محاورہ ہند میں اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ کالی گوری دونوں پلٹنیں آئیں۔

السنۂ سامیہ اور آثار عرب کے ایک مشہور ماہر (ہالوے)، نے اپنے سلسلۂ مضامین "مطالعۂ زبان سبا"، میں جو فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی[2] میں شائع ہوا ہے، اس موضوع پر ایک نہایت عجیب بحث لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بر بنائے کتبات، شاہان سبا و حمیر کا آئین تحریر یہ تھا کہ وہ کتبات میں عموماً لفظ ملک۔ (شاہ) کے بعد قلعۂ حکومت کا، اس کے بعد اپنے شہر حکومت کا یا علی العکس ذکر کرتے تھے، اس بنا پر جب ہم کو شاہ اذنیہ حبشی کے کتبہ میں "ملک حمیر و ریدان و سبا و سلحین" لکھا نظر آتا ہے، تو ہم صاف کہہ دیں گے کہ سبا و سلحین میں جو تعلق ہے، یعنی پہلا شہر ہے، اور دوسرا قلعہ، یہی تعلق حمیر اور ریدان میں بھی ہے اس بنا پر حمیر قوم کا نام نہیں، بلکہ قلعہ شاہی کا نام تھا، اور رفتہ رفتہ اس نے حکومت کا اور پھر تمام قوم کا نام اختیار کر لیا۔

لیکن ہم کو متعدد وجود سے اس تحقیق سے انکار ہے۔

(۱) اس تاریخ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ سامی قوموں میں شخص کے نام پر ملک کے نام رکھنے کا رواج عام تھا، لیکن ملک کے نام پر قوم کا نام کبھی نہیں رکھا گیا، اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں، اور خود یہاں بھی دیکھ لو، سبا ایک قوم کا اصل میں نام ہے، جس کو ہالوے صاحب بھی اس مضمون میں تسلیم کرتے ہیں، بلکہ یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں، لیکن چونکہ اس قوم کا پایۂ تخت شہر مارب تھا، اس بنا پر خود شہر مارب کو سبا کہنے لگے، جیسا کہ اذنیہ کے مذکورہ بالا کتبہ میں بھی موجود ہے۔

۲۔ قاعدہ یہ ہے کہ لفظ مذکور اگر کسی مقام کا نام ہوتا ہے تو اس کے پہلے لفظ "ذو" (مالک) یا لفظ "حقر" (شہر) یا لفظ "بیت" (قلعہ) آتا ہے، مثلاً خود صاحب ممدوح کے شائع کردہ کتبات میں دیکھو "ذو ریدان ذو سلحین"، کہ یہ دونوں مقامات کے نام ہیں، حقر عدن و بیت ہیں، یعنی شہر عدن و قلعہ سلحین و شہر مارب، لیکن اس قسم کا استعمال لفظ حمیر کے ساتھ کہیں نظر نہیں آتا، اذنیہ کے جس کتبہ کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کی عبارت بھی یوں ہے، "نجوس[3] حمیر و ذو ریدان و ذو سلحین"، دیکھو کہ اس میں بوضاحت تمام مقام اور قوم کے نام میں فرق نظر آتا ہے۔

۳۔ اب تک کتبات میں جس قدر شہروں اور قلعوں کے نام ملے ہیں، وہ تمام تر عربی جغرافیوں

---

[1] دیکھو اصحاب الفیل۔ [2] مئی و جون ۱۸۷۳ء پیرس۔ [3] نجوس حبشی لفظ ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اسی لفظ کو معرب کر کے عرب نجاشی کہتے ہیں۔

میں مذکور ہیں لیکن حمیر کا بحیثیت قلعہ یا شہر کا کہیں ذکر نہیں ہے،

مملکت حمیر تمہید میں معلوم ہو چکا ہے کہ حمیر مغربی یمن میں بحر احمر و بحر عرب کے متصل آباد تھے، اُس وقت اس خاندان پر "ذو" (امیر) حکومت کرتے تھے، قلعہ ریدان ان کا مسکن تھا اور اس بنا پر خطاب امارت "ذو ریدان" تھا، یہ قلعہ شہر ظفار کے متصل تھا، جو شہر صنعاء کے قریب واقع ہے، اور جدید حکومت کا پایۂ تخت تھا، ابو علکم مرانی اسی ریدان کے ذکر میں کہتا ہے۔

وفی ظفار بنت آباؤنا غرفا فی کوکبان وقصر الملک ریدانا

ہمارے بزرگوں نے ظفار میں عمارتیں تعمیر کیں نیز کوکبان میں اور "قصر شاہی ریدان" تھا

سبا کی تباہی و تفرق کے بعد حمیر نے مارب تک اپنی حکومت کو وسعت دی، اُس وقت اُن کا لقب شاہی "ملک سبا و ذو ریدان" نظر آتا ہے، ایک مدت کے بعد اُن کے القاب میں "شاہ حضر موت" کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے، پھر تمام یمن، نجد اور تہامہ کی بادشاہی، القاب میں نظر آتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح رفتہ رفتہ ان کی حکومت کا رقبہ وسیع ہوتا جاتا ہے، آخر ۵۲۵ء میں آخری حمیر بادشاہ ذو نواس اکسومی حبشیوں سے شکست کھاتا ہے اور تقریباً ۵۰ برس کے لئے ملک اُن کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے، اس کے بعد ایرانی آتے ہیں، اور ان کے چند سالوں کے بعد تہامہ کی گھاٹیوں سے خورشید اسلام یمن میں طلوع ہوتا ہے اور ایک دن میں تمام یمن اس نور سے منور ہو جاتا ہے

حمیر کا زمانہ سبا کے خاندان حمیر کا زمانہ کب سے شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟ اس کا جواب فرض و تخمین کی بجائے کسی قدر واقعیت سے دیا جا سکتا ہے، سبائے حمیر کے پچھلے کتبات میں مبهود بن ابہد کے نام سے ایک غیر معلوم تاریخ کے سنین کا استعمال کیا ہے، ۳۸۵ء، ۵۷۳ء، ۵۸۲ء، ۶۰۴ء، ۶۵۸ء، ۶۶۹ء، ۷۴۵ء، ۶۴۰ء مختلف کتبات کے سنین ہیں، اُن میں سے ۶۴۰ء کے کتبہ میں حبش کے حملۂ یمن اور ذو نواس کی موت کا ذکر ہے یہ واقعہ عرب روایات اور رومی بیانات کے مطابق ۵۲۵ء کا ہے اس بنا پر یہ بالکل بدیہی ہے کہ ۵۲۵ء، ۶۴۰ء حمیری کے مطابق ہے۔ اور اس لئے سنہ حمیری کی ابتدا ۱۱۵ء ق م قرار پائے گی[1]۔

یہ تحقیق بالوے کی ہے، لیکن اس مسئلہ میں میری رائے ایک اور ہے ہالوے کی اس تحقیق سے یہ تو البتہ ثابت ہوتا ہے کہ حمیری سنہ کی ابتدا ۱۱۵ء ق م سے ہوتی ہے، لیکن یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حمیری خاندان یعنی "ملک سبا و ذو ریدان" کی بھی ابتدا اسی سنہ سے شروع ہوتی ہے،

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۳ ص ۹۵۶

کتبات میں ایک کتبہ کی عبارت یہ ہے: "الیشرح یحضب و یثیل ہیں، شاہان سبا و ریدان فرزندان فرع نہیب شاہ سبا۔" رومی تاریخ میں ایک حملۂ یمن کا ذکر ہے، جو ۲۵ء ق م میں **الیشرح** شاہ مارب (سبا) پر کیا گیا تھا[1] الیشرح اس عہد میں دو (چچا اور بھتیجا) کا نام تھا، الیشرح یحضب اور الیشرح یحمل میں رومی تاریخ کا الیشرح، الیشرح یحمل کو فرض کرتا ہوں کتبہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ الیشرح یحضب سبا و ریدان کا پہلا بادشاہ تھا، رومی تاریخ سے الیشرح یحمل کا زمانہ ۲۵ء ق م معلوم ہوتا ہے اس بنا پر حمیری خاندان کی ابتدا پہلی صدی کے اوسط سے پہلے نہیں جاتی، مہود بن ابہد جس کے نام کی طرف حمیری سنہ کی نسبت ہے، عجب نہیں کہ سبا کے سیاسی انقلاب کے بعد حمیر کا پہلا کاہن ہو، بابل میں یہ قاعدہ تھا کہ سنہ کی ابتدا سلاطین کے بجائے کاہنوں سے کی جاتی تھی، یہی اصول سنہ نویسی حمیر میں بھی نظر آتا ہے۔[2]

بہر حال اگر میری رائے درست ہے، جس کی دوسرے واقعات سے بھی تصدیق ہو چکی ہے، تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ سبائے حمیر کی تاریخ پہلی صدی ق م کے اوسط سے شروع ہوتی ہے، اور ذونواس کی موت پر ۵۲۵ء میں ختم ہوتی ہے اور اس بنا پر حمیر کی کل مدت حکومت تقریباً ۵۵۰ برس قرار پائے گی، مورخین یونان نے حمیر کا ۲۵ء ق م میں پہلی بار ذکر کیا ہے۔

حمیر کے طبقات حمیری حکومت کے ۵۵۰ برس حمیر کی مسلسل تاریخ نہیں ہے پہلی صدی ق م سے تیسری صدی عیسوی کے اواخر تک حمیر کا طبقۂ اول یا سبا کا طبقۂ ثالث فرمانروائی کرتا رہا، دوسرا طبقہ تیسری صدی عیسوی کے اواخر سے شروع ہوتا ہے، اور ابھی چند ہی بادشاہ گذرے ہیں کہ اکسومی حبشی چوتھی صدی کے اوسط میں یمن گھس آتے ہیں، چند سال کے بعد حمیر ان حبشیوں کو نکال کر پھر وطنی حکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں، یہ طبقہ ۵۲۵ء تک جب کہ آخری بار اہل حبش فاتحانہ داخل ہوتے ہیں، قائم رہتا ہے۔

سبائے حمیر کے ان دونوں طبقات میں متعدد فروق و امتیازات ہیں، دور اول کے سلاطین کا لقب "ملک سبا و ذو ریدان" ہے، دور ثانی میں یہ سلاطین "ملک سبا و ریدان و حضر موت" کا لقب اختیار کرتے ہیں، اور پھر جب کوئی نیا قطعۂ ملک فتوحات میں شامل ہوتا ہے تو لقب شاہی میں اتنا ہی اور اضافہ ہو جاتا ہے، ان القاب سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دور اول میں حمیر کا رقبۂ حکومت صرف یمن تک محدود تھا، دور ثانی میں حضر موت تک وسیع ہو جاتا ہے، عرب مورخین کے بیان سے بھی ان طبقات کی تصدیق ہوتی ہے۔

واول من ملک اولاد قحطان حمیر   فرزندان قحطان میں سے پہلے، جو پہلے بادشاہ ہوا وہ حمیر

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲۳ ص ۹۵۶۔ [2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۱ ص ۳

بن سبا فبقی ملیکا حتی مات ھو مادتوارث ولدہ الملک بعدہ فلم یعد ھم الملک حتی مضت قرون وصار الملک الی الحارث وھو تبع الاول فمن ملک الیمن قبل الرائش ملکان ملک بسبا و ملک بحضرموت فکان لا یجتمع الیمانیون کلھم علیھم الی ان ملک الرائش فاجتمعوا علیہ وتبعوہ فسمی تبعا[1]

ابن سبا ہے، یہ آخر وقت تک بادشاہ رہا، تا آنکہ بڈھا ہو کر مر گیا، پھر حکومت اس کی نسل میں وراثۃً جاری اور ان کے ہاتھ سے نہیں نکلی، تا آنکہ چند صدیاں گذر گئیں پھر حارث الرائش بادشاہ ہوا جو پہلا تبع ہے اس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے تھے ایک سبا میں اور ایک حضرموت میں، تمام یمنی ایک کی اطاعت پر متفق نہیں ہوتے تھے لیکن جب یہ بادشاہ ہوا تو اس کی بادشاہی پر سب متفق ہو گئے اور اس کی اطاعت کر لی، اس لئے اس کا لقب تبع ہوا۔

ایک اور فرق عظیم ان دونوں طبقوں میں یہ ہے کہ پہلا طبقہ عموماً ستارہ پرست ہے، ان کی تمام کتبات، ستاروں، دیوتاؤں اور ہیکلوں کے ناموں اور یادگاروں سے مملو ہیں، دوسرے دور میں سلاطین حمیر بعض عیسائی اور اکثر یہودی المذہب ہیں اس لئے ان کے کتبات میں بجائے دیوتاؤں کے رحمان کا نام نظر آتا ہے[2]

شاہان حمیر ابھی جو عبارت حمزہ اصفہانی کی تم نے پڑھی، اس سے سمجھا ہوگا کہ حارث الرائش سے پہلے کے شاہان حمیر کی جماعت، سبائے حمیر کا طبقہ اول ہے، اور حارث الرائش سے آخر تک طبقہ ثانیہ ہے، شاہان طبقہ اول کے جو نام عربی تاریخوں میں مذکور ہیں، باہم نہایت مختلط، مختلف اور مفروض ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا کے رو سے ان میں سے کسی میں بھی صحت کا شائبہ نہیں ہے، ان ناموں کی تفصیل ہم سبا کے ذکر میں کر چکے ہیں، مختلف مورخین کے بیانات ایک بار پڑھ لو، اور دیکھو کہ ان ناموں کو طبقہ ثانیہ میں خود مورخین عرب نے جو نام لکھے ہیں، اور جو ایک حد تک صحیح ہیں اور جو کتبات میں نام ملے ہیں ان دونوں سے زبان، جنسیت، مشارکت و یک رنگی طریقہ اسمیت میں کوئی مناسبت ہے؟

مورخین عرب کے طبقہ اوّل حمیر کے نام	مورخین عرب کے طبقہ دوم حمیر کے نام	کتبات کے سبائی حمیری نام
حمیر	ناشر نیعم	فرع نیھب
الھمیسع	شمر یرعش ابو کرب	الیشرح یحضب
ایمن	ابو مالک	الیشرح یحیل

[1] حمزہ اصفہانی ص ۱۰۸ کلکتہ [2] برٹانیکا، مضمون سبا، حمزہ اصفہانی فصل حمیر، عبد کلال عیسائی تھا ذو نواس وغیرہ یہودی تھے۔

مورخین عرب کے طبقہ اوّل حمیر کے نام	مورخین عرب کے طبقہ دوم حمیر کے نام	کتبات کے سبائی حمیری نام
زہیر	الاقرن	یثیل ہیں
عریب	کلیکرب	کرب ایل یوہنعم
الغوث	اسعد ابوکرب	ذمر علی ذرح
وائل	عبید کلال	شمر یہرعش
عبد شمس	مرثد بن عبید	ملک یکرب یوہنعم
زہیر الصوار	ولیعہ بن مرثد	ابوکرب اسعد
ذوالقدم		معدی کرب
ذوانس		مرثد اللات
عمرو		ملک امر
الملطاط		سہمی کرب
القلیص		تبع کرب
شدو[2]		یفرع ینعم[3]

اس مقابلہ سے تم نے سمجھا ہوگا کہ سبا اور حمیر کے اصلی نام کی صحیح ہیئت کیا ہوتی ہے، اور ان میں کس قسم کے جوڑ بند ہوتے ہیں، یہی سبب ہے کہ اکثر محققین تاریخ عرب نے طبقہ ثانی سے پہلے کے نام چھوڑ دیئے ہیں، حمزہ اصفہانی جو عربی زبان میں تاریخ قدیم کا بہترین و محقق ترین ماخذ ہے، حارث الرائش سے پہلے کے سلاطین کا مطلق نام نہیں لیتا، کہتا ہے۔

واول من ملك من اولاد قحطان
حمیر بن سبا فبقی ملکا الی مان
هرمًا وتوارث ولده الملك بعده
فلم یعد هم ملك الیمن حتی مضت
قرون وصار الملك الی الحارث[3]

فرزندانِ قحطان میں سے حمیر بن سبا پہلا بادشاہ ہوا، اور آخر تک بادشاہ رہا، تاآنکہ بڈھا ہوکر مرگیا، اس کی نسل میں وراثۃً حکومت قائم رہی اور یمن کی حکومت اسی نسل میں باقی رہی، یہاں تک کہ چند صدیاں گذر گئیں، اور حارث بادشاہ ہوا۔

حارث سے پہلے کی یہی چند مجہول صدیاں حمیر کا طبقہ اوّل ہے۔

---

[1] یہ نام حمیر کے محقق ترین ماخذ نشوان بن سعید الحمیری کے قصیدۂ حمیریہ سے ماخوذ ہیں، [2] حمزہ اصفہانی فصل حمیر سے کتبات شائع کردہ ہالوے اور فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی بخط عبری ۱۸۷۲ء۔ [3] تاریخ حمزہ اصفہانی ص ۱۰۸ کلکتہ۔

شاہان حمیر اور اُن کے طبقات کی نسبت ہم نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے معلوم ہو گا کہ حمیر کے طبقہ ثانیہ میں اکسومی (اسبائی) حبش کی ایک قلیل الزمانہ حکومت کی خلیج بھی حائل ہے، عرب مورخین کو عموماً گو اس کی واقفیت نہیں لیکن شاہان حمیر کی کامل فہرست جو وہ پیش کرتے ہیں طبقہ ثانی کے بیچ میں یعنی حارث الرائش اور ناشر نعم کے درمیان ناموں کے رنگ و بو پہچاننے والوں کو صاف حبشی یا کم از کم غیر عربی و حمیری رنگ واثر جدید ناموں میں نظر آئے گا۔

نام	کیفیت	نام	کیفیت
الف ۱۔ حمیر	نام	۴۔ ہداد بن شرحبیل	ایک حبشی بادشاہ کا نام
۲۔ الہمیسع	مصنوعی نام	۵۔ بلقیس بنت ہداد	غیر عربی شاید یونانی،
۳۔ الف۔ ایمن	صحیح لیکن نام کا صرف ایک جزو ہے	ج ۱۔ ناشر نعم	صحیح نام
۴۔ نوہیر	مصنوعی نام	۲۔ شمر یرعش	″
۵۔ عریب	″	۳۔ ابومالک	″
۶۔ الغوث	″	۴۔ الاقرن بن ابی مالک	مشکوک
۷۔ وائل	ایک خاندان شاہی کا جزو اول نام ہے	۵۔ ذو حبشان بن الاقرن	″
۸۔ عبد شمس	صحیح نام	۶۔ تبع بن الاقرن	″
۹۔ زہیر الصوار	مشکوک نام	۷۔ کلی کرب بن تبع	صحیح
۱۰۔ ذوالقدم	″	۸۔ اسعد ابوکرب	″
۱۱۔ ذوانس	″	۹۔ حسان بن تبع	مشکوک
۱۲۔ عمرو	″	۱۰۔ عمرو بن تبع	″
۱۳۔ الملطاط	مصنوعی نام	۱۱۔ عبد کلال	صحیح
۱۴۔ القلیص	″	۱۲۔ تبع بن حسان	مشکوک
۱۵۔ سدو	″	۱۳۔ مرثد بن عبید	صحیح
۱۶۔ الحارث الرائش	صحیح نام	۱۴۔ ولید بن مرثد	″
ب ۱۔ ابرہہ ذوالمنار	حبشی نام ابرہہ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے	۱۵۔ ابرہہ بن الصباح	حبشی
۲۔ افریقس بن ابرہہ	غیر عربی نام، افریقس کے معنی شاید افریقی یعنی حبشی ہوں	۱۶۔ صہبان بن محرث	مشکوک
۳۔ العبد ذوالاذعار	مشکوک	۱۷۔ حسان بن عمرو	″

نام	کیفیت	نام	کیفیت
۱۸۔ ذوشناتر	صحیح	۲۰۔ ذوجدن	صحیح
۱۹۔ ذونواس	״		

اس طویل فہرست میں قائمہ "الف" طبقۂ اوّل حمیر ہے لیکن تمام نام اس کے صحیح نہیں ہیں، قائمہ "ب" ایک مختصر حبشی دور ہے یہ نام بھی غیر صحیح ہیں لیکن حیثیت کا ان میں شائبہ ہے، قائمہ "ج" طبقۂ دوم حمیر ہے زمانہ کے سبب اس کے اکثر نام صحیح اور محفوظ ہیں۔

طبقۂ اوّل کے صحیح نام اور زمانے

شاہان حمیر کے صحیح نام وہ ہیں جو اب تک پتھر اور چاندی کے حرفوں میں یمن کے ویرانوں اور سکوں میں لکھے ملے ہیں، اور جن کو ہمنوں نے پڑھا ہے اور ہر شخص جا کر پڑھ سکتا ہے ہم اوپر بتایا کہ طبقۂ ثانی کے بعض کتبوں پر تاریخیں بھی ثبت ہیں جن کا حل ہو چکا ہے، بعض سلاطین کے نام رومیوں کے سیاسی و تجارتی تعلق سے یونانی و رومی تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ اور قیاصرۂ روم کی معاصرت سے ان کی تاریخ معلوم ہے۔

اُس رومی تعلق سے طبقۂ اوّل حمیر میں سے جس کا لقب شاہی "ملک سبا و ذوریدان ہے"، دو بادشاہوں کی تاریخ معلوم ہے، کرب ایل (charibael) اور الیشرح (Elsharah) کتبہ میں الیشرح یحضب اور الیشرح یحمل دو چچا بھتیجوں کے نام ملتے ہیں، رومیوں کا الیشرح ان میں سے جو ہو وہ ۲۰ سنہ قم میں موجود تھا، کرب ایل شاہ سبا و ریدان، کو پریپلس مورخ (۸۰ء) نے پہلی صدی عیسوی کے اوسط میں ذکر کیا ہے، کتبوں میں الیشرح اور کرب ایل اور اُن کے باپ اور بیٹوں کے نام بھی ملے ہیں جو ظاہر ہے کہ ترتیب میں اس کے آگے ہوں گے، بقیہ نام قیاساً اوپر نیچے ترتیب دیے گئے ہیں، سب سے پہلا نام الیشرح یحضب قرار دیا جاتا ہے کہ کتبہ ذیل کی رُو سے "ملک سبا و ریدان" کے لقب سے یہ پہلا شخص نظر آتا ہے۔

"الیشرح یحضب و یزیل ہیں شاہان سبا و ریدان ابن فرغ ینہب شاہ سبا"[1]

الیشرح شاہ سبا و ریدان ہے، اس سے پہلے اس کا باپ شاہ سبا ہے، طبقۂ اوّل یعنی "شاہان سبا و ریدان"، کے نام حسب ذیل ہیں[2]

؛	الیشرح یحضب، ملک سبا و ذوریدان، بن فرغ ینہب ملک سبا	۵۰۔۔۳۰ ق م (فرضاً)

[1] ہالوے فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۷۴ء مضمون مطالعۂ زبان حمیر ۱۲۔ [2] یہ فہرست ہوارت کی تاریخ فصل سوم اور کتبات شائع کردہ موسیو ہالوے (فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۷۴ء) سے ماخوذ و ملتقط ہے۔

۲	یثیل بیّن، ملک سبا و ذو ریدان فرع ینہب ملک سبا۔		ایک خاندان ۳۰-۲۰ ق م
۳	الیشرح یحضب ملک سبا و ذو ریدان، بن یثیل بیّن۔		۲۰-۱ء (تقریباً)
۴	ذمر علی بیّن، ملک سبا و ذو ریدان۔		۱-۳۰ء (فرضاً)
۵	کرب ایل وتار یہنعم ملک سبا و ذو ریدان بن ذمر علی۔		ایک خاندان ۳۰-۲۰ ق م
۶	ہلک امر، ملک سبا و ذو ریدان، بن کرب ایل۔		۶۰-۸۰ء (فرضاً)
۷	ذمر علی ذرح، ملک سبا و ذو ریدان، بن کرب ایل۔		۶۰-۸۰ء (فرضاً)
۸	یعزع نیم، ملک سبا و ذو ریدان۔		۱۰۰-۱۲۰ء ،،
۹	ہو فعثت اشوع، ملک سبا و ذو ریدان بن فرع نیم۔	کتبہ میں ایک ساتھ انکا نام ہے	ایک خاندان ۱۲۰-۱۴۰ء ،،
۱۰	شید وامین، فرزندان ہو فعثت۔		۱۴۰-۱۶۰ء ،،
۱۱	وہب ایل یحز، ملک سبا و ذو ریدان۔		۱۶۰-۱۹۰ء ،،
۱۲	لعز نوفان یہصدق، ملک سبا و ذو ریدان۔	متفرق نام	۱۹۰-۲۲۰ء ،،
۱۳	یاسر یہصدق، ملک سبا و ذو ریدان۔		۱۲۰-۲۴۰ء ،،
۱۴	ذمر علی یہبر، ملک سبا و ذو ریدان۔		۱۴۰-۲۷۰ء ،،
۱۵	یاسر یونعم، ملک سبا و ذو ریدان۔		۱۷۰-۲۸۰ء (تقریباً)

طبقۂ اوّل کے حالات سیاسی اس عہد میں یمن کو دو ہمسایہ حکومتوں سے تعلقات تھے، اکسومی حبش جو سبائی الاصل تھے، اور جو مقابل کے ساحلِ افریقہ پر آباد تھے، اور رومی جو مصر و شام پر حکومت کرتے تھے، اور بحری راستہ سے ہندوستان کا مالِ تجارت لے کر سواحلِ یمن پر گذرتے تھے، اور خود اہلِ یمن سے بھی تجارتی تعلق رکھتے تھے۔

رومیوں میں بھی یہودیوں کی طرح سبا کی دولت و ثروت کی اس قدر شہرت ہو گئی تھی، کہ رومن لٹریچر میں سبا کی دولت ضرب المثل بن گئی، شعرا اُن کی دولت کی تمثیل دیتے تھے رفتہ رفتہ طمع و حرص نے کام و دہن میں لذت اور دست و پا میں حرکت پیدا کی ۲۶ ق م میں آلیس گالوس (Aelius Gallus) نے جو رومیوں کی طرف سے مصر کا گورنر تھا قیصر اغطیس (Agustus) کے حکم سے یمن پر حملہ کی تیاری کی، انباط جو شمالی عرب میں اُن کے زیرِ اثر تھے، اعانت کے لئے آمادہ کئے گئے، اور ریقہ برو بھی آمادہ نظر آئے، شاہ انباط کا وزیر سلوس بانالث عرب کے بے نشان کوہ و بیابان میں رہبر بنا، آخر صحرا و کوہستانِ حجاز طے کر کے یمن میں داخل ہوا، الیشرح جو اس وقت یہاں کا

بادشاہ تھا، حملہ کی تاب نہ سکا اور قلعہ بند ہو گیا، رومی کئی روز تک محاصرہ کئے پڑے رہے لیکن پانی کی کمیابی سے خود حملہ آور فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور نجران و حجاز ہو کر ۶ دن کے بعد بحال تباہ و زار مصر واپس آئی

یورپین اس مختصر اور عاجلانہ مہم کو بہت جی لگا کر بیان کرتے ہیں، کوئی فوج کے راستے کا نشان بتاتا ہے، کوئی محرف ناموں کی تصحیح کرتا ہے، کوئی اس کا جغرافیہ تیار کرتا ہے، کوئی اس مہم کی ناکامیابی کا سبب انباط کی خیانت ٹھہراتا ہے، کوئی راستہ کی دشوار گذاری کا عذر تراشتا ہے، ڈاکٹر اسپرنگر اور ریورنڈ فارسٹر اس کہانی کے مشہور قصہ گو ہیں، بہرحال رومیوں کی اس ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر انھوں نے ادھر آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا[1]

اکسومی حبش اس بنا پر کہ حمیر تمام تر سبا پر قابض ہو گئے ان سے جلتے تھے، حبشی کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی سے انھوں نے یمن پر حملہ شروع کیا، اور یہ حملہ مسلسل قائم رہا، کبھی فاتح ہو کر بڑھے اور کبھی مفتوح ہو کر پیچھے ہٹے، آخر حضرموت اور دیگر ساحلی مقامات پر موقع کی فرصت پا کر جم گئے، شمر یہرعش نے (جس کو عرب حارث الرائش اور شمر یرعش دو شخص سمجھتے ہیں) ان سے جنگ کی ہوگی اور ان سے یہ مقامات چھینے ہوں گے کیوں وہ یمن اور حضرموت دونوں کا پہلا بادشاہ ہوا اور اپنا لقب اسی لئے اس نے تبع اختیار کیا جس کے معنی حبشی زبان میں سلطان کے ہیں اور شاید اسی لئے قومی ہیرو کے لحاظ سے عرب اس کو زیادہ وقعت دیتے ہیں، شمر یرعش کے بعد ایک مدت تک بیچ کی کڑی نہیں ملتی، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ نالائق جانشین ہوں گے، اسی بنا پر اکسومیوں نے پھر دوبارہ حملہ کیا اور حمیر کو شکست دی، تقریباً ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یہ مدعی فرمانروا رہے[2]، کوطنی رومسا بھی اپنی جگہ پر ماتحت کی حیثیت سے قائم رہے، ۳۷۸ء میں ملک یکرب نے ان کو نکال کر یمن و حضرموت پر دوبارہ حقیقی حکومت قائم کی، یہ حکومت ۵۳۵ء تک باقی رہی ۵۲۵ء میں اکسومیوں نے دوبارہ حملہ کر کے ان کو برباد کر دیا۔

۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک جو اکسومی خاندان قائم کیا گیا ہے اس کی صحت کی متعدد دلیلیں ہیں، اولاً یہ کہ اکسوم کے کتبہ میں اس کا بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے، شاہ اذنیہ اور اس کے جانشین جو ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک اکسوم میں بادشاہ تھے اپنے کو "ملک اکسوم و حمیر و ریدان و اثیوبیا و سبا و زیلع" کہتے ہیں حمیری کتبات میں اس عہد کے نام بلقب شاہی نہیں ملتے، عربی تاریخوں میں اس عہد کے سلاطین حمیر کو جو نام مابین شمر یرعش اور ملک یکرب مذکور ہیں، وہ حبشی اللفظ ہیں، خود عرب

---

[1] فارسٹر فصل آلیس گالوس کی عرب پر مہم جلد ۲ ۔

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "سبا"، "اتھوپیا"، "اکسوم"۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ شمر یرعش کے بعد اس بنا پر حمیر طبقۂ دوم یعنی "ملک سبا وریدان حضرموت" کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً دو حمیری بادشاہ ہیں، پھر چند حبشی ہیں، ان کے بعد پھر سلسلۂ حمیری ہے۔

طبقۂ ثانیہ یا تبابعہ | طبقۂ ثانیہ یعنی وہ سلاطین جن کا لقب "ملک سبا وریدان وحضرموت" ہے، عرب ان کو تبع کہتے ہیں، اور اسی کی جمع تبابعہ ہے۔

لفظ تبع | لفظ تبع لغویین عرب کے نزدیک تبع یا تبعیت سے مشتق ہے۔

فصار الملك الى الحارث الرائش وتبع الاول فمن ملك اليمن قبل الرائش، ملكان ملك بسبا وملك بحضرموت فكان لا يجتمع اليمانيون عليهم الى ان ملك الرائش فاجتمعوا عليه وتبعوه فسمي تبعا

(حمزة ص ۱۰۸)

حمیر کے بعد یمن کی حکومت حارث الرائش۔ (یرعش) کو ملی، یہی پہلا تبع ہے، اس سے پہلے دو بادشاہ یمن میں ہوتے تھے، ایک سبا میں اور ایک حضرموت میں، تمام یمنی ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے، جب رائش بادشاہ ہوا تو سب اُس کی بادشاہی پر متفق ہو گئے اور اس کی بیعت اختیار کی، اس لئے اس کا لقب تبع ہوا۔

ممکن ہے کہ تبع عربی لفظ بمعنی "متبوع" ہو یعنی جس کی لوگ پیروی اور اطاعت کریں، لیکن بہ تحقیق جدید یہ حبشی لفظ ہے، حبشی میں اس کے معنی "قادر، جبار اور صاحب قوت کے ہیں"[1]، حکومتِ اسلام میں ٹھیک اسی معنی میں لفظ سلطان (قوت وغلبہ) رواج پایا ہے، اس لفظ کے غیر عربی ہونے کی تائید علاوہ اس کے کہ حبشی زبان میں یہ لفظ موجود ہے، یہ ہے کہ عربی زبان میں اس وزن پر کوئی لفظ واحد اور بمعنی مفعول نہیں آیا، "رکع"، "سجد" وغیرہ الفاظ ہیں تو جمع ہیں، مبالغہ کا یہ وزن ہے تو وہ معنی مفعول نہیں پیدا کرتا، اور سب سے آخر اس کے غیر عربی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عجمی ناموں کی طرح اس پر الف لام نہیں آتا، اگر یہ عربی صنف کا صیغہ ہوتا تو مانع الف ولام کیا ہے لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ حرف حبشی لفظ ہے کتبات میں ملوک معین وسبا کے عہد میں یعنی کم از کم ہزار سال قبل مسیح میں لفظ تبع نظر آتا ہے، ایک بادشاہ معین کا نام "تبع کرب بن تبع ایل مذکور ہے ایک سبائی کتبہ میں "تبع شرحبیل ملک سبا" منقوش دیکھا ہے، دوسرے کتبہ میں "تبع کرب" بلا لقب شاہی نظر سے گذرا ہے[2]، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی معنی میں یہ لفظ اصلاً سبائی وحمیری ہے۔

قرآن اور تبع | قرآن مجید نے قوم تبع کا دو بار ذکر کیا ہے، دونوں بار قوت وزور وحروت وعظمت کی

---

[1] برٹانیکا مضمون عرب۔ [2] ہالوے کے شائع کردہ کتبات میں جن کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔

طرف اس سے اشارہ کیا ہے، پہلی آیت میں صرف جبار قوموں میں اس کا بھی نام ہے، دوسری آیت میں قریش کی طرف روئے خطاب ہے کہ ان کو اپنی قوت پر ناز ہے، تبع اور ان سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا، اور زورمند نہ تھیں، ان کا کیا انجام ہوا؟

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ اَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ وَّ اَصْحَابُ الْاَيْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ (ق: ۱)	اس سے پہلے نوح کی قوم، اہل رس، ثمود، عاد، فرعون، برادرانِ لوط، اہل ایکہ اور تبع کی قوم نے جھٹلایا۔
اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (دخان ۲)	یہ قریش بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے گذریں ہم نے ان کو برباد کیا کہ وہ مجرم تھے۔

ان آیات کے موقع استعمال سے واضح ہوتا ہے کہ تبع کے معنی متبوع سے زیادہ بلیغ و پر اثر قادر و توانا کے ہیں، تبابعہ کے تاریخی و مذہبی اور دیگر حالات سے حسب ذیل فصول میں بحث کی جاتی ہے۔

تبابعہ کی تعداد عام مورخین اور ان کی تبعیت میں عام مفسرین لکھتے ہیں کہ صرف تین تبع گذرے ہیں، تبع اکبر، تبع اوسط، اور تبع اصغر، تبع اکبر کا نام الحارث الرائش ہے، تبع اوسط اسعد ابوکرب کا لقب تھا، اور تبع اصغر تبع بن حسان تھا، اس کے مقابلہ میں خود حمیری مصنفین کی روایت ہے کہ تاریخ یمن میں ستر تبع گذرے ہیں شارحِ قصیدۂ حمیریہ اور نشوان بن سعید الحمیری مصنف شمس العلوم نے روایت کے علاوہ اشعار سے اس کی تائید بیش کی ہے[۱] لیکن اس سے مقصود شام عام سلاطین یمن ہوں گے، کیونکہ لفظ تبع جیساکہ پہلے ہم نے لکھا ہے معین سبا اور حمیر، ہر دور میں نظر آتا ہے، ورنہ تنہا اس طبقہ میں تو یہ تعداد بھی مشکل ہے، جن عام مورخین نے صرف تین مخصوص تبابعہ کا ذکر کیا ہے، شاید انھوں نے صرف مشہور ترین تبابعہ کے نام پر کفایت کی ہے۔

تبابعہ کے نام اور زمانے تبابعہ جو ملوک سبا و ریدان و حضرموت ہیں عرب ان کے نام سے دیگر تمام گذشتہ خاندانوں سے زیادہ واقف ہیں، اور صحت کے ساتھ ان کے نام اور ان کی باہمی ترتیب بیان کرتے ہیں اور پھر خوش قسمتی سے کتبات میں ان میں سے اکثر اشخاص کے ناموں کے ساتھ سنہ حمیری منقوش ہے، اس کی اعانت سے غیر معلوم تاریخ کا استنباط بھی بقرائن آسان ہے۔

مورخین عرب کے مطابق نام	مدت حکومت	کتبات کے مطابق نام	مدت حکومت
یاسر نعیم بن شرحبیل	۸۵ برس	یاسر یہنعم	۲۷۰ء ۲۷۹ء
شمر یرعش	۷۳ "	شمر یہرعش	۲۸۰ء ۳۱۵ء

[۱] دیکھو شمس العلوم میں لفظ تبع اور شرح قصیدۂ حمیریہ، کتبخانہ بانکی پور۔

مورخین عرب کے مطابق نام	مدت حکومت	کتبات کے مطابق نام	مدت حکومت
ابو مالک	۵۵ برس	ابو مالک ؟	۳۱۵ء ۳۴۰ء
الاقرن بن ابی مالک	۵۳ ״	× حبشی دور	۳۴۰ء ۳۵۵ء
ذو جیشان بن الاقرن	۷۰ ״	×	۳۵۵ء ۳۷۵ء
کلیکرب	۳۵ ״	ملک یکرب یہیمن	۳۷۵ء ۳۷۸ء
عمرو بن کلیکرب	۶۳ ״	ذارامر ایمن ملک یکرب	۳۷۸ء ۴۰۰ء
اسعد ابو کرب بن کلیکرب	۳۰ ״	ابوکرب اسعد بن ملک یکرب	۴۰۰ء ۴۲۵ء
حسان بن تبع	× ״	شرجیل یعفر بن ابوکرب	۴۲۵ء ۴۵۵ء
عبد کلال بن شوب	۷۴ ״	عبد کلیل	۴۵۵ء ۴۵۹ء
×	× ״	شرجیل نیوف	۴۶۰ء ۴۸۰ء
مرثد بن عبد کلال	۴۱ ״	مرثد اللات نیوف	۴۸۰ء ۴۹۰ء
×	× ״	معدی کرب نیعم	× ×
ولیعہ بن مرثد	۳۷ ״	ابعہ نیوف بن معدی کرب	۴۹۱ء ۵۰۰ء
ذو شناتر	۲۷ ״	ذو شناتر	۵۲۵ء
ذو نواس	۲۰ ״	ذو نواس	

تبابعہ یمن کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے۔ کہ بروایت عرب بھی اُن میں سے اکثر کے نام محفوظ ہیں اور کتبات سے ان کی مزید تصدیق ہوتی ہے، شمر یہرعش اور ملک یکرب کے درمیان کے نام نہیں ملتے، اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں اہل حبش یمن کی شاہی کا دعوی کرتے ہیں، اور شاید صحیح ہو۔

ابو مالک پر ہم نے نشان استفہام بنایا ہے۔ سبب یہ ہے کہ آثار کی بنا پر جن مستشرقین نے ان تبابعہ کی فہرست بنائی ہے اُن میں یہ نام موجود ہیں، لیکن "نفس ابو مالک،، نام بدوں لقب شاہی کتبات (شائع کردہ موسیو ہلوے) میں موجود ہے، الحارث الرائش جس کے وجود و عظمت کی تمام مورخین عرب متفقاً اطلاع دیتے ہیں، حالانکہ یہ فخر حمیر و سبا کے قدیم بادشاہوں کو بہت کم نصیب ہے تاہم اس عظیم الشان بادشاہ کے نام کا جزء ہے اس بنا پر "الحارث الرائش،، اور "شمر یرعش،، دو نام نہیں ہیں۔ ہم نے جو زمانہ ترتیب دیا ہے، اُس میں اکثر سنین، کتبات میں مذکور ہیں، بقیہ استنباط و قیاس ہے، جن سلاطین کے کتبات میں سنین منقوس ملے ہیں اور جو اُن کے عہد کے کسی کارنامہ کی تاریخ ہے، وہ

حسب ذیل ہیں ۔

۱- یاسر ینعم	سنہ ۲۷۰ء	۲- شمر یہرعش	سنہ ۲۸۱ء
۳- ملک یکرب یہمین	سنہ ۳۷۸ء	۴- شرحبیل یعفر	سنہ ۴۵۱ء
۵- عبد کلیل	سنہ ۴۵۵ء	۶- شرحبیل	سنہ ۴۸۰ء
۷- نیوف	سنہ ۵۱۰ء	۸- ذونواس	سنہ ۵۲۵ء

یاد رہے کہ عیسوی اور حمیری سنہ میں ۱۱۵- برس کا فرق ہے۔ اگر ان سنین پر جو عیسوی ہیں ۱۱۵ سال کا اضافہ کر دیں تو حمیری سنہ نکل آئے گا، کا یہ سنہ، جدول بالا میں سنہ ۵۲۵ء ہے اس بنا پر سنہ حمیری ۵۷۳ سنہ ہو گا۔

کتبات میں چند اور نام مجھ کو ملے ہیں جن کے پہلے لفظ "نحرف" یعنی بہ زمانہ . . . . منقوش ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ شاید سلاطین کے نام ہیں، لیکن ان کے بعد لقب شاہی مذکور نہیں اس بنا پر خیال راجح یہ ہے کہ وہ حمیری کاہن ہوں گے جن کی نسبت و دستخط اور جن کے عہد و زمانے کے انتساب سے تعمیروں کے کتبے عہد قدیم میں لکھے جاتے تھے، وہ نام یہ ہیں جو دو الگ خاندانوں میں منقسم ہیں،

۱- تبع کرب ہشفر بن فائع
۲- سمہی کرب تبع کرب
۳- عم کرب بن سمہی کرب

۱- ودوایل بن یقہ ملک کبیر
۲- نبط ایل بن عم امر۔

کے ایک قصر پر "تبع کرب کاہن ذات عفزن" بھی منقوش ہے جس سے دوسرے خیال کی تائید ہوتی ہے اس غرض سے تاکہ نظر آئے کہ حمیری نام سلاطین و امرا کے علاوہ عام لوگوں کے بھی کس طرح ہوتے تھے، ہالوے کے شائع کردہ کتبوں سے چند نام نقل کر ہم مناسب سمجھتے ہیں ان کو پڑھ کر معلوم ہوگا کہ عام مورخین جو حمیر قبائل کے نام نقل کرتے ہیں۔ وہ کس قدر محتاجِ تنقید ہیں۔

اسعد یہمین، ہدی بن سہل، اسید، ارفط، کتثیم، اسعد توفمن، ہداد، توبابل، ابن لمیعہ، دہران، رنباب یانم، انمار بن شمرت، مسعود، سرع معنین، سوفان، شمر بن قرنین، عوآم، عبد شمس بن جنط، انمار اظلم، ہوفعثت ذلحسان، شمر لوکب بن دستنک، یہفرع، مودو، عمران، اوس۔

افسانہائے حمیر رواۃِ عرب تبابعہ یمن کی نسبت بڑے بڑے عظیم الشان فتوحات اور ملک گیری و کشور کشائی کے عجیب و غریب واقعات بیان کرتے ہیں، ایک تبع براعظم افریقہ کا فاتح ہے کی تبع کشور کشا عرب سے ترکستان تک بلند ہو کر ایک شہر کو ویران کر دیتی ہے اور اس کا نام سمرکند،

پڑتا ہے، یعنی شمر نے اس کی بیخ وبنیاد کھود ڈالی ایک تبع چین تک تلوار کی کاٹ دکھاتا چلا جاتا ہے اور تبت میں اپنی بقیہ فوج چھوڑ دیتا ہے، جہاں اب تک عرب آباد ہیں، ذوالقرنین جس نے مشرق ومغرب کے ڈانڈے ملا دیئے تھے، اور جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے، وہ یہیں کا ایک بادشاہ تھا۔

افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے، اہل حبشہ سے مسلسل جنگ قائم تھی، کبھی فاتح تھے اور کبھی مفتوح ورنہ ترکستان اور چین کی فوج کشی جس کی ابن خلدون نے بھی کچھ کم ہنسی نہیں اڑائی ہے، حرف لفظ کا کھیل ہے، "سمرکند"، (سمرقند) کے پہلے جز کو شمر یرعش کے پہلے جز سے اتحاد تھا، اس لئے وہ سمرقند کا بانی یا مخرب قرار پایا، انھوں نے "کند"، کو فارسی لفظ "کندن"، سے مشتق سمجھا، حالانکہ قدیم ترکستانی زبان میں "گند"، شہر کو کہتے ہیں، سمرگند، تاشگند، خوگند، یہ سب ترکستانی شہروں کے نام ہیں، ترکستان کی زبان بہ زمانہ اسلام فارسی ہوگئی تھی، لیکن شمر یرعش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی، جو "کند"، فارسی "کندن"، سے ماخوذ ہوتا، چین وتبت کا نگارخانہ بھی حرف لفظ کا تماشا ہے، عرب تبت کو تُبَّت کہتے ہیں جو تبع کے بالکل قریب قریب ہے، ذوالقرنین کو حرف لفظ "ذو" نے مقدونیہ سے یمن پہنچا دیا کہ "ذو"، یمن میں اکثر امرائے حمیر کے لقب میں آتا ہے، مثلاً ذونواس، ذوشناتر، ذوریدان۔

لیکن زمانۂ اسلام کے بعض عرب سیاحوں کے عینی مشاہدات کا کیا جواب ہے؟ ابن حوقل بغدادی ۳۶۷ھ کا بیان ہے کہ اس کے زمانۂ ورود سمرقند تک شہر کے دروازہ پر شمر یرعش کا حمیری کتبہ ایک لوہے کی تختی پر کندہ موجود تھا، لیکن افسوس کہ سیاح موصوف ہی کے زمانۂ قیام میں بہ نادرۂ روزگار شہر میں آگ لگ جانے سے جل کر بے نشان ہوگیا، اصل میں یہ قدیم ترکی خط (الغوری) ہوگا، جو حمیری ومینی وغیرہ خطوط کے مشابہ ہے، شہرتِ عام کی بنا پر اس کو ہمارے سیاح نے حمیری سمجھ لیا۔

اسی طرح مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ تبت میں تبع رہ گئے تھے، اور چنانچہ خود اس نے عربی لباس ووضع میں اشخاص پائے، لیکن چوتھی صدی میں جب مسلمانوں کا تمدن تمام دنیا پر چھا رہا تھا، اور عرب تاجر بر کوہ وبیاباں میں گذر رہے تھے "تبت میں عربی لباس ووضع"، کے وجود سے تبع کی فتح تبت پر استدلال مسعودی کے فضل وکمال سے کس قدر فروتر ہے؟ اگر اس قسم کے انقلاباتِ سیاسی "حقیقۃً" ظہور پذیر ہوتے تو اس عہد کی زندہ قومیں ان کے ذکر سے خاموش نہ ہوتیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے ایران کے کیانی خاندان میں ایک مشہور بادشاہ کیکاؤس گذرا ہے، اس نے ایران سے ایک دریا (شاید خلیج فارس) کو عبور کر کے کشور ہاماوران پر فوج کشی کی لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہوگیا، آخر رستم میں آکر کیکاؤس کو رہائی دلائی، کیکاؤس نے چھوٹ

کر ہاماوران کی شہزادی سودابہ سے شادی کرلی، یہ وہی سودابہ ہے جس کے مکروفریب سے گھبرا کر شہزادۂ عجم سیاوش توران چلا گیا، اور وہاں مارا گیا، اور اسی کے جوش وغضب وانتقام نے صدیوں تک ایران وتوران کو باہم معرکہ آرا رکھا، شاہنامہ میں یہ پوری تفصیل موجود ہے، ثعالبی نے اپنی تاریخ (غرر تاریخ الفرس) میں لکھا ہے کشور ہاماوران اصل میں کشور حمیران ہے، یعنی یمن، حمیران حمیر کی فارسی جمع ہے، سودابہ صحیح عربی نام سعدی کی تصحیف ہے[1]۔

ثعالبی کے علاوہ تمام لغات فارسی میں ہاماوران کے معنی یمن ہی کے لکھے ہیں، اس بنا پر ہمیں ان روایات کے قبول میں کوئی عذر نہیں، بشرطیکہ یمن کا خاندان حمیر اور ایران کا خاندان کیانی تاریخی حیثیت سے معاصر ثابت ہو جائے ورنہ یہ سمجھنا چاہئے کہ حقیقۃً ایران کا کوئی اور بادشاہ ہوگا، کیکاؤس کی طرف غلطی سے نسبت ہے۔

تبابعہ کے تمدنی وسیاسی اور مذہبی حالات

ہم نے پہلے بیان کیا ہے، کہ تبابعہ سے پہلے سبا کے تمام طبقے ستارہ پرست تھے، سب سے بڑا دیوتا ان کا "شمس" اور "المقہ" تھا، المقہ حمیری میں چاند کو کہتے ہیں، اس کی مزید تفصیل دوسرے حصہ میں آئے گی، یہاں سلسلۂ بیان کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اولاً کواکب پرستی ان کا مذہب تھا، سنہ ۳۴۰ء میں یمن کے مقابل افریقی سواحل پر مصری رومیوں کے اثر سے عیسائیت نے پر وبال پیدا کئے[2]، شامی رومیوں کے ذریعہ سے یمن کے اطراف میں شہر نجران نے بپتسمہ قبول کیا، ان گردوپیش کے اثر سے تبابعۂ یمن بھی محفوظ نہ رہے۔

ستارہ پرستی نے تو شکست کھائی گو ستاروں کے ہیکل اب بھی ویران نہ تھے، تاہم اب "شمس"، "المقہ" اور "عشتار" کے پہلو بہ پہلو رحمان کا نام بھی آنے لگا، جو قبلِ اسلام یہود ونصاریٰ کے ساتھ مخصوص[3] تھا۔

یہودیت ونصرانیت ان اطراف میں دو ہی مہذب اور صاحبِ الہام مذہب تھے، اور باہم میدان میں برابر کے حریف بھی تھے، گذشتہ ابواب میں معلوم ہو چکا ہے، کہ رومیوں اور حبشیوں کے ساتھ سبائے حمیر کو کس قدر سیاسی کشمکش تھی، اس بنا پر تبابعۂ حمیر، عیسائیت سے زیادہ یہودیت کو ترجیح دیتے تھے کے علاوہ اور کسی تبع کا عیسائیت قبول کرنا ثابت نہیں ہے، عبد کلیل بروایتِ عرب بھی عیسائی تھا[4]، اور ایک کتبہ سے بھی اُس کا عیسائی ہونا ظاہر ہوتا ہے[5]، بقیہ تبابعہ کم تر ستارہ پرست اور اکثر یہودی تھے، تاریخ طبری میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابوکرب نے یہودیت قبول کی، مذہب شاہی نے عام رعایا میں بھی فروغ پایا، اور اس طرح عیسائیت

[1] تاریخ غرر الفرس ثعالبی مطبوعہ پیرس۔ [2] برٹانیکا مضمون ابی سینیا۔ [3] برٹانیکا مضمون "سبا"، قرآن مجید کی بعض آیتوں سے (قل ادعوا الرحمٰن) اور احادیث سے (واقعہ تحریر صلح حدیبیہ) یہ ثابت ہوتا ہے کہ عام عرب خدا کے لئے رحمان کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ [4] حمزہ اصفہانی ص ۱۳، کلکتہ [5] Huart کی تاریخ عرب فصل سوم۔

اور یہودیت نے یمن میں ٹکر کھائی۔

رومیوں نے بحری راستوں کو پیدا کر کے سبا کے بازار سرد کئے تھے، اور تنہا اس سے تسکین نہ ہوئی تو ۵۲۵ق م میں یمن پر حملہ آور ہوئے، اکسومی حبشی جو پہلے رومی مصریوں کے ہم خاک تھے، اور اب ہم مذہب بھی ہو گئے تھے، رومیوں کے استعمال سے بار بار چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، حمیر کبھی موقع سے چوکتے نہ تھے، جب موقع ملتا رومی تاجروں کو دریا میں لوٹ لیتے، شمال عرب میں ایران و روم باہم دست و گریباں تھے، اور یہ طبعی تھا کہ حمیر کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی، رومیوں کو اس سے وحشت سوا ہوتی تھی۔

رومیوں نے اس نزاع کو بہ صلح و آشتی طے کرنا چاہا، چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں رومی قیصر جسٹینین نے تبع یمن کے دربار میں سفیر بھیجا، تبع نے نہایت تزک و احتشام سے اپنی سطوت کا اظہار کیا، خود ایک گاڑی پر سوار تھا جس میں ہاتھی جتے ہوئے تھے، بدن پر ایک چادر تھی جو سونے کی کھنڈیوں سے اٹکی تھی۔ ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں دو نیزے تھے۔ بازوؤں میں بیش قیمت بازو بند تھے، ارد گرد مسلح درباری تھے جو فخریہ رجز کے اشعار پڑھتے تھے،[1]
اس شان و شکوہ کے منظر میں سفیر نے قیصر کا خط اور اُس کی طرف سے دیگر تحائف پیش کئے، خط کا مفہوم یہ تھا کہ ان اطراف میں ایرانی فروغ نہ پانے پائیں، سفیر معمولی وعدہ و ایجاب کے بعد واپس آ گیا۔[2]

اصحاب الاخدود یہ پیام صلح تعصب کی آگ کو کچھ بھی سرد نہ کر سکا، اُس وقت **ذو نواس** فرمانروا تھا، کہتے ہیں کہ اُس نے یہودیت کے پُر جوش تعصب کا سبق یثرب کے یہودیوں سے سیکھا تھا جن سے اسلام نے بھی کچھ کم دکھ نہیں اٹھایا رومی سوداگر تاجرانہ یمن کے سواحل تک پہنچتے تھے لیکن جہاں جہاں گذرتے تھے اسباب سوداگری کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی ساتھ ساتھ بانٹتے جاتے تھے، عیسا راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے پہلے اثر نے عدن اور دوسری کوشش نے نجران میں جہاں پہلے شجر پرستی ہوتی تھی عیسائیت کے برگ و بار پیدا کئے یورپ کے جواب ہتھکنڈے ہیں وہی پہلے تھے۔ مذہبی اور سیاسی اغراض پر تجارت کا پردہ ہمیشہ ڈالا گیا ہے یہی پردہ اس وقت بھی ڈال رہے تھے، ان تدابیر سے نجران یمن میں عیسائیت کا مرکز قرار پا گیا تھا یعنی رومیوں اور حبشیوں کی مذہبی و سیاسی امیدوں کا وہ ماویٰ بن گیا تھا، حمیری یہودی اس کو دیکھتے تھے اور فور جوش سے بھرتے تھے۔

اتفاقِ وقت، اشتعالِ طبع کے لئے ایک عجیب حیلہ پیدا ہو گیا، جواب بھی نہایت کثیر الوقوع ہے، نجران میں ایک راہب کا مقام تھا، ایک لڑکا اس راہ سے اکثر گذرتا تھا، راہب اس کو راستہ میں ٹھہرا کر مذہبی تعلیم کا روز کوئی نہ کوئی سبق دیا کرتا تھا جب عام لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ طبعًا برافروختہ ہوئے اور ایک عظیم الشان

---

[1] Sharpe. II. P. 352. 83 برٹانیکا ج ۲ ص ۲۶۴
[2] Sharpe ص ۳۴۵ - ج ۲

فتنہ کے مواد فراہم ہو گئے۔

ذونواس نے سنا تو چراغ پا ہو گیا، نجرآن آگ بگولا بن کر پہنچا، لوگ قلعہ بند ہو گئے، شہر کا محاصرہ کرلیا، جب شہر فتح ہوا تو گڈھوں میں آگ دھکائی، اور ایک ایک کر کے عیسائیوں کو بلوایا جس نے یہودیت کے قبول سے انکار کیا، اس کو نذرِ آتش کیا، قرآن میں **اصحاب الاخدود** کے نام سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۭ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (بروج)	مارے جائیں گڈھوں والے، گڈھی بھڑکتی آگ تھے، جب وہ ان پر بیٹھے تھے، اور (سچے) مومنوں کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے اس پر خود گواہ تھے، ان مومنوں میں بجز اس کے اور کچھ قصور نہ پایا کہ وہ خدائے محبوب و محمود پر ایمان لائے تھے۔

قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے تمام لوگوں کو جلا دیا، اور شہر کو بے نشان کر دیا، لیکن مکتب اخبار و تفسیر کی عام روایات میں مذکور ہے کہ تمام آبادی خاکستر ہو گئی، لیکن یہ صحیح نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نجرآن میں عیسائی آبادی موجود تھی، وہاں دعاۃ اسلام بھیجے گئے ہیں نجرآن سے دو راہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کے لئے آئے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں یہاں کے نصاریٰ سے دونے صدقات وصول ہوئے ہیں، یا ممکن ہے کہ حبشی عیسائیوں کے ہفتاد سالہ عہد میں شہر پھر دوبارہ آباد ہوا ہو[1]

اس واقعہ کو عیسائیوں نے بھی یاد رکھا ہے، اسی عہد میں شام کے عیسائی اس قصہ کو قید تحریر میں لائے ہیں، ان کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے جس میں یقیناً بعض تاریخی غلطیاں بھی ہیں، جاڑے کے سبب سے اہل حبش اپنا نائب یمن نہ بھیج سکے، ذونواس نے حکومت غصب کرلی، اور عیسائیوں کو مذہب کی خاطر بہت دکھ دیا، علاوہ ازیں نجرآن پر فوج کشی اور خلاف وعدہ شہر پر قبضہ کر لینے کے بعد باایمان عیسائیوں کو آگ اور تلوار سے برباد کر دیا[2]

---

[1] اصحاب الاخدود کے متعلق طبری اور کتب تفسیر میں عجیب و غریب روایات ہیں جو اصول روایت سے صحیح نہیں ہیں، بقیہ اس فصل کے تمام عربی روایات تاریخ طبری اور عام تفسیروں میں موجود ہیں۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اصحاب الاخدود

اصحاب الفیل

یا

سبائے حبش

كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ

گذشتہ فصل میں سبائے حمیر کے تعلق سے اہلِ حبشہ کا نام کئی بار آیا، اس فصل میں ان پر مفصل بحث کرنا ہے، قرآن مجید میں ان ہی کا نام اصحاب الفیل مذکور ہوا ہے لیکن واقعۂ فیل کے بیان سے پہلے خود "اصحاب الفیل" کی حقیقت اور قومیت سمجھ لینی چاہیئے۔

حبش کی اصلیت یاد ہوگا کہ ہم نے قدیم سبا کی آبادی، افریقہ، یمن اور شمال عرب تین جگہ بتائی تھی یمن اور افریقہ کے درمیان بحرِ احمر اور بحرِ عرب کے گوشے حائل ہیں، جن کو عرب جغرافیہ نویس بحرِ حبش کہتے ہیں، یمن کے مقابل افریقی سواحل پر سبا کی تجارتی نوآبادیاں تھیں، جن کے وجود کے دلائل سبا کی نوآبادیاں کے بیان میں گذر چکے ہیں، یہ نوآبادیاں بالکل یمن کے مقابل واقع ہیں اور خشکی کی راہ سے مصر و سوڈان کے ساتھ بخطِ مستقیم ملحق و متصل ہیں، اس تقابل اور اتصال کی بنا پر یہ مقامات ہمیشہ مصر و یمن سے متاثر رہے ہیں، چنانچہ زمانہ قدیم سے اب تک یہ مذہبًا مصر کے ماتحت اور قومیت و تمدن کے لحاظ سے عربوں کے زیرِ اثر ہیں۔

اس قطعۂ ارض کو یونانی، اتھیوپیا اور عرب حلبش کہتے ہیں، اسی "حبش" کی مسخ شدہ صورت "ابی سینا" ہے جو یورپ جا کر بجائے سپید ہونے کے اور زیادہ سیاہ ہوگئی ہے عربی میں لفظ "حبش" کے معنی اختلاط و امتزاج کے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کے نزدیک یہ ایک مخروج النسل اور مختلط النسب قوم تھی، اسی قسم کا ایک قبیلہ مکہ کی پہاڑیوں میں آباد تھا، عرب اس کو بھی احابیش کہا کرتے تھے یہ قوم کن اقوام و قبائل کا مجموعہ تھی، تاریخ و علم الانساب اس کے ذکر سے خالی ہے ناچار کسی مجہول التاریخ قوم کی دریافتِ حال کے جو ذرائع ہیں اُن سے کام لینا چاہیئے، یہ ذرائع علم الاقوام علم الالسنہ اور قرائنِ حال ہیں۔

علم الاقوام کا جس کے ذریعہ سے دو قوموں کے جوڑ بند، چہرہ مہرہ اور خو بو کو دیکھ کر اُن کے اتحادِ نسل و جنسیت کا راز آشکارا کیا جا سکتا ہے، بیان ہے کہ "یمنی عرب اور اہلِ حبش کی جسمانی ساخت میں

اس قدر شدید مشابہت ہے کہ دونوں قومیں ایک ہی نسل سے متفرع نظر آتی ہیں۔[1]

علم الالسنہ کی شہادت اس سے واضح تر ہے، جرمن مستشرق نولڈکی السنۂ سامیہ کا جس سے زیادہ بڑا ماہر اس وقت تمام یورپ میں موجود نہیں لکھتا ہے:۔

حبشی (ایتھوپی) زبان و خط سبائی سے قریب قریب مشابہ ہے، اہلِ حبش (انسوم) بالکل سامی نہیں ہیں، بلکہ اصلی باشندوں کے ساتھ عرب کے مختلف قبائل مختلف اقطاع کے مل گئے ہیں۔[2]

دائنا کا مشہور پروفیسر مولر جس کا "سبا" مخصوص مضمونِ مطالعہ و تحقیق ہے کہتا ہے:۔[3]

"سبا کی نو آبادیوں کا ذکر حبش میں ہے، حبشہ جنوبی عربوں (اہلِ یمن) سے آباد ہوا ہے جیسا کہ اس کی زبان و خط سے ظاہر ہوتا ہے اور جو فرق ہے وہ صرف ایک زمانہ تک کے افتراق کا نتیجہ ہے، اہل حبشہ میں بیرونی اثر اور اجنبی اختلاط صاف نظر آتا ہے۔"

ایک اور جرمن مصنف جو مشاہیر علمائے السنہ میں سے ہے یعنی بروکلمان (C. Bockelmann) وہ اپنی تصنیف السنۂ سامیہ (Semitique Linguistique) میں شہادت دیتا ہے:[4]

"جنوبی عرب زبان سے ملتی جلتی ایک اس سامی قوم کی زبان ہے، جو جنوبی عرب (یمن) سے نکل کر ملک حبش میں آکر آباد ہوئی، جو جنوبی عرب کے مقابل واقع ہے، یہ سامی عرب، حامی قوم سے (جو اصل افریقی قوم ہے) بالکل مختلط ہو گئے، جنوبی عربوں کے اس انتقالِ مکانی کی کوئی صحیح تاریخ نہیں معلوم لیکن بہر صورت وہ حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے واقع ہوا ہوگا۔"

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار عرب اس مسئلہ کی نسبت لکھتا ہے:۔

"اس زمانہ کے پچھلے حصہ میں اہل حبش جو قدیم زمانہ میں عرب سے منتقل ہو کر عرب کے مقابل افریقی سواحل پر آباد ہو گئے تھے، وہ تقریباً ۳۰۰ء میں واپس آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

شریڈر (Schrader) ایک جرمن محقق السنۂ سامیہ لکھتا ہے:۔[5]

"شمالی عربوں کو عرب وسطیٰ میں چھوڑتے ہوئے، یہ مہاجرین، جزیرہ نما کے جنوبی ساحل پر آباد ہوئے جہاں سے ایک جماعت ان کی دریا کو عبور کر کے افریقہ پہنچ گئی اور حبشہ میں خیمہ زن ہوئی۔"

ولیم رائٹ (Wilum right) جو کیمبرج یونیورسٹی کا عربی پروفیسر تھا، اپنے قواعد السنۂ سامیہ میں اپنا اعتقاد یہ ظاہر کرتا ہے:[6]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا [2] ایضاً جلد ۲۴ ص ۶۲۸ [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "سبا"
[4] کتاب مذکور فرنچ ترجمہ ص ۴۵ پیرس ۱۹۱۰ء [5] کتاب مذکور ص ۲۹ [6] wright. p. 9

"یمن سے دریا کو قطع کر کے افریقہ میں ہم حبیرا یا ایتھوپی یعنی حبشی حمیر کی ایک قدیم آبادی کی زبان سے دوچار ہوتے ہیں"

قرائنِ حال یہ ہیں کہ تاریخ جب سے ملک حبش سے واقف ہے، عربوں کے اثر کے ذکر سے خالی نہیں ہے آرٹی میڈروس (سنہ ۱۰۰ ق م) ایک یونانی سیاح بیان کرتا ہے[1]

"سبا کا بادشاہ اور اُس کا ایوان مارب میں ہے ..... بعض لوگ دیسی اور پردیسی بخورات اور مسالوں کی تجارت کرتے ہیں جو مقابل کے افریقی سواحل سے لائے جاتے ہیں، جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں پر بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں"

پیری پلوس (Periplus) (سنہ ۶۰ء) جو آرٹی میڈروس کے تقریباً سو برس کے بعد تھا، وہ اس سے بھی زیادہ قوی تر شہادت پیش کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ افریقہ کے بعض سواحل (طبقۂ ثالثہ) کے زیر حکومت ہیں[2]

علم الآثار کی شہادت کا اگر ہم اضافہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سبائی خط میں حبش کے ملک میں کتبات بھی ملے ہیں، جن کا ذکر آگے آئے گا۔

یہ تو اسلام سے پہلے کی شہادتیں ہیں، اسلام نے ابھی ۲۰ برس کی عمر بھی نہیں پائی تھی کہ مسلمانوں نے تمام دنیا کو چھوڑ کر صرف ملک حبش کا رُخ کیا، حبش کا صوبہ زیلع جس کو آج کل شمالی لینڈ اور اریٹیریا کہتے ہیں، وہ ہمیشہ تاریخ اسلام میں عرب قوت کا مرکز رہا ہے، اور اب بھی حبش اور تمام افریقی سواحل صرف عربوں سے متاثر ہیں، شہر کے شہر ان کے آباد ہیں، زبان تک عربی کی نقل ہے، لباس و طعام، تمدن کی ہم رنگی تو ادنیٰ چیزیں ہیں۔

ان دلائل و شواہد کا خلاصۂ نتائج یہ ہے کہ یمن کے مقابل افریقی سواحل پر قدیم زمانہ سے سبا کی تجارتی آبادیاں تھیں، جہاں ان کی بدولت یمن کی طرح تمدن کی روشنی پھیلنی شروع ہوگئی تھی، سبا کے طبقۂ اوّل (مکارب سبا) و طبقۂ دوم (ملوکِ سبا) کے بعد طبقۂ سوم (سبا ے حمیر) نے یمن میں مسیح سے تقریباً سو برس پہلے ظہور کیا، اس انتقالِ خاندانِ شاہی نے سبا کی افریقی نو آبادیوں میں خودسری کا خیال پیدا کر دیا، باہم معرکہ آرائیاں ہوئیں، یہ غالب ہوتے تو یہ اپنے کو بادشاہ یمن لکھتے، اگر وہ غالب ہوتے تو وہ اپنے آپ کو فاتحِ حبش کہتے، یہی سبب ہے کہ اس قسم کے کتبات و واقعات دونوں طرف ملتے ہیں۔

بہرحال ان سبائی عربوں نے اصل افریقی (حامی) قبائل کے اختلاط و امتزاج سے جزئی قومیت پیدا کی ان ہی کا نام عربی میں حبش، یونانی میں ایتھوپین، یورپین زبانوں میں ابی سینین اور خود ان کی زبان میں جیز ہے حبش کے سبائی الاصل ہونے پر سب سے بڑی لیکن تعجب انگیز دلیل یہ ہے کہ حبشی زبان "سبا" کے معنی ہی انسان

---

[1] ڈنکر کی تاریخ اقوام قدیمہ فصل عرب [2] برٹانیکا مضمون "سبا" [3] تمام عربی تاریخوں میں مذکور ہے کہ افریقیس نام ایک تبع نے افریقہ فتح کیا

کے ہیں[1] جس طرح آدم کے بیٹے "آدمی" اور انسان کو ایک سمجھتے ہیں، حبش کے ایک ابتدائی بادشاہ کا نام ذوشکال[2] تھا، جو بالکل یمنی طرز کا نام ہے۔

حبش و حمیر حبش و حمیر کے سیاسی تعلقات کی کشاکش اسی وقت سے نظر آتی ہے جب کہ سبائے حبش اور سبائے حمیر بالاستقلال الگ الگ خاندان قائم کرتے ہیں، حبش کے سواحل پر شہر زیلع میں ایک کتبہ ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں نجاشی مدعی ہے کہ اُس نے سبا کے ملک تک عرب میں جنگ کی چوتھی صدی کے اوائل، جب حبش میں مذہبی انقلاب پیدا ہوا تو مذہب عیسوی کے نئے پیرووں کے دل وفور جوش سے لبریز تھے، شاہ اذینہ جو حبش کا پہلا عیسائی بادشاہ تھا، اور نیز اُس کے جانشین، اپنے کتبات میں اپنے نام کے ساتھ یہ القاب لکھتے ہیں "شاہ اکسوم و حمیر و ریدان و حبشات و سبا و زیلع ....." یہ طرز القاب تقریباً اُس وقت سے ۳۷۸ء تک قائم رہتا ہے، اور عجیب یہ ہے کہ اصل سلاطین حمیر کے سلسلہ کی چند کڑیاں یہاں سے گم ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہان حبش کا ادعا غلط نہ ہوگا (دیکھو فہرست سلاطین حمیر)

۳۵۸ء میں قیصر قسطنطینطوس نے اذینہ کے نام خط بھیجا تھا، اور اسی عہد میں اذینہ یمن پر حملہ آور ہوتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حملہ رومیوں ہی کے اشارہ سے ہوا تھا، حبش و حمیر میں اب صرف خاندانی و سیاسی اختلاف نہ تھا، بلکہ سب سے زیادہ مذہبی تعصب اب اس نخل کی سیرابی کر رہا تھا، حبشیوں کی یمن پر یہ پہلی حکومت زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی، ۳۷۸ء میں اس کا خاتمہ ہوگیا[3]

اکسوم کے نجاشی ان مخلوط سبائی عربوں کا پایۂ تخت شہر اکسوم تھا جو ملک حبش کے صوبۂ "تجرے" میں ۱۴ درجہ ۷ دقیقہ ۴۲ ثانیہ بطرف شمال اور ۳۸ درجہ ۳۱ دقیقہ ۱۵ ثانیہ بطرف مشرق واقع تھا اور جہاں اب تک اس کے کھنڈر باقی ہیں، اہل حبش اس کو نہایت مقدس شہر سمجھتے ہیں شاہان حبش کی تاجپوشی انقلاب حکومت کے بعد بھی اب تک یہیں ہوتی ہے۔

تقریباً اُسی زمانہ میں جب کہ سبائے حمیر نے ریدان میں اپنی مستقل حکومت قائم کی سبائے حبش نے اکسوم میں ایک خاندانِ شاہی کی بنا ڈالی، جو اُس وقت سے چھٹی صدی ہجری تک یعنی تقریباً ۱۲۰۰ تک قائم رہا، اس کے عروج و کمال کا زمانہ چوتھی اور پانچویں صدی ہے، عربوں میں شاہان حبش کا لقب نجاشی ہے جو در حقیقت "نجوس" کی تعریب ہے جس کے معنی حبشی زبان میں بادشاہ کے ہیں، نجاشی جن کے عہد میں یمن فتح ہوا، نجاشی جن کے ملک میں صحابہؓ نے ہجرت کی، نیز جنھوں

[1] برٹانیکا مضمون سبا [2] برٹانیکا مضمون ایتھوپیا [3] برٹانیکا مضمون سبا و ایتھوپیا و ابی سینا و اکسوم

نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھائی، وہ اسی ہی خاندان، اسی ملک اور اسی شہر کے بادشاہ تھے۔

مصر کے تعلق و ہمسایگی سے، شاہان حبش، یونان و روم کے تمدن سے بہت متاثر ہیں اکسوم اور حمیر کے اس عہد انقلاب میں مصر کے مالک رومی تھے، جن کا مذہب عیسوی اور زبان علمی، یونانی تھی، اُس زمانہ کی حکومت کی واقفیت کا ذریعہ اسی شہر کے کھنڈر کے چھ کتبے ہیں جو حال میں دریافت ہوئے ہیں، پہلا کتبہ یونانی زبان میں ۵۴۵ء کا لکھا ہے دوسرا کتبہ سبائی زبان میں ولا میدا و علی عمیدہ) بادشاہ حبش کا ہے تیسرا کتبہ بھی اسی بادشاہ کی یادگار ہے لیکن حبشی زبان میں ہے چوتھا یونانی، سبائی، اور حبشی تین زبانوں میں ہے پانچواں کتبہ شاہ اذینہ بن یلا میدا کا ہے چھٹا سب سے اخیر زمانہ کا ہے یہ خاندان اولاً اہل یمن کی طرح بت پرست تھا، شاہان روم کے تعلقات نے مصر کے ذریعہ سے یہاں عیسائیت کو فروغ دیا، چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں اسکندریہ کے ایک بشپ نے اس کو اپنے مشن کا مرکز قرار دیا ۳۳۰ء میں سب سے پہلے اذینہ نجاشی حبش نے عیسائیت قبول کی، قیصر کنسٹنٹیوس نے ۳۵۶ء میں اس کو خط لکھا، اسی سے متصل وہ زمانہ ہے کہ رفتہ رفتہ حمیر بھی ستارہ و بت پرستی سے ہٹ کر عیسائیوں کی کوششوں کے علی الرغم یہودیت کی طرف مائل ہوا ہے

یمن کا آخری سقوط حبش و یمن کی باہمی معرکہ آرائی گو چوتھی ہی صدی سے شروع ہو گئی تھی لیکن یمن کا آخری سقوط چھٹی صدی کے اوائل میں ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ذونواس نے جب نجران کے عیسائیوں کو آگ کے گڑھوں میں دھکیل کر مار ڈالا، تو اطراف کے تمام عیسائی غصہ سے جل گئے، دوس بن ثعلبان یمن کے ایک عیسائی امیر نے نجاشی کے یہاں فریاد کی، نجاشی نے قیصر روم کے اشارہ سے یمن پر فوج کشی کی، اور ۵۲۵ء میں آخری بار یمن کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے، یہ عرب مؤرخین کا بیان ہے، اس مقدمہ کے ایک فریق عیسائی رومی بھی ہیں، ان کا بیان بھی سننے کے لائق ہوگا تھیوفانوس اسی عہد کا ایک مورخ بیان کرتا ہے۔

> چھٹی صدی کے اوائل میں رومی جو جزیرہ سے گذر رہے تھے، حمیر نے ان پر ظلم کے بعضوں کو مار ڈالا اس واقعہ سے تجارت بند ہو گئی، اہل حبش کو یہ فعل ناگوار گذرا، بادشاہ حبش کی سرداری میں اہل حبش بحر احمر کو عبور کر کے حمیر سے معرکہ آرا ہوئے اور حمیری بادشاہ دمیانوس (ذونواس) کو مار ڈالا اور قیصر جسٹینین کے ساتھ اس شرط پر معاہدہ کیا کہ تمام باشندگان اکسوم عیسائی ہو جائیں اور سکندریہ سے ان کے لئے ایک بشپ مقرر ہے

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع یازدہم) کا مضمون نگار ابی سینیا لکھتا ہے:

> چھٹی صدی میں حمیر نے عیسائیوں کو سخت تکلیف پہنچائی، آخر جسٹینین اول نے شاہ حبش کو جس کا نام کالب الاصبح تھا لکھا کہ ان کی مدد کرے، چنانچہ اس نے حمیر کے ہاتھ سے یمن لے لیا۔

عربی اور یونانی دونوں روایتوں سے متفقاً یہ ثابت ہے کہ یہ حملہ قیصر روم کے اشارہ سے ہوا تھا، اس حملہ کی غرض کیا تھی؛ عرب کہتے ہیں کہ صرف مذہبی غرض تھی، رومیوں کا ظاہری بیان یہ ہے کہ اس سے مقصود صرف تجارتی راستوں کی حفاظت تھی، لیکن صلح کے شروط خود یہ بیان کرتے ہیں کہ "تمام اکسومی عیسائی ہو جائیں گے" اور حمیر کے آخری ابواب میں گذر چکا ہے کہ حمیر چونکہ ایران کے طرفدار تھے، اس لیے بھی وہ رومیوں کی آنکھ میں کھٹکتے تھے اسی لئے اہل حبش کے مقابل میں اہل ایران امداد کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔

عرب مورخین کا بیان ہے کہ ذو نواس شاہ یمن نے ان حملہ آوروں کا سواحل عدن وحضرموت میں استقبال کیا، اور بقوت نہیں بلکہ بہ تدبیر وحیلہ ان کو اس قدر سخت شکست دی کہ مجبوراً ان کو حبش واپس لوٹ جانا پڑا یونانی عیسائی کہتے ہیں کہ "وہ حمیریوں کو سزا دے کر واپس پھر گئے"، ہمارے نزدیک یہ کوئی اختلاف بیان نہیں "قرار اور یہ مصلحت کامیاب واپسی" عیسائی ڈکشنری میں اس انیسویں صدی میں بھی مرادف لفظ قرار دیئے جاتے ہیں۔

اہل حبش جنگ کا ساز وسامان درست کر کے پھر دوبارہ اس زور وشور سے حملہ آور ہوئے کہ حمیر کے پاؤں اکھڑ گئے، ذو نواس نے بھاگ کر گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا، لیکن ساحل تک سلامت نہ پہنچا، اس کا قائم مقام ذوجدن ہوا، اور اس کا بھی یہی حال ہوا ذوا کیزن اٹھا لیکن افسردہ ہو کر رہ گیا، اہل حبش اب تنہا یمن کے مالک بن گئے اور اسی طرح ۷۲ برس تک یعنی ۵۲۵ء سے ۵۹۸ء تک یا آسانی کے لیے ۶۰۰ء تک کہو، قابض رہے۔

یمن کے فاتح اور پہلے حبشی گورنر کا نام عربوں میں ارباط مشہور ہے اور بعض ابرہہ کہتے ہیں اول مشکوک ہے اور ثانی بہ تحقیق غلط ہے[1]، یونانی مؤرخ اس فاتح کا نام "اسمیفیوس" اور اس عہد کے نجاشی کا نام "الیباس" بتاتے ہیں قسطنطنیہ میں "عثمانی دارالآثار" میں یمن کے ایک کتبہ کا ٹکڑا ہے[2] جو "رحمان اور کرستوس غلبان" کے نام پر ختم ہوتا ہے "رحمان نصاریٰ عرب میں خدا کا نام تھا، کرستوس یعنی کرائیسٹ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یونانی نام) "غلبان فاتح وغالب

---

[1] اصل یہ ہے کہ ابرہہ صحیح عربی وعیسائی روایت کے رو سے دوسرا گورنر ہے تفصیل آگے ہے، ابرہہ آگے چل کر باغی ہو جاتا ہے اس کے مقابلہ کے لئے ارباط آیا ہے اور ناکامیاب واپس گیا ہے، طبری کی ایک روایت یہ ہے کہ اول ارباط فتح یمن کے لئے آیا لیکن ناکامیاب گیا، پھر نجاشی نے ابرہہ کو بھیجا اور اس نے فتح کیا، اس کے بعد ابرہہ باغی ہو گیا، اس کے مقابلہ میں حبشی سے ارباط بھیجا گیا اور وہ دھوکے سے مارا گیا، یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ ۵۲۵ء کا واقعہ ہے اس کے بعد ۵۷۰ء میں واقعہ فیل پیش آیا جس میں متفقاً ابرہہ موجود تھا اس کی مدت امارت ۴۵ برس قرار پاتی ہے حالانکہ ۳۲ برس سے زیادہ نہیں اس لئے اور روایتیں صحیح ہیں جن میں ابرہہ ۵۴۲ء میں نجاشی کی اجازت سے نہیں بلکہ بہ زور یمن کا گورنر بلکہ بادشاہ بن جاتا ہے [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ا مضمون "عرب" "فصل تاریخ"

حضرت عیسیٰؑ کی صفت ہے، اس کتبہ میں ایک بادشاہ یمن "سمیفع اشوع" اور "سمکان یلا صبحہ شاہ حبشیات" کا ذکر ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ حبش کا یونانی التلفظ نام[1] "الیباس" درحقیقت "یلا صبحہ" ہے جس کو عرب الا صبح کہتے ہیں اور "امیفیوس کی اصل" سمیفع ہے، عدن کے قریب حصن غراب میں ایک اور کتبہ ہے جس میں سمیفع اور نیز اس کے لڑکوں کا نام بہ وضوح تمام مذکور ہے، اصل ترجمہ یہ ہے۔

"سمیفع اشوع اور اس کے لڑکے شرحبیل یکمل اور معدی کربیان نے یہ یادگاری کتبہ حصن غراب میں لکھا ہے جبکہ انھوں نے اپنے قلعے اور شہر پناہیں درست کیں اور اس میں پناہ گزیں ہوئے اور حبش نے یمن فتح کیا اور باشندوں پر غالب آئے اور تجارت کی راہ کھولی اور بادشاہ حمیر کو قتل کیا۔۔۔۔۔۔ ماہ حجتن سنہ ۶۴۰ھ"

سنہ ۶۴۰ھ یمنی تاریخ ہے حسب تعدیل سابق (دیکھو حمیر کا زمانہ) یہ ۵۲۵ء کے مطابق ہوگا جو عین فتح کی تاریخ ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اولاً تو کتبہ کی عبارت اگر وہ صحیح پڑھی گئی ہے تو فاتح ہونا نہیں ظاہر کرتی کہ فاتح کو پناہ گزینی کی کیا ضرورت ہے؟ ثانیاً "سمیفع اشوع" "شرحبیل یکمل" اور "معدی کربیان" تینوں خالص حمیری نام ہیں پھر ابرہہ کے کتبہ سد عرم معدیکرب بن سمیفع ایک ذوالیزنی امیر کا نام ملتا ہے "عثمانی دارالآثار" کے کتبہ سے سمیفع کا عیسائی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے جو حمیر کا مذہب نہ تھا، ایک بات سمجھ میں آتی ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو، حسب روایت طبری ذوالیزن آخری شخص تھا جو حبش کے مقابلہ کے لئے اٹھا تھا، لیکن چاروں طرف دیکھ کر مایوس ہوگیا، ابرہہ کے کتبہ عرم کے مطابق معدی کرب اور سمیفع اسی کے خاندان سے تھے، دارالآثار عثمانی کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے عیسائیت قبول کرلی تھی، حصن غراب کے کتبہ میں ان کی عیسائیت نہیں ظاہر ہوتی لیکن خوف زدہ ہوکر قلعہ بند ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے قیاس یہ ہے کہ اولاً یہ اہل حبش کے غلبہ سے ڈر کر حصن غراب میں بیٹھے، پھر مجبور ہوکر عیسائی ہوگئے، اور یمن ان کو واپس دے کر حبش جیسا کہ کہتے ہیں، پھر گئے، پھر دوسری بار حبش آئے اور خاص اپنی حکومت قائم کی حبشی گورنروں نے اپنا پایہ تخت شہر صنعاء کو قرار دیا جو ریدان و ظفار کے پہلو میں تھا، یہ شہر اب تک باقی ہے اور امرائے یمن کا دارالامارۃ ہے جو اہل عرب میں آب و ہوا کی خوش گواری، مناظر کی دلفریبی اور محاسن فطرت کی دلکشی میں ہمیشہ سے ضرب المثل ہے۔

عیسائیت و یہودیت کا تصادم مسیحی فاتح، یہودی حکمرانوں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ثابت ہوئے، مورخین عرب کا بیان ہے کہ مسیحی فاتحین نے یہودیوں کو سخت تکلیفیں پہنچائیں، اشاعت مذہب میں قتل و ظلم و تعذیب و تعدی کسی فعل سے احتراز نہیں کیا گیا، عیسائی ان دردناک وقائع کے بیان سے خاموش ہیں، لیکن ایک عجیب و غریب یہودی و عیسوی مناظرہ کا ذکر کرتے ہیں، حمیری یہودیوں نے عیسائیوں کو چیلنج دیا کہ باہمی مناظرہ سے

---

[1] طبری کی روایت ہے کہ فاتح یمن ابرہہ نے ذوالیزن کی بیوی زبردستی چھین کر اپنے محل میں رکھ لی تھی معدیکرب سیف بن ذوالیزن اسی کے گھر میں پرورش پائی

صحت مذہب کا فیصلہ کیا جائے، چنانچہ عیسائیوں کی طرف سے جر نخیتیوس (جریگ) شہر ظفار (ظفار) کا بشپ اور یہودیوں کی جانب سے ہربانوس (حرب) وکیل مقرر ہوئے تین دن تک بادشاہ کے حضور میں مجلسِ مناظرہ گرم رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

ہربانوس نے کہا کہ "شہر ناصرہ کا یسوع اگر حقیقت میں زندہ ہے اور آسمان پر اپنے ستاروں کی دعائیں سُن رہا ہے تو کہو کہ اس وقت ہمارے سامنے آئے۔" یہودی بھی چاروں طرف سے بیک آواز چلائے کہ "ہاں اپنے یسوع کو دیکھاؤ، ہم فوراً ایمان لائیں گے۔" ناگاہ بجلی چمکی، آسمان پر کڑاکا ہوا، اور یسوع جلال کی شعاعوں میں ارغوانی بادل کے اندر ہوا میں نمودار ہوا، ہاتھ میں تلوار تھی، سر پر گراں بہا تاج تھا، مجمع کے برابر کھڑے ہو کر بڑی آواز میں گویا ہوا، ہاں دیکھو! میں تمہاری نگاہوں کے سامنے ہوں، مجھی کو تمہارے باپ داداؤں نے مار ڈالا تھا۔ عیسائیوں نے گڑگڑا کر کہا "خداوند! اے خداوند! ہم پر رحمت ہو۔" تمام یہودی اندھے ہو گئے پھر جب تک بپتسمہ نہ پایا آنکھیں نہ ملیں[1]۔

عربی روایتوں میں اس قصہ کا ذکر نہیں لیکن اسی کے مقابل میں یہ قصہ البتہ مذکور ہے کہ جب تبع ابوکرب نے یہودیت قبول کی تو یمنی ستارہ پرستوں نے اس مذہب کی صحت تسلیم نہ کی، آخر معاملہ اس پر محوّل ہوا کہ فلاں غار سے ایک آگ نکلتی ہے جو ناحق کو جلا دیتی ہے اور اہلِ حق کا بال بھی بیکا نہیں کرتی، چنانچہ یہودیوں کے احبار اور بت پرستوں کے کاہن توراۃ اور اپنے ہاتھ میں لے کر گئے، وقتِ مقررہ پر آگ نکلی، دنیا دھوئیں سے تاریک ہو گئی، جب روشنی پھیلی تو کاہن اور اُن کے بُت خاک کے ڈھیر تھے، اور احبار صحیح و سالم غار کے دہانہ پر توراۃ پڑھتے ہوئے نظر آئے[2]۔

عجب نہیں کہ یہ دونوں قصے ایک ہی اصل کے دو عکس ہوں، ہر ایک فریق نے اپنے مطلب کے مطابق اس کو پھیلا لیا ہے

ابرہہ الاشرم بقولِ عرب ارباط نے یمن پر بیس برس حکمرانی کی، اس اثنا میں حبشی فوج نے بغاوت کی ابرہہ ایک حبشی سردار اس باغی جماعت کا سرِ عسکر بن گیا، لفظ "ابرہہ" لفظ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے، اور چونکہ نک کٹا تھا، اس لئے "اشرم" کہلاتا تھا، عرب اس کو حبش کے شاہی خاندان سے سمجھتے ہیں، بہر حال ارباط اس فتنہ میں مارا گیا، اور ابرہہ تنہا یمن کا بادشاہ بن بیٹھا، ارباط کے اختتام اور ابرہہ کے آغازِ حکومت کی تاریخ نہیں معلوم لیکن ابرہہ کے ایک ابتدائی کتبہ پر ۶۵۷ء حمیری جو مطابق ۵۴۳ء ہے تاریخ ثبت ہے اگر ہم اسی کو آغاز سال فرض کر لیں تو ارباط کی مدتِ حکومت ۱۸ سال ہے جو ۵۲۵ء سے شروع ہو کر ۵۴۲ء پر ختم ہوتی ہے۔

۵۴۳ء میں ابرہہ نمودار ہوتا ہے، اسی زمانہ کے ایک عیسائی مصنف پروکوپیوس کا بیان اس کے متعلق حسبِ ذیل ہے

ابرہہ ایک رومی غلام تھا خو زیلع[3] میں رہتا تھا، شاہ حبش یلا اصبحہ کے خلاف جس فوج نے بغاوت کی تھی اس کا سردار بن گیا

---

[1] سیل کا ترجمۂ قرآن [2] تاریخ طبری [3] زیلع افریقی ساحل پر یمن کے مقابل ہے اب اس کو اریٹیریا کہتے ہیں اور اٹلی کے زیرِ حکومت ہے عہد اسلام میں یہاں بہت سے مصنفین پیدا ہوئے۔

سمیفع جو بادشاہ کی طرف سے یمن کا نائب تھا، اس کو قید کر لیا، اس کے مقابل جو فوج بھیجی گئی، اس کو شکست دی اس اثنا میں بادشاہ مرگیا، اُس کے جانشین نے ابرہہ سے صلح کر لی اور اپنی طرف سے اس کو یمن کا نائب بنایا۔[1]

بجز ابرہہ کے رومی غلام ہونے کی عربی روایتیں حرف حرف اس کے مطابق ہیں، بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہیں ابرہہ کی بغاوت اریاط نامی سردار کا آنا، ابرہہ کے غلام کے ہاتھ سے دھوکے سے اس کا قتل ہونا، نجاشی کا خاک یمن کی پامالی، ور ابرہہ کی خونریزی کی قسم کھانا، ابرہہ کا ایک شیشی میں نشتر سے اپنا خون نکال کر اور یمن کی تھوڑی مٹی بادشاہ کے پاس بھیجنا کہ بادشاہ پاؤں تلے یہ مٹی رکھ کر ابرہہ کا خون بہائے اور قسم پوری کرلے، یہ تمام واقعات عربی تاریخوں میں مفصل مذکور ہیں۔

ابرہہ کو جب ادھر سے اطمینان ہوا، تو تمام ملک میں عامل مقرر کئے عیسائیت کی ترویج کی، بڑے بڑے شہروں میں کنیسے تعمیر کئے، سب سے بڑا کنیسہ صنعا میں تعمیر ہوا جس کو عرب "القلیس" کہتے ہیں جو یونانی کلیسا کی تعریب ہے۔

ابرہہ کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ سد عرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے جس سے چار نہایت اہم واقعات معلوم ہوئے ہیں۔

۱۔ ۶۵۷ء میں مطابق ۵۴۳ء میں ابرہہ کے خلاف اہل یمن نے بغاوت کی جس میں خود ولیعہد بھی شریک تھا۔

۲۔ اسی سنہ میں سد عرم آخری بار منہدم ہوا۔

۳۔ ابرہہ عیسائی تھا اور مارب میں ایک بہت بڑا گرجا اس نے تعمیر کیا تھا۔

۴۔ اسی سنہ میں نجاشی حبش، قیصر روم، منذر شاہ حیرہ اور حارث بن جبلہ شاہ غسان کے سفیر اس کے دربار میں آئے۔

اصل فقر کے اہم فقرے حسب ذیل ہیں:

(۱)

"رحمان الرحیم" اور اُس کے مسیح اور روح القدس کی مہربانی سے: ابرہہ اکسومی حبشیوں کا رمیس اور رمیس فیمان شاہ حبش کا محکوم، شاہ سبا، ذوریدان و حضرموت ویمنات و تہامہ و نجد، یہ یادگار قائم کرتا ہے کہ اُس نے اپنے عامل یزید بن کبشہ پر فتح پائی جس کو اُس نے کندہ اور ردی پر حاکم بنایا تھا اور سپہ سالار مقرر کیا تھا اور رو سائے سبا، (اقیال سبا) اس کے ساتھ تھے اور وہ مرّہ، ثمامہ، حبشی، مرثد اور صنف قلوہ وار (ذو) خلیل، اور آل یزن روسائے (اقیال)، معدی کرب ابن سمیفع اور مبھان اور اس کے ہم برادر فرزندان اسلم تھے، بادشاہ نے اس کے مقابلہ میں جراح قلعہ واد (ذو) ذنبور کو بھیجا، یزید نے اس کو مار ڈالا اور قصر کدار کو ڈھا دیا اور کندہ حریب اور حضرموت کے قبائل سے اس نے جمعیت اکٹھا کی...... بادشاہ کو خبر ملی تو اپنی حمیری و حبشی فوج ہزاروں کی تعداد میں ذوالقیاط ۶۵۷ء یمنی (مطابق ۵۴۳ء) میں لے کر چلا، جب مارب (سبا) کی وادیوں میں پہنچا تو یزید خود آیا، اور تمام سرداروں کے سامنے اس کی اطاعت قبول کرلی۔...."

(۲)

اسی اثنا میں مارب کے بند (سد) کی دیوار، حوض اور دروازوں کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالمدرح ۶۵۷ء یمنی

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ ابرہہ

(مطابق ۵۴۲ء) میں آئی، قبائل کو فرمان بھیجا کہ پتھر، لکڑی اور سیسہ، بند کے درست کرنے کے لئے مہیا کریں بادشاہ پہلے مارب گیا اور وہاں کے کنیسہ میں نماز ادا کی پھر موقع پر گیا، نیو کھودی گئی اور تعمیر شروع ہوئی.....

(۳) بادشاہ حسبِ ذیل امرا (اقیال) سے معاہدہ کرکے واپس آیا، شہزادۂ اکسوم قلعہ دار معاہر فرزند بادشاہ، مرجزف قلعہ دار، ذرناح، عادل قلعہ دار رفانش اور قلعہ داران شو لمان، شعبان، رعین اور ہمدان وغیرہ.....

(۴) رحمان کی عنایت سے نجاشی، قیصر روم، منذر (شاہ حیرہ) اور حارث بن جبلہ (شاہ غسان) اور دوسرے بادشاہوں کی طرف سے سفرا دوستی اور محبت کے لئے ماہ دوان ۶۵۷ھ ممتی (۵۴۳ء) میں آئے......

واقعۂ فیل ابرہہ کے زمانہ کا سب سے بڑا عظیم الشان واقعہ ۵۷۰ء میں مکہ پر فوج کشی ہے اس مہم میں چونکہ حبشی ہاتھی لے کر آئے تھے اس لئے عرب اس مہم کو واقعۃ الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارک اسی سال اس واقعہ کے چالیس[۱] روز بعد ہوئی تھی۔

عرب مورخین کی روایت کے مطابق اس مہم کا مقصد صرف تخریب کعبہ تھی، یورپین مصنفین کہتے ہیں، یہ واقعہ ضمنی پیدا ہو گیا ہوگا، ورنہ اصل غرض روم و فارس کی باہمی جنگ میں صحرائے حجاز کو عبور کرکے باہم مذہب رومیوں کی اعانت تھی، ہم کو اصل وضمن سے بحث نہیں، تواتر نقل سے اتنا جانتے ہیں کہ یہ واقعہ ہوا اور بس!

ابرہہ کے کتبۂ سوم کے جو فقرے ہم نے اوپر نقل کئے ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ یمن کے علاوہ تہامہ کا بھی جہاں کعبہ واقع ہے اپنے کو بادشاہ سمجھتا ہے، کتبہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس نے ایک گرجا مارب میں بنوایا تھا، اہلِ عرب کی روایت اس واقعہ کے متعلق یہ ہے اور جو قربِ زمانہ کی وجہ سے یقیناً صحیح ہوگی، ابرہہ نے عیسائیت کی ترویج کی غرض سے صنعاء میں ایک بڑا اور عظیم الشان کلیسا تعمیر کیا تھا اور اس کا نام کعبہ رکھا، غرض یہ تھی کہ عرب اصلی کعبہ کو چھوڑ کر ادھر جھکیں، عربوں میں کعبہ کی چونکہ بڑی عظمت تھی اور عرب کے ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگ اسی کی برابر عزت کرتے تھے[۱]۔ اس لئے اس سے اُن میں برہمی پیدا ہوئی، ایک عرب نے رات کو چھپ کر اس کلیسا کو نجس کر دیا، ابرہہ اپنے مقدس معبد کی بے حرمتی دیکھ کر غصہ سے بیتاب ہو گیا، فوج جرار اور چند ہاتھی لے کر کعبۂ ابراہیم کو ڈھانے نکلا، راہ میں عرب کے متعدد قبائل بڑھ بڑھ کر ابرہہ پر حملہ آور ہوئے، لیکن ہزیمت اٹھا کر پسپا ہو گئے، جب یہ ہاتھیوں کا دَل اور آدمیوں کا جنگل وادی مکہ کے قریب پہنچا، دفعۃً کسی سمت سے پرندوں کا غول در غول نمودار ہوا، ان کے منہ اور پنجہ میں کنکریاں تھیں، یہ کنکریاں جس پر گریں اس کا بدن پھوڑ کر نکل آئیں، اعضا سڑنے

---

[۱] اس کی دو دلیلیں ہیں، اوّل یہ کہ کعبہ میں ابراہیم (یہود) مسیح اور مریم (عیسائی) کی تصویریں اور تمام قبائل کے بت تھے ثانیاً یہ کہ نصرانی شعرائے جاہلیت کے کلام میں بھی شاعر کعبہ اور ارکانِ حج کی عظمت مذکور ہے۔

گلنے لگے، ہاتھی چنگھاڑ مار مار کر پیچھے ہٹ گئے، چند منٹ میں تمام لشکر زیروزبر تھا، عرب میں چیچک کی بیماری اس سال پیدا ہوئی۔[1]

واقعہ کے اخیر فقرہ سے مورخین یورپ نے یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ اصل واقعہ اتنا ہے کہ ابرہہ رومیوں کی مدد کو فوج لے کر نکلا، راہ میں اس کی فوج چیچک کی وبا سے برباد ہو کر رہ گئی۔[2] حبش میں اسی زمانہ میں چیچک کی وبا کا پھیلنا، غیر اسلامی روایت سے ثابت ہے، چنانچہ حبش کے ایک سیاح نے اپنے سفرنامہ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔[3] چیچک کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اس بیماری کا نشوونما اور ترقی تقریباً اسی زمانہ سے ہے۔ قرآن مجید نے ان ہی واقعات کو سورۃ الفیل میں بیان کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ (سورۃ الفیل)	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، کیا اس نے ان کی مخفی تدبیر کو بےکار نہیں کر دیا، اس نے اُن پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے وہ پرندے پتھر مارتے تھے، پھر خدا نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔

جمہور کے نزدیک ان آیات کی تفسیر تو وہی ہے جو عام روایت کے مطابق ہے، پرندوں کا پتھر برسانا اور اُس سے ایک فوج کی فوج کا ہلاک ہو جانا تعجب انگیز واقعہ ہے لیکن محال نہیں، ممکن ہے کہ ان کنکریوں میں چیچک کے وبائی جراثیم ہوں، اس واقعہ کی صحت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ یہ سورہ اس واقعہ کے تقریباً پچاس برس بعد نازل ہوئی، اس وقت بہت سے اشخاص حملۂ حبش کے چشم دید گواہ موجود ہوں گے، بعض لوگ ایسے ہوں گے جنھوں نے اپنے بزرگوں سے اس واقعہ کو سنا ہوگا، تاہم کسی نے اس وحی الٰہی کی تکذیب نہ کی، سرسیّد نے اس سورۃ کی جو تفسیر تہذیب الاخلاق میں لکھی تھی اور جس سے اس واقعہ کے اعجوبہ پن کو دور کرنے کی کوشش کی تھی وہ سرتاپا لغو اور اغلاط سے مملو ہے، عربی زبان میں طیر کا لفظ "بدفالی" اور کنایۃً "بلا" کے معنی میں کبھی نہیں آئے وہ "طائر" کا لفظ ہے اور اس سے مزعومات عرب کے مطابق "فالِ بد" مراد ہوتی ہے "فالِ بد" کے معنی میں ارسال کے ساتھ بھی اس لفظ کا استعمال نہیں ہوا ہے۔

ان آیات کے ایک اور معنی نظام القرآن کے مصنف نے اختیار کئے ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حد تک صحیح ہوں، سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ عربوں کا عام بیان یہ ہے کہ جب کوئی فوج گراں کسی طرف کا رُخ کرتی ہے تو مردہ خوار پرندوں کا غول ساتھ ساتھ ہوا میں اڑتا چلتا ہے، نابغہ کہتا ہے:۔

[1] طبری و ابن اسحاق [2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، اصحاب الفیل [3] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا لفظ "اسمال پاکس"

"اُن کے پرچم کے ساتھ ساتھ پرندوں کا غول چلتا ہے۔"[1]

ابونواس کا شعر ہے :-

"ہمارے ممدوح کی فوج کے ساتھ پرندے ہیں، کیوں کہ اُس کے فاتح ہونے کا اُن کو یقین ہے۔"

۳۶ھ میں بصرہ میں جنگِ جمل واقع ہوئی تھی، حجاز میں اس لڑائی کا حال اُسی دن معلوم ہوگیا تھا، کیونکہ غول در غول پرندے کٹے ہوئے اعضاء چنگلوں اور چونچوں میں لئے ہوئے اِدھر اُدھر اڑ رہے تھے[2]

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ "تَرْمِي" کا فاعل طَیْر نہیں ہے بلکہ اَنْتَ ہے جو اَلَمْ تَرَ کا فاعل بھی ہے، اس تفسیر کے رو سے آیت کے معنی یہ ہوں گے۔

"تو نے دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ! کیا اس نے ان کی مخفی تدبیر کو بیکار نہیں کر دیا، اس نے اُن پر جھنڈ کے جھنڈ کے پرندے بھیجے، تو اُن ہاتھی والوں کو پتھروں سے مارتا تھا پھر خدا نے اُن کو کھائے ہوئے بھُس کے مانند کر دیا"

خدا اس سورہ میں اپنے متعدد احسانات گنا تا ہے، اوّل یہ کہ اُس نے اُن کی تدبیر بے کار کر دی دوسرا، یہ کہ اُس نے اُن کے ساتھ ساتھ پرندوں کے غول بھیجے کہ اُن کی لاشوں کی نجاست سے صحنِ حرم کو پاک کر دیں، تیسرا یہ کہ اتنے بڑے لشکر کو صرف بدویانہ سنگ اندازی سے شکست دے دی۔

---

[1] مولانا حمید الدین صاحب فراہی (مرحوم) [2] تاریخ طبری واقعہ جمل (تمت بالخیر)

ارض القرآن

جلد دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

طبقۂ ثالثہ

سلسلۂ ابراہیمی

وآلَ اِبۡرَاھِیۡمَ

حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں، سارہ، ہاجرہ اور قطورا

سارہ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ تھے، ان کے دو بیٹے تھے حضرت یعقوبؑ جو بنی اسرائیل کے باپ تھے، اور عیسو جن کا لقب ادوم تھا، اس سلسلہ میں سے ادوم اپنے بھائی سے الگ ہو کر اپنے چچا اسماعیلؑ کے پاس عرب میں متوطن ہوئے بقیہ سلسلے مصر و شام میں رہے۔

قطورا کے بطن کی تمام اولادوں کو جن میں ایک کا نام مدین تھا عرب ہی میں ان کے باپ نے اُن کو بسایا، ان میں سے بنو مدین اور ددان کے سوا اوروں کا حال نہیں معلوم۔

ہاجرہ کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا حضرت اسماعیلؑ انھوں نے بھی عرب ہی میں اپنے باپ کے حکم سے سکونت کی۔

ارض القرآن کا یہ حصہ صرف ان ہی خاندانوں کی تفصیل پر محدود ہے اور ان میں سے بھی ان خاندانوں کا ذکر مفصل ہے، جن کا نام قرآن مجید میں کسی حیثیت سے مذکور ہے۔

۱۔ بنو قطورا میں سے اہلِ مدین اور اہلِ ددان (اصحاب الایکہ)

۲۔ بنو سارہ میں سے ادوم (یعنی حضرت ایوبؑ اور اُن کی قوم)

۳۔ بنو ہاجرہ میں سے حضرت اسمٰعیلؑ، انباط (اصحاب الحجر) قیدار اور قریش۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بنو قطورا

مدین

شعیب علیہ السلام

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا

از ۲۰۰۰ ق م تا ۱۰۰۰ ق م

اس اصول کا کئی بار تبکرار ذکر گذر چکا ہے کہ سامی قومیں عموماً اپنی آبادی اور قومیت کو اپنے بزرگانِ نسل کے نام سے موسوم کرتی ہیں، مدین جن کے حالات اس فصل میں بیان ہوں گے[1]، اپنے بانی موسس خاندان مدین بن ابراہیمؑ کی طرف منسوب ہیں۔

مدین نے اپنی آبادی اپنے ہی نام سے اپنے بھائی اسمٰعیل کے پہلو میں قائم کی[2] یہ ملک طولاً خلیج عقبہ (عیلانہ) کے سواحل پر یعنی خلیج سے ساحلِ بحرِ احمر و ارضِ ثمود و حجاز تک جہاں ثمود و جرہم و عرب اسمٰعیل آباد تھے، واقع تھا۔

مدین کی تاریخ ہم مدین کا آغاز عہد ۲۰۰۰ ق م فرض کرتے ہیں کہ پدر مدین حضرت ابراہیم کا زمانہ ۲۱۰۰ یا ۲۲۰۰ ق م ہے، ایک خاندان کو قوم کی حیثیت پیدا کرنے کے لئے کم از کم سو دو سو برس کی ضرورت ہو گی، اسی لئے مدین، توراۃ میں سب سے پہلے عہد یعقوب میں (۲۰۰۰ ق م) سوداگران کے بھیس میں نظر آتے ہیں، حضرت یوسفؑ کو جو کاروانِ تجارت کنعان سے مصر لے گیا تھا وہ یہی اہلِ مدین اور اسمٰعیلی عرب تھے، (تکوین ۳۷، ۲۷، ۲۸، ۳۶، ۳۰-۱) اس لئے قرآن مجید کی اس آیت پاک میں۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ اتنے میں ایک کارواں آیا جس نے اپنے پانی والے کو بھیجا اس نے

---

[1] چونکہ ارض مدین حضرت موسیٰؑ کا دار الہجرۃ ہے اور اہل مدین و بنی اسرائیل میں ہمیشہ تعلقات جنگ و صلح رہے، اس لئے توراۃ میں مدین کے نہایت کثرت سے حالات مذکور ہیں ہم انہیں کا اقتباس کریں گے، تاریخ یونان و روم میں مدین کا ذکر نہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یونان و روم کے عہد میں اس پر نبط قابض تھے، جنھوں نے مدین کو چھوڑ کر رقیم اور حجر کو آباد و مشہور کیا تھا [2] یوسیفوس، قدامت الیہود کتاب ۲ فصل ۱۱۔

قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝

(یوسف)

اپنا ڈول لٹکایا تو چلایا اے خوش نصیبی! یہ ایک لڑکا ہے کارواں والوں نے ایک سرمایہ کی چیز سمجھ کر یوسف کو مخفی رکھا اور خدا اُن کے کاموں سے آگاہ تھا (مصر پہنچ کر) اُن لوگوں نے معمولی قیمت پر چند درم میں بیچ ڈالا، کیونکہ وہ یوسف کی قدر نہیں جانتے تھے۔

کارواں سے ان ہی اہل مدین کو مراد لینا چاہیئے، اور مسلمان مفسرین نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے[1]

یہ تجارت کی تاریخ کا سب سے پہلا صفحہ اور اسمٰعیلی اور مدیانی عربوں کی تجارت کا سب سے پہلے قافلہ اور کاروان کے تاجرانہ سفر کی اولیں منزل نظر آتی ہے، مسیح سے دو ہزار برس پہلے قدامت پرست عرب کے اس مدیانی اور اسمٰعیلی قافلہ کا سامان تجارت وہی تھا جو عربوں کی تجارت کا ہمیشہ سامان رہا ہے، یعنی خوشبودار چیزیں، بلسان، صنوبر، لبان[2]

اس واقعہ کے بعد چار سو برس تک مدین کی تاریخ پر خاموشی چھا جاتی ہے۔ سبب یہ ہے کہ مدین کے سوانح نگار بنی اسرائیل ہیں۔ ... اور یہ زمانہ بنی اسرائیل کے قیام مصر کا ہے، ۴۰۰ برس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا، اور دعوتِ حق اور حبِ قومی کے جرم میں ان کو مصر سے ہجرت کرنی پڑی تو ان کا ملجا اسی قافلہ کی سرزمین تھی جو ان کی قوم کو چار سو برس پہلے مصر پہنچا گئی تھی یعنی مدین[3]۔

مدین کی قوم عموماً اس وقت جس کاروبار میں نظر آتی ہے وہ وہی ہے جو تمام سامی قوموں کا ہمیشہ پیشہ رہا ہے یعنی گلہ بانی! یہی وہ شغل ہے جو ابراہیم، اسحاق[ع] اور یعقوب[ع] کا پیشہ تھا، اور چونکہ حضرت موسیٰ[ع] ومصر کی متمدن زندگی میں میسر نہ آتا، بنو سام کے عظیم الشان پیغمبر کے لئے ضرور تھا کہ وہ جہان بانی سے پہلے گلہ بانی کا سبق لے، اس لئے قضائے الٰہی نے موسیٰ[ع] کو مصر کے تمدن زار سے عرب کے بے تکلف اور سادہ ملک میں بھیج دیا، جہاں شرفائے سام نے اب تک اپنے آبائی عادات و اخلاق کو متروک نہیں کیا تھا۔

تاہم مدین کے قبائل ایک منتظم زندگی رکھتے تھے، شہر میں مذہبی رسوم و آداب کی تلقین و محافظت کے لئے کاہن (مذہبی عہدہ دار) ہوتے تھے، اور اکثر حالات میں یہی کاہن شہر کے قانونی حاکم بھی قرار پاتے تھے حضرت موسیٰ[ع] کے عہد میں جو کاہن تھا، اس کا نام توراۃ میں کہیں راعوئیل[4] کہیں یثرو[5]، کہیں جوباب[6] مذکور ہے، لیکن اکثر مسلمان مفسرین کے نزدیک یہ شعیب تھے جو لفظاً "جوباب" سے بہت قریب ہے، حضرت موسیٰ[ع] جب مصر سے ہجرت کر کے شہر مدین آئے تو انہیں "جوباب" یا شعیب[ع] کے یہاں مہمان ہوئے اور ان کے ہاں بکریاں

---

[1] معالم تفسیر سورہ یوسف [2] تکوین ۳۷-۲۶ [3] خروج ۲-۱۵ ودقرآن مجید [4] خروج ۲-۱۸
[5] خروج ۳-۱ [6] سفر العدد ۱۰-۱۹ وسفر القضاۃ ۴-۱۱

چرانے کی خدمت قبول کی اور اس کے معاوضہ میں حضرت شعیبؑ نے اپنی ایک بیٹی حضرت موسیٰؑ کی زوجیت میں دی۔[1]

قرآن پاک میں مدین کا ذکر دو سبب سے آتا ہے، اول حضرت شعیبؑ اور دوم حضرت موسیٰؑ کے تعلق سے، حضرت موسیٰؑ کے تعلق کی حسب ذیل آیتیں ہیں:۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى (طٰهٰ ۲)

اہل مدین میں چند سال رہا، پھر اے موسیٰؑ تو ایک اندازہ پر آیا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاۗءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ، وَلَمَّا وَرَدَ مَاۗءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ (القصص)

جب موسیٰؑ (مصر سے) مدین کی طرف چلا، اس نے کہا شاید میرا پروردگار مجھے راہِ راست دکھائے، اور جب وہ مدین کے کنوئیں پر پہنچا تو وہاں پر لوگوں کو پانی پلاتے ہوئے پایا۔

* * *

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (القصص)

(اے محمدؐ) تو اہل مدین میں مقیم نہ تھا، ان پر خدا کی آیتوں کو پڑھتے ہوئے، لیکن ہم بھیجنے والے تھے۔

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر جب مصر سے حدود عرب میں داخل ہوئے تو مدین کے کاہن نے ان کا استقبال کیا، بنی اسرائیل غلامی کے عہد سے ابھی نکلے تھے نظام و تربیت سے آگاہ نہ تھے، بھیڑ کی طرح روز و شب پیغمبر کو گھیرے رہتے تھے، اور ذرا ذرا سی بات کے لئے ان ہی کے پاس دوڑے آتے تھے، مدین کے کاہن نے بتایا کہ ایک قوم پر کیوں کر حکومت کرنی چاہیئے اور اس کی ترتیب و تنظیم کے کیا اصول ہیں، اول ہزار ہزار پر افسر ہوں، پھر ہر سو پر اور پھر دس پر، صرف افسروں کے اختلاف رائے کے موقع پر امیر (حضرت موسیٰؑ) کی عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔[2]

اس واقعہ کے ذکر سے ہم کو یہ دکھانا ہے کہ اس وقت مدین کا تمدن کس حد تک ترقی کر چکا تھا، ۱۶۰۰ سو یا ۱۷۰۰ ق م جو حضرت موسیٰؑ کا عہد ہے، مدین پانچ شیوخ قبائل یا توراۃ کی اصطلاح کے مطابق پانچ بادشاہوں کے ماتحت تھا، ان کے نام یہ تھے، عوی، رقیم، صور، حور اور ربع[3] یوسیفوس یہودی جو پہلی صدی مسیح میں تھا، اس کا بیان ہے کہ شہر رقیم اسی مدیانی بادشاہ رقیم کے نام سے آباد ہے، عرب اب تک اس کو رقیم اور یونانی پیٹرا کہتے ہیں[4] اس بنا پر بیسویں صدی کے ایک مشہور مصری عیسائی مؤرخ کی یہ تحقیق کہ "الرقیم" اس شہر کے یونانی غیر مشہور نام "ارکہ" کی تعریب ہے، کس قدر مضحکہ انگیز

---

[1] خروج ۲۱-۲۲ [2] خروج ۱۸ [3] سفر عدد ۳۱-۸ [4] یوسیفوس، قدامۃ الیہود کتاب ۴ فصل ۷۔

ہے[1] یوسیفوس خود اُس عہد کا شخص ہے جب یہ رقیم یا پٹرا آباد تھا، اس لئے اس سے زیادہ موثق ذریعہ تحقیق اور کیا ہو سکتا ہے؟

بہرحال اس واقعہ سے اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ اُس عہدِ قدیم میں مدین کی شمالی حد کہاں تک وسیع تھی! پٹرا یا رقیم، ملک شام کے قریب بحرِ میّت اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے اس لئے مدین کے حدود شمالی کو یہاں تک وسیع سمجھنا چاہیئے۔

اس زمانہ کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد شہر مدین کے چار اور بادشاہوں کا توراۃ میں ذکر آتا ہے زاباح صلماع، عوریب اور ذیب[2]، ایک وقت میں چند بادشاہوں کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ ملک متفرق قبائل یا ریاستوں پر منقسم تھا۔

مدین کی اخلاقی و مذہبی حالت اور بربادی مدین اور مدین کے قریب موآب آباد تھا، مذہبًا اور اخلاقًا دونوں قوموں کی بدترین حالت تھی، تمدن کے جراثیم جن امراض کو پیدا کرتے ہیں، وہ ایک ایک کر کے پیدا ہو چکے تھے بتوں کی پرستش اور ان کے لئے قربانی ان کا مذہب تھا، تمام بتوں کا سردار "بعل فور" دیوتا تھا[3] اخلاقی حالت اس درجہ پست تھی کہ شرفائے خاندان کی لڑکیاں انسانیت کا بدترین نمونہ تھیں[4] مردوں کا یہ حال تھا کہ ظلم و ستمگری ان کی زندگی کا معمولی پیشہ تھا[5]

بنی اسرائیل مصر سے نکل کر موآب و مدین کے میدانوں میں خیمہ زن تھے، ان بدکاروں نے بنی اسرائیل کے لئے سازشوں کا دام پھیلانا شروع کیا، عورتوں نے نوجوانانِ بنی اسرائیل کو جو اصل میں اس فوج کے سپاہی تھے، اپنے قابو میں کر لیا، سردار سے باغی بنا لیا، بتوں کے سامنے ان کا سر جھکوایا "بعل فور" کے لئے ان سے قربانیاں کرائیں[6] مردوں نے آس پاس کی قوموں سے سازباز کیا کہ بنی اسرائیل کو نیست و نابود کر دیں بنی عمان کے ملک سے وہاں کے پیغمبر "بلعام" کو بلوایا کہ وہ بنی اسرائیل کے لئے بد دعا کرے[7]، اس وقت

"خدا نے موسیٰؑ سے کلام کیا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لئے اہل مدین سے انتقام لے اور اس وقت تو اپنی قوم میں مجتمع ہوگا (سفر العدد ۳۱ - ۱)

حالات کی بنا پر بنی اسرائیل کو پھر اپنے قابو میں لانے کے لئے اور مدین کی گنہگار آبادی کی سزا دہی کے لئے ضروری ہوا کہ حسب حکم الٰہی، مدین اور معاندین مدین سے جہاد کیا جائے، موآب حشبون اور مدین کی متفقہ قوت کے مقابلے میں حضرت موسیٰؑ نے ۱۲ ہزار آدمی بھیجے، دشمن اپنی کثرت اور سامان کے باوجود کامیاب

---

[1] العرب قبل الاسلام جرجی زیدان [2] سفر القضاۃ ۷-۲۵ و ۸-۱۵ [3] سفر العدد ۲۵-۲، ۳ [4] سفر العدد ۲۵-۱-۵-۱-۵ [5] سفر القضاۃ ۶-۱ [6] سفر العدد ۲۵-۲-۳ [7] سفر العدد ۲۲، ۳، ۴، ۵

نہ ہوئے، مدین کے پانچ سردار عوی، رقیم، صور، حور اور ربع مارے گئے، تمام مرد، بچے اور عورتیں قتل ہوئیں، لڑکیاں قید ہوئیں اور ان کا سامان غنیمت میں ہاتھ آیا۔[1]

قوم مدین کی اس تباہی کے بعد شہر مدین ہم اسمٰعیلی عربوں کے ہاتھ میں پاتے ہیں، اور اب اس کے بعد جن اہل مدین کا توراۃ میں ذکر ہے وہ یہی اسمٰعیلی ہیں، قوم مدین کی تباہی کے تقریباً ۱۵۰ برس بعد عمالیق اور دیگر عرب قبائل اسماعیلی مدین کی سرکردگی میں بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئے، ہر سال جب غلہ پکنے کے قریب ہوتا آندھی کی طرح بنی اسرائیل کے ملک میں آتے اور غلہ، گائے، بیل، گدھے جو کچھ پاتے سب لوٹ لیتے، فرزندان اسرائیل آبادی چھوڑ کر پہاڑوں اور غاروں میں روپوش ہو جاتے تھے۔[2]

آخر جدعون نامی ایک سردار ان میں پیدا ہوا جس نے بنی اسرائیل کی قوت کو مجتمع کیا، اور صرف ۳۰۰ منتخب آدمیوں کو لے کر اس نے اہل مدین پر شبخون مارا، رات کی تاریکی میں دوست[3] دشمن کی تمیز نہ ہوتی ایک لاکھ بیس[4] ہزار اہل مدین خود اپنوں اور دشمنوں کے ہاتھ سے مارے گئے، عوریب اور ذیب مدین کے دو بادشاہ قید ہوئے جن کو نہایت ذلت سے قتل کیا گیا،[5] اور دو بادشاہ زاباح اور صلمناع ۱۵ ہزار آدمیوں کے ساتھ بھاگ کر نکلے، لیکن ان کو پناہ نہ مل سکی۔

حوباب یا شعیبؑ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے خسر کا نام توراۃ میں یثرو اور حوباب مذکور ہے، توراۃ کی شرح عبرانی میں لکھا ہے کہ یثرو کے دس نام تھے، دس نام ہوں یا نہ ہوں، دو نام تو خود توراۃ میں ہیں ایک جرمن فاضل Heinrichewald کہتا ہے:۔

"اصل نام حوباب تھا اور یثرو ایک اعزازی لقب تھا جس کے لغوی معنی "کامل" کے ہیں جس طرح یہودیوں کے ہاں "کاہن" اور مسلمانوں کے ہاں "امام" کا لفظ ہے۔[6]"

دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

(حوباب) کا نام قرآن میں اور عموماً مسلمانوں میں شعیب ہے، یہ نام حوباب کی تصحیف ہے۔۔۔۔

مسلمان مفسرین بھی علی العموم یثرو حوباب اور شعیبؑ کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔"

حضرت شعیب اور قرآن مدین اور حضرت شعیبؑ کا باہمی ذکر قرآن مجید کے تین سوروں میں آیا ہے، اعراف ہود اور عنکبوت۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اور مدین کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، شعیب نے کہا

---

[1] سفر العدد ۳۱ باب [2] سفر القضاۃ باب ۶ [3] سفر القضاۃ باب ۷، ۲۲ [4] سفر القضاۃ ۸۔ ۱۱
[5] سفر القضاۃ ۷، ۵۰۔۳ [6] تاریخ بنی اسرائیل ترجمہ انگریزی ج ۱ ص ۲۵ حاشیہ مصنفہ ابوالڈ

اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ
مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ
اِصْلَاحِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝
وَلَا تَقْعُدُوْا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَتَبْغُوْنَھَا عِوَجًا
وَاذْکُرُوْٓا اِذْ کُنْتُمْ قَلِیْلًا فَکَثَّرَکُمْ وَانْظُرُوْا
کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَاِنْ کَانَ
طَآئِفَۃٌ مِّنْکُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِہٖ وَ
طَآئِفَۃٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ
بَیْنَنَا وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ۝
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ
قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ
مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ کُنَّا کٰرِھِیْنَ ۝ قَدِ افْتَرَیْنَا
عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ
بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰہُ مِنْھَا وَمَا یَکُوْنُ
لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْھَآ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ
رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا عَلَی اللّٰہِ
تَوَکَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا
بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ۝
وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ
لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝
فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ
جٰثِمِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَاَنْ لَّمْ

اے بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں، خدا کی جانب سے گواہی آچکی، پیمانہ اور ترازو پوری کرو، اور لوگوں کو اُن کا حق کم نہ کرو، اور اصلاح کے بعد ملک میں فساد نہ مچاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم ایمان والے ہو اور ہر راستہ پر دھمکانے کو نہ بیٹھا کرو اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو مت روکو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھی کرنے کی کوشش نہ کرو، یاد کرو، جب تم تھوڑے تھے، تو خدا نے تم کو بڑھایا، اور بغور دیکھو کہ مفسدین کا انجام کیا ہوا، تم میں کچھ لوگ تو جو جو پیغام دے کر میں بھیجا گیا ہوں اس پر ایمان لا چکے ہیں، اور بعض نہیں لائے تو اس وقت تک صبر کرو کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کرا دے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

سرداران قوم میں جو مغرور تھے بولے کہ شعیبؑ ہم تجھ کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنی آبادی سے باہر نکال دیں گے یا ہمارے آبائی مذہب کو پھر قبول کر لے، شعیبؑ نے کہا کیا ہم نہ چاہیں تب بھی، اگر تمہارے مذہب کو جس سے ہم کو خدا نے نجات دی ہم پھر قبول کر لیں تو ہم خدا پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں، خدا کی مشیت کے بغیر ہم کو پھر تمہارے مذہب میں جانا سزاوار نہیں، ہمارا پروردگار اپنے علم سے ہر شے کو محیط ہے ہم نے اُسی پر بھروسہ کیا ہے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

کفر پیشہ سرداروں نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا، اگر شعیبؑ کی تم نے پیروی کی تو تم گھاٹے میں رہو گے۔

پس کپکپاہٹ نے آکر اُن کو پکڑ لیا، پھر تو وہ اپنی اپنی جگہ پر پڑے کے پڑے رہ گئے، شعیبؑ کے جھٹلانے والے گویا کہ ان

يَغْنَوْا فِيهَا الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخٰسِرِينَ ۝
فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ
رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ
كٰفِرِيْنَ ۝ (اعراف)

اس سے زیادہ تفصیل سورۂ ہود میں ہے :-

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا، قَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ، وَلَا
تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ
وَاِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ،
يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ
لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا
فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ -
قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ
مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا
نَشٰۗؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ -
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ
رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَآ اُرِيْدُ
اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ
اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ
اِلَّا بِاللّٰهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ
وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ
اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ
اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ وَمَا قَوْمُ
لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا

گھروں میں کبھی آباد ہی نہ تھے اور وہی گھاٹے والے رہے۔
شعیبؑ ان کو اسی حال میں چھوڑ کر ہٹا اور بولا میرے بھائیو!
اپنے پروردگار کے پیغام میں پہنچا چکا اور اپنی خیر خواہی کا
فرض بھی ادا ہو چکا، اب کیونکر کفر پیشہ قوم کی تباہی کا غم کھاؤں

مدین کی سمت ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا، اُس
نے کہا بھائیو! خدا کو پوجو، اُس کے سوا کوئی لائق پرستش
نہیں، پیمانہ اور ترازو کم نہ کرو، میں تم کو بھلائی کے ساتھ دیکھتا ہوں
اور ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب کو تم پر ڈرتا ہوں
بھائیو! پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ پوری رکھو
لوگوں کا حق کم نہ کرو، اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو
اگر با ایمان ہو تو خدا نے جو باقی چھوڑا ہے وہ تمہارے لئے
بہتر ہے، اور میں تم پر کوئی نگران نہیں مقرر ہوا۔
لوگوں نے جواب میں کہا شعیبؑ کیا یہ تمہاری نماز تم کو کہتی
ہے کہ ہمارے اسلاف جس کو پوجتے تھے، اس کو چھوڑ دیں یا
ہم اپنے مال میں جو چاہیں وہ نہ کریں، تم بھی بڑے عقلمند اور
نیک ہو، شعیبؑ نے کہا بھائیو! اگر میں اپنے پروردگار کی
بتائی ہوئی دلیل پر قائم رہوں اور جو کچھ اُس نے حلال روزی
دے رکھی، اس پر قانع رہوں، تو تمہاری کیا رائے ہے میں
نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کر کے وہ کروں جس سے تم کو
روکتا ہوں، میں تو اپنی طاقت بھر صرف اصلاح چاہتا ہوں
مجھ کو توفیق خدا ہی کے زور سے ہے، اُسی پر بھروسہ ہے اور
اسی کی جانب رجوع ہوتا ہوں۔ بھائیو! صرف میری دشمنی
اس کا باعث نہ ہو کہ جس طرح نوحؑ اور ہودؑ اور صالحؑ کی
قوموں پر عذاب پہنچا تم پر بھی پہنچے، لوط کی قوم تم سے دور

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۔

نہیں، اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو، اور اس کے سامنے توبہ کرو، خدا رحمت اور محبت والا ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا، وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۔

بولے، شعیبؑ ہم تمھاری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے اور ہم اپنے میں تم کو کمزور بھی پاتے ہیں، اگر تمھارے خاندان کا لحاظ نہ ہوتا تو تم کو سنگسار کر چکے ہوتے اور کچھ تم ہم پر غالب بھی نہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ، سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَّارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۔

شعیبؑ نے جواب دیا بھائیو! کیا میرا خاندان خدا سے زیادہ تمھارے نزدیک لحاظ کے قابل ہے جو تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا، میرا پروردگار تمھارے ہر کام سے واقف ہے بھائیو! تم اپنی جگہ پر کام کئے جاؤ میں بھی اپنا کام کرتا ہوں عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ رسوا کن عذاب کس پر آئیگا اور کون جھوٹا ہے، انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۔ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (هود)

جب ہمارا حکم آگیا ہم نے شعیبؑ کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور جو ظالم تھے ان کو چیخ نے آلیا، اور وہ اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے گویا کہ ان میں وہ کبھی رہے نہیں، ثمود کی طرح مدین کے لئے بھی ہلاکت ہو

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (عنکبوت)

مدین کے پاس شعیبؑ کو ہم نے بھیجا، اس نے کہا بھائیو! خدا کو پوجو، اور روز آخرت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو، انھوں نے جھٹلایا، تو کپکپاہٹ نے آلیا اور اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

ان آیتوں میں مدین کے جن حالات کی طرف تلمیح واشارہ ہے، چونکہ مدین کی تاریخ ہمارے مفسرین کے پیش نظر نہ تھی، اس لئے بہت سے عقدے ناکشودہ رہ گئے سب سے اول یہ کہ وہ اہل مدین و بنی اسرائیل کے باہمی واقعات و منازعات سے بجز واقعہ قرابت حضرت موسیٰ و شعیب علیہما السلام ناواقف ہیں، اس بنا پر ان آیات کی تفسیر میں ان واقعات کا وہ کوئی تعلق نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ ہماری رائے میں یہ آیتیں تمام تر ان ہی واقعات سے متعلق ہیں، پہلی آیت یہ ہے وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، اوّل یہ کہ یہاں مدین سے قوم مدین مراد ہے، ثانیاً یہ کہ شعیبؑ مدین کے خاندان سے تھے۔

مخاطبت شعیبؑ و مدین کا پہلا فقرہ یہ ہے:۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف و ھود) — اے قوم خدا کی پرستش کرو، اس کے سوا تیرا کوئی دوسرا معبود نہیں

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بعل فغور وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔

اس کے بعد ہے:۔

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (اعراف) — ناپ اور تول پورا پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیز نہ دو۔

لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ۔ (ھود) — پیمانہ اور ترازو کم نہ کرو میں تم کو اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ گھیر لینے والے دن کا عذاب تم پر نہ آئے، لوگو! پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ رکھو، لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو (ھود)

آغاز فصل میں معلوم ہو چکا ہے کہ مدین ایک تاجر قوم تھی اور غالباً دنیا کی تاریخ میں اس پیشہ کی سب سے پہلی قوم ظاہر ہوتی ہے، اس بناء پر اس میں یہ مذموم صفت ہو گی جو حالات کے لحاظ سے بالکل مناسب ہے بنی اسرائیل جب مصر سے حدود عرب میں داخل ہوئے، تو ان کے ساتھ رسد کا سامان نہ تھا، قرب وجوار کی قوموں سے بقیمت خریدتے تھے[1] یا بجبر چھین لیتے تھے، شاید مدین کی اس وصف تجارت کا بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے بھی تعلق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان آیات سے مراد صرف خرید و فروخت کی کمی بیشی نہیں ہے، بلکہ سود، بٹہ اور دیگر اصناف تجارت ممنوعہ مراد ہیں جن کے ذریعہ سے تاجر و صاحب معاملہ لوگوں کو اُن کے حق جائز سے ہمیشہ کم مالیت دیتے ہیں اسی بناء پر حضرت شعیبؑ کی قوم کا یہ جواب ہے:

اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (ھود) — کیا اس سے بھی کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں کریں، تمہاری نماز روکتی ہے

اس رائے کی تائید مفسرین کی بعض روایات سے بھی ہوتی ہے:۔

وقیل نهاهم عن قطع الدنانیر والدراهم وزعم انه محرم علیهم فقالوا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء[2] — کہتے ہیں کہ شعیبؑ نے اُن کو درہم و دینار میں بٹہ لینے سے منع کیا تھا، اور کہا کہ یہ حرام ہے، انھوں نے کہا کیا ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے موافق کام نہ کریں۔

محدث ابن جریر طبری تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] سفر تثنیۃ الاشتراع ۲، ۶، ۲۷ [2] تفسیر معالم التنزیل امام بغوی اسود۔

عن زید بن اسلم فی قوله عزوجل "اصلوتك تامرك ان نترك ما یعبد اٰبآؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء" قال کان مما ینہاھم عنه حذف الدراھم او قال قطع الدراھم

زید بن اسلم سے اس آیت اصلوٰتک ...... الخ کے ذیل میں مروی ہے کہ شعیبؑ ان کو (بٹہ) سے منع کرتے تھے۔

عن محمد بن کعب القرظی قال بلغنی ان قوم شعیب عذبوا فی قطع الدراھم ثم وجدت ذلك فی القرآن "اصلاتك تامرك ان نترك وما یعبد اٰبآؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء"[1]

محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ قوم شعیبؑ کو بٹہ لینے کے باعث عذاب دیا گیا پھر مجھے قرآن مجید میں یہ آیت ملی۔

اس کے بعد ارشاد ہے:۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اعراف)

اصلاح کے بعد ملک میں فتنہ نہ برپا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر ایمان ہو۔

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ (ھود)

ملک میں فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ۔

عموماً مفسرین تاآنکہ امام رازی بھی "فتنہ وفساد" سے "کفر" اور "اصلاح" سے "بعثت شعیبؑ" مراد لیتے ہیں، حالانکہ اس سے مقصود بعد صلح وامان، بنی اسرائیل کے ساتھ مخالفت ومنازعت اور سازش وخونریزی ہے، اسی لئے اس کے بعد یہ الفاظ ہیں:۔

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (ھود)

ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو، خدا نے جو باقی رکھا ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے، اگر ایمان والے ہو۔

"بقیہ" کا مطلب ہمارے مفسرین یہ بیان فرماتے ہیں کہ "حرام کے بعد جو حلال چیزیں باقی رہ گئی ہیں وہ تمہارے لئے کافی ہیں، حرام کی کیوں طلب کرتے ہو"۔ لیکن اس حالت میں اول آیت وآخیر آیت سے تعلق کیا رہے گا؟ "ملک میں فساد نہ کرو کہ باقی حلال چیزیں کافی ہیں"۔ ملک میں فساد اور حلال چیزوں پر قناعت دونوں بے ربط باتیں ہوجاتی ہیں۔

ہمارے نزدیک مدین کی تاریخ کو پیش نظر رکھنے سے مطلب نہایت واضح ہوجاتا ہے مدین چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل نے مصر سے آکر ملک کا جو حصہ لے لیا ہے، واپس لے لیں۔ حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں کہ فتنہ وفساد سے فائدہ نہیں، خدا نے جو کچھ باقی رکھا ہے اس پر قناعت کرو، اہل مدین اس کے جواب میں کہتے ہیں،

[1] تاریخ طبری ج ۱ ص ۳۷۰ یورپ

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (ھود)

شعیبؑ! کیا یہ تمھاری نماز کہتی ہے کہ اسلاف کے طریقہ پرستش کو چھوڑ دیں یا ہم اپنے مال میں جو چاہیں وہ کرنا چھوڑ دیں تم بھی بڑے عقلمند (یا بردبار) اور نیک ہو۔

اس جنگ کی غرض صرف دو تھی، ایک یہ کہ اپنے دیوتا بعل فغور کی اہانت کا انتقام اسرائیل کے خدا کا مقابلہ اور دوسرے یہ کہ جن طرق ممنوعہ کے ذریعہ سے بھی ہو بنی اسرائیل سے ملک و دولت کی واپسی اہل مدین کہتے ہیں کہ کیا ہم ان دونوں چیزوں سے باز آجائیں ؟ اور طعناً کہتے ہیں کہ تم بھی بڑے نیک اور بڑے عقلمند ہو یا یہ کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے ملک و قوم کی مذہبی و مالی بربادی پر غصہ نہیں آتا، تم حقیقت میں بردبار اور نیک آدمی ہو۔ حضرت شعیبؑ جواب میں فرماتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ (ھود)

بھائیو! بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی دی ہوئی روشنی پر رہوں اور جو حلال روزی اُس نے دے رکھی ہے اُسی پر قانع رہوں میں نہیں چاہتا کہ تم سے مخالفت کر کے میں وہ کروں جس سے تم کو روکتا ہوں، میں تو تا حدِ امکان صرف اصلاح چاہتا ہوں، اور اُس کی توفیق خدا کا وسیلہ ہے۔

اصلاح سے مقصود اصلاح روحانی بھی ہو لیکن مدین و بنی اسرائیل کے مابین اصلاح کی کوشش کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن با ایں ہمہ ارشاد و ہدایت مفسدین اپنے فساد و تباہ کاری سے باز نہ آئے حضرت موسیٰؑ کے حکم سے قوم مدین کے تمام مرد بچے اور منکوحہ عورتیں قتل کی گئیں اور ۳۲ ہزار کواری لڑکیاں لونڈی بنائی گئیں[1] قوم مدین کی زندگی کی یہ آخری تاریخ تھی۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (اعراف)

ان کو ایک کپکپی نے آلیا، پس وہ اپنے قیام گاہ میں پڑے رہ گئے (اعراف)

وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (ھود)

جنھوں نے ظلم کیا اُن کو چیخ نے آلیا، پس اپنے قیام گاہوں میں پڑے رہ گئے۔ (ھود)

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (عنکبوت)

ان کو ایک کپکپی نے آلیا پس وہ اپنے قیام گاہ میں پڑے رہ گئے۔

کپکپی اور چیخ سے مطلق عذاب مراد ہے۔

---

[1] عدد ۱-۱۵، ۲-۱۷، ۳۵، ۴۰، ۲۶

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (هود) — ہاں ہلاکت ہو، مدین کے لئے جس طرح ہلاک ہوئے ثمود

ثمود کی خصوصیت اس لئے ہے کہ پہلے اس مقام پر وہ آباد تھے:۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (اعراف) — شعیبؑ اہل مدین سے علٰحدہ ہوئے اور کہا، لوگو! میں اپنے خدا کے پیغام تم کو پہنچا چکا تھا، اور تمہاری خیرخواہی بھی کر چکا تھا پھر کس طرح میں کافر قوم پر غم کروں (اعراف)

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا (هود) — جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے نجات بخشی (ہود)

حضرت شعیبؑ کے متبع کون تھے؟ صرف اُن کے اعزہ اور ہم خاندان، اس لئے کافروں نے کہا۔

لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ (هود) — اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے

حضرت شعیبؑ نے فرمایا:۔

اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ (هود) — کیا میرا خاندان خدا سے زیادہ تمہارے نزدیک قوی ہے

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کا خاندان حضرت شعیبؑ کا متبع تھا اس لئے حضرت شعیبؑ کے ساتھ جن لوگوں نے نجات پائی وہ یہی لوگ تھے۔

مطابقت توراۃ و قرآن مذکورہ بالا سطروں میں چند باتوں کا دعویٰ ہے حضرت شعیبؑ اور ان کا خاندان اہل مدین سے الگ ہو گیا، انھوں نے عذاب سے نجات پائی۔

حضرت موسیٰؑ نے مدین کی پہلی جنگ کے بعد جب کنعان کی طرف کوچ کا ارادہ کیا اس موقع کی گفتگو ہے

"موسیٰؑ نے حوباب بن راعویل مدیانی اپنے خسر سے کہا:۔ ہم یہاں سے اُس مقام کو کوچ کرنے والے ہیں جو خداوند ہم کو دینے والا ہے، ہمارے ساتھ آؤ کہ ہم تمہارے ساتھ بھلائی کریں کیونکہ خداوند نے اسرائیل سے نیکی کا وعدہ کیا ہے حوباب نے جواب دیا، کہ تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا بلکہ اپنے ملک مولد کو واپس جاؤں گا موسیٰؑ نے کہا کہ ہم کو نہ چھوڑ جاؤ، تم سے التجا کرتا ہوں، کیونکہ جیسا تم جانتے ہو کس ویرانہ میں خیمہ زن ہم ہیں، تم ہمارے لئے بجائے آنکھ کے ہو۔" (عدد ۱۰ - ۳۰)

دوسری جگہ ہے:۔

"موسیٰؑ کے سسر قینی کے بیٹے بنی یہوداہ کے ساتھ قریہ نخل سے چلے اور یہوداہ کے ساتھ جو تمین کا تھا اس کے حصہ کے میدان میں سکونت کی۔" (قضاۃ ۱۔ ۱۶)

مدین کی جنگ سے ایک باب پہلے مذکور ہے:

"حابر قینی اپنے ... دوسرے قینی بھائیوں سے جو موسیٰؑ کے سُسر حوباب کے بیٹے تھے، پہلے ہی علیحدہ ہو گیا تھا، اُس نے اپنا خیمہ اُس وادی میں کھڑا کیا جس کا نام ضعیننم ہے، قادس کے پاس" (قضاۃ ۴-۱۱)

تالمود بابلی میں ہے:۔

یثرو (شعیبؑ) نے اُس کی مخالفت کی اور جب اس کی نصیحت دور کر دی گئی، تو اپنا عہد چھوڑ دیا اور چل دیا، اسی لئے اُس کی اولاد سنہدرم[1] کی رکن مقرر ہوئی[2]

یوسیفوس یہودی جس نے پہلی صدی مسیح میں تاریخ یہود لکھی ہے، لکھتا ہے:۔

"انھوں نے موسیٰ کے خُسر یثرو مدیانی کے خاندان کو بھی زمین دی جس نے اپنا ملک چھوڑ دیا تھا اور صحرا میں ان لوگوں کے ساتھ رہا"[3]

قوم مدین کی تباہی عام جس کی قرآن نے خبر دی ہے، توراۃ سے اس کا ثبوت متعدد طور پر بہم پہنچا سکتا ہے اوّلاً یہ کہ قوم مدین کی تباہی کے موقع کے توراۃ میں حسب ذیل الفاظ ہیں:۔

"بنی اسرائیل نے مدین سے جنگ کی اور اُن پر غالب آئے اور تمام مردوں کو قتل کیا ....

... تمام مرد اور بچے اور عورتیں قتل ہوئیں"[4]

ثانیاً یہ کہ اس کے بعد مدین کی تباہی عبرانی صحیفوں میں ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے، زبور داؤد میں ہے[5]

"باشندگانِ شہر، مدین، اسمٰعیلی، اہلِ مواب، ہاجری، عمون، اور عمالیق ..... خدایا ان کو (قوم) مدین کی طرح کر دے"

اشعیا نبی کہتے ہیں:۔

"خدائے افواج اس پر ایک کوڑا بھیجے گا، مدین کی مار کی طرح، عوریب کی چٹان پر (۱۰-۲۶)

شہر مدین کی پچھلی تاریخ | لیکن بایں ہمہ شہر مدین کا وجود باقی تھا جس کا نشانِ تاریخی زمانہ اسلام تک ملتا ہے حضرت داؤد جن کا زمانہ تقریباً ۱۰۰۰ ق م ہے زبور (۸۳-۶) میں باشندگانِ مدین کا ذکر کرتے ہیں، حضرت سلیمانؑ کے عہد میں ایک ادومی شہزادہ ہدد بھاگ کر مدین آیا تھا (سلاطین اوّل ۱۱-۱۸) اشعیا نبی جو تقریباً ۸۰۰ ق م میں تھے۔ مدین کی اُنٹنیوں کا ذکر کرتے ہیں، جو یروشلم تجارت کا مال لائیں گی، (۶۰-۶) حبقوق نبی ایک پر جلال پیغمبر کی آمد آمد کی خبر سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ "زمین مدین کی کھال میں رعشہ پڑ جائے گا" (۳-۷)

---

[1] یہودیوں کی اعلیٰ مذہبی عدالت جس کا رئیس ان کا کاہن اعلیٰ ہوتا تھا اور اس کے علاوہ اور ۷۰ ممبر ہوتے تھے [2] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۸۸ [3] قدامۃ الیہود کتاب ۵ باب ۲ [4] سفر العدد ۳۱-۷-۱۷ [5] فارسٹر ج ۲ ص ۳۲۲

یونانی و رومی مصنفین نے مدین کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ اس مقام کا نام وہ نباطیا Modiana بتاتے ہیں، سبب یہ ہے اس عہد میں اس ملک میں نبط آباد تھے[1] اور یہ بالکل ہماری تھیوری کے مطابق ہے حضرت اسماعیل کی ایک اولاد کا نام نبط تھا اور تورآۃ کے حوالہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قوم مدین کی تباہی کے بعد اسمٰعیلی عرب مدین کے مالک تھے، بطلیموس نے البتہ عرب کے ایک مقام کا نام موڈیانا Modhana لکھا ہے، جس کو بعض لوگ مدین سمجھتے ہیں[2]

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے عموماً مدین کا ذکر کیا ہے، ابو الفدا نے جغرافیہ میں لکھا ہے کہ یہاں قدیم آثار پائے جاتے ہیں، حاجی خلیفہ اپنے ترکی جغرافیہ جہاں نما میں بیان کیا ہے کہ یہاں جو آثار و عمارات ہیں اُن پر کتبات ہیں جن پر بادشاہوں کے نام مرقوم ہیں۔

مکتشفین یورپ میں سے متعدد اشخاص نے خاص مدین کے آثار کا مشاہدہ کیا ہے جنہیں ایک شخص برٹن Burton خاص طور پر قابل ذکر ہے، جس نے ایک بار مکہ معظمہ و مدینہ منورہ تک سفر کیا، اور دوسری بار خدیو مصر اسمٰعیل پاشا کے حکم سے ۱۸۸۷ء میں سونے کی کان کی تلاش میں مدین تک گیا، یہاں بہت سے کتبات بھی ملے ہیں جن پر نبطی خط منقوش ہے، رومیوں کے عہد میں یہاں کے باشندوں نے عیسائیت قبول کرلی تھی، مسلمان شعراء کے قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کثیر کہتا ہے[3]:

رهبان مدين والذين عهدتهم يبكون من حذر العذاب قعودا

رهبان مدين لو رأوك تنزلوا والعصم في شعف الجبال الفارد

---

[1] فارسٹر ج ۲ ص ۳۳۳ [2] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۰۹ [3] دیکھو معجم البلدان یاقوت

****

دوان

اصحابُ الایکہ

قرآن مجید میں عرب کی ایک قوم کا "اصحاب الایکہ" کے نام سے ذکر ہے "ایکہ" کے لغوی معنی جنگل کے ہیں اس قوم کے پیغمبر بھی حضرت شعیبؑ ہی تھے، جن کا ذکر مدین میں گذر چکا ہے، اس اتحاد سے بعض مفسرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی چیز ہیں، ان کا قیاس ہے کہ ملک مدین کے پاس جنگل تھا جہاں مدین کی قوم کبھی کبھی قیام کرتی تھی اس لئے اُس کو "اصحاب الایکہ" جنگل والوں کے نام[1] سے خطاب کیا گیا۔

مسلمان جغرافیہ نویس ان اطراف میں کسی جنگل کے ذکر سے خاموش ہیں، ان کی رائے ہے کہ شہر تبوک جو مدین کے مقابل مدین سے ۶ مرحلہ پر واقعہ ہے، اُسی کا قدیم نام "ایکہ" تھا، اور خود اہل تبوک کو بھی اعتراف ہے کہ اس کا پہلا نام "ایکہ" ہے[2]۔

قرآن کے رو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدین اور ایکہ دو چیزیں ہیں کیونکہ ان دونوں قوموں کا حضرت شعیبؑ سے سوال وجواب، طرز خطاب اور پھر آخر بربادی اور طریقۂ بربادی بالکل مختلف ہے، اس بنا پر کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں!

سب سے بڑے اشتباہ کی صورت یہ ہے کہ عام معلومات کے لحاظ سے ان اطراف میں جنگل کا نشان نہیں ورنہ اہل تفسیر وروایت اور اہل جغرافیۂ عرب اس کا ذکر کرتے۔

اس دشوار گذار راہ کو اب ہم اپنی کوشش سے طے کرنا چاہتے ہیں۔

اتنا تو ظاہر ہے کہ مدین اور ایکہ میں کوئی شدید تعلق تھا، اور ان کا زمانہ بھی باہم ایک تھا جس کی بنا پر دونوں آبادیوں کے لئے ایک ہی پیغمبر کی بعثت ہوئی، نیز قرآن نے دونوں کے اخلاق کا نقشہ بھی ایک ہی کھینچا ہے۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدین جو حضرت ابراہیم کی بیوی قطورا کے بطن سے تھا، اُس کے کئی اور بھائی تھے، اور ان بھائیوں کی اولادیں تھیں، توراۃ میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ہے:۔

"ابراہیم نے قطورہ نام ایک دوسری بیوی کی جو زمران، یقشان، مدان، مدیان، لیشبوق اور شوخ کو جنی، یقشان نے شبا اور ددان کو پیدا کیا اور بنو ددان، اشوریم، لطوشیم اور لادیم تھے، مدیان کے بیٹے

---

[1] معالم التنزیل بغوی، سورہ حجر، شعراء، ق، ص [2] معجم البلدان "ایکہ"

حافا، عوفیر، حنوخ، ابی داع اور دعا تھے۔ یہ لوگ بنو قطورہ ہیں، ابراہیم نے جو کچھ تھا وہ اسحاق کو دیا، اور ان کنیز زادوں کو بھی کچھ دیا اور ان کو اپنے بیٹے اسحاق سے الگ کر دیا اور ابراہیم اس وقت پورپ کی طرف پورب کے ملک میں تھا[1] (یعنی عرب)

توراۃ نے قطورا کی متعدد اولاد و در اولاد میں سے صرف دو کی تفصیل کی ہے، بنو مدین اور بنو ددان، بنو مدین کے متعلق یہ تحقیق معلوم ہے کہ بحر احمر پر خلیج عقبہ کے سامنے شہر مدین میں آباد تھے، اس لئے تسلیم کرنا چاہیئے کہ بنو ددان بھی ان ہی سواحل پر مدین کے قریب آباد ہوں گے، توراۃ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ انھیں اطراف میں آباد تھے۔

"تیمار، ددان، بوص، جو سر کے بال منڈاتے ہیں اور تمام عرب کے بادشاہ"[2]

تیمار، شمالی عرب میں حجاز سے شام کے راستہ پر واقع ہے، اسی کے قریب ددان کو ہونا چاہیئے یمن سے سواحل بحر احمر کے کنارہ کنارہ حجاز و مدین سے گذر کر خلیج عقبہ کے کنارہ سے نکل کر تیماء وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی ایک نہایت قدیم و مشہور تجارتی سڑک واقع ہے جو قدیم زمانہ میں ہندوستان، یمن اور مصر و شام کے کاروانوں کا تنہا راستہ تھا، اس راستہ کا ذکر تمام قدیم جغرافیوں میں موجود ہے، وادی القریٰ ثمود کا مسکن، مدین قوم شعیب علیہ السلام کی آبادی، سدوم قوم لوط کا مقام اور نیز تبوک، تیماء اور رقیم (یونانی پٹرا) اسی سڑک پر مابین حجاز و شام واقع ہیں، توراۃ کے لحاظ سے ددان بھی یہیں تھا اور قرآن کہتا ہے کہ "اصحاب الایکہ" بھی اسی سڑک پر ہیں۔

قوم لوط جو سدوم میں آباد تھی اس کے ذکر کے بعد ارشاد ہے:-

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ (الحجر)	اور جنگل والے یقیناً حد سے گذر جانے والے تھے، ہم نے ان سے انتقام لیا اور یہ (سدوم وایکہ والے) دونوں کھلے راستہ پر ہیں۔

یہ ہی راستہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جس کو تاریخ قدیم میں نہایت اہمیت حاصل ہے۔

اس بیان سے قرآن و توراۃ دونوں کے رو سے ددان یا اصحاب الایکہ کا مسکن متعین ہو گیا، اب دوسرے مباحث کی طرف رخ کرنا چاہیئے۔

قرآن نے اُن کو اصحاب الایکہ "جنگل والے" کیوں کہا؟ کیا اُن کا وطن جنگل میں تھا؟ ہاں جنگل میں تھا اور ۸۰۰ برس کے بعد بھی جنگل میں تھا، اشعیا نبی، بنو خذنضر (بخت نصر) کے خروج سے تمام اقوام کو متنبہ کر رہے ہیں، اس ضمن میں عرب کی طرف خطاب ہے۔

"عرب پر بار (مصیبت) ہے جب کہ جنگل میں ددان والوں کی راہ میں تم شام بسر کرو، اے تیمن کے

[1] سفر خروج باب ۲۵　[2] ارمیاہ ۲۵ - ۲۳

باشندو! پیاسوں سے پانی لے کر ملو، اور شکست کھانے والوں کے لئے روٹی لے کر نکلو" (۲۱-۱۳)
مسیح سے ۰۰ ابرس اور اسلام سے ۰۰، برس پہلے بھی یہاں جنگل موجود تھا، ایک یونانی جغرافیہ نویس
مدین اور خلیج عقبہ کے آس پاس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے[1]

"اس جگہ سے متصل وہ جگہ ہے جس کو لوگ نسا کہتے ہیں یا ناقۃ البحر کہ یہ جانور وہاں پائے جاتے ہیں یہ نسا قریب ایک راس (راس محمد خلیج عقبہ؟) کے واقع ہے جو بغایت پُر از اشجار ہے یہیں سے ایک سیدھی سڑک (شاید شمال کو) اُس شہر کو جاتی ہے جس کا نام پٹرا (رقیم) ہے اور فلسطین (شام) کو جاتی ہے جہاں اہل قریہ (یمامہ وبحرین) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں اور بالائی ملک سے بخورات اور کہا گیا ہے کہ خوشبودار چیزوں کے بنڈل لاتے ہیں"

۸۸ باب میں دوسری جگہ کہتا ہے :-

"خلیج عیلانہ (عقبہ) کے پیچھے جس کے چاروں طرف نبطی عرب رہتے ہیں (ارض مدین یہ ہے) بوتھیانوس (بنو تیمن) کا ملک ہے جو وسیع اور مسطح ہے اور سیراب اور عمیق ہے، وہاں اشجار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، جو تا لقد آدم ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے جنگلی اونٹ (؟) ہرنوں کے گلے، بارہ سنگھے رہتے ہیں اور نیز مویشی اور بھیڑ کے گلے لیکن ان مواہب قسمت کے ساتھ شیر اور بھیڑیوں کا وجود بھی ہے جن سے یہاں کے باشندوں کی خوش قسمتی مبدل بہ بدقسمتی ہے"

جس تیمن کا اس جنگل کے پاس ذکر ہے بعینہٖ اُسی کا جغرافیہ یونانی میں بھی ہے، اس سے بڑھ کر توافق یہ ہے کہ "اصحاب الایکہ" (جنگل والوں) کے ملک کا ایک مشہور واضح شاہراہ (امام مبین) پر ہونا قرآن مجید نے بیان کیا ہے بعینہٖ یہی بیان ایک یونانی جغرافیہ میں بھی ہے :-

"اس جگہ (خلیج عقبہ) سے متصل وہ مقام ہے جس کو لوگ نسا کہتے ہیں ۔۔۔۔ یہ ایک راس کے قریب ہے جو نہایت پُر از اشجار ہے یہیں سے ایک سیدھی سڑک رقیم اور فلسطین کو جاتی ہے"[2]

یہ جغرافیہ قرآن سے ۰۰، برس پہلے لکھا گیا تھا، کیا اس سے بھی زیادہ قرآن کی صداقت کی کوئی دلیل مطلوب ہے؟ قرآن مجید میں اصحاب الایکہ کا ذکر چار سوروں میں ہے، حجر، شعراء، ص، ق سب سے مفصل ذکر شعراء میں ہے

كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ	جنگل والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی جب کہ ان سے شعیب نے کہا کہ کیا تم نہیں ڈرتے؟ میں تمہارا پیغمبر امین ہوں، خدا سے ڈرو اور میری بات مانو، اور میں تم سے اس کی اجرت نہیں

[1] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۷۹-۱۸۰ [2] حوالہ اوپر گزر چکا ہے

اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ اَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ہ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ہ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَاءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ہ وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ ہ

مانگتا، میری اُجرت صرف خدائے پروردگار عالم پر ہے، ناپ اور تول پورا کرو، اور ٹوٹا دینے والوں میں سے نہ ہو اور ٹھیک ترازو سے تولو، لوگوں کے حق کو کم نہ کیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اور اس سے ڈرو، جس نے تم کو اور پہلی قوموں کو پیدا کیا۔

قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ہ وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ ہ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ہ

انھوں نے کہا تم پر تو جادو کیا گیا ہے، تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں، اگر سچے ہو تو آسمان سے ہم پر بادل کا ایک ٹکڑا توگرا دو۔

قَالَ رَبِّیْ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ہ فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَھُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّۃِ اِنَّہٗ کَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ہ

شعیبؑ نے کہا میرا پروردگار تمھارے اعمال سے واقف ہے لوگوں نے اس کو جھٹلایا، پس سایہ کے دن کے عذاب نے اُن کو آلیا، بیشک وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا اس میں عبرت کی نشانی ہے، اُن لوگوں میں اکثر مومن نہ تھے۔

ددان بھی مدین کی طرح ایک تاجر قوم تھی، حزقیال نبی، یروشلیم کو خطاب کرتے ہیں ۲۷-۲۰-(۲۱)

"ددان تیرے تاجر ہیں، بیٹھنے کے فرش لاتے ہیں، اور عرب اور تمام روسائے قیدار تیرے تاجر ہیں بھیڑ، بکری ......"

یہ بہت پیچھے کا ذکر ہے، اسی پر ددانِ اول کو بھی قیاس کرنا چاہیئے، اس لئے ناپ تول کے درست رکھنے کا حکم ہوا۔

ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ بلا استثنا تمام اصحاب الایکہ ہلاک ہوگئے، لیکن قرآن مجید میں اس قسم کا کوئی لفظ نہیں ہے اور نہ کوئی حدیث مرفوع وصحیح اس کی مثبت ہے اور نہ یہ تفصیل ہے کہ یہ عذاب مہلک تھا یا مکلف، اس بنا پر مفسرین کی زیادت قابل تسلیم نہیں، اگر یہ صحیح ہوتا تو مدین وغیرہ کے ذکر میں جس طرح اس کی تشریح قرآن مجید نے کردی ہے یہاں بھی ضرور ہوتی۔

یہاں ایک نکتہ لحاظ کے قابل ہے مدین کے موقع پر خدا نے فرمایا وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا اور یہاں فرمایا اِذْ قَالَ لَھُمْ شُعَیْبٌ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت شعیبؑ مدین کے خاندان سے تھے، دوسرے بھائی ددان کے خاندان سے نہ تھے۔

زیادت تبصرہ کے لئے اصحاب الایکہ کی تین اور آیتیں بھی پڑھو:۔

وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُبِينٍ (الحجر)

اور جنگل والے یقیناً حد سے گذر جانے والے تھے، اور یہ دونوں مقام (سدوم و ایکہ) کھلے راستہ پر ہیں۔

یہ سورۃ الحجر کی آیت "ص" اور "ق" میں اقوام ظالمین کے ضمن میں صرف نام ہے:۔

وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝

(ص)

ثمود، قوم لوط، جنگل والے، یہ بڑی جماعتیں ہیں ان میں سے ہر ایک نے انبیاء کی تکذیب کی، پس میرا عذاب حق ہوا۔

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ

(ق)

اور عاد اور فرعون اور برادرانِ لوط اور جنگل والے اور قوم تبع، ہر ایک نے انبیا کی تکذیب کی پس میری وعید سچ ہوئی۔

ان آیات سے بھی عذابِ ہلاک یا ہلاک کلی کا ثبوت نہیں ہوتا، اسی لئے ہم اس قوم کا ذکر ۶۰۰ برس ق م میں بنو خذ نصر (بخت نصر) کے عہد تک پاتے ہیں، تا آنکہ اس کی تلوار نے دیگر اقوام کی طرح اُن کو بھی محو کر دیا جیسا کہ حزقیال نبی نے پیشین گوئی کی تھی۔

"اسی لئے خداوند خدا کہتا ہے کہ میں اپنا ہاتھ ادوم پر دراز کروں گا، اور اُس سے انسان و حیوان چھین لوں گا، اور اُس کو جنوب (تیمن) سے ویران کر دوں گا اور اہل ددان تلوار سے کریں گے۔

(۲۵ - ۱۴)

****

بنو سارہ

بنو ادوم

حضرت ایوبؑ علیہ السلام

ادوم جس خطۂ ملک میں آباد ہوئے یونانی میں اب تک اُس کو "ایدومیا" (Idumea) کہتے ہیں، بحر میّت (بحر الملح) اور خلیج عقبہ (عیلانہ) کے بیچ میں واقع ہے[1] اس کے شمال میں بحر میّت اور فلسطین جنوب میں شمالی خلیج عقبہ اور مدین، مغرب میں جزیرہ نمائے سینا اور مشرق میں ارضِ مواٰب اور جوفِ عرب شمال ہے شام و فلسطین کی جانب جنوبی و مغربی گوشہ میں مملکتِ عرب کی یہ آخری حد ہے، ملک میں کوہ سعیر یا کوہ سراۃ طولاً شمال سے جنوب تک وسیع ہے، اسی لئے توراۃ میں ادوم کا مقام سعیر بتایا گیا ہے۔

عیسو معروف بہ ادوم یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، کہ حضرت یعقوبؑ اور عیسو دونوں سگے بھائی تھے، اور حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے، عیسو کو فرزند اوّل تھے، لیکن پہلوٹے ہونے کی برکت حضرت یعقوبؑ نے بلطائف الحیل حاصل کی،[2] عیسو روٹھکر اپنے عم مکرم حضرت اسماعیلؑ کے پاس چلے گئے،[3] اور ان کی صاحبزادی سے جن کا نام یاسمہ یا محلات تھا شادی کرلی،[4] پھر اور چند شادیاں کیں، جن سے متعدد اولادیں اور اولادوں کی اولادیں (جن میں عمالیق اور عوض مشہور ہیں) ہوئیں، اور ان سب کو لیکر کوہ سعیر (سراۃ) میں اپنا مسکن بنایا جو ملک شام سے انتہائے یمن تک طولاً وسیع ہے، عیسو کا نام عرفِ عام میں ادوم (سرخ) تھا،[5] اسی لئے اس خاندان اور اس ملک کا نام "ادوم" پڑ گیا، جدید تحقیق جو یقینی نہیں ہے یہ ہے کہ ادوم کا نام ملک کی زمین کے سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔[9]

مملکت ادوم چند صدیوں کے بعد یہ خاندان ایک کثیر التعداد قوم بن گئی جس نے ۷۰۰ ق م سے پہلے ایک عظیم الشان حکومت قائم کی،[10] اسی عہد میں بنی اسرائیل جب مصر سے آئے ہیں تو ادوم کی حکومت سعیر میں قائم تھی،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم ج ۱۴ ص ۲۹۰۔ ج ۸ ص ۹۴۹۔ [2] تکوین ۲۵۔ ۲۵ [3] تکوین ۲۷ [4] تکوین ۲۸۔ ۹ [5] تکوین ۳۶۔ ۳ [6] تکوین ۲۸۔ ۹۔ [7] تکوین ۲۸۔ ۹ [8] تکوین ۳۶۔ ۱ [9] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم ج ۱۴ ص ۲۹۰ [10] عدد ۲۰۔ ۱۴۔

ساؤل (طالوت) جو بنی اسرائیل کے پہلے بادشاہ تھے اور جن کا زمانہ ۱۰۰۰ سنہ ق م ہے ان سے پہلے ادوم میں متعدد بادشاہ یا شیخ گذر چکے تھے۔[1] ان شیوخ یا بادشاہوں کی حکومت موروثی نہ تھی، بلکہ انتخابی تھی، ان کا انتخاب ملک کی مختلف آبادیوں سے ہوتا تھا۔

توراۃ میں ادوم کی حسب ذیل مختلف آبادیوں کے نام مذکور ہیں، دنہابہ، بُصرہ، تیمان، عویت، مشریقا، رحبوت، اور فاعو (تکوین ۳۶ - ۳۱) ادوم کے دارالحکومت کا نام بعد کو عبری میں سلاع ہے، اور یونانی اس کو پٹرا کہتے ہیں (ان دونوں کے معنی پتھر کے ہیں) لیکن عرب اس کو "رقیم" کہتے ہیں، یہ اصل میں مدیانی شہر تھا، مدین کے بعد ادوم نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، سلاطین ادوم کے نام یہ ہیں جو شاید پچھلے زمانہ کے ہیں، اور غیر مرتب ہیں، لیکن توراۃ نے ان کو یہ ترتیب و تسلسل ایک کے مرنے کے بعد دوسرے کو بادشاہ ظاہر کیا ہے، (تکوین ۳۶-۳۱)۔

نمبر شمار	نام	مقام
۱	بالع بن باعور	دنہابہ
۲	یوباب بن زارح	بصرے
۳	حوشام	تیمان
۴	ہداد بن بداد	عویت
۵	کلا	مشریقا
۶	شاؤل	رحبوت
۷	بعل حنان بن عکبور	.
۸	ہداد	فاعو

ادوم کی تاریخ ادوم کی سب سے پہلی تاریخ یہ ہے کہ ہداد، شاہ ادوم نے باشندگان مدین سے جنگ کی اور ان کو شکست دی، تیرھویں صدی ق م میں منیفط اور رعمسیس سوم فراعنۂ مصر نے ادوم پر حملہ کیا، مصری کتبہ میں اس ملک کا نام ادومہ بتایا گیا ہے، اور ادوم کو شاسو کا ہم قبیلہ کہا گیا ہے۔[2] شاؤل شاہ اول اسرائیل نے جن کو قرآن مجید نے برعایت جالوت طالوت کہا ہے، سب سے پہلے ادوم پر حملہ کیا (سموال ۱۴ - ۴۷) حضرت داؤدؑ بادشاہ ثانی اسرائیل نے ادوم کو فتح کر کے مملکت اسرائیل میں شامل کر لیا، (۲ سموال ۸ - ۱۴) ہداد جو ادوم کا شہزادہ تھا بھاگ کر مدین آیا، اور یہاں سے مصر چلا گیا، (۱ سلاطین ۱۱ - ۱۶) حضرت داؤدؑ

---

[1] تکوین ۳۶ - ۳۱ - [2] برٹانیکا ج ۸ ص ۹۸۹، ج ۱۴ ص ۲۹ -

کے مرنے کے بعد وہ اپنے ملک کو واپس آیا (سلاطین ۱۱-۲۲) اس کے بعد مختلف سلاطین بنی اسرائیل کے عہد میں بنو ادوم نے پُر زور بغاوتیں کیں (۲ سلاطین ۸-۲۲، ۲۳) نویں صدی ق م کے نصفِ اوّل میں وہ یہودیہ کے ماتحت تھے، (سلاطین ۸-۲۰، ۲۲) موصیا شاہ یہودیہ نے بحر میت کے ساحلی میدان میں ادوم پر ایک زبردست حملہ کیا، دس ہزار ادومی مارے گئے ادومیوں کے پایۂ تخت سلاع (پٹرا) پر شاہ یہودیہ نے قبضہ کر لیا، اور اس کا نام بدل کر یقتائیل رکھا، (۲-سلاطین ۱۴ ۱-۷)

اس کے بعد اسیریا کا دور شروع ہوتا ہے، تغلات پلاسر رابع، شاہ اسیریا کے عہد ۷۳۴ ق م میں اسیری کتبات میں ادومی حکومت کا بحیثیت خراج گزار ریاست کے ذکر ہے اس وقت اس کے بادشاہ کا نام "کوز ملک" تھا، ساتویں صدی ق م میں جو بادشاہ تھا اس کا نام کوزگیری تھا، ساتویں صدی ق م کے وسط میں مواب اور ادوم دونوں قبائل بادیہ کے نشانہ تھے، آخری تاریخ یہ ہے کہ بنوخذ نصر شاہ اسیریا کے مقابلہ میں بغاوت کی (یرمیاہ ۲۷-۳) اور ناکام رہے بنوخذ نصر نے دیگر اقوام کے ساتھ اُن کو بھی پامال کر دیا۔

چھٹی صدی ق م میں اسیریا، میڈیا کے ہاتھ سے تباہ ہوا، اسی عہد میں موقع پاکر اون بدوی اسماعیلی عربوں نے اس پر قبضہ کر لیا، جن کا نام تاریخ میں نبط ہے، ادومی مجبور ہو کر بحر میت کے پار چلے گئے یہی سبب ہے کہ یوسیفوس اور بطلیموس کی تصنیفات اور نیز تالمود میں "ادومیا" اسی قطعہ کا نام بتایا گیا ہے۔

یوباب اور ایوب ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ادوم کی ایک نسل کا نام "عوض" تھا حضرت ایوب علیہ السلام جن کا قرآن مجید اور اسفارِ یہود دونوں میں ذکر ہے اور جن کے نام سے "سفر ایوب" مجموعۂ توراۃ کا ایک جزء ہے اسی عوض بن ادوم کی نسل سے تھے، (سفر ایوب ۱-۱) سفر ایوب عبری میں حضرت ایوبؑ کا نام "ادب" ہے لیکن عرب ان کو ایوب کہتے ہیں۔

ادوم کے شیوخ یا سلاطین کی جو فہرست اس سے پہلے نقل کی گئی ہے اس میں تیسرا نام "یوباب بن زارح" ہے، قدیم و جدید، مسلم و غیر مسلم دونوں تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ "یوباب" اور "ادب" یا "ایوب" ایک ہی نام ہے اور یہ اختلاف محض تغیرِ لہجہ کا نتیجہ ہے۔

ایک مذہبی کتاب ہے جس کی اصل زبان عبری عربی ہے، جو ادوم کی زبان ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وہ عبری عربی ممالک کے وسط میں رہتے تھے، اس کتاب کا ایک جرمن فاضل میخائیل (Michaelis) نے لاطینی میں ترجمہ کیا ہے، اس کا عنوان یہ ہے[1] Colloquia لیکن اس کتاب کا ایک قدیم عربی ترجمہ بھی ہے، جس میں حسب ذیل عبارت ہے جو قواعد عربی کے رو سے جا بجا غلط ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے

---

[1] حواشی بر تاریخ روم گبن شائع کردہ ایوری مینس لائبریری ج ۵ ص ۲۴۰۔

کہ کسی غیر عرب نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

وایوب کان ساکنا فی ارض عوص فی اتخم ادوم وعربیا ومن قبل اسمہ یوباب.... وایوب کان ابن زارا ابن بنی عیسو.... وھو کان السادس من ابراھیم والملوک الذی ملکوا فی ادوم الذی کان ملک علی تلک الارض من قبل بالق بن باعور واسم مدینۃ دنابا و من بعدہ یوباب ھذا الذی یسمی ایوب	ایوب، عوض کی سرزمین میں ادوم کی سرحد میں رہتے تھے، قوماً عرب تھے اور پہلے یوباب نام تھا، ایوب، زارا کے بیٹے اور خاندان عیسو سے تھے، اور حضرت ابراہیمؑ کی چھٹی پشت میں تھے اور جو سلاطین پہلے ادوم پر حکمران ہوئے تھے وہ بالق بن باعور تھے، اور ان کے پایہ تخت کا نام دنابہ تھا، ان کے بعد یوباب بادشاہ ہوئے جو ایوب ہیں

ریورنڈ فارسٹر نے اس بحث پر کئی صفحے سیاہ کئے ہیں، کہ ایوب عرب تھے اور بنسل ادوم سے تھے، یہاں تک تو صحیح ہے، آگے وہ ثابت کرتے ہیں کہ ایوب کا شہر دنابا تھا، اور یہ غلطی اس لئے ان کو ہوئی کہ عربی عبارت مذکورہ میں و اسم مدینتہ دنابا میں مدینۃ کی ضمیر یوباب کی طرف راجع کی ہے حالانکہ اولاً تو یہ صریحاً غلط ہے جس کو ہر عربی دان سمجھ سکتا ہے ثانیاً یہ خود توراۃ کے مخالف ہے تکوین ۳۶-۳۳) ایک دوسرے یورپین فاضل (شاید انگریز) Calmet نے ثابت کیا ہے کہ یوباب اور ایوب ایک ہی شخص ہیں [1]

مسٹر گبن (Gibbon) مصنف ڈکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر، عرب واسلام کی فصل میں جو ان کی کتاب کا چالیسواں باب ہے قرآن مجید پر ایک غیر واقفانہ نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں [2]

اس عرب مبشر (قرآن یا محمد صلعم) کے خیالات خدا کے متعلق گو اعلیٰ ولطیف ہیں تاہم اس کا بلند سے بلند خیال سفر ایوب کی پر جلال سادگی کے مقابلہ میں کم ہے جو عہد قدیم میں اسی ملک اور اسی زبان میں لکھی گئی ہے۔

ہمارے ہاں تفسیروں میں جو روایات اسرائیلیہ ہیں وہ بھی اسی کی تصدیق کرتی ہیں کہ یوباب اور ایوب ایک شخص ہیں۔

کان ایوب رجل من الروم (ادوم) وھو ایوب ابن امرص (خطا) بن زارح بن روم (ادوم) ابن عیص (عیسو) بن اسحاق بن ابراھیم وکانت لہ انبیۃ من ارض الشام کلھا سھلھا	ایوب روم (ادوم) کا ایک آدمی تھا ایوب بن اموص ابن زارح بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم . . . اس کے قبضہ میں شام کے تمام میدان اور کوہستان تھے، اور ان میں ہر قسم کی دولت تھی،

[1] عربی عبارت اور ان قوال کے لئے دیکھو فارسٹر ج ۲ ص ۶۳۔ [2] گبن ج ۵ ص ۲۴۔

وجبلها وکان لہ فیہا من اصناف المال کلہ من البقر والابل والغنم والخیل والحمر — یعنی گائے، بیل، اونٹ، بھیڑ، بکری، گھوڑے، گدھے......

ان تمام روایات میں ایک عجیب تصحیف لفظی ہے "ادوم" کی جگہ "روم" بیان کیا گیا ہے، ادوم چونکہ غیر معروف اور روم مشہور لفظ تھا، اور تشابہ خط و لفظ بھی ہے، اس سبب سے راوی یا ناسخ نے "ادوم" کی جگہ "روم" کر دیا ہے، دوسری غلطی اس میں ایوبؑ اور زارح کے درمیان "اموص" کے نام کی زیادت ہے مورخ ابن واضح یعقوبی المتوفی ۲۸۰ھ کا بیان زیادہ صحیح ہے ملوکِ شام کے ذکر میں لکھتا ہے:۔

یوباب ہو ایوب بن زارح الصدیق — یوباب وہی ایوب صدیق بن زارح ہیں،

سفرِ ایوبؑ اور ایوبؑ — یہ مسئلہ کہ حضرت ایوبؑ ادومی عرب تھے، خود سفر ایوب سے ثابت ہوتا ہے:۔

"عوض کی زمین میں ایک مرد صالح، راست گو، خدا سے ڈرنے والا اور بدی سے دور تھا،" (۱-۱)

عوض توراۃ میں دو آدمیوں کا نام ہے، ایک تو نہایت قدیم عوض بن ارم بن سام بن نوح (تکوین ۱۰-۲۳) دوسرا عوض بن دیسان بن عیسو بن اسحاق بن ابراہیم (تکوین ۳۶-۲۹) باتفاق اہل کتاب اس سے عوض ثانی مراد ہے، عوض کے بنی ادوم عرب ہونے پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سفر ایوبؑ میں رفقائے ایوبؑ کے جو مسکن بتائے ہیں، وہ تیمن، نعمتان اور شوحان ہیں، (۲-۱۱) اول کے متعلق تو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ مملکتِ ادوم کا ایک مشہور شہر تھا، (تکوین ۳۶-۳۵) اس سے پہلے حضرت ایوبؑ کی تعریف میں ہے:۔

اس لئے وہ تمام فرزندانِ مشرق میں سب سے بڑا تھا، (ایوب ۱-۳)

اس کتاب کے جغرافیہ عرب میں معلوم ہو چکا ہے کہ اصطلاح یہود میں مشرق سے کیا مراد ہے؟ حضرت ایوبؑ کا بادشاہ یا شیخ قبیلہ ہونا بھی خود سفر ایوبؑ سے ثابت ہے:۔

اے وہ جیسا کہ میں گذشتہ مہینوں میں تھا، ان دنوں میں جبکہ خدا میری حفاظت کرتا تھا جبکہ اس کا چراغ میرے سر پر تھا، اور میں تاریکی میں اس کی روشنی میں چلتا تھا، میں اپنی نوجوانی کے دنوں میں جبکہ اس وقت تک خدا کا راز میرے مسکن میں تھا جبکہ قادرِ مطلق (خدا) میرے ساتھ تھا اور میرے بچے میرے قریب تھے "جب میں اپنے پاؤں مکھن سے دھوتا تھا، اور جب چٹان میرے لئے تیل کے چشمے بہاتی تھی، جب میں شہر کے دروازہ پر جاتا، یا بازار میں اپنی نشست تیار کرتا، نوجوان مجھ کو دیکھ کر ٹل جاتے، اور بوڑھے میرے لئے کھڑے ہو جاتے، بڑے بڑے لوگ مجھ سے بات کرتے ہیں جھجکتے، اور ہاتھ سے اپنا منہ بند کر لیتے، امرا اپنی آواز بند کر لیتے، اور زبان تالو میں لگا لیتے۔"

کیوں کہ جس کان نے مجھ کو سنا میری تعریف کی اور جس آنکھ نے مجھ کو دیکھا میری گواہی دی کیونکہ

جس مسکین نے فریاد کی اور جو بھی بے یار و مددگار یتیم تھا میں نے اس کی مدد کی، ہر قریب مرگ کی دعا مجھ کو ملی اور ہر بیوہ کے دل کو خوشی کا گانا مجھ سے نصیب ہوا“۔

”راستی میری پوشاک تھی جو مجھ کو پہنائی گئی، میرا فیصلہ خلعت اور تاج ہوتا تھا، میں اندھوں کی آنکھ تھا، لنگڑوں کا پاؤں، اور غریبوں کا باپ تھا، اور وہ دلیل جس کو میں نہیں جانتا تھا، لیکن میں جس کی تلاش میں تھا میں نے شریروں کے دانت توڑ دیئے اور ان کے دانتوں کے اندر سے غضب کی چیز چھینی“۔

”میری عظمت مجھ میں تازہ تھی، اور میری کمان میرے ہاتھ میں نئی کی گئی تھی، میری بات کو لوگوں نے سنا، اور خاموشی سے میری نصیحت کا انتظار کیا، میری گفتگو کے بعد وہ کچھ نہ بولے، میرے الفاظ کے قطرے ان پر ٹپکتے تھے اور وہ ان کا اس طرح انتظار کرتے تھے جیسے بارش کا اور وہ ان کے لئے اس طرح منہ کھول لیتے تھے، جیسے پچھلے مینہ کے لئے“۔

”میں ان پر ہنسا، لیکن انھوں نے یقین نہ کیا، اور نہ میرے چہرے کی چمک زمین پر گری، میں نے ان کے لئے راستہ چن دیا، اور میں سردار بن کر بیٹھا اور اس طرح رہا جیسے بادشاہ اپنی فوج میں ہو، اور اس آدمی کی طرح جو غمزدوں کو تسلی دیتا ہے“ (سفر ایوب ۲۹)

اس پر جلال روحانی بیان کو سن کر کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ کسی شاہانہ پیغمبر کی زبان نہیں،

حضرت ایوبؑ کا زمانہ اور وطن جب کہ ہم نے تسلیم کر لیا ہے کہ ”ایوب“ اور ”یوباب“ ایک ہی شخص ہیں، تو ہم کو حضرت ایوبؑ کے مکان و مسکن کے متعلق زیادہ کاوش کی حاجت نہیں رہی، یوباب کا مسکن توراۃ میں مذکور ہے کہ ”بصریٰ“ تھا جو اب تک شمال عرب میں فلسطین کے قریب معروف شہر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر شام میں وہاں قیام کیا تھا، وہی شہر حضرت ایوبؑ کا بھی مسکن ہوگا، بصریٰ قدیم زمانہ میں ایک تجارتی شہر تھا، توراۃ میں اس کا ذکر متعدد مقامات میں ہے، اشعیا نبی بنو خذ نصر کے خروج کی خبر دیتے ہیں، خداوند کی تلوار خون آلود ہے.... خداوند نے بصریٰ میں قربانی کی اور ادوم کے ملک کے قتل عام (۳۴-۶) ”وہ ادوم سے آرہا ہے، رنگے کپڑے کے ساتھ بصریٰ سے (۶۳-۱) اس درس میں بصریٰ سے کسی آنے والے کی بشارت ہے“۔

زمانہ کے متعلق بھی فیصلہ اس لئے آسان ہے کہ ”کلدان“ (ایوب ۱-۱۷) اور ”سبا“ (ایوب ۱۰-۱۵) کا اس میں ذکر معاصرت ہے، سبا کا عروج سنہ ۱۰۰۰ ق م میں ہوا ہے اور کلدانیہ کا اختتام سنہ ۶۰۰ ق م میں ان دونوں کا مشترک عہد سنہ ۱۰۰۰ ق م سے سنہ ۶۰۰ ق م تک ہے اس لئے ان دونوں زمانوں کے حدود میں کہیں حضرت ایوبؑ کا عہد قرار دینا چاہئے۔

حضرت ایوبؑ کا قصہ قرآن مجید میں حضرت ایوبؑ کا ذکر ہے، لیکن چند مجمل اشارات کے سوا کوئی تفصیل نہیں

ہے، مفسرین نے جو تفصیل نقل کی ہے وہ وہب بن منبہ اور دیگر اسرائیلی مسلمانوں سے جو قرن اوّل میں موجود تھے منقول ہے، اور یہ اسرائیلی روایت تھوڑے تغیر اور اضافہ کے ساتھ تمامتر سفر ایوبؑ سے ماخوذ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت ایوبؑ ایک مالدار، کثیر الاولاد، صاحب عزت اور تندرست آدمی تھے، خدا کی رضا کے ہمیشہ طالب اور ہر مصیبت کے وقت صابر تھے، مساکین اور فقرا کی اعانت، یتیموں اور بیوہ وں کی اور مظلوموں کی فریاد رسی ان کی عادت تھی۔

آخر خدا نے ان کو ابتلا میں ڈالا اور از روایت سفر، شیطان کو ان کی جان و مال پر استیلا دیا گیا، دولت جو اس عہد میں اونٹ، بھیڑ، بکری، اور گدھوں سے عبارت تھی، کلدانی لوٹ کر لے گئے، غلاموں کے دشمنہ پر سبائی قابض ہو گئے، اولادیں ایک چھت کے نیچے دب کر رہ گئیں، لیکن ان مصائب میں بھی کلمۂ شکر و رضا کے سوا زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا، آخر تندرستی بھی زائل ہو گئی، اور تمام بدن خراب ہو گیا، عزیز و اقارب نے کنارہ کشی کر لی، ایک بیوی رفیق حال تھی، اُسنے بھی بالآخر صلاح دی کہ غیر خدا کے سامنے جھکو اور خدا کو برا کہو۔

اس حالت کی خبر حضرت کے تین دوستوں کو ہوئی، اور یہ تینوں حضرت ایوبؑ کی تعزیت کو آئے پورا صحیفہ، حضرت ایوبؑ اور ان تین مؤمنین صادقین کے باہم مناظرہ و مکالمہ پر مشتمل ہے یہ تمام مناظرہ لطیف تمثیلات میں نہایت اعلیٰ فلسفیانہ اور شاعرانہ جذبات روحانی سے پُر ہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ ان مؤمنین ثلاثہ کا دعویٰ ہے کہ "انسان پر کوئی مصیبت بغیر گناہ کے نہیں آتی، اس لئے جو مبتلائے مصیبت ہے وہ گنہگار ہے، اور اس کا اعتراف و توبہ کرنا چاہیے" حضرت ایوبؑ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی معصیت نہیں کی ہے جس کی یہ خدا کی طرف سے جزا ہے، بلکہ یہ عالم قدر و قضا ہے جس کے لئے کوئی سبب درکار نہیں، خدا کے اسرار و مصالح لامحدود ہیں اور ان کی معرفت سے انسان عاجز ہے، آخر وحی الٰہی نے فیصلہ کیا کہ "ایوب! گو تو حق پر ہے تاہم بندہ کو کسی حال میں اپنے اعتراف و ندامت میں قصور نہ کرنا چاہئے"، یہ سنتے ہی حضرت ایوبؑ نے قربانی کی اور تندرست ہو گئے تمام اعزہ و اقارب بھی جمع ہو گئے، خدا نے از سر نو دو چند دولت اور اولاد عطا کی۔

قرآن مجید اور حضرت ایوبؑ قرآن مجید میں حضرت ایوبؑ کا نام چار سورتوں میں آیا ہے "نساء"، "انعام"، "انبیاء"، اور "ص"، "نساء" اور "انعام" میں صرف نام ہے وَعِيسٰى وَاَيُّوبَ (نساء) وَاَيُّوبَ وَيُوسُفَ (انعام) سورہ انبیاء اور سورہ ص میں کسی قدر تفصیل ہے:-

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ

ہمارے بندہ ایوبؑ کو یاد کرو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو شیطان نے تکلیف اور عذاب کے ساتھ چھوا، ارے

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ وَوَهَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا، نِعْمَ الْعَبْدُ، اِنَّهٗ اَوَّابٌ (ص)

ایوب اپنا پاؤں مار، یہ غسل کرنے کی ٹھنڈی جگہ ہے، اور پینے کا پانی ہے اور ہم نے اس کو اس کے اہل وعیال دے اور ان ہی کے برابر اور اپنی رحمت سے اور عقلمندوں کی یادگاری کے لئے (ایوب) اپنے ہاتھ میں تنکوں کا مٹھا لو اور اس سے مارو اور اپنی قسم نہ توڑو، ہم نے ایوب کو صابر پایا، کیا اچھا بندہ توبہ کرنے والا ہے۔ (ص)

اس موقع پر شیطان سے کیا مراد ہے؟ دوسری آیت کریمہ نے اس کی تفصیل کر دی ہے:۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ٥ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ٥ (الانبیاء)

اور ایوب کو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو بیماری نے چھوا، اور تو مہربانوں میں سب سے بڑا مہربان ہے، ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کی بیماری دور کی، اور اس کو اس کے اہل وعیال دے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اور اپنی رحمت سے عبادت گذاروں کی یادگاری کے لئے۔

ان آیات پاک کے متعلق تین امور قابل ذکر و بحث ہیں:۔

اول خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ — اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو، اور قسم نہ توڑو،

اس آیت میں اس کا ذکر نہیں کہ کس کو مارو، اہل تفسیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوبؑ کی بیوی نے جب خدا کی شان میں گستاخی کی تو انھوں نے غضبناک ہو کر قسم کھائی تھی کہ اگر اچھا ہوا تو تم کو سو لکڑی ماروں گا، بیوی صادق الایمان تھی، اور یہ لغزش ایک وسوسہ شیطانی تھا، اس لئے معاف کی گئی، اور قسم پوری کرنے کے لئے سو تنکوں یا تیلیوں کی جھاڑو سے ان کو ایک بار مار لینے کا حکم دیا گیا۔

سفر ایوبؑ میں اس گستاخی اور کلمۂ کفر کا ذکر ہے (سفر ایوب ۲۔ ۹) لیکن اس سزا اور اس سزا کی نوعیت کا بیان رہ گیا ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ خدا کے نیک وصالح بندے اپنے اعزہ سے کلمات کفر سن کر بیتاب کیوں کر نہ ہو جائیں اور کیوں کر سزا نہ دیں؟ اس نقص کی تکمیل قرآن نے کر دی جو دنیا میں صرف تکمیل ہی کے لئے آیا ہے۔

دوم اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ۔ — اپنے پاؤں سے مارو، یہ نہانے کی ٹھنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے۔

سفر ایوبؑ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ایوبؑ کس طرح اور کس علاج سے صحتیاب ہوئے، قرآن بتاتا ہے کہ خدا نے ان کو ایک چشمہ کا نشان بتایا، جس میں نہانے سے اور اس کے پانی کے پینے سے بیماری جاتی رہی، یہ طریقۂ علاج بالکل مطابق فطرت ہے، طبعی چشمے جو طبقاتِ ارضی یا پہاڑوں سے بعض اجزاء کیمیاوی کے مخزن سے گذر کر ابلتے ہیں، مخصوص خواص رکھتے ہیں اور دنیا کے اکثر ممالک و اکناف میں اب بھی خدا نے اپنا یہ چشمۂ فیض جاری کر رکھا ہے، جس سے اس کی ہزاروں مخلوق ہر موسم میں مستفید ہوتی ہے۔

بنو ہاجرہ

حضرت اسماعیل علیہ السّلام

اصحاب الرس، اصحاب الحجر، اصحاب الایکہ، انصار اور قریش

ہاجرہ، اصل میں عبرانی لفظ "ہاغار" ہے جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں، اصل میں ان کا وطن مصر تھا، اور حضرت ابراہیمؑ اور سارہ جب مصر گئے تھے، تو فرعون نے دیگر انعام واکرام کے ساتھ یہ لڑکی بھی اُن کے ساتھ کردی تھی، اسی ہاجرہ سے اسماعیلؑ پیدا ہوئے تھے اور سارہ سے اسحاقؑ جن سے بنی اسرائیل کی نسل قائم ہوئی۔

ہاجرہؑ

بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہاجرہ سارہ کی لونڈی تھیں، اس لئے بنی اسمٰعیل، بنی اسرائیل کے برابر نہیں اوّلاً تو یہ اصول خود غلط ہے، ثانیاً ہاجرہ کا لونڈی ہونا زیر بحث ہے، ناظرین کو اس وقت عرب سامیۂ اولیٰ کی تاریخ کا پھر اعادہ کرنا چاہیئے، اس سے معلوم ہوگا کہ اس وقت مصر میں حکمران قوت، عرب کی ایک سامی قوم تھی جس سے حضرت ابراہیمؑ کے نہایت قریب نسبی تعلقات تھے، لفظ "ہاجرہ" کا عبرانی ہونا بھی اس دعوے کی ایک مستحکم دلیل ہے، اس بنا پر فرعون کا ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں دینا، خود اس بات کی قوی شہادت ہے کہ درحقیقت اس ازدواج سے نسبی تعلق کا استحکام مقصود تھا، اس تاریخی قیاس کی یہودی روایات سے کماحقہٗ تصدیق ہوتی ہے[1]۔ سفر الیشار میں (جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے) مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ حضرت کا ہم وطن تھا، ربی شلوم، توراۃ کا ایک مفسر، تکوین (۱۶-۱) کی تفسیر میں لکھتا ہے:

"ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی، فرعون نے جب سارہ کی کرامات دیکھیں تو کہا کہ اس کے گھر میں لونڈی بن کر رہنا، دوسرے کے گھر میں بی بی بن کر رہنے سے بہتر ہے۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ سارہ کی خدمت گذار تھیں اور یہ خود ہماری حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے[2]۔

---

[1] اس موضوع پر مولانا عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی کا رسالہ "النصوص الباہرہ فی حریۃ الہاجرہ" دیکھنا چاہیئے [2] صحیح بخاری میں آنحضرتؐ سے مروی ہے وَاَخْدَمَہَا ھَاجَرَہ

سارہ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بیوی تھیں، مگران سے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی، الیعزر نام ایک دمشقی خانہ زاد گھر کا مالک تھا، حضرت ابراہیمؑ نے فرزند کے لئے خدا سے دعا مانگی، دعا مقبول ہوئی اور حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں، سارہ کو یہ دیکھ کر رشک ہوا اور رشک ہوا اور وہ ہاجرہ کو ستانے لگیں، ہاجرہ نے گھر چھوڑ کر کہیں اور جانے کا ارادہ کیا، وہ ایک چشمہ تک جو شور کی راہ میں واقع ہے آکر ٹھہر گئیں، اس وقت ایک فرشتہ نے ہاجرہ کے سامنے آکر کہا:-

"ہاجرہ اپنی "بی بی" کے گھر واپس جا، میں تیری نسل کو اتنا بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی تو حاملہ ہے، تو ایک بیٹا جنے گی، تو اس کا نام اسمٰعیل رکھنا، کہ خدا نے تیرا دکھ سنا وہ ایک وحشی (بدوی) آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب کے خلاف، اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے حکومت کرے گا (تکوین ۱۶)

یہ مقام جہاں کنواں واقع تھا، قادش اور بیر کے درمیان ہے، ہاجرہ نے اس کنوئیں کا نام "زندہ نظر آنے والا کنواں" رکھا، گھر واپس آکر، ہاجرہ کے بیٹا ہوا، اور حسب تعلیم الٰہی اس کا نام اسماعیل رکھا گیا، اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ برس تھی۔

اسماعیل

اسمٰعیل عبرانی میں "شماع ایل" ہے، شماع (سماع) سننا، اور ایل (اللہ) لفظی معنی خدا کا سننا خدا نے چونکہ ابراہیمؑ کی دعا اور ہاجرہ کی فریاد سنی، اس لئے بچہ کا نام شماعیل پڑا، ۹۹ برس کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ کو سارہ کے بطن سے بھی ایک فرزند کے تولد کی بشارت ملی، لیکن حضرت ابراہیمؑ کو اس بشارت سے کوئی خوشی نہ ہوئی اس بشارت کے جواب میں انھوں نے خدا سے یہ دعا کی:-

"اے کاش! اسماعیل تیرے حضور زندہ رہے (تکوین ۱۸-۱۸)

خدا نے فرمایا:-

"اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا، اور اسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا" (۱۸-۲۰)

تیرہ برس کے سن میں باپ نے بیٹے کا ختنہ کر دیا، اسی سال اسحاق بھی پیدا ہوئے، آٹھویں دن ان کا ختنہ ہوا، اسحاق جب کچھ بڑے ہوئے (۲۱-۸) تو سارہ نے اس ڈر سے کہ باپ کی جائداد کا اسمٰعیل وارث نہ ہو (۲۱-۱۰) ابراہیمؑ کو مجبور کیا کہ وہ اسمٰعیل اور ہاجرہ کو علیحدہ کر دیں حضرت ابراہیمؑ کو اس بات سے نہایت رنج

ل یہ یہودیوں کا ترجمہ ہے۔

ہوا (۲۱ - ۱۱) لیکن خدا نے فرمایا:

"ابراہیم غم نہ کر، سارہ کی بات مان لے، تیری نسل اسحاق سے کہی جائے گی، تیرے بیٹے خادمزادہ (اسمٰعیل) کو بھی میں ایک قوم بناؤں گا کہ یہ بھی تیری ہی نسل ہے (۲۱ - ۱۲)

صبح اُٹھ کر حضرت ابراہیم نے روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ دے کر اور لڑکے کو حوالہ کر کے ہاجرہ کو رخصت کر دیا، اس سیاقِ عبارت سے ظاہر ہوگا کہ اسماعیل کی اس وقت عمر ۱۵ - ۱۶ برس سے کم نہ ہوگی، لیکن مسلمانوں میں عام طور سے مشہور ہے اور بخاری میں ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت شیر خوار بچہ تھے، اصل یہ ہے کہ خود توراۃ میں اس موقع پر جو فقرہ ہے وہ نہایت مشتبہ ہے، اصل فقرہ یہ ہے:۔

"ابراہیم صبح کو اُٹھا، اور روٹی لی اور پانی کا مشکیزہ ہاجرہ کو دیا، اس کے کندھے پر رکھ کر اور اسمٰعیل کو" (تکوین ۲ - ۴۱)

"کندھے پر رکھ دینے" کا لفظ "مشکیزہ" اور "اسماعیل" دونوں سے متعلق ہو سکتا ہے، مترجمین مختلف معنی سمجھتے ہیں، اگر اسمٰعیل سے متعلق سمجھا جائے تو ان کا شیر خوار ہونا لازم آئے گا، لیکن توراۃ کے نص اور تمام گزشتہ سیاق کے خلاف ہوگا قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیحدگی سے پہلے سن تمیز کو پہنچ چکے تھے، حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ...... وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓي اِسْحٰقَ (صافات)

پروردگار! مجھ کو نیک فرزند عطا کر، ہم نے اس کو ایک متحمل المزاج فرزند کے تولد کی بشارت دی لڑکا جب اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑے، باپ نے کہا فرزند من! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، دیکھو تم کیا سمجھتے ہو بیٹے نے کہا میرے باپ! جو حکم کیا گیا ہے کر گزرو، مجھے صابر پاؤ گے ...... اور ابراہیم کو اسحاق کی بشارت دی کہ پیغمبر ہوگا اور نیکوں میں سے۔

ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کو دو بیٹوں کی بشارت دی گئی ہے، پہلے بیٹے کا نام مذکور نہیں، دوسرے کا نام اسحاق مذکور ہے، اس لئے پہلی بشارت میں لامحالہ اسمٰعیل مراد ہوں گے، اس بنا پر نص آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسمٰعیل باپ ہی کے زیر سایہ اسحاق سے بہت پہلے سن رشد کو پہنچ چکے تھے، دوسری جگہ قرآن میں (سورہ ابراہیم میں) جہاں وہ دعا مذکور ہے جو اسماعیلؑ کو مکہ میں آباد کرتے ہوئے انھوں نے کی تھی رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ اس کے آخر میں ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ — شکر ہے اس خدا کا جس نے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق مجھ کو بخشے۔

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسمٰعیلؑ کے مکہ آنے کے وقت اسحاق پیدا ہو چکے تھے، توراۃ سے ثابت ہے کہ اسمٰعیل، اسحاق سے تیرہ برس بڑے تھے، بخاری کی کتاب الرؤیا اور کتاب الانبیاء میں حضرت ابن عباس رضؓ کی جو حدیث اسمٰعیلؑ کی شیر خوارگی کے متعلق ہے وہ مرفوع نہیں ہے یعنی اس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا (بجز چند خاص ضمنی فقروں کے) اس لئے وہ حضرت ابن عباسؓ کے اسرائیلیات میں سے ہے، اور اس کا ثبوت آج بھی موجود ہے بخاری میں اس کے متعلق جو طویل حدیث ہے وہ بجز جرہم اور مکہ کے ذکر کے، مدراش اور تالمود میں بعینہ حرف بحرف مذکور ہے اصل عبارت آگے آتی ہے۔

صبح کا وقت تھا کہ "ایک بوڑھے باپ نے جو تقدیس اور نیکی سے بھرا ہوا تھا، اپنے ایک معصوم کم سن بچہ اور عزیز بیوی کو چند روٹی اور پانی کا مشکیزہ دے کر گھر سے نکال کر فاران کے بے آب وگیاہ بیابان میں چھوڑ دیا، اور پھر کبھی اس کے دیکھنے کے لئے مضطرب نہ ہوا، یہ بظاہر موجودہ توراۃ کی تصویر ہے، اسلام کا بیان یہ ہے کہ "ابراہیمؑ نے خدا کے حکم سے اپنے عزیز بیٹے کو خدا کے نام کے اولین عبادت گاہ کعبہ کی خدمت گذاری کے لئے شہر مکہ میں آکر بسایا جو عرب (بیابان) میں واقع تھا، توراۃ کی عبارت یہ ہے:۔

"وہ روانہ ہوئی اور بیر شبع کے میدان میں بھٹکتی رہی، مشکیزہ کا پانی چک گیا، بچہ کو ایک جھاڑی میں ڈال دیا اور بچہ سے تھوڑی دور ایک تیر کے برابر ہٹ کر غمزدہ بیٹھ گئی اور اس نے کہا کہ بچہ کو اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھونگی اور الگ ہٹ کر گریہ وزاری کرنے لگی، خدا نے بچہ کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکار کر کہا، ہاجرہ ڈر نہیں، خدا نے بچہ کی آواز جہاں وہ پڑا ہے سن لی، اٹھ اور بچے کو اٹھا، اور اپنے ہاتھ سے اس کو سنبھال کر میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، خدا نے ہاجرہ کی آنکھ کھول دی، اس کو پانی کا ایک کنواں نظر آیا، وہ گئی اور مشکیزہ کو پانی سے بھر لیا اور بچہ کو پانی پلایا۔

خدا اس بچہ کے ساتھ تھا، وہ بڑا ہوا، بیابان میں رہا اور ایک تیرانداز ہوا، وہ فاران کے بیابان میں رہا اس کی ماں نے ملک مصر کی ایک بیوی اس کے لئے لی (تکوین ۲۱)

روایات اسلام میں صحیح تر روایت اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضؓ کی ہے جو غیر مرفوع طریقہ سے بخاری میں مذکور ہے:۔

"ابراہیم اور ان کی بیوی (سارہ) کے درمیان جو واقع ہوا، اس کے بعد ابراہیم، اسمٰعیل اور اسمٰعیل کی ماں کو لے کر نکلے، ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا، ام اسمٰعیل مشکیزہ سے پانی پیتی تھی، اور اس سے دودھ بچہ کے

لئے ہوتا تھا، یہاں تک کہ ابراہیمؑ، مکہ پہنچے، اور ایک جھاڑی کے نیچے اس کو رکھ دیا پھر ابراہیم اپنے گھر واپس آنے لگے، ام اسمٰعیل ان کے پیچھے پیچھے کدا (مکہ کا ایک مقام) تک آئیں، ام اسمٰعیل نے پکار کر کہا ابراہیم! تم مجھے اس وادی میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ اور کوئی چیز ہے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ (اختلاف روایت) کیا تم خدا کے حکم سے مجھے یہاں چھوڑتے ہو، ابراہیمؑ نے کہا ہاں، ام اسمٰعیل نے کہا، تو پھر خدا ہم کو ضائع نہیں کرے گا، لوٹ کر آئیں، اور مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں اور بچہ کے لئے دودھ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پانی چک گیا، دل میں کہا جا کر دیکھوں شاید کوئی نظر آجائے کوہ صفا پر چڑھیں، کوئی نظر نہ آیا، وادی میں پہنچیں تو دوڑ کر کوہ مروہ پر آئیں، اسی طرح چند بار دوڑیں، پھر بولیں چل کر بچہ کو دیکھوں، آکر دیکھا تو قریب الموت پایا، مضطرب ہو کر پھر صفا پر چڑھیں کہ کوئی نظر آئے، کوئی نظر نہ آیا، یہاں تک کہ سات پھیرے ہو گئے، پھر دل میں آیا کہ دیکھوں کہ ناگاہ ایک آواز آئی، ام اسمٰعیل نے کہا اگر نیکی تمہارے پاس ہو تو میری فریاد رسی کرو، ناگاہ جبریلؑ تھے، ابن عباسؓ نے کہا کہ جبرئیل نے اپنی ایڑی کو زمین پر مارا، پانی بہنے لگا، ام اسمٰعیل متحیر ہو کر پانی جمع کرنے لگیں، ابن عباسؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ام اسمٰعیل پانی کو اگر اپنے حال پر چھوڑ دیتیں تو پانی کھلا ہوتا، ام اسمٰعیل نے پانی پیا، پھر دودھ ہونے لگا۔

اتفاقاً جرہم کے کچھ آدمیوں کا ادھر گذر ہوا، پرندوں کو منڈلاتے دیکھ کر بولے کہ پانی یہاں ہے، ایک آدمی کو تحقیق کے لئے بھیجا، تو پانی پایا، آکر خبر کی، وہ لوگ بھی آئے اور ام اسمٰعیل سے یہاں رہنے کی اجازت چاہی، ام اسمٰعیل نے کہا رہو لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق نہیں، ابن عباسؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام اسمٰعیل کو یہ بات پسند آئی کہ وہ آبادی اور معیت چاہتی تھیں، وہ لوگ بھی رہنے لگے اور چند گھرانے وہاں ہو گئے لڑکا جوان ہوا، اور ان سے عربی زبان سیکھی، جب جوان ہوا تو ان لوگوں کو بہت پسند آیا، بالغ ہوتے پر اپنی ایک لڑکی اسے بیاہ دی (بخاری کتاب الانبیاء)

توراۃ اور بخاری کی اس روایت میں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے، بخاری میں جو تفصیل ہے وہ بالکل فطری ہے، توراۃ میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ بھی ساتھ آئے تھے لیکن کون شقی ہو گا جو اپنے عزیز بچہ کو جس کی پیدائش کی اس نے خود دعا کی ہو جس کے لئے زندگی اس نے خدا سے مانگی ہو، اس کو تنہا بے آب و گیاہ مقام میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ جانے دے، اس کے بعد دوسری تفصیلیں، رخصت کے وقت ابراہیم کو بیتابی سے پکارنا حضرت ابراہیم کا تسکین دینا، ہاجرہ کا مضطربانہ پانی کے لئے دوڑنا، یہ سب فطری باتیں ہیں اور ایسے وقت میں ہر شخص سے اسی طرح صادر ہوں گی، حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی کا جرہمی ہونا یا مصری ہونا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے اس عہد میں بھی عرب مصر کے حکمران قبائل تھے، اس بنا پر وہ عورت جرہمی بھی ہو سکتی ہے اور مصری بھی، نیز مسلمانوں (بخاری)

اور یہودیوں (تالمود) کی روایت میں مذکور رہے کہ اسمٰعیل نے دو بیویاں کی تھیں ممکن ہے کہ ایک مصری اور ایک جرہمی ہو۔

ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ نے جس مقام کو اپنا مسکن قرار دیا تورات میں اس کے متعلق یہ الفاظ ہیں:۔

"خداوند اس بچہ کے ساتھ تھا، وہ بڑا ہوا، بیابان میں رہا، اور ایک تیر انداز ہوا، وہ فاران کے بیابان میں رہا۔" (تکوین ۲۱ - ۲۰ - ۲۱)

قرآن مجید میں بھی اس مقام کا نام صرف وادِ غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) بتایا گیا ہے جو بیت اللہ (کعبہ) کے پاس واقع ہے، اس بنا پر اس سے وہ بیان مراد ہو گا جو سلسلۂ کوہِ سعیر (یا سراۃ) کے ساتھ ساتھ بحرِ احمر کے کنارہ حدود شام سے حدود یمن تک وسیع ہے، جس کو بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے زمانہ سے مدین کہتے ہیں، اور عرب ایک مدت سے اس کو حجاز کہتے ہیں۔ فاران اور حجاز کے اتحاد پر مسلمان اور عیسائی مصنفین میں معرکۃ الآرا بحثیں ایک مدت سے جاری ہیں، عیسائی مصنفین کو حقیقی طور سے نہیں معلوم کہ فاران کس مقام کا نام ہے بعض مصنفین جزیرہ نمائے سینا کے مغرب میں مصر سے متصل فاران کا موقع قرار دیتے ہیں، بعض کوہِ سینا کے دامن میں اس کو جگہ دیتے ہیں، بہر حال اجماعی طور سے ہمارے مخالفین کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سینا میں واقع ہے، اس رائے کی غلطی اور دعوائے اسلام کی صحت متعدد طرق سے واضح ہوتی ہے۔

۱۔ سب سے اول یہ سمجھنا چاہیئے کہ عرب، حجاز، مکہ، کعبہ یہ جتنے الفاظ و اسماء ہیں اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ لفظ عرب دسویں صدی ق م میں پیدا ہوا ہے (دیکھو جغرافیہ) حجاز کا لفظ اس سے بھی زیادہ مستحدث ہے، مکہ کا نام دوسری صدی مسیحی میں بطلیموس کے ہاں سب سے پہلے مکاربا کی شکل نظر آتا ہے اسی لئے تورات نے اس مقام کا نام اولاً صرف "مدبار" یعنی بادیہ بتایا ہے، اور قرآن نے اسی کو وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا کہ اس کے سوا اس کا اس وقت کوئی دوسرا نام نہ تھا، مدت کے بعد یہی لفظ بادیہ صحرا اور وادی غیر ذی زرع اس ملک کا نام قرار پایا، لفظ عرب کے لغوی معنی بادیہ اور صحرا کے ہیں، مدبار (بادیہ) وادی غیر ذی زرع اور عرب ہم معنی لفظ ہیں، اس لئے تورات کا یہ کہنا کہ اسمٰعیل نے بادیہ میں سکونت کی اس کے بالکل یہ معنی ہیں کہ اس نے عرب میں سکونت کی۔

۲۔ ممالک عرب میں سے سب سے پہلا نام تورات میں مدیان (مدین) نظر آتا ہے (تکوین ۳۷-۲۸) فاران کی طرح مدین غیر معروف نہیں ہے، شہر مدین تحقیقی اور یقینی طور سے حجاز میں ساحل بحر احمر و عقبہ کے سرے پر واقع تھا، اور اب تک اسی نام سے وہیں موجود ہے، قدیم تاریخ میں جہاں کہیں بھی مدیانی لوگوں کا

ذکر ہے، ساتھ ہی اتحاد نام کے ساتھ اسماعیلیوں کا ذکر ہے، بلکہ توراۃ نے اکثر دونوں کو ایک بجھا ہے (تکوین ۳۷، ۲۸ - ۳۶) یہ اتحاد حضرت ابراہیمؑ کی ایک ہی پشت کے بعد توراۃ میں نظر آتا ہے۔

"انھوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد (شام) میں ایک پہاڑ کی طرف سے آیا جو اونٹوں پر بخورات، بلسان اور مسالہ لاد کر مصر کو لے جارہا تھا۔ ... انھوں نے کہا کہ یوسف کو ان اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالو ... ... اتنے میں مدیانی تاجروں کا قافلہ گذرا جنھوں نے یوسف کو کنویں سے نکال لیا، اور اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا ... ... یہ اسماعیلی یوسف کو مصر لائے ... ... مدیانیوں نے یوسف کو مصر میں فروخت کیا ... ... ایک مصری امیر نے یوسف کو اسمعیلیوں کے ہاتھ سے جو یوسف کو مصر لائے تھے، لے لیا (تکوین ۳۰ و ۳۹)

اس عبارت میں اسمٰعیلی اور مدیانی ناموں میں جو اختلاط اور تشابہ ہے، کیا اس کا حل بغیر اس کے ہو سکتا ہے کہ قافلہ کو نسلاً اسماعیلی اور وطناً مدیانی حجازی فرض کیا جائے۔ یہ واقعہ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے کے زمانہ کا ہے، اس بنا پر یہ اسمٰعیلی کارواں بھی حضرت اسماعیل کے بیٹے اور پوتے ہوں گے جن کو ابھی تک باپ کے مسکن کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہوئی ہوگی، اس واقعہ کے پانچ سو برس کے بعد حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی یہی اختلاط نظر آتا ہے، حضرت موسیٰؑ خود مدت تک مدین میں رہے تھے، تاہم خلفائے موسیٰؑ اسمعیلیوں میں اور اہل مدین میں کوئی فرق نہیں کرتے، اہل مدین نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں جب شکست پائی، (غالباً ۱۳۰۰ ق م میں) اور بنی اسرائیل کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا، تو بنی اسرائیل کا سردار جدعون کہتا ہے

"میں تمہارے مالِ غنیمت میں صرف یہ سونے کے بالے مانگتا ہوں، کیونکہ یہ لوگ (مدیانی) اسماعیلی ہیں" (قضاۃ ۸ - ۲۴)

ان آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ فاران سے مراد ملک حجازی ہے، ان کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں جو ہندوستان کے مسلمان مناظرین کی کتابوں میں موجود ہیں، ہم نے ان سے تعرض نہیں کیا۔

حضرت اسماعیلؑ کی اولادیں حضرت اسمٰعیل کی تیرہ اولادیں تھیں، ۱۲ بیٹے اور ایک بیٹی، خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دی تھی:۔

"اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا، اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا" (تکوین ۱۷ - ۲۲)

آخر یہ بشارت استجابت کو پہنچی اور اسماعیل کا گھرانا آباد ہوا بیٹی کا نام توراۃ میں ایک جگہ باسمہ[۱] اور

---

[۱] تکوین ۳۶ - ۳

دوسری جگہ محلاۃ لکھا ہے، خدا جانے ان میں سے صحیح کون ہے؟ یہ صاحبزادی اپنے عم زاد بھائی ادوم ابن اسحاق سے بیاہی گئی تھیں، ادوم اپنے باپ (اسحاق) سے ناراض ہو کر اپنے چچا (اسمٰعیل) کے پاس چلے آئے تھے، اور ان ہی کے ساتھ یہیں بادیہ میں رہتے تھے۔

حضرت اسماعیلؑ کے ۱۲ بیٹوں کے نام یہ تھے، نبایوط، قیدار، ادبائیل، مبشام، مشماع، دوما، مسّا، حدر، تیما، یطور، نفیس، قیدماہ، یہ بارہ بیٹے حسب بشارتِ ربانی اپنے خاندان کے بارہ رئیس[۲] تھے ان میں سب سے بڑے نبایوط اور سب سے چھوٹے قیدار تھے اور یہی دونوں پچھلی تاریخ میں سب سے نمایاں نظر آتے ہیں، یہ تمام بھائی باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے اور چچا زاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزندانِ مدین کے ساتھ مل کر یمن و حجاز سے شام و مصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، اور دیگر عرب تاجروں کی طرح خوشبودار چیزوں کی تجارت کرتے تھے[۳]۔

خوشبو چیزیں یمن سے حجاز کی راہ سے مصر اور شام کو جاتی تھیں، شام اور یمن کے بیچ میں درمیانی منزل شہر مکہ تھا، اس لئے بنو اسمٰعیل بہت جلد تجارت میں فروغ حاصل کر سکے ہوں گے، بنو اسرائیل اسماعیلیوں کو کبھی اسماعیلی اور کبھی ماں کی نسبت سے ہاجری کہتے ہیں، اور توراۃ میں ان ہی ناموں سے ان کا ذکر ہے بنو اسمٰعیل کا توراۃ میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے پوتے یعقوبؑ کے زمانہ میں (تقریباً سنہ ۲۰۰۰ق م) تجارت کی حیثیت سے نام آتا ہے، حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے ایک کنوئیں میں ڈال دیا تھا، اتفاقاً ایک کارواں کا گذر ہوا جس نے یوسفؑ کو کوئیں سے نکالا، اور مصر میں ایک امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا، یہ کارواں اسمٰعیلی اور مدیانی تھا[۴]، تاریخ میں تجارت کا یہ سب سے پہلا قافلہ نظر آتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے عہد میں (تقریباً ۱۵۰۰ سنہ ق م) بنو اسمٰعیل تمام حجاز میں یمن (حویلہ) سے شام (شور) تک پھیل گئے تھے[۵]۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد قضاۃ بنی اسرائیل کے زمانہ میں (تقریباً ۱۳۰۰ سنہ ق م) وہ عمالیق واہل مدین کے پہلو بہ پہلو، سپاہیانہ جوہر کے ساتھ بنی اسرائیل پر چھاپہ مارتے ہوئے نظر آتے ہیں، سات برس تک متصل، بنی اسرائیل اسماعیلیوں کے پنجہ میں گرفتار رہے سال میں جب فصل تیار ہوتی ہے، اسماعیلی برق و باد کی طرح آتے اور سب کاٹ کر لے جاتے، آٹھویں برس بنی اسرائیل میں جدعون نامی ایک پہلوان پیدا ہوا اس نے اسماعیلیوں کو شکست فاش دی[۶]، (تفصیل مدین میں گذر چکی ہے)۔

اس زمانہ میں بنی اسماعیل کا نہایت دولت مند قوموں میں شمار تھا، کانوں میں مرد سونے کے زیور پہنتے تھے، اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلادے ڈالتے تھے، اس جنگ میں بنی اسرائیل کو مال غنیمت ہاتھ آیا

۱؎ تکوین ۲۸-۹، ۲؎ تکوین ۲۵، ۱۳-۱۵، ۳؎ تکوین ۳۷، ۲۶-۳۶، ۴؎ تکوین ۲، ۵؎ تکوین ۲۵، ۱۸، ۶؎ قضاۃ ۶، ۱-۸

اُس میں صرف کان کے زیور کے سونے کا وزن سترہ سو مثقال تھا[۱]

شاؤل (طالوت) کے عہد میں (غالباً ۱۰۵۰ق م) بنو اسماعیل حجاز سے نکل کر بادیۂ شام اور بادیۂ عراق تک پھیل گئے تھے، عموماً مورخین عرب کا بیان ہے کہ مکہ اور حجاز میں جب اسمٰعیل کی اولاد بہت زیادہ ہو گئی تو نجد و حدود عراق وغیرہ ممالک میں پھیل گئی[۲] اس کی تائید روایات یہود سے بھی ہوتی ہے، اسی زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک ٹکڑا ابھی نہر فرات کے قریب بادیۂ عراق میں آکر آباد ہو گیا تھا، آخر بنو ہاجرہ سے سامنا ہو گیا بنو اسرائیل نے لڑ کر بنو ہاجرہ کو نکال دیا، اور اُن کے خیموں میں جا کر خود آباد ہوئے[۳]

اس واقعہ کے چالیس برس کے بعد بنو اسمٰعیل و بنو ہاجرہ، شمالی عرب و حدود شام کے قبائل سے متحد ہو کر حضرت داؤد کے عہد میں (غالباً ۱۰۰۰ق م میں) بنی اسرائیل پر حملہ کی تیاریاں اور مشورے کر رہے تھے[۴] ۸۰۰ق م میں جلعاد اور دیگر حدود شام میں جنگ آزمودہ اسرائیل، دوبارہ بنو ہاجرہ سے برسر مقابلہ ہوتے ہیں اور ان کو شکست دیتے ہیں، مال غنیمت میں ان کو پچاس ہزار اونٹ ڈھائی لاکھ بھیڑ، دو ہزار گدھے اور ایک لاکھ قیدی ہاتھ آئے[۵] اس کے بعد ۶۰۰ق م میں وہ زمانہ آتا ہے جب نبوکد نضر (بخت نصر) آندھی کی طرح اسیریا سے اٹھتا ہے، اور تمام شام و عرب کی خاک اڑا دیتا ہے

"اور پھر ہمیشہ کے لیے بنو اسرائیل اور آلِ اسمٰعیل کی مخاصمانہ حوصلہ مندیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے یہ بنو اسمٰعیل کی اجتماعی تاریخ تھی، اب تفرق و انتشار کے بعد ہر ایک اولاد اور نسل کی تاریخ کے متعلق ہم کو جو کچھ معلوم ہے علیحدہ علیحدہ بہ ترتیب اہمیت و امتیاز لکھتے ہیں"۔

۱۔ مبشام

اس خاندان کے متعلق ہم کو کچھ معلوم نہیں

۲۔ ادبائیل

عرب مورخین کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہے۔ توراۃ میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے، فارسٹر کا بیان ہے کہ یہودی مورخ یوسیفوس نے لکھا ہے کہ "منتقین اسماعیلی آبادیوں (یعنی نیل و فرات) کے درمیان یہ خاندان آباد تھا"[۶]

۳۔ مشماع

عرب مؤرخین نے بنو مسما نام ایک خاندان کا نجد میں سکونت پذیر ہونا بیان کیا ہے، یوسیفوس نے

[۱] قضاۃ ۸-۲۶ [۲] معارف ابن قتیبہ ص ۵ و الاخبار الطوال دینوری ص ۱۱ مصر و سیرۃ ابن ہشام ذکر اصنام العرب

۱-ایام ۵-۱۰ [۳] زبور ۸۳-۵، ۶ [۴] ۲-ایام ۵-۲۰، ۲۱ [۵] فارسٹر ج ۱ ص ۶۸

مسماؤس اور بطلیموس نے مسی نامیس کے نام سے ان ہی اطراف میں ایک عرب قبیلہ کا ذکر کیا ہے[1]

۴۔ مشا

یونانی اور عرب جغرافیہ نویسوں کی شہادت کی بنا پر حدود عراق میں اس خاندان کے آثار نظر آتے ہیں، پلینی نے مسیا (Misaie) اور بطلیموس نے مسانی (Masani) کے نام سے ان اطراف میں بعض قبائل کا ذکر کیا ہے[2] عرب جغرافیہ نویسوں میں سے زکریا قزوینی، مشان نام ایک مختصر آبادی کا یہیں پتہ دیتا ہے[3] یاقوت حموی اسی مقام پر واسط و بصرہ کے مابین، میسان نام ایک شہر کا ذکر کرتا ہے یہودی اس شہر کا نہایت احترام کرتے ہیں اور اس کو حضرت عزیرہ کا مدفن قرار دیتے ہیں، عہدِ اسلام میں بھی زیادہ تر یہاں یہودیوں کی آبادی تھی[4] سفر الایام نے جن بنو ماجرہ کا بادیہ عراق میں ذکر کیا ہے[5] شاید وہ یہی خاندان ہو۔

۵۔ حدر یا حدد

سفر تکوین میں اس کا املا حدر اور سفر ایام میں حدد ہے، حدر کے آثار عرب میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں، تیمار کے پاس حدد نام ایک پہاڑی ہے، نجد میں بھی ایک قطعۂ زمین کا نام حدد ہے[6] جوہری عرب کے ایک قبیلہ کا نام بھی حدد بتاتا ہے نیوبہر (Niebuhr) انیسویں صدی کا ایک یورپین سیاح عرب شہر حدیدہ واقع یمن کو اسی حدد سے متعلق سمجھتا ہے[7] لیکن مشرقی نگاہ میں حدد اور حدیدہ میں بہت بڑا فرق ہے

۶۔ یطور

یطور، ساؤل کے زمانہ میں (سنہ ۱۰۵۰ ق م میں) حدود شام کے صوبہ حوران میں نظر آتے ہیں بنی اسرائیل کی ایک جماعت سے برسرپیکار ہوتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں[8] لیکن یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو (سنہ ۲۴ ق م) تک ان کی آبادی قائم رہتی ہے، لکھتا ہے:[9]

"وہ تمام سلسلۂ کوہ جو لبنان اور بصریٰ کے درمیان نظر آتا ہے عربوں سے اور ایطوریوں سے آباد تھا"

یونانی میں یطور جطور ہو گیا ہے اس بنا پر برکھارڈ ایک یورپین سیاح شام کے جدور شہر کو اسی جطور سے نسبت دیتا ہے[10] یہ شہر مشرقی جغرافیہ نویسوں سے بھی مخفی نہیں[11] لیکن اگر جدور ہی کو یطور کا مسکن قرار

[1] فارسٹر ج ۱ ص ۴۔۲۷ [2] فارسٹر ج ۱ ص ۲۸۵ [3] آثار البلاد قزوینی ص ۱۳۰۸ مطبعہ عزیورپ۔
[4] معجم البلدان ج ۸ ص ۲۲۴ مصر [5] ۲۔ ایام ۵ - ۱۲ [6] معجم البلدان ج ۳ ص ۲۲۲ مصر
[7] فارسٹر ج ۱ ص ۲۸ [8] سفر ایام ۵ - ۱۲ [9] فارسٹر ج ۱ ص ۳۱۰ [10] معجم البلدان۔ یاقوت ج ۳ ص ۲۶ مصر۔ [11] معجم البلدان ج ۳ ص ۲۶ مصر

قرار دیتا ہے تو یہی نام ہم کو حجاز میں مدینہ سے چھ میل کی مسافت پر نظر آتا ہے[۱] لیکن عام فہم مشرقی بھی جانتا ہے کہ یطور کی تشکل کسی صورت میں بھی جدور نہیں ہو سکتی۔

۷- نافیش

سفر ایام ثانی (۵-۱۲) سے ثابت ہوتا ہے کہ یطور کے ساتھ یہ خاندان بھی حوران ہی میں آباد تھا اور بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شریکِ جنگ تھا۔

۸- دوما

اس خاندان کا مسکن اب تک اسی نام سے مشہور ہے، دومۃ الجندل، شمالی عرب میں مدینہ اور شام کے درمیان ایک مشہور مقام ہے، عرب جغرافیہ نویسوں نے تصریح کی ہے کہ دومۃ الجندل اسی دومہ کی طرف منسوب ہے پچھلے زمانہ میں یہاں نصاریٰ آباد تھے[۲]

۹- تیماء

حدود عرب و شام میں اس خاندان کے انتساب سے ایک قدیم آبادی ہے، ایوبؑ نبی کے زمانہ میں اس خاندان کو کسی قدر فوجی اہمیت بھی حاصل تھی، سفر ایوب (۶-۱۹) میں تیماء کے سواروں کا ذکر ہے، اشعیانبی نے بھی (۸۰۰ق م میں) سرزمین تیماء کا نام لیا ہے (۲۱-۱۴) زمانۂ اسلام میں یہاں یہود آباد تھے[۳]

۱۰- قیدماہ

اصحاب الرس

فارسٹر صاحب نے قیدماہ کو کاظمہ (واقع خلیج فارس) کا مرادف سمجھا ہے اور اس لئے اس کو خلیج فارس پر جگہ دیتے ہیں، کاظمہ یقیناً انگریزی لب و لہجہ میں "کیڈما" ہو جائے گا، لیکن ہر مشرقی لب و لہجہ کا واقف کار اس تحقیق پر ہنس دے گا کہ قیدماہ اور کاظمہ ایک چیز ہے، قرآن مجید میں ایک قبیلہ کا نام اصحاب الرس مذکور ہے، بعض مورخین کا بیان ہے کہ قیدماہ ہی کا نام اصحاب الرس تھا، ہمارے

---

[۱] معجم البلدان ج ۳ ص ۲۶ مصر [۲] معجم البلدان ج ۱ ص ۱۰۶ مصر [۳] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۴۴ مصر

ہاں مفسرین اصحاب الرس کی تعیین میں نہایت مشکوک الرائے ہیں، امام طبری نے ارباب روایت کی تین روایتیں نقل کی ہیں :۔

۱ ۔ رس کوئیں کو کہتے ہیں، ایک امت نے اپنے پیغمبر کو کوئیں میں ڈال دیا تھا، اس لئے اس کو اصحاب الرس کہتے ہیں ۔

۲ ۔ رس ملک آذربیجان کے پار ایک آبادی کا نام ہے (شاید روس سے مقصد ہو)

۳ ۔ رس غار کو کہتے ہیں اور اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں ۔

لیکن مورخ مسعودی بلا تذکرۂ ل رائے لکھتا ہے: "اصحاب الرس، اسماعیل کی اولاد میں سے تھے وہ دو[۲] قبیلے تھے، ایک کا نام قدمان تھا اور دوسرے کا یامین اور کہا گیا ہے کہ رعویل تھا، اور یمن میں تھے "[۱]

قیدمان، قیدماہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، اصحاب الرس کا اس کے علاوہ کوئی اور حال نہیں معلوم قرآن مجید نے اصحاب الرس کا دو مقام پر ذکر کیا ہے، لیکن کوئی حال بیان نہیں کیا، بلکہ صرف گنہگار قوموں کی فہرست کے ضمن میں اس کا نام لیا ہے :۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ (فرقان)	عاد، ثمود اور اصحاب الرس کو
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ	ان سے پہلے نوح کی قوم اصحاب الرس اور ثمود نے جھٹلایا ۔

---

[۱] مروج الذہب ص

۱۱۔ نبایوط یا نابت یا نبط

اصحاب الحجر

نبایوط کو اہلِ عرب عموماً نابت کہتے ہیں، ان کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصہ میں آئی[1] اس سے ظاہر تا ہے کہ نبایوط نے حجاز ہی میں قیام کیا، لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزندانِ نبایوط عراق میں موجود تھے، لیکن اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔

تحریری حیثیت سے نبایوط کا نام ساتویں صدی ق م میں نظر آتا ہے، حزقیال نبی پیشینگوئی کرتے ہیں کہ "نبایوط کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی" (۶۰-۷)، اشور بانیبال اسیریا کا بادشاہ جس کا بھی تقریباً یہی زمانہ ہے اپنے مفتوحین کی فہرست میں نباطی قوم کا نام لیتا ہے، یوسیفوس یہودی، جو پہلی صدی مسیحی میں تھا لکھتا ہے:۔

"ملک بحرِ احمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسماعیلؑ کے ۱۲ بیٹوں کے قبضہ میں ہے جن کے سبب سے اس کا نام نباطینہ پڑ گیا ہے" (حوالہ آتا ہے)

اسی زمانہ میں جب رومی، شام پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، تو نبطی عربوں سے اُن کی مڈبھیڑ ہوتی ہے، اور شام و عرب کے حدود پر اُن کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے، اہلِ عرب بھی اِن نبطیوں سے واقف تھے، اسی لفظ "نبط" کی جمع عربی میں انباط ہے۔

انباط اور روایات عرب مورخین عرب فرزندان نبایوط یا انباط سے زیادہ واقف نہیں ہیں وہ صرف انباط کے نام اور اُن کے مسکن تخمینی سے البتہ واقف ہیں، ان کا نام کبھی نبط اور کبھی آرامی بتاتے ہیں اور ان کا مسکن شام و عراق ظاہر کرتے ہیں، ابن خلدون نے لکھا ہے:۔

واول ملك للعرب بالشام فيما علمناه للعمالقة ثم لبني ارم بن سام ويعرفون بالارمانيين (ص ۲۸۰ ج ۲)

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عربوں کی پہلی حکومت شام میں عمالقہ کی تھی پھر ارم بن سام کی جو ارمانی کے نام سے مشہور ہیں۔

[1] اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ ص ۱۱ مصر

اس عبارت کے ساتھ حمزۂ اصفہانی کی عبارت ضم کرو۔

الاَرما نیون نبط الشام والاَردوانیون نبط العراق — ارمانی شام کے نبطیوں کا نام ہے اور اردوانی عراق کے نبط کا

انباط نے چونکہ ایک متمدن وغیر بدوی زندگی اختیار کر لی تھی، اس لئے عربوں کے محاورہ میں

اما النبط فکل من لم یکن راعیا او جندیا عند العرب من ساکنی الارضین (یاقوت ۲۳ عربیہ) — نبط، عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔

اہلِ عرب عموماً نبط کو قوماً واصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک عرب وعجم جس طرح دو متقابل نام ہیں، اسی طرح نبطی وعربی کو بھی باہم متقابل سمجھتے ہیں، اس کا سبب صرف معاشرت، طرزِ زندگی اور زبان کا اختلاف ہے، ورنہ درحقیقت نبط بھی اسمٰعیلی عرب ہیں، لیکن چونکہ انھوں نے عموماً حدودِ عرب اور حدودِ عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن بنایا اس لئے وہ اپنا نسب محفوظ نہ رکھ سکے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

تعلموا النسب ولا تکونوا کنبط السواد اذا سئل احدھم عن اصلہ قال من قریۃ کذا (عقد الفرید ج ۳ ص ۳۷) — نسب نامہ سیکھو، عراق کے نبط کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب ان میں سے کسی سے پوچھا جائے کہ تم کس خاندان سے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔

ہمارے مورخین کے معلومات انباط کے متعلق صرف اسی قدر ہیں لیکن انباط کی خود معاصر قوموں نے ان کے حالات کو سیاسی تعلقات کی بنا پر بہت کچھ محفوظ رکھا ہے، اور اب اکتشافاتِ اثریہ نے بھی ان معلومات میں کسی قدر اضافہ کر دیا ہے۔

انباط اور نبایوط ونابت کا ترادف سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ انباط جن کی تاریخ کا مفصل تذکرہ یونانی و رومی مورخین نے کیا ہے اور نبایوط پسر اسمٰعیل جن کا توراۃ میں ذکر ہے اور نابت بن اسمٰعیل جن سے عربوں کو ہم نسبی کا دعویٰ ہے کیا درحقیقت ان مختلف الفاظ سے ایک مفہوم مراد ہے؟ ہمارا جواب اثبات میں ہے، اہلِ عرب انباط کو عربوں سے الگ ایک بیرونی قوم سمجھتے ہیں، لیکن یہ درحقیقت ایک مدت تک کے تباعد اور تفریق کا نتیجہ ہے جن یونانی اور رومی مورخین نے انباط کا ذکر کیا ہے انھوں نے متفقاً ان کو عرب لکھا ہے، سب سے بڑی معتبر شہادت، یہودی مورخ یوسیفوس کی ہے جو انباط کا معاصر اور نسل ووطن کے لحاظ سے بھی ان سے قریب تھا، اس لئے یقین ہے کہ ان کے متعلق اس کی شہادت پایۂ اعتبار سے ساقط نہ ہوگی، وہ بتصریح تمام لکھتا ہے کہ "انباط اسمٰعیلی عرب از نسل نبایوط ہیں"[1]، مورخینِ اسلام بھی اس رائے کے ساتھ ہیں مورخ طبری نے لکھا ہے:۔

---

[1] حوالہ آتا ہے۔

ومن نابت وقیدار نشر اللہ العرب (ج ۲ ص ۳۵۲ طبع یورپ) عرب کو نابت وقیدار کی نسل سے خدا نے پھیلایا۔

یاقوت حموی نے (لفظ عربہ کے تحت میں) ایک نئی بات لکھی ہے کہ "عرب ہر اس قوم کو نبط کہتے ہیں جو گلہ بان اور سپاہی نہ ہو" دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نبط نے عراق کے تاثر سے متمدن زندگی اختیار کر لی تھی اس لئے بادیہ نشینانِ عرب نے ہر بدوی قوم کو نبط کا مرادف سمجھا ہے۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان کا نسب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ "ہم کوثی (واقع عراق) کے نبط ہیں"۔ اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ وہ اسماعیلی قریشی عرب تھے، اس سے ثابت ہوگا کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں، جو عراق تک پھیلے ہوئے تھے۔

نابت کی بقیہ اولادیں خود اندرونِ ملک میں بھی تھیں اور متعدد وجوہ سے ہماری یہ رائے ہے کہ عرب شمالی کی وہ اکثر قومیں جو غلطی سے قحطانی کہلاتی ہیں وہ دراصل نابتی ہیں من جملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس و خزرج کے متعلق تو تصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں تفصیل آتی ہے۔

انباط کا عہد حکومت | انباط ایک مدت تک دیگر عرب قبائل کی طرح بحر احمر سے بحر فرات تک مستقل وادیوں میں بدویانہ زندگی کے ساتھ آوارہ پھرتے رہے، اس بدویت کا زمانہ ۲۰۰۰ ق م (عہد اسمٰعیلی) سے ۸۰۰ ق م تک قرار دیا جا سکتا ہے توراۃ نے نبایوط کا فرزندانِ اسمٰعیل کے ضمن میں ۲۰۰۰ ق م میں پہلی بار نام لیا ہے اور آخر" حزقیال نبی نے جو کم وبیش ۸۰۰ ق م تھے، نبایوط کا ذکر کیا ہے کہ "نبط (نبایوط) کی بھیڑیں نذر کی جائیں گی" (۶۰-۷) کتبات میں نبط کا نام اشور بانیپال شاہ اسیریا کے کتبہ میں تقریباً اسی عہد یعنی ۸۰۰ ق م میں نظر آتا ہے، وہ اپنے مفتوحین کی فہرست میں ناتان شاہِ نبط کا ذکر کرتا ہے، حزقیال کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبط اس وقت چوپانی کی بدوی زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن یہ اسیری کتبہ ایک نبطی حکومت کی تاریخ از روئے تاریخ یونانی و کتبات نبطی ۳۰۰ ق م سے پہلے روشن نظر نہیں آتی آخری تاریخ ۱۰۶ء ہے، جب کہ رومی حکومت اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔

انباط کا رقبہ حکومت | انباط کی حکومت کے حدود اولاً وہ قطعہ ملک تھا جس یونانی، عرب سنگستان (عربیا پٹرا) کہتے ہیں، اور عبرانی ادوم اور سعیر (سراۃ) یعنی خلیج عقبہ سے بحر میت تک ڈایڈروس (۳۰ء ق م) بیان کرتا ہے[۲] کہ انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں اسٹرابو ۲۴ء ایک ضمنی تذکرہ میں کہتا ہے[۳] کہ "اہل ادوم انباط ہیں" لیکن ادوم سے آگے بڑھ کر اب وہ عرب آباد ان پر بھی قابض ہو گئے تھے مصنف مذکور لکھتا ہے "اور اہل ادوم

[۱] تاریخ بابل اجرس امریکانی ج ۲ ص ۲۷۶ [۲] گولڈ مائنس آف مدین ص ۲۲۵ [۳] گولڈ مائنس آف مدین ص ۲۲۵

دسبائی جو شام کے اوپر واقع ہیں پہلی قوم ہیں جنھوں نے عرب آبادان (عربیا فلکس) پر قبضہ کیا ہے"۔ یوسیفوس جو پہلی صدی مسیحی میں تھا بیان کرتا ہے کہ اس عہد میں وہ عرب ریگستان (عربیا ڈزرٹا) تک پھیل گئے تھے، اس کے خاص الفاظ یہ ہیں:[1]

"ملک بحر احمر سے نہر فرات تک اسمٰعیل کے ۱۲ بیٹوں کے قبضہ میں ہے جن کے سبب سے اس کا نام ملک نباطینہ (Nabatena) پڑگیا ہے اس کی سرحد (مغرب میں) مصر اور عرب سنگستان Petraea سے مل گئی ہے اور بہت سے بیابانوں اور بلند و فراز زمینوں کو شامل ہے جو مشرق کی طرف خلیج فارس تک منتہی ہوتی ہے، عموماً اس ملک کے باشندوں کا نام نبایوط (Nebayoth) عرب ہے"۔

ان شہادتوں سے ظاہر ہوگا کہ انباط کا ملک مغرب میں بحر احمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا، اور اس کے درمیان کے تمام ممالک یعنی عرب سنگستان و عرب ریگستان و بعض قطعہ عرب آبادان پر قابض تھے لیکن اس طویل و عریض ملک میں انباط کی اصل آبادی خلیج عقبہ (ایلہ) کے اطراف میں تھی ڈایڈورس کا بیان ہے:[2]

"اوپر گذرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) (Laianites Gulf) میں داخل ہوگے جس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ نبط (Nabataeans) کہتے ہیں، یہ لوگ نہ صرف سواحل کے بڑے حصے پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں کیونکہ زمین آباد اور نہایت سرسبز ہے"

تخصیص کے ساتھ ملک انباط کے ۱۰ شہروں کے نام یوسیفوس[3] میں مذکور ہیں لیکن یونانی تلفظ نے عربی رنگ و روغن اُن کے چہروں سے بالکل اُتار دیا ہے، وہ شہر یہ ہیں، میدآبہ، نبالو، لیبیس، ثرالبسہ، اغالہ، اثرون صوئر، اوروں، مرلیبہ، روہ، لوسہ، عروبہ ان کے علاوہ رقیم (پٹرا) اور حجر مشہور شہر تھے۔

انباط کا دار الحکومت | انباط کا ملک جن حدود پر مشتمل تھا وہ درحقیقت تین قدیم ممالک کا مجموعہ تھا، ملک ثمود (وادی القریٰ) جس کا دار الحکومت حجر تھا، ملک مدین جس کا پایۂ تخت خود شہر مدین تھا، اور ملک ادوم جس کی حکومت کا مرکزی شہر رقیم (پٹرا) تھا، انباط کا پایۂ تخت پہلے شہر رقیم (پٹرا) تھا جہاں ان کے آثار اب تک باقی ہیں، لیکن پہلی صدی ق م میں جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کیا تو رفتہ رفتہ وہ پٹرا (رقیم) پر بھی قابض ہوگئے۔ اسٹرابو (۲۴ء) بیان کرتا ہے کہ "اب (۲۴ء) انباط اور شامی دونوں رومیوں کی رعایا ہیں"[4] اس مفتوحی سے مقصود پٹرا یعنی رقیم کی مفتوحی ہے، ورنہ نفس حکومت تو ۱۰۶ء تک باقی تھی، پٹرا (رقیم) سے ہٹ کر انباط نے اب حجر کو اپنا مرکز قرار دیا تھا جو ملک ثمود میں واقع تھا، اسی لئے قرآن مجید نے ان کو "اصحاب الحجر" کے نام سے یاد کیا ہے (تفصیل آگے آتی ہے)

---

[1] انٹی ۱۔۱۲ [2] گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۸۲ [3] انٹی کتاب ۴ اباب ۴ بند ۴ [4] گولڈ مائنس ص ۳۲۵

"حجر" جس صوبۂ ملک میں واقع ہے، عربوں کے ہاں اس کا نام وادی القریٰ ہے، اس کے لفظی معنی آبادیوں کی وادی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ میدان عہد قدیم میں نہایت کثرت سے آباد تھا، اس کی تصدیق اب معاصر مورخین کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے، ابھی ڈایڈورس کا بیان گذر چکا ہے کہ حدود ایلہ پر انباط کی بہت سی آبادیاں ہیں۔ . . . . . اور وہ نہایت کثرت سے آباد ہیں، اسٹرابو بھی انباط کی نہایت گنجان آبادی کا ذکر کرتا ہے[1]"

شاہان انباط اشوری کتبہ کی شہادت کی بنا پر گو شاہانِ نبط کا ابتدائی سلسلہ سنہ ۷۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے، جب کہ "ناتان" شاہ نبط، بادشاہ اسیریا، اشور بانیپال کی خدمت میں نذر پیش کرتا ہے[2] لیکن یونانی تاریخ اور موجودہ نبطی آثار اور سکے سنہ ۲۰۰ ق م سے پہلے کسی نبطی بادشاہ کا ذکر نہیں کرتے، اس کے اسباب بھی واضح ہیں، یونانیوں کو اس سے پہلے انباط سے سروکار نہ تھا، اور نہ خود انباط اس عہد سے پہلے متمدّن زندگی بسر کرتے تھے، بہرحال تاریخ و آثار نے اب تک جو انکشافِ حال کیا ہے اس کی اعانت سے اب تک ڈوسے (Dussaud) نام ایک فرنچ مستشرق نے بادشاہوں کے ناموں کی ایک فہرست طیار[3] کی ہے، یہ فہرست سنہ ۱۶۹ ق م سے شروع ہو کر سنہ ۱۰۶ء پر ختم ہو جاتی ہے، اس میں ایک نام "مالک اوّل" کا اضافہ ہم خود یوسیفوس[4] کے حوالے سے کرتے ہیں:۔

نام	مدتِ حکومت تقریباً
حارث اوّل،	سنہ ۱۶۹ ق م
زید بابل،	سنہ ۱۴۶ ق م
مالک اوّل،	سنہ ق م
حارث ثانی،	سنہ ۱۱۰ ق م ۔ سنہ ۹۶ ق م
عبادہ اوّل،	سنہ ۹۰ ق م
ربیال اوّل بن عبادہ اوّل	سنہ ۸۷ ق م
حارث ثالث بن ربیال	سنہ ۸۷ ق م ۔ سنہ ۶۲ ق م
عبادہ ثانی بن حارث ثالث	سنہ ۶۱ ق م ۔ سنہ ۴۷ ق م
مالک دوم بن عبادہ ثانی	سنہ ۴۷ ق م ۔ سنہ ۳۰ ق م
عبادہ ثالث بن مالک دوم	سنہ ۳۰ ق م ۔ سنہ ۹ ق م

[1] کتاب مذکور ص ۱۸۴ [2] تاریخ بابل و اشور از روجرس امریکانی ج ۲ ص ۲۷۶ [3] فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۹۰۴ء
[4] (؟)رت یہود، کتاب ۱۳، باب ۵ ہند

نام	مدت حکومت تقریباً
حارث رابع بن مالک دوم خلدو (خالدہ) زوجہ حارث شقیلہ زوجۂ حارث	۹ سنہ ق م ۴۰ سنہ عیسوی
مالک سوم بن حارث شقیلہ زوجہ مالک	۴۰ء - ۷۵ء
ربیال ثانی بن مالک ثانی جمیلہ زوجۂ ربیال	۷۵ء - ۱۰۱ء
مالک چہارم	۱۰۱ء - ۱۰۹ء

تمدنی حالات ہر شائستگی کی ابتدا عہد بداوت ہے، انباط کی ابتدائی زندگی عام قبائلِ عرب کی سادہ وغیر مصنوع زندگی تھی، جن کی دولت کا تنہا خزانہ مواشی تھے (حزقیال ۰، ۶۰) لیکن جب مغربی قوموں نے انھیں اپنے تمدن وشائستگی کے بل پر شکست دینا چاہا تو ان کو بھی مجبوراً تمدن بننا پڑا، مورخین یونان میں سے ڈائیڈورس (۶۰ سنہ ق م) اور اسٹرابو (۲۴ سنہ) نے انباط کے آدابِ معیشت وتمدن کو سب سے بہتر بیان کیا ہے، ڈائیڈورس کہتا ہے:-

وہ یعنی انباط کھلی ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں، اور ناقابل سکونت ہوا میں رہتے ہیں، ان کے ملک میں نہ کوئی دریا ہے اور نہ چشمہ جس سے حملہ آور دشمن فائدہ اٹھا سکیں، ان کا قومی آئین یہ ہے کہ وہ نہ غلہ کی زراعت کریں اور نہ درخت لگائیں، نہ شراب پئیں، اور نہ گھر بنائیں جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے اُس کو سزائے موت دی جاتی ہے۔

بعض لوگ اونٹ کے گوشت پر گذر کرتے ہیں، اور بعض بکری اور بھیڑ کے گوشت پر....... صحرا میں بہت سے قبائل رہتے ہیں لیکن دولت مند انباط سب سے زیادہ ہیں اور اپنے ہمسایوں میں ان کو امتیاز حاصل ہے، گو کہ ان کی تعداد دس ہزار آدمی سے زیادہ نہیں ہے، ان کا ملک پانی سے خالی ہے اپنے لئے پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کھود کر بناتے ہیں جن کا منہ باہر سے تنگ اور اندر چوڑا رہتا ہے، اور اُن کی لمبائی ۲۵۰ فیٹ تقریباً ہوتی ہے، ان حوضوں میں بارشوں کا پانی جمع کر کے اُن کو چھپا دیتے ہیں اور ان پر کوئی نشانی بنا دیتے ہیں، جب سفر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جانوروں کو تین روز کافی پلاتے ہیں، انباط گوشت، دودھ اور بعض جنگلی سبزی کھاتے ہیں...... جنگلی شہد (من) بھی ان کو ملتا ہے

جس کو پانی میں گھول کر پیتے ہیں، ان میں عرب کے غیر نبطی قبائل بھی شامل ہیں جن میں سے بعض شامیوں کے ساتھ گھروں میں رہنے کے علاوہ اور تمام عادات میں مماثل ہیں"[1]

یہی مصنف لکھتا ہے:۔

"آگے بڑھ کر تم خلیج ایلانہ (عقبہ) میں داخل ہو گے، جو اُن عربوں کے بہت سے گاؤں سے محدود ہے جن کو لوگ "بناطیہ" کہتے ہیں، یہ لوگ نہ صرف ساحلی مقامات کے بڑے حصے پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرونِ ملک میں بھی دور تک پھیلے ہیں، کیونکہ یہ زمین آباد اور نہایت شاداب ہے، زمانہ سابق میں اپنے قوانین انصاف کے مطابق اپنے گلوں اور جانوروں پر مطمئن رہ کر زندگی بسر کرتے تھے، لیکن جب اسکندریہ (مصر) کے (یونانی) بادشاہوں نے خلیج کو تجارت کے لئے سہاز راتی کے قابل بنایا تو ان نبطیوں نے شکستہ جہازوں کے ملاحوں کو جمع کیا اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر بحری ڈاکہ زنی کرنے لگے۔۔۔۔

۔۔۔۔ آخر کار ان پر۔۔۔۔ حملہ کیا گیا اور ان کے استحقاق کے مطابق ان کو سزا ملی"[2]

اسٹرابو (۲۴ سنہ) جو ڈایڈوروس کی طرح انباط کا معاصر تھا، ان کے متعلق دلچسپ واقعات بیان کرتا ہے:۔

"(شہر) پٹرا (رقیم) جو عمدہ قوانین رکھتا ہے، اس پر شاہی خاندان میں سے ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے، وزیر ہمیشہ اس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے، اسی لئے اس کو "بھائی" کہہ کر پکارتے ہیں، انباط کفایت شعارانہ ذخیرۂ ملکیت کے شائق ہیں، جماعت ان پر جرمانہ کرتی ہے جو اپنی دولت ضائع کرتے ہیں، اور جو اپنی دولت بڑھاتا ہے اس کو انعام دیتی ہے، انباط کے پاس غلام کم ہیں، اکثر اُن کی خدمت ان کے متعلقین کرتے ہیں، یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں، یا ہر شخص اپنا نوکر آپ ہوتا ہے، یہ طریقہ بادشاہوں تک میں جاری ہے جو جمہور کی رضامندی کے اس قدر آرزومند ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں، بادشاہ کو انتظام ملکی کے متعلق بیانات لوگوں کو دینے ہوتے ہیں اور وہ اکثر اپنے بادشاہ کے ذاتی حالات و عادات بھی دریافت کرتے رہتے ہیں۔

لوگ غیر سرکاری صحبتوں میں تیرہ تیرہ آدمی مل کر کھاتے ہیں، بادشاہ بھی لوگوں کو بڑی بڑی عمارتوں میں عام دعوتِ جشن دیتا ہے، مہمانوں کی ہر جماعت میں دو مغنی رہتے ہیں ہر مہمان کو گیارہ خام سے زیادہ شراب مینی ہوتی ہے، یہ جام سونے کے ہوتے ہیں۔

جُبّہ (یا کرتہ) پہننا یہ لوگ نہیں جانتے، کمر میں تہبند لپیٹتے ہیں، اور پاؤں میں چپل پہن کر چلتے ہیں شاہی

---

[1] فارسٹر ج ۱ ص ۲۲۶ [2] گولڈ مائنس ص ۱۸۳

پوشاک بھی اس قسم کی ہوتی ہے۔
مکانات عالی شان اور سنگین ہیں، آبادیوں میں شہر پناہیں نہیں ہوتیں، ملک کا بڑا حصہ سرسبز ہے تاہم وہاں زیتون نہیں..... (جانوروں کی پیداوار کا بیان ہے) گھوڑے نہیں ہوتے، ان کی بجائے اونٹ مصرف میں آتے ہیں، بعض اشیائے تجارت کی درآمد بھی یہاں ہے اور بعض چیزیں خود ملک میں ہوتی ہیں، جیسے سونا چاندی اور بہت سے خوشبو مسالے، لیکن لوہا، تانبا، ارغوانی کپڑے زعفران، عود، قسط، سنگتراشی، نقاشی اور تصویروں کی چیزیں مجسمے ملک میں نہیں پائے جاتے انباط مردوں کی لاش کھاد کے لئے بہتر سمجھتے ہیں، اسی لئے وہ بادشاہوں تک کی لاشوں کو بھی زمین میں دفن کرتے ہیں، مذہباً یہ سبائی دیوتا "آفتاب" کی پوجا کرتے ہیں، اور اس دیوتا کا ہیکل یا قربان گاہ مکانات کی چھتوں پر بناتے ہیں، اور اس پر شراب چڑھاتے ہیں اور اندر ہر روز بخور جلاتے ہیں [1]

سیاسی حالات انباط کو ہم سب سے پہلے ۶۴۷ ق م میں سیاسی میدان میں نظر آتے ہیں، اسیریا اور بنی قیدار (عرب) اور ان انباط کے مابین اس عہد میں جنگ برپا ہوتی ہے، بنی قیدار کا شیخ شکست کھا کر "انباط کی چھوٹی سی ریاست" میں پناہ لیتا ہے، پھر بنی قیدار اور انباط کی متحدہ فوج اسیریا کے مقابلے میں آتی ہے لیکن سوء قسمت سے ناتان شاہ انباط گرفتار ہو جاتا ہے [2]

بابل کے بعد ایران و یونان کی قوت دنیا کی تاریخ میں جلوہ گر ہوتی ہے، انباط جہاں آباد تھے، یہ وہ مقامات تھے جو اہلِ فارس اور یونان کی دائمی جنگ کے طبعی راستے تھے، اس بنا پر ہر دو فریق ان نبطی عربوں کی دوستی و ہمدردی کے طالب تھے، جن کی اعانت کے بغیر ان خشک و بے آب ریگستانوں کو طے کرنا ناممکن تھا۔

سکندر سے پہلے جو چوتھی صدی ق م کے اواسط میں تھا، عموماً اہلِ فارس کا پلہ یونانیوں سے بھاری تھا اس بنا پر شمالی عرب (جو اس عہد بنی لحیان میں تھے) میدانِ جنگ میں اہل فارس کے دوش بدوش تھے۔
۳۳۲ ق م میں سکندر نے ایرانیوں کو شکست فاش دی اور عراق سے لے کر مصر و شام تک اس کے فتوحات کا جولاں گاہ بن گیا، ہندوستان سے واپس آکر عرب کی فتح کا عزم تھا کہ وہ خود موت کے ہاتھ مفتوح تھا، سکندر کے بعد ممالک مفتوحہ سکندر کے مختلف سرداروں میں منقسم ہو گئے، بطلیموس نے مصر و شام پر قبضہ کیا، انٹی گونس نے ایشیائے کوچک لیا، سیلوکس نے بابل و فارس و ترکستان

[1] گولڈ مائنس ص ۲۲۸ [2] تاریخ بابل ج ۲ ص ۲۷۶، از راجرس

پر استیلاء حاصل کیا، یہ تینوں بادشاہیاں بیچ میں حدودِ عرب پر آکر ملتی تھیں، انٹی گونس ایک بلند حوصلہ بہادر تھا اس سے اپنی قسمت پر قناعت نہ ہو سکی، سب سے زرخیز اور قریب تر شام کا ملک تھا، اس نے شام پر حملہ کرنا چاہا لیکن درمیان میں نبطی عرب حائل تھے، اُن کو اپنا شریک بنانا منظور تھا، لیکن وہ بطلیموس کے طرفدار پہلے ہی بن چکے تھے، نتیجہ جنگ و محاربہ تک پہنچ گیا۔

انٹی گونس نے ۳۱۲ ق م میں اپنے ایک سردار (Athenaeus) اتھنیاؤس کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی، جس نے گو بیخبری میں رقیم (پیٹرا) کو برباد کر دیا، لیکن اس کا ایک سپاہی بھی دشمنوں کے ہاتھ سے بچ کر واپس نہ آیا، ناچار انٹی گونس نے خود اپنے بیٹے ڈیمیٹریوس Demmetrius کے زیرِ قیادت ایک دوسری جمعیت روانہ کی، بے سروسامان نبطی عرب میدان میں مقابلہ نہ کر سکے اور قلعہ بند ہو گئے یونانیوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اس قید سے تنگ آ کر ایک دن ایک نبطی عرب نے ڈیمیٹریوس کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

"اے بادشاہ ڈیمیٹریوس! تم کس غرض سے اور کس کے حکم سے مجھ سے لڑتے ہو؟ ہم صحرا میں رہتے ہیں جہاں پانی ہے، نہ غلہ ہے، نہ شراب ہے، نہ اور ضرورت کی کوئی چیز ہے، ہم نے صرف اپنی آزادی کی خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اس حیوانی زندگی پر قناعت کی ہے، تمھیں ہم نے ستایا نہیں، تم ہمیں کیوں ستاتے ہو؟ ہمیں اپنا دوست سمجھو، ورنہ یاد رکھو کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن تک نہیں ٹھہر سکتے، تم کو پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہوگی، اور تم ہم کو اپنے طرزِ زندگی کے بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتے، اگر تم نے قلعہ پر قبضہ بھی پا لیا، تو تڑپتی لاشوں اور چند غمزدہ قیدیوں کے سوا جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے، تم کچھ نہیں پاؤ گے"۔

ڈیمیٹریوس اس گفتگو سے بے حد متاثر ہوا، اور صلح قبول کر لی، اس اچانک حملہ نے ان نبطی عربوں کو ایک منتظم سیاسی جمعیت کے قالب میں بدل جانے پر مجبور کر دیا، چنانچہ اس انقلاب نے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی کہ یونانِ عظمیٰ، رومۃ الکبریٰ اور خاندانِ اسرائیل کی گردنیں بھی اس کے آگے کبھی کبھی جھک جاتی تھیں۔

آگے کے واقعات سمجھنے کے لئے یونان و روم اور یہود کی تاریخ کے بھی چند فقرے پڑھ لینے چاہئیں۔
انٹی گونس کی حوصلہ مندی کو اس شکست سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا، اس نے رفتہ رفتہ بطلیموس سے شام اور سلوکیوس سے بابل (عراق) لڑ کر چھین لیا، ناچار سلوکیوس اور بطلیموس دونوں نے متحدہ طاقت سے

۳۰۱ ق م میں انٹی گونس کی مملکت مقبوضہ کے حصے بخرے کرکے آپس میں بانٹ لئے اس تقسیم کی رو سے شام سلوکیوس کو اور مصر وقبرص بطلیموس کو ملا، مورخین عرب خاندان سلوکیوس کو "سلوقیین" اور خانوادہ بطلیموسی کو بطالسہ یا بطالمہ (جمع بطلیموس) کہتے ہیں، سلوقیین اور بطالمہ نے ان ممالک پر ایک مدت تک حکومت کی۔

شام میں بنی اسرائیل کی پہلی حکومت کو شاہان بابل نے برباد کیا، بابل پر فارس کی حکومت نے جب غلبہ حاصل کیا، تو ان کو ۵۵۰ ق م میں، پھر آزادی نصیب ہوئی، اور فارس کے زیر اقتدار بنی اسرائیل کے ایک خاندان یہودہ نے جس سے یہودیہ کی بنیاد پڑتی ہے، ایک نیم آزاد حکومت پھر قائم کی لیکن ۳۳۳ ق م میں اسکندر نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد مملکت یہودیہ (یروشلم یعنی بیت المقدس) بطلیموس انٹی گونس اور آخراً سلوقیین کی ماتحت ہو کر فنا ہو گئی، دوسری صدی ق م میں جب یونانیوں کی پیرسال قوتیں، نوجوان رومی خون سے ہر جگہ شکست کھا کر اس کے لئے جگہ خالی کر رہی تھیں، یہود کی ابدی الموت زندگی نے آخری بار بدن کو جنبش دی اور مکابیین کے نام سے رومیوں کے بل پر ۱۶۸ ق م میں ایک حکومت یہودیہ میں قائم ہوئی۔

مکابیین اولاً مذہبی کاہن کی حیثیت رکھتے تھے لیکن آخراً، بادشاہ بن بیٹھے، حصول تخت کے لئے ہمیشہ اس خاندان کے ارکان باہم نبرد آزما رہے، رومی آہستہ آہستہ ان کی آزادی سلب کرتے جاتے تھے، پہلے یہود سے ادوم میں حکومت منتقل کر دی، اور اس کے بعد پامپی رومی نے ۴۴ء میں ہمیشہ کے لئے اس تماشا گاہ پر پردہ ڈال دیا۔[1]

یہ تاریخ تمام تر نبطی عربوں سے گونا گوں تعلق رکھتی ہے، ملک یہودیہ۔ نباطیہ سے ہم سرحد تھا، دونوں صوبوں میں تقریباً ایک ہی قسم کے سیاسی حالات رونما ہوتے تھے۔

سلوقی خاندان ابھی صرف سو برس شام پر حکومت کرنے پایا تھا کہ ۱۶۶ ق م میں یہودا مکابی بانی خاندان یہودہ نے بغاوت کی، یہود خود عرب گئے اور نبطی عربوں سے شرکت و اعانت کی درخواست کی کہ ہم لوگ متحدہ طاقت سے ان بیرونی قوموں کو نکال دیں (مقدج ۲، کتاب ۶۲، باب ۸، فقرہ ۳) سلوقیوں نے جب یہ دیکھا تو انھوں نے بھی ان عربوں کی طرف ہاتھ پھیلایا (فقرہ ۴) اس وقت غالباً جارث اول

---

[1] مکابیین اور بنو ادوم میں سے حسب ذیل اشخاص یہودیہ کی ریاست پر ممتاز ہوئے۔ ۱۔ یہودا مکابی بانی خاندان۔ ۲۔ یاناتان مکابی ۳۔ سمول مکابی ۴۔ یحی ہرکینوس مکابی ۵۔ مکندر مکابی اول۔ ۶۔ ارسٹو بولوس مکابی، اسکندر مکابی دوم ۷۔ ہر کینوس دوم، اس کے بعد رومیوں نے انٹی پیڑ ادومی کو یہ ریاست عطا کی، اس کے بعد ہیرڈو ادومی رئیس یہودیہ مقرر ہوا، بعد ازیں ریاست کو ۳ ٹکڑے کرکے اگرپا ادومی کو رئیس اعظم بنایا، اگرپا کے بعد یہ مستقل رومی صوبہ بن گیا۔

انباط کا بادشاہ تھا جس کا زمانہ ۱۶۹ سنہ ق م ہے[1]

زید بابل نبطی کے عہد میں سکندر سلوقی اور ڈمیتریوس سلوقی کے مابین دعوائے تخت کی بناپر منازعت پیدا ہوئی، ڈیمتریوس کے طرف انباط تھے اور یہود سکندر کے حامی تھے سکندر نے شکست فاش کھائی، اس وقت عرب کی آزاد زمین کے سوا اس کو کوئی مامن نظر نہ آیا لیکن درحقیقت اس کی روح اس وقت حقیقی مامن کی تلاش میں نکلی تھی، زید بابل نے سکندر کا سر کاٹ کر بطلیموس کے پاس بھیج دیا (قد ج ۲، ص ۱۳۷، ۴، ۸۱)۔

زید بابل کے بعد، مالک اول تخت نشین ہوا۔ اسکندر سلوقی کا بیٹا انطیاخوس اسی معرکہ میں انباط کے ہاں قید ہو کر پرورش پارہا تھا، یونانیوں نے جو سکندر کے طرفدار تھے، مالک سے درخواست کی کہ انطیاخوس کو باپ کی جگہ حکومت کے لئے آزاد کیا جائے، شدید اصرار کے بعد مالک نے یہ درخواست قبول کی (قد ج ۲، ۱۳، ۵، ۱)۔

یونانیوں کی اس خانگی منازعت نے، یہود و انباط میں کشمکش پیدا کردی یاناتان مکابی رئیس یہودیہ جس کی قوت یونانیوں کے ضعف سے نشوونما پارہی تھی، اس نے اچانک نبطیوں پر حملہ کیا اور ان کو نقصان پہنچایا (قد، ج ۲، ۱۳، ۵، ۱)

حارث دوم کے زمانہ میں یونانیوں نے غزہ کے یہودیوں پر حملہ کیا، حارث جو اس وقت انباط کی قوت کا مالک تھا، اپنے عہد کا ممتاز بادشاہ تھا، اس نے یونانیوں سے اعانت کا وعدہ کیا لیکن اس سے پہلے کہ عربوں کی کمک پہنچے یونانی خود خانگی منازعات میں مبتلا ہوگئے (قد، ج ۲، ۱۳، ۱۳، ۳)

حارث دوم کے بعد عبادہ اول مملکت انباط پر تخت نشین ہوا، اس کے عہد میں اسکندر مکابی جو یہودیہ کا ایک مجنون رئیس تھا، انباط پر حملہ آور ہوا، اور گو جنگ میں وہ نبطیوں کے ہاتھ سے بمشکل جانبر ہوسکا، تاہم صوبہ موآب اور جلعاد کے ۱۲ شہر، ان سے چھین لے گیا (۱۳، ۱۳، ۵، نیز ۱۴، ۱، ۴) لیکن یہود اس فتح سے خوش نہ ہوئے اور انھوں نے سکندر کو مجبور کیا کہ وہ موآب و جلعاد کے صوبے عربوں کو واپس کردے کہ وہ دشمنوں کے شریک نہ بن سکیں (۱۳، ۱۴، ۲)

حارث سوم (۸۵ سنہ تا ۶۲ سنہ ق م) حکومت انباط کا سلطان اعظم ہے، انطیاخوس ڈیانیسوس سلوقی اس وقت ملک عرب پر حملہ آور تھا، حارث کی فوج، خالص عرب شجاعت کے ساتھ یونانیوں کے مقابل تھی، پہلے حملہ میں وہ پسپا ہو رہی تھی کہ دفعۃً حارث دس ہزار سواروں کے ساتھ میدان جنگ میں نمودار ہوا، انطیاخوس

[1] یہ تمام واقعات تاریخ یوسیفوس سے التقاط کئے گئے ہیں، ہر واقعہ کا کتاب باب فقرہ کی تقسیم سے حوالہ دیا گیا ہے یوسیفوس کی تاریخ اسی ترتیب پر منقسم ہے، قد (قدامت یہود) کے حصہ کی طرف اشارہ ہے۔

بہادری سے لڑتا رہا اور عین اس وقت جب کہ جلوۂ فتح اس کے سامنے تھا، لڑائی میں کام آیا، اس کے مرنے کے ساتھ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، حارث کے لئے اب یہاں سے دمشق تک جو سلجوقیوں کا پایۂ تخت تھا، کوئی روک نہ تھی اور خود بطلیموس وسلوقی خاندان باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے، چنانچہ خود اہلِ دمشق کی دعوت پر حارث دمشق پہنچا اور سکندرِ اعظم کے جانشینوں (سلوکیوس) کا تخت اس کے پاؤں کے نیچے تھا (۱۳، ۵، ۱)

پہلی صدی ق م کے اواسط میں اسکندر مکابی کے دو بیٹوں میں تختِ یہودیہ کے لئے منازعت ہوئی ایک نے بھاگ کر حارث کے دامن میں پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ تخت نشین کر دیا گیا تو جن ۱۲ نبطی شہروں پر اس کا باپ قابض ہو گیا تھا، وہ واپس کر دیگا[۱] حارث پچاس ہزار سپاہ کے ساتھ رقیم (پٹرا) سے نکلا، یہودیوں نے میدان میں شکست کھائی اور یروشلم میں قلعہ بند ہو گئے، حارث یروشلم کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا کہ نوشباب رومیوں کی فوج نمودار ہوئی جس نے ۳۰۰ ٹالنٹ (۲۵ لاکھ روپے) پر یہودیوں سے یہ جنگ خرید لی ناچار حارث کو پیچھے ہٹ آنا پڑا[۲] لیکن رومیوں نے پیچھا نچھوڑا، خود پامپی اور اس کے سپہ سالار، سکاروس (Scaurus) نے پہلی صدی ق م کے اوسط میں بار بار رقیم (پٹرا) پر حملہ کیا لیکن راستہ کی دشوار گذاری ہمیشہ انباط کے لئے قلعہ ثابت ہوتی رہی، ناچار سکاروس نے اِدھر اُدھر شہروں کو جلانا اور برباد کرنا شروع کر دیا، آخر ۳۰۰ ٹالنٹ یعنی تقریباً ۲۰ لاکھ روپے ایک ادومی سردار انٹی پیٹر کی دلالی سے اپنے وحشیانہ اعمال کی قیمت لے کر واپس پھر گیا[۳]

یہ واپسی رومیوں کے تخیل میں عظیم الشان فتح تھی، اس کی یادگار میں ایک سکہ جاری کیا گیا، جس میں دکھایا گیا کہ حارث سرنگوں ایک ہاتھ میں اونٹ کی مہار اور دوسرے میں ایک خوشبودار درخت کی ٹہنی (جو ملک عرب سے شاید عبارت ہے) لئے کھڑا ہے[۴] سکاروس کے بعد گلینوس (Gallinus) اس کی جگہ پر آیا، اس نے یہودیہ رومیوں کی خیر خواہی کے معاوضہ میں انٹی پٹر ادومی کے حوالہ کیا، اور خود انباط کی فتح کے ارادہ سے نکلا، اور کہتے ہیں کہ میدان میں غالب آیا[۵]

عبادۂ ثانی کے عہد کا کوئی واقعہ نہیں معلوم۔

مالک ثانی (۴۷ تا ۳۰ ق م) کا زمانہ بعض حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ ہے انٹی پیٹر مر چکا تھا اور اس کی بجائے ہیرود، یہودیہ کا رئیس تھا، روم میں سیزر اعظم (قیصر) کے قتل کا واقعہ پیش تھا، اور انٹونی اپنے حریف (قاتلین قیصر) پر غالب آرہا تھا، مصر میں خاندان بطلیموس کی آخری شہزادی کلیوپیٹرا

---

[۱] قدیم ج ۲ - ۱۴، ۱، ۴ [۲] بحوالہ سابق باب ۲، فقرہ ۱ و ۲ [۳] قد، کتاب ۱۴، باب ۳ فقرہ ۸ ۴ [۴] قد، کتاب ۱۴ باب ۵ فقرہ ۱ و محاربات کتاب ۱ باب ۵ فقرہ ۱ [۵] برٹانیکا طبع یازدہم ج ۱۴ ص ۳۰۵

تخت نشین تھی، ہیروڈ روپیوں کی تھیلی دے کر رومیوں سے "بادشاہ یہود" کا لقب خریدنا چاہتا تھا اور اسی ضرورت سے مالک کے پاس جانا چاہا کہ اس سے کچھ رقم، بطور قرض یا دوستانہ حاصل کرے لیکن مالک نے ملک سے انکار کر دیا کہ فارس کی ہمسایہ حکومت اس تعلق کو پسند نہیں کرتی، ہیروڈ رنجیدہ ہو کر روم چلا گیا[1] لیکن عرب جن کی ضرورت ہر قدم پر ہمسایہ حکومت اس تعلق کو پسند نہیں کرتی، ان سے کب تک اعراض ہو سکتا تھا، چنانچہ چند ہی روز کے بعد ایک فوج کشی میں پانی کے لئے نبطی عربوں کی اعانت کی حاجت محسوس ہوئی[2] روم سے چل کر انٹونی اب مصر و شام کا فرمانروا تھا، عرب گو میدان میں مفتوح نہیں ہوئے تھے، تاہم رومیوں کی سیاسی فوقیت کو تسلیم کرتے تھے، انٹونی سب کچھ جو اس کا تھا کلیوپٹرا کو نذر کر چکا تھا، وہی ان ممالک سے خراج وصول کرتی تھی، یہودیہ اس کے لئے طیار تھا لیکن عرب نبط اس محکومی کے لئے طیار نہ تھے، شاہ یہود کے توسط کے بعد بھی مالک خراج دینے پر آمادہ نہ ہوا آخر الامر یہود نے رومیوں کی محبت اور کلیوپٹرا کی تازیر داری میں عربوں پر حملہ شروع کیا، بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں جن میں طرفین سے ہزاروں آدمی کام آئے، اور یہودی مورخ یوسیفوس کے بیان کے مطابق اکثر عربوں کو شکست ہوتی رہی[3]

عبادۃ ثالث (۳۰ سنہ تا ۹ سنہ ق م) گو ایک سب طبع اور ناکارہ تھا، لیکن اس کا وزیر نہایت ہوشمند اور چالاک تھا، یونانی تلفظ میں اس کا نام سیالوکس (Syllaeus) مذکور ہے (اصل شاید سائل یا سیکل ہو) سالیوس ہمیشہ اپنی دانشمندانہ سازشوں سے، یہودیوں اور رومیوں دونوں کو زک دیتا رہا[4] ۱۸ سنہ ق م میں رومیوں کو جو فتح عرب کے خواب دیکھ رہے تھے، عرب کے پے آب صحراؤں میں جس طرح ان کی ہمت کو شکست دے کر واپس پھرا لیا، وہ اب تک ہر آدمی اور یورپین مورخ کے قلم کے لئے سرمایۂ غم و ندامت ہے، واقعہ کی تفصیل "حمیر" کے ذکر میں اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

حارث رابع (۹ سنہ ق م تا ۴۰ سنہ) حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاصر تھا اس کا پہلا نام انیس تھا، عبادہ کی وفات کے بعد جب یہ بادشاہ ہوا تو اپنے لئے شاہی نام حارث اختیار کیا۔

ہیروڈ شاہ یہودیہ حارث کا داماد تھا، یہ شخص نہایت بدکار اور ستم دوست تھا، اپنے بھائی کے مرنے پر اس نے بھاوج سے جو اس کی علاتی بھتیجی تھی، دوسری شادی کر لی، حضرت یحییٰ[1] ان دنوں پند و موعظت کے پیغمبرانہ اثر سے قلوب کو مسخر کر رہے تھے، ان کی محبوبیت یہودیہ میں جتنی ترقی کرتی جاتی تھی ہیروڈ اسی قدر کانپتا جاتا تھا، حضرت یحییٰ نے ہیروڈ کو اس شادی پر ملامت کی، خون آشام بادشاہ سے

۱؎ قد ۱۴، ۱۴ / ۱۷، ۱۰۱۴، ۱۱ ۲؎ قد ۱۵، باب ۱۴، ۵، ۶ ۳؎ قد ۱۵، باب ۱۴، ۵، ۶ ۴؎ قد ۱۶، ۷، ۶، باب ۹ ص ۱۱، ۲۲

ضبط نہ ہوسکا، حضرت یحییٰؑ کا سر کاٹ کر، دوسری بیوی کے نذر کیا۔

ہیروڈ کی پہلی بیوی باپ کے پاس عرب چلی گئی، حارث اپنی اس خاندانی اہانت پر غصہ سے بیتاب ہو گیا، فوراً یہودیہ پر فوج کشی کی طیاری کر دی اور اس زور و شور سے حملہ آور ہوا کہ ہیروڈ تاب نہ لا سکا، اور سخت ہزیمت اٹھا کر واپس آیا، یہودی معتقد تھے کہ یہ شکست حضرت یحییٰؑ کے قتل کا پاداش عمل[1] تھا، حارث سیدھا دمشق پر قابض ہو گیا، رومی ہیروڈ کی مدد کے لئے آئے، لیکن اتفاقاً اسی اثنا میں (۳۷ء) میں خود قیصر مر گیا، حارث کئی برس تک دمشق پر قابض رہا، پولوس (سینٹ پال) موجودہ عیسائیت کا بانی اسی حارث کے ہاتھ میں قید ہوا تھا، آخر ڈوری لٹکا کر اس کے سہارے قید خانہ سے نکل کر بھاگا[2]۔

حارث کے بعد دولتِ انباط رومی اقتدار کے پردے میں بالکل چھپ گئی، گویا حارث کا وجود اس چراغ کا آخری سنبھالا تھا، گو بجھنے کے بعد بھی چراغ کا دھواں ۱۰۶ء تک نظر آتا رہا۔

انباط کے ہٹنے کے بعد بہت سے عرب قبائل اندرون ملک سے خالی جگہ کو بھرنے کے لئے نکل آئے جن میں زیادہ مشہور آل غسان ہیں، جو انباط کے ہم نسب تھے۔

تقریباً ۵۰۲ برس کے بعد جب اسلام آیا تب بھی انباط دنیا سے معدوم نہ تھے، ملک شام میں ان کا پیشہ غلہ اور روغن فروشی رہ گیا تھا[3] اوپر کے شہر تدمر، معان، بُصریٰ وغیرہ آل غسان کے ہاتھ میں اور حِجر، تیماء، خیبر وغیرہ جو نبطیوں کے گھر اور قلعے تھے، ان سب پر یہود قابض[4] تھے نبطیوں کی بقیہ آبادی قومی حیثیت کھو کر یہودیوں، یونانیوں اور رومیوں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ عہد اسلام میں ان اطراف میں جب عرب پھیلے تو کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکا، عربوں نے ہمیشہ ان کو ایک اجنبی قوم سمجھا اور یہ خود بھی اپنے کو نبطی کہتے تھے، ان ہی میں سے حسّان نبطی ہے جو ہشام بن عبد الملک کا ایک درباری تھا[5]۔

اصحاب الحجر اس عظیم الشان قوم کا عروج و زوال، حیات و موت، زندگی و فنا، ہم قوم عرب کے لئے کس درجہ سبق آموز ہو سکتی تھی، تعجب ہوتا اگر قرآن مجید اس عبرتناک تاریخ سے خالی ہوتا۔

تم نے اوپر پڑھا ہے کہ انباط کے مرکز حکومت دو تھے، رقیم (پٹرا) متصل شام اور حجر (اجرا) اندرون عرب قرآن مجید نے ان کو اسی قریب تر شہر کے مالک کہہ کر ان کو پکارا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ	اہل حجر نے پیغمبروں کو جھٹلایا (یعنی گذشتہ اور معاصر پیغمبروں
لَقَدْ اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝	کی ہدایات قبول نہ کیں) ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں

[1] حارث و ہیروڈ کے تمام واقعہ کے لئے، قد، ۱۸، ۵ پڑھو [2] نامہ پال ۲ بنام قرنیتوں ۱۲، ۳۲ [3] زرقانی بر مواہب لدنیہ ج ۳ اور صحیح بخاری غزوہ تبوک [4] معجم یاقوت میں ان شہروں کے حالات پڑھو [5] ابن خلکان ذکر خالد القسری

وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۝ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝
(حجر)

ان سے منہ پھیر لیا، یہ پہاڑوں کو کاٹ کر مکانات بناتے تھے، جن میں امن و آرام کے ساتھ رہتے تھے، ان کو عذاب نے صبح کرتے ہوئے لے لیا، پھر ان کے کارناموں نے ان کو کوئی فائدہ نہ بخشا۔

تمام مفسرین نے "اصحاب الحجر" سے ثمود مراد لیا ہے، اس میں شک نہیں کہ ثمود کا دارالحکومت بھی کبھی یہی شہر تھا، لیکن قرآن مجید کا عام طرز ادا بتاتا ہے کہ اصحاب الحجر سے ثمود کے علاوہ، ان کے بعد کی آبادی مراد ہے۔ قرآن مجید نے ثمود کا ۲۶ جگہ ذکر کیا ہے، لیکن ہر جگہ اُن کا نام لیا ہے، اس اجمال کے ساتھ یعنی "حجر والے" کہہ کر کہیں نہیں بیان کیا ہے، ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے، ثمود کی تعمیر و سنگتراشی کا قرآن مجید میں جہاں ذکر ہے، وہاں مقام کا نام بھی بتا دیا ہے، یعنی وادی القریٰ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۔ ثمود جنہوں نے وادی القرآن میں پتھر تراشے، یہاں "حجر والے" کہہ کر ان کی تعمیر و سنگتراشی کا ذکر کیا ہے، اس سے اشارہ یہ ہے کہ ان کی سنگی عمارتیں حجر میں واقع تھیں، ان کے نشان اور آثار اب تک موجود ہیں، ان پر جو کتبات منقوش ہیں ان میں بانی اپنا نام "نبطیو" بتاتے ہیں جس کو ہر نبطی خط و زبان کا عالم ہر وقت پڑھ کر تصدیق کر سکتا ہے اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اصحاب الحجر ان ہی انباط کا لقب تھا، صحیح بخاری اور احادیث و سیر کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو تشریف لے جاتے ہوئے مقام حجر سے گذرے تھے، اس موقع پر بھی اکثر روایتوں میں ثمود کا نام نہیں، یہ فقرہ مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسھم الا ان تکونوا باکین ان یصیبکم مثل ما اصابھم ان اپنی جان پر آپ ظلم کرنے والوں کے گھروں میں روتے ہوئے چلو، ایسا نہ ہو کہ جو مصیبت ان پر آئی ہے تم پر بھی آئے، یہ روایت امام بخاری نے باب غزوۂ تبوک تفسیر سورۂ حجر اور ثمود کے ذکر میں درج کی ہے، اس میں ثمود کا مطلق نام نہیں، ایک روایت میں یہی حدیث بزیادتِ الفاظ اس طرح مروی ہے ان الناس مع رسول اللہ نزلوا ارض ثمود الحجر، اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حجر ثمود کا ملک بھی تھا، اور اُس سے ہم کو انکار نہیں۔

"اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کم از کم ۱۶۰ء ق م سے ۱۶۰ء تک انباط ان مقامات پر قابض تھے اب ڈایڈورس اور پلینی کی شہادتوں کو باہم پیش نظر رکھو، ڈایڈورس ۶۰ء ق م کہتا ہے۔

"اوپر گذرتے ہوئے تم خلیج ایلہ (عقبہ) میں داخل ہو گئے، جس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ "نبط" کہتے ہیں وہ صرف سواحل کے بڑے حصہ پر بلکہ اندرون ملک میں بھی دور تک

پھیل گئے ہیں[1]۔"

مورخ پلینی (۷۹ء) اسی خلیج ایلہ کے ذکر میں کہتا ہے:۔

"خلیج کے اندرونی گوشہ میں جہاں ایلانی لوگ بستے ہیں، جن کے سبب سے اس خلیج کا نام ایلہ ہوا (یہ تحقیق بالکل غلط ہے، واقعہ برعکس ہے یعنی خلیج ایلہ کی سکونت کے سبب سے ان کو ایلی کہتے ہیں) اور جو اگرا (حجر) اپنے شاہی شہر میں بھی رہتے ہیں[1]۔"

ان دونوں شہادتوں کی تطبیق سے تاریخی طور سے بھی ظاہر ہوگا کہ "حجر" کے باشندے اس عہد میں انباط تھے، اور قرآن مجید کی نص عبارت سے جس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک شاہی دارالحکومت ہوگا، یونانی تاریخ جو خود انباط کے عہد وجود میں لکھی گئی ہے اس کی تصدیق کرتی ہے۔

قرآن مجید نے ان کی سنگی عمارتوں کا ذکر کیا ہے، گو ان کے آثار اب تک رقیم، حجر، تیماء اور علاء وغیرہ میں موجود ہیں، لیکن انباط کی معاصر تاریخ بھی اس کے ثبوت سے خالی نہیں، اسٹرابو لکھتا ہے:۔

"ان کے مکانات عالی شان اور پتھر کے ہوتے ہیں۔" (طلائے مدین ص ۲۲۸)

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے ان عمارتوں کو تیسری چوتھی صدی میں دیکھا تھا اصطخری بیان کرتا ہے،

الحجر قریۃ صغیرۃ قلیل السکان وھو من وادی القری علی یوم بین جبال وبھا کانت منازل ثمود، ورأیت تلک المساکن مثل بیوتنا فی اضعاف جبال (یاقوت "الحجر")

حجر، وادی القری سے ایک دن کی راہ پر، پہاڑوں کے بیچ میں ایک کم آباد گاؤں ہے، یہیں ثمود کے گھر تھے ہم نے اپنے گھروں کے برابر ان گھروں کو پہاڑوں کے سلسلوں میں دیکھا۔

حجر میں اب تک یہ عمارتیں موجود ہیں، ان میں اکثر مقبرے ہیں، جو پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں، ان عمارتوں پر نبطی خط اور آرامی زبان میں مذہبی کتبے ہیں، ان میں انباط کے بتوں کے نام بھی مذکور ہیں جن میں قیس ذوالشرای، مناۃ، مشہور دیوتا ہیں، موجودہ عمارات میں ایک عمارت "قصر البنت" کے نام سے مشہور ہے[2]۔

۱؎ دیکھو فصل "انباط کا رقبہ حکومت" ۲؎ طلائے مدین یعنی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۲ ۳؎ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مضمون "عرب"

آلِ غسّان

نابت بن اسماعیلؑ کی ایک اور شاخ

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ

انباط کے مٹنے کے بعد حدودِ شام میں ایک اور عرب خاندان نے ظہور کیا جس کو عموماً آلِ غسّان یا غسانیہ اور کبھی بانی خاندان کے نام سے آل جفنہ کہتے ہیں۔

آل غسان کا نسب | عام علمائے انساب کی تشریح کی بنا پر آلِ غسان قحطانی سبا کے خاندان کہلان سے تھے کہلان کے سالار خاندان عمرو مزیقیا کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ سدِ عرم ٹوٹیگا اور سبا برباد ہو جائیں گے، اس لئے وہ یمن سے نکل کر حجاز کی راہ سے شام آیا، بعض حجاز و تہامہ میں رہ گئے اور وہ اوس و خزرج وغیرہ ہیں اور بقیہ حصہ شام و عراق چلا گیا، لیکن اصولِ تحقیق کی رُو سے یہ تمامتر افسانہ ہے، گذشتہ ابواب میں قحطانی و اسماعیلی خاندانوں کی تشخیص و تمیز کی اتنی علامتیں بیان کی جاچکی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے بآسانی دونوں سلسلوں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے جس سے کلبی اور ابن ہشام (علمائے انساب) کے اکاذیب کا انبار دفعۃً جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔

(۱) سبا و حمیر کے بیان میں قحطانی اور انباط کی فہرست میں اسماعیلی ناموں کی طویل فہرست گذر چکی ہے آلِ غسان کے ناموں کو دونوں کے درمیان رکھ کر دیکھ لو، تم فوراً کہہ دو گے کہ یہ یقیناً اسماعیلی تھے اور اسماعیلو میں بھی نابتی۔

(۲) آلِ غسان کی زبان اور خطِ تحریر دونوں اسماعیلی ہیں، زبان، شمالی عربی زبان ہے اور خطِ تحریر نبطی ہے، اگر یہ قحطانی خاندان ہوتا تو زبان وخط دونوں حمیری ہوتے۔

(۳) خود عرب مورخین کی شہادت ہے کہ آل جفنہ پہلے تہامہ میں نہر غسان کے پاس آباد تھے، اور اسی لئے ان کو غسانی کہتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ تہامہ خاص اسماعیلی عربوں کا مرکز تھا، عربوں کے علاوہ یونانیوں نے بھی دوسری صدی عیسوی کے وسط میں تہامہ اور سواحلِ بحر احمر پر ان کی سکونت بیان کی ہے۔

(۴) یہ وہ دلائل ہیں جو مستشرقینِ یورپ اس موضوع کے متعلق پیش کرتے ہیں، لیکن ہم اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کرتے ہیں ابوطاہر مقدسی مصنف کتاب البدء والاخبار جو ایک قدیم مصنف ہے، ایک

موقع پر لکھتا ہے:-

وقال المنذر بن حرام جد حسان بن ثابت بن المنذر فی الجاھلیۃ العمیاء یذکر نسبہم الی غسان ثم الی نابت بن مالک ثم الی نابت بن اسماعیل بن ابراھیم۔	حسان بن ثابت دادا منذر بن حرام جو خالص زمانہ جاہلیت میں تھا ان کا (اوس و خزرج کا) نسب غسان تک اور غسان سے نابت بن مالک تک اور نابت بن مالک سے نابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) تک پہنچاتا ہے۔

ورثنا من البہا ول عمرو بن عامر وحارثۃ الغطریف مجد امؤ ثلا

موارث من ابناء نبت بن مالک و نبت بن اسماعیل ما ان تحولا

شاعر خود غسانیوں کا ہم نسب ہونا ظاہر کرتا ہے اور خود غسانیوں کے زمانۂ وجود میں یہ قصیدہ لکھا گیا اس بنا پر آلِ غسان کے متعلق اس سے موثق تر شہادت نہیں مل سکتی، اگر یہ شعر غلط بھی ہوں تب بھی کم ازکم اتنا تو بے شبہ ثابت ہوگا کہ ابتدائی صدیوں میں غسانیوں کا نابت بن اسماعیل کی نسل سے ہونا زیر بحث تھا

آخری فیصلہ کے لئے ہم قحطانی، حمیری اور اسمٰعیلی نبطی بادشاہوں کے نام غسانیوں کے پہلو بہ پہلو لکھتے ہیں، اس مقابلہ سے قومیت کا راز خود بخود فاش ہوجاتا ہے۔

قحطانی	غسانی	اسمٰعیلی نبطی
فرع	جفنہ	حارثِ اوّل
ذمر علی بتین	تعلبہ	زید ایل
الیشرح یحیل	حارث اوّل	حارث دوم
کرب ایل وتار	جبلہ اوّل و دوم	عبادۂ اوّل
یاسر انعم	حارث دوم	حارث سوم
شمر یرعش	مُنذر	ربیال
ملیکرب یوہنعم	نعمان	عبادۂ دوم
شرحبیل یعفر	حارث سوم	مالک اوّل و دوم و سوم
ذونواس	حارث چہارم	حارث چہارم

آلِ غسان کی تاریخ یہ معلوم ہوچکا ہے کہ دوسری صدی کے وسط میں غسانی، تہامہ میں اقامت گزین تھے اس کے بعد وہ حدود شام میں منتقل ہوئے ہیں، ان اطراف میں غسانیوں کی انتہائے حکومت کا زمانہ ۶۳۳ء؁ (عہد فاروقی) ہے، ابتدائے عہد کی تاریخ نامعلوم ہے، اب قرائن سے اس کی تعیین کرنی چاہیئے

عرب مورخین کی تفصیل کی بنا پر غسانیوں کی مدت حکومت میں اختلاف ہے، حمزہ اصفہانی نے ۶۰۰ برس لکھی ہے اس بنا پر ان کا ابتدائی زمانہ پہلی صدی مسیحی ہوگا، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، کیونکہ یہ قطعی طور سے معلوم ہے کہ انباط کی حکومت رومیوں کے زیر اقتدار ۱۰۶ء تک باقی تھی، نیز بطلیموس کے عہد تک یعنی دوسری صدی عیسوی تک آل غسان، تہامہ میں موجود تھے۔

ابو الفداء نے ان کی مدت ۴۰۰ قرار دی ہے اور قرائن مذکورۂ بالا کے لحاظ سے یہ تقریباً صحیح ہے، اس بنا پر ان کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تیسری صدی مسیحی کا اوائل ہوگا، عرب مورخین کا بیان ہے کہ غسان سے پہلے یہاں مشہور عرب قبیلہ قضاعہ کی شاخ تنوخ اور سلیح (ضجعم) بر سر اقتدار تھی، اس بنا پر ان کا زمانہ ۱۰۶ء (زوال انباط) سے ۳۰۰ء (عروج غسان) تک ہوگا۔

عرب و شام کے درمیان جو حدود ہیں ان کو حوران کہتے ہیں، اور ان ہی کا اذرعات بھی نام ہے، یہ قدیم زمانہ میں مواب، عمان اور ادوم سے متعلق تھا، اور اس عہد سے پہلے یہاں انباط کی حکومت تھی، اب گو یہ رومیوں کے زیر اقتدار تھا، تاہم اصلاً آل غسان کی حکومت تھی، تدمر، رقیم، عمان، معان وغیرہ شہر اس میں آباد تھے، مشہور شہر بُصریٰ اس کا دار الحکومت تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل بعثت اسی حکومت کے زمانہ میں بغرض تجارت شام اس شہر میں وارد ہوئے تھے، بحیرا راہب کا جو قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ بھی یہیں کا واقعہ ہے

اس خاندان کے بادشاہوں کی تعداد حمزہ نے ۳۲ بیان کی ہے، لیکن اس تعداد میں عموماً بعض معاصر حکمران غسانی شہزادوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے، حقیقی اور مستقل بادشاہوں کی تعداد مسعودی نے ۱۹، اور ابن قتیبہ نے ۱۰ لکھی ہے، لیکن چار سو برس کی مدت کے لئے یہ تعداد کم ہے۔

اسکندر کے بعد ایران میں ۳۲۴ ق م میں جو طوائف الملوکی پیدا ہوئی، اس کا خاتمہ ۲۲۶ء میں اردشیر بن بابکان ساسانی کے ظہور پذیر پر ہوا، اسی نئی طاقت نے جو جوش سے بھری ہوئی تھی، عرب کے شمالی حدود پر رومیوں سے ٹکر کھائی اور تین صدیوں تک برابر، باہم زور آزما رہی۔

یہی مواقع تھے جن میں ایران و روم دونوں عربوں کی اعانت کے طالب تھے، شاہان حیرہ (عراق) ان معرکوں میں ایرانیوں کی طرف تھے، غسانی جنہوں نے عموماً عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا رومیوں کے ساتھ تھے، اس تعلق سے رومیوں کی تاریخ میں جن غسانی بادشاہوں کے نام آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جبلہ ۵۰۰ء (۲) حارث اکبر بن جبلہ ۵۱۹ء	(۵) حارث اصغر بن حارث اکبر (۶) حارث اعرج
(۳) ابو کرب منذر بن حارث اکبر ۵۸۲ء	بن حارث اصغر (۷) نعمان بن حارث اصغر
(۴) نعمان بن منذر	(۸-۹) عمرو بن حارث اصغر و حجر بن عمر

۵۸۳ء-۶۱۳ء

(۱۰) جبلہ بن ایہم ۶۳۶ء

آلِ غسان کی تاریخ تمامتر ایرآن و رؔوم کی تاریخ کا خلاصہ ہے اور اسی تعلق سے غسانؔ ہمیشہ حیرہ کے بادشاہوں سے لڑتے رہتے تھے ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں کو اگر کبھی کامیابی ہوتی تو وہ ہمیشہ غسانیوں کی امداد کا نتیجہ تھا، اور خود رومی بھی شکر گذاری کے ساتھ اس نتیجہ کا احساس کرتے تھے۔

رومیوں کی تاریخ میں سب سے پہلے جبلہ کا نام آتا ہے ۴۹۷ءکی ملکی بغاوت میں اس نے رومیوں کی بڑی مدد کی تھی، جبلؔہ کے بعد حارؔث بن جبلہ رومیوں کی نظر میں عرب کا سب سے بڑا ہیرو ہے، یہ نہایت مہیب شجاع اور پُردل بادشاہ ۵۲۸ءمیں حیرہ کی اور ۵۳۱ءمیں رومیوں کے ساتھ ایرانیوں کی لڑائی میں اس نے نہایت ناموری حاصل کی، ۵۶۳ءمیں قیصر روؔم کی ملاقات کو قسطنطنیہ گیا، اسی کی وساطت سے کندہ کا شہزادہ اور عربی کا مشہور شاعر امرأ القیس قیصر تک پہنچا تھا، حارؔث نے ۵۶۹ءمیں وفات پائی۔

حارؔث کے بعد منذؔر تخت نشین ہوا، بہادری اور رومیوں کی اعانت میں یہ بھی اپنے پیشرو سے کم ثابت نہ ہوا ۵۸۰ءمیں قسطنطنیہ گیا، رومیوں نے اس کے سر پر تاج رکھا، حارؔث کے بعد اور بھی ایک دو بادشاہ رومیوں کی تاریخ میں مذکور ہیں، لیکن انھوں نے کوئی بڑی ناموری حاصل نہیں کی۔

چھٹی صدی کی ابتداسے رُبع صدی تک (۶۰۱ءسے ۶۲۵ءتک) مشرق و مغرب میں یا مجوسیت، اور عیسائیت میں جو زور آزمائیاں ہوئیں، ان سے غسانیوں کی یہ چھوٹی سلطنت بھی مستثنیٰ نہ تھی، خسرو پرویز کی اولوالعزمیوں نے پندرہ برس میں، دامنِ فرات سے وادی نیل اور ساحل باسفورس تک ہر جگہ خاک اُڑادی، شاؔم میں رومیوں کی شکست نے ۶۱۳ءمیں غسانیوں کی بساط الٹ دی قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی جو سورۂ روؔم میں ہے، اسی موقع کے متعلق کی ہے۔

رومی اپنی شہنشاہی کا تمام مشرقی حصہ کھو چکے تھے، آرمینیہ، شاؔم، مصرؔ، ایشیائے کوچک ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا، ایرانی قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے، ہرقل (ہرکلیوس) قیصر روم قسطنطنیہ سے فرار کا سامان کرچکا تھا کہ مکہ کا پیغمبر نبوۃ کی پُرجلال آواز میں مترنم ہوا۔

الٓمٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ (روم)	الم، رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہو گئے، وہ مغلوبی کے بعد عنقریب چند سالوں کے اندر غلبہ پائیں گے۔

دفعۃً ہوا کا رُخ بدل گیا ۶۲۶ءتک رومیوں نے ایک ایک کرکے اپنا ملک واپس لے لیا، غسانیوں نے سنبھالا لیا، حارؔث بن ابی شمر ایک پر زور شخص غسانیوں میں بادشاہ ہوا۔

لیکن اب خود اسلام کا نیر تاباں شعاع افگن تھا ۸ھ (۶۲۹ء) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

شاہانِ عالم کے نام اسلام کی دعوت بھیجی، دحیہ کلبیؓ ہرقل کے اور شجاع بن وہبؓ اسدی جبلہ غسانی کے دربار میں پہنچے، لیکن بدبختوں نے نہ صرف یہ سعادت قبول نہ کی بلکہ بعض دعاۃ اسلام کو تکلیف دی یا قتل کر ڈالا، اور گذشتہ فتوحات سے بدمست ہو کر، اب خود مدینہ پر حملہ کی تیاری[1] کرنے لگے۔

انباط جو اب رومیوں کی رعایا تھے، دونوں طرف کے جاسوس تھے دمبدم مدینہ میں خبر پہنچتی تھی کہ غسانی گھوڑوں کی نعل بندی کرا رہے ہیں، اور اب آتے ہیں[2]۔

آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی مناسب سمجھ کر ۸ھ (۶۳۰ء) میں تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت حدودِ شام کی طرف روانہ فرمائی، ادھر سے رومی بیشمار رومیوں اور عربوں کی فوج لے کر بڑھے مقام موتہ میں دونوں کا تصادم ہوا، اور ایک غیر منفصل جنگ کے بعد مسلمانوں نے مدینہ کی طرف مراجعت کی ۹ھ (۶۳۱ء) میں خبر پہنچی کہ ہرقل غسان، لخم، جذام، عاملہ وغیرہ عرب قبائل کو لے کر حملہ کی طیاریاں کر رہا ہے، اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ تمام سپاہیوں کو تقسیم کر چکا ہے، ناچار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس تیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ شام کا رخ کیا، تبوک کے مقام پر پہنچ کر بیس روز تک رومیوں اور غسانیوں کا انتظار کیا، لیکن وہ مقابل نہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حوران کے بعض زمینداروں سے صلح کر کے مراجعت فرمائی ۱۰ھ (۶۳۲ء) میں اسامہؓ کی زیر قیادت ایک بہت بڑی جمعیت شام کی طرف جانے کو طیار تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمایا[3]۔

۱۴ھ (۶۳۶ء) میں جو فاروق اعظمؓ کا دور خلافت تھا مسلمانوں نے شام پر مسلسل حملے شروع کئے غسانی شہزادہ جبلہ بن ایہم مطیعانہ اسلام لایا اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مدینہ آیا، حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی عزت کی، اتفاق سے حج کا موسم پیش آیا، طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک بدوی عرب کے پاؤں کے نیچے دب گیا، نومسلم شہزادہ نے غصہ سے اس کو ایک طمانچہ مارا، بدوی نے حضرت عمرؓ سے فریاد کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو اس کا قصاص دینا ہوگا، شہزادہ نے کہا کہ کیا ایک عامی شخص کے مقابلہ میں بادشاہ کی کوئی عزت نہیں ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہاں اس بارگاہ میں شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

جبلہ نے ایک شب کی مہلت طلب کی، رات کو چھپ کر شام چل دیا اور وہاں سے عیسائی بن کر قسطنطنیہ چلا گیا، لیکن اب وہ نادم تھا اور جب تک جیتا رہا ندامت کے آنسو بہاتا رہا[4]۔

---

[1] بخاری باب ایلاء النبی صلعم [2] بخاری باب ابتدا النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3] یہ واقعات تمام سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں [4] اغانی ذکر حسان بن ثابت۔

اوس و خزرج

نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ

انصار

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا

اوس و خزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کے نام ہیں، جو اسلام کے پہلے سے مدینہ میں سکونت پذیر تھے، اسلام آیا تو اس کے پر زور دست و بازو تھے، اور انصار ان کا خطاب تھا۔

اوس و خزرج کا نسب عام طور سے ان کو بھی قحطانی الاصل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحت سے تہی مایہ ہے، زبان، مذہب اور اخلاقی قومی کے علاوہ روایات سے بھی ان کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔

۱۔ بخاری میں روایت ہے کہ ابو ہریرہؓ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہؓ کا قصہ سنایا آخر میں کہا، تلک امکم یا بنی ماء السماء اے پاک نسبو! یہ تھیں تمھاری ماں"! محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں نہایت دقتیں تھیں لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل واشتباہ کا پردہ چاک کر دیا۔

۲۔ تمام علمائے انساب اس پر متفق ہیں کہ اوس و خزرج، غسان کے ہم نسب ہیں، اور خود اوس و خزرج کا بھی بجائے خود یہی دعویٰ ہے، اس بنا پر اگر ہمارے دلائل غسان کے نابتی الاصل ہونے پر صحیح ہیں، تو وہی بعینہٖ اوس و خزرج کے نابتی ہونے پر بھی ثبوت ہیں۔

۳۔ اوس و خزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ قریش سے ان کے رشتے ناتے تھے، ہر سال پابندی کے ساتھ وہ حج کو آتے تھے۔

۴۔ منذر بن حرام (حضرت حسانؓ بن ثابت کا دادا) جو زمانۂ جاہلیت میں اور خزرج کے قبیلہ سے تھا، اپنا نسب نابت بن اسماعیل تک پہونچاتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔

ورثنا من البهلول عمرو بن عامر	وحارثة الغطريف مجدا مؤثلا
موارث من ابناء بنت بن مالك	وبنت بن اسمٰعيل ما ان تحولا

عمرو بن عامر اور حارثہ، دونوں غسانی اور اوس و خزرج کے پدر اعلیٰ تھے، غسان نے شام کا رخ کیا، اور اوس و خزرج نے حجاز کے شہر یثرب (مدینہ) میں سکونت اختیار کی، یثرب نہایت قدیم شہر تھا، یونانیوں نے اس کا اثربا کے نام سے ذکر کیا ہے[1] اسلام آیا تو طیبہ اور مدینۃ النبی (پیغمبر کا شہر) نام قرار پایا، اور مختصر ہو کر صرف مدینہ رہ گیا، پہلے یہاں عرب سامیہ اولیٰ آباد تھے، ان کے بعد یہاں یہاں یہود آئے، اور آخر میں اوس و خزرج کے قبیلے آکر بسے۔

اوس و خزرج کی شاخیں | توالد و مرور زمانہ سے یہ دو قبیلے متعدد فروع اور شاخوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

۱۔ اوس

اوس کے صرف ایک اولاد تھی، مالک جس کی اولادوں کی حسب ذیل شاخیں ہیں:۔

عمرو بن مالک ۔ نبیت، عبدالاشہل، بنو ظفر (کعب بن خزرج بن مالک بن اوس)

عوف بن مالک ۔ بنو عمرو بن عوف (اہل قبا) بنو حجی، مرہ بن مالک (جعادرہ اور اوس اللہ بھی اسی کا نام ہے۔

سالم بن مالک (بنو واقف)

سالم بن مالک قبیلہ سعد بن خیثمہ۔

عبداللہ بن مالک بنو خطمہ۔

۲۔ خزرج

جشم بن خزرج بنو تزید، بنو سلمہ، بنو بیاضہ۔

عوف بن خزرج بنو الحبلی (قبیلہ عبداللہ بن ابی بن سلول راس المنافقین) بنو قوافل، بنو سالم۔

حارث بن خزرج

عمرو بن خزرج بنو نجار (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی لوگ)

کعب بن خزرج بنو ساعدہ (جن کا سقیفہ مشہور ہے، یہی سعد بن عبادہ کا قبیلہ ہے)

اوس و خزرج کی تاریخ | اوس و خزرج کی تاریخ ان کے ہم وطن یہودیوں کے ساتھ مخلوط ہے یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے یہود، اصلاً بنی اسرائیل تھے، یا یہودی المذہب عرب تھے، تاہم شمالی عرب میں نہایت کثرت سے اصل یہود آباد تھے، مدینہ کے اطراف میں بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع پر زور یہود خاندان آباد تھے، تجارت، زرگری، مہاجنی، لین دین، قرض دینا، رہن

---

[1] دیکھو جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۷۔

رکھنا، سود پر روپیہ لگانا، یہ ان کے پیشے تھے، بدوی عربوں سے حفاظت اور ملک میں سیاسی رعب پیدا کرنے کے لئے ہر تجارتی گودام پورا جنگی قلعہ تھا، جنوب میں مدینہ ان کی آخری سرحد تھی، مدینہ سے لے کر حدودِ شام تک، خیبر، فدک، تبوک، تیمار، مدین، وادی القرای، حجر، وغیرہ میں ان کے قلعے اور بالا آبادیاں تھیں، مدینہ میں بنو قریظہ اور نضیر کے مضبوط و مستحکم قلعے تھے، اسلام آیا تو یہی اُن کا مایۂ غرور تھا، قرآن نے ان ہی قلعوں کی نسبت کہا ہے:-

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ (احزاب) — خدا نے ان یہودیوں کو جنھوں نے کفار قریش کی مدد کی تھی، ان کے قلعوں سے اُتارا۔

لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (حشر) — اے مسلمانو! یہ یہود تم سے صرف قلعہ دار شہروں میں یا فصیلوں کے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔

اِن جنگی اسباب و تدابیر کے ساتھ ان کے مالی کاروبار کا جو جال تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا، زنجیریں تھیں جو تمام باشندوں کے پاؤں میں انھوں نے ڈال رکھی تھیں[1]۔

غرض یہ اسباب تھے کہ اوس و خزرج یہاں آ کر ابھی ٹکے بھی نہ تھے کہ وہ ان کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے، اوس و خزرج گو بدویانہ زور و قوت میں اُن سے زیادہ تھے، لیکن سامان، دولت، ہنر اور دیگر فوائدِ معنوی میں ان سے فروتر تھے، اس بنا پر یہودیوں سے نہایت متاثر ہونے لگے، یہاں تک کہ اس سے مذہبی اثر بھی پیدا ہونا شروع ہو گیا، اوس و خزرج نذر مانتے تھے کہ بچہ جیتا رہا تو یہودی بناؤں گا[2]۔

بالآخر اوس و خزرج نے تنگ آ کر بنو غسان سے جو ان کے ہم نسب تھے، مدد کے طالب ہوئے، غسانیوں نے آ کر یہودیوں کا زور توڑا، تاہم مالی تعلقات ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تلوار سے کاٹ دی جا سکیں، یہودی حقیقت میں جن اسلحہ سے لڑتے تھے، ان کا جواب فوجوں سے نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے ظہورِ اسلام تک ان کی زبردستی قائم رہی پھر بھی وہ پہلے سے اچھی حالت میں تھے۔

ادھر یہودیوں سے کسی قدر فراغت ملی، تو خود آپس میں لڑنا شروع کیا جس کا سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا، ان کی مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم الربیع، یوم البقیع، حرب فارع، یوم بعاث[3] اس متواتر جنگ میں اوس و خزرج کے اکثر اہلِ ادعا کام آ گئے، آخر فریقین نے تھک کر مصالحت کر لی، اور قبیلہ عوف بن خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو متفقاً اپنا بادشاہ اور یثرب

---

[1] کتب حدیث میں کتاب الاستقراض ابواب بیوع و تجارت و قصہ قتل کعب اشرف پڑھو [2] دیکھو تفسیر

[3] کامل ابن اثیر ج ۱ ص ۳۰۳، ۱۴۳ مصر [4] بخاری کتاب الجاہلیۃ۔

کا "تاجدار" تسلیم کر لینا[1] چاہا کہ اس اثنا میں خورشیدِ اسلام طلوع ہوا، اوس و خزرج کے بارہ آدمیوں نے موسم حج میں داعیِ اسلام کا وعظ سنا اور ایمان و بیعت سے مالا مال ہو کر گھر واپس آئے دوسرے سال اسی موسم میں ستر آدمی اور فروغِ اسلام منور ہو گئے، اور آخر نبوت کے تیرھویں سال ۶۲۲ء رحمت عالم کو یثرب کی شہنشاہی کے لئے لے آئے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آکر سب سے پہلے یہودیوں سے چند شروط پر مصالحت کی، اوس و خزرج کے باہمی فتنوں کو سرد کیا، عبداللہ ابن اُبی جو بادشاہی کا دعویدار تھا ڈر کر خاموش تھا، تاہم فتنہ پردازیوں سے باز نہ آتا تھا، اس کے ساتھ چند کمزوروں کے افراد بھی شامل تھے، یہی لوگ منافقین تھے اور عبداللہ ان کا سردار راس المنافقین تھا۔

اوس و خزرج نے انصار کے نام اسلام میں زندگی جاوید پائی، دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں قرآن کا کوئی صفحہ، اور مسلمانوں کا کوئی گھرانا ہے، انصار کا نام زندہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال : ۱۰)	اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں، اُن کے لئے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔

[1] بخاری السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر۔

۲۔ قیدار

مِلَّةَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰهِیۡمَ

قیدار، حضرت اسماعیلؑ کا دوسرا بیٹا تھا، شہرت اور اعزاز میں اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ ممتاز تھا، لفظ "قیدار"، کے عبری میں معنی سیاسی اور غم کے ہیں، عربی میں بھی لفظ "کدر" و "کدورت"، ہے، شاید حضرت اسماعیلؑ نے یہ نام باپ سے جدائی اور صحرانوردی کے غم کی یادگار میں رکھا ہو، قیدار بربنائے روایاتِ توراۃ و عرب، حجاز میں آباد ہوا تھا، فارسٹر صاحب جن کی موافقانہ شہادت نہایت مشکل سے میسر آسکتی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"اشعیا نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے، اس کا ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہے، فوراً کہہ دے گا کہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے، جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں،....

...عربوں کی قومی روایت بھی تاریخی رتبہ حاصل کر لیتی ہے جب ایک طرف اس کی تصدیق کتب مقدسہ سے ملتی ہے جس سے قیدار کا اسی حصہ ملک میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف اریانوس، بطلیموس اور پلینی کے بیان سے ملتی ہے جو کیدار کی قوم کی اسی صوبہ میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت دیتے ہیں۔

قیدار کی اہمیت و عظمت کے لئے یہ دلائل کافی ہیں کہ اس کا نام توراۃ کے صفحات میں اسیریا کے کتبات میں اور جغرافیہ یونان میں ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اس سے بھی عظیم الشان عزت اس کو یہ حاصل ہے کہ وہ نورالٰہی جو آدمؑ و ابراہیمؑ کو ودیعت ہوا تھا، وہ اسماعیلؑ کے بیٹے قیدار کی پشت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوا، یعنی پیغمبر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نسلِ قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے۔

ایک قوم ہونے کی حیثیت سے قیدار کا نام سب سے پہلے ۱۰۰۰ ق م میں حضرت داؤدؑ کی زبور میں نظر آتا ہے، بنو قیدار اس زمانہ میں خیموں میں رہتے تھے، حضرت داؤدؑ کی بادشاہی سے پہلے بہت دنوں تک بنو قیدار کے خیموں میں رہے تھے، (۱۲۰:۵) ۹۸۰ق م میں حضرت سلیمانؑ بھی اپنی غزل میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کالے رنگ کے ہوتے ہیں، اور میں قیدار کے خیموں کے مانند سیاہ ہوں، "یہ سیاہ خیمے کالے نمدوں کے ہوتے تھے جو اب تک بدوی عربوں کے لئے

صحرا میں قفر و کا شانہ ہیں، خود مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند پشت پہلے صرف خیموں کا شہر تھا، کوئی پتھر یا مٹی کی عمارت نہ تھی۔

تحریری حیثیت سے ڈھائی سو برس کے بعد پھر قیدار کا نام اسیریا کے کتبات میں ملتا ہے، ملکِ عرب کا نام ان کتبات میں "عربی" ہے اوّل "زبیبی" اور "شمسی"، دو شاہزادیوں کا ذکر ہے، زبیبی کا اصل شاید زبّار اور شمسی، کی "شمسیہ"، ہو، ذیل کی سطروں میں ہم ان کتبات کا اقتباس ایک نہایت معتبر کتاب سے کرتے ہیں[1]

"ملکہ زبیبی (یا زبار) تغلات پلاسر سوم، شاہ اسیریا ۷۴۵ء ق م تا ۷۲۷ء ق م کی معاصر تھی، تغلات پلاسر پہلی بار "زبیبی ملکہ عربی" کو صرف مفتوحین اور باجگذاروں کی فہرست میں ذکر کرتا ہے (ص ۱۲۱) اس کے بعد "زبیبی ملکہ عربی" کا ذکر آتا ہے، زبیبی نے ۷۳۸ء ق م میں خراج ادا کیا تھا اس کے بعد سے پھر عرب کا خراج وصول نہیں ہوا، اب بجائے "زبیبی" کے ملکہ "شمسی" یعنی شمسیہ تخت نشین تھی، شمسی نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور اسیری سپاہ کو ناکامیاب واپس کر دیا، ناچار وہ لڑنے پر مجبور کی گئی، اسیری غالب آئے اور شمسی کی ملکیت کے اونٹ اور بیل لوٹ لئے گئے، ایک اسیری سردار تحصیل خراج کے لئے متعین ہوا، اس فتح کا یہ اثر ہوا کہ سبا نے بھی شاہ اسیریا کو نذریں پیش کیں (ص ۱۳۰، ۱۳۱)۔

"۷۱۵ء ق م میں سرجون ثانی شاہ اسیریا نے شمالی عرب پر فوج کشی کی خیفہ ایک قبیلہ تھا جس نے سرتابی کی تھی، ثمود، عباد یدی (عباد) اور سبیتبی (؟) خیفہ کے طرفدار تھے، خیفہ انتہائی شمال میں موجودہ شہر مدینہ کے متصل، اور بقیہ قبائل کی طرف مکہ سے نیچے آباد تھے، تبع سبا اور شمسی ملکہ عرب نے، جس کا ملک انتہائے شمال میں واقع معلوم ہوتا ہے۔ نذریں پیش کیں (ص ۱۴۴)۔

"اشور بنیپال شاہ اسیریا کے عہدِ حکومت (۶۶۸ء تا ۶۲۶ء ق م) میں یوقع ابن ہزایل عربی کا بادشاہ تھا اور عادیہ بادشاہ بیگم تھی، یوقع نے اپنے حدودِ حکومت میں عرب، ادوم، بیرود، بیت عمون، حوران، مواب، اسعیر، ..... داخل کر لئے تھے، اور ان مقامات کے حدود میں عربوں چوکیاں مقرر کیں، یوتع نے بنی قیدار کی ایک فوج دو عرب شیخ ابی تبع، اور اباموکے ماتحت روانہ کی، بنی قیدار کی یہ فوج بابل سے پیچھے ہٹا دی گئی، اور کم از کم ان میں سے ایک شیخ گرفتار کر لیا گیا، عرب جو اسیریا میں آباد تھے جبراً اس فوج کی شرکت سے باز رکھے گئے تھے، اس لئے متوقع کمک عربوں کو نہیں پہنچ سکی"

[1] تاریخ بابل و اسیریا ج ۲ مصنفہ راجرس امریکانی، صفحات کے حوالے بجا دیدئے گئے ہیں۔

"یوتع نبطیوں (نابتیوں) کی چھوٹی سی ریاست میں پناہ گزیں ہوا، یویٹا (Uaita)
یوتع کا بھتیجا تخت پر قابض ہوگیا، اور بہادری کے ساتھ اسیری قوت کی مدافعت کرتا رہا، آخر اہل اسیریا کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔ اور پابزنجیر اسیریا لایا گیا، اور در دروازہ پر نگہبان کتے کی طرح پاسبانی کی خدمت اس کے لئے مقرر کی گئی، اسی سلسلہ میں قیدار کا ایک اور سردار عم العدی بھی قابل مواخذہ سمجھا گیا، وہ فلسطین جاکر پناہ گزیں ہوا لیکن وہاں بھی اس کو امان نہ ملی، فلسطین فتح کرلیا گیا، اور وہ قید ہوگیا، ملکہ عادیہ بھی گرفتار ہوئی، اور اب ابی یثع عربی کا بادشاہ ہوا، ابی یثع کی مدت حکومت بہت کم معلوم ہوتی ہے اور یکایک تخت عویط بن بیر دوا کو دے کر تاریخ سے غائب ہوجاتا ہے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد "شیخ بنی قیدار" کی صورت میں نظر آتا ہے، اب نتنو (ناتان) رئیس انباط بوئتی، رئیس عربی، اور ابی یثع شیخ قیدار متفقاً اسیریا کے مقابلہ میں اٹھتے ہیں، لیکن سوء قسمت سے ناتان گرفتار ہوجاتا ہے اور سب بچ کر نکل جاتے ہیں (ص ۵۷۵-۵۷۶)

کتبات مذکورہ کے بیانات سے یہ صاف صاف نہیں واضح ہوتا کہ زبیبی اور شمسی بنی قیدار سے تھیں، یا نہیں، بلکہ آخری فقروں سے قیاس غالب یہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان قیدار ہی تھا، ان کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نابت اور قیدار کی اولادیں اس وقت الگ الگ ہوگئی تھیں اور شمالی عرب کے مختلف گوشوں میں ان کی متفرق ریاستیں قائم ہوچکی تھیں۔

اشعیا نبی جو تقریباً اسی زمانہ میں تھے، یعنی آٹھویں صدی ق م میں وہ بیان کرتے ہیں، کہ "قیدار ایک شاندار اور بہادر قوم ہے (۲۱-۱۶) گاؤں میں ان کی بہت سی آبادیاں ہیں، (۴۲-۱۱) بھیڑ، بکری، ان کی دولت ہے، اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں"، (۶۰-۷)۔

قیدار کے متفرق رؤساء میں سے عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور عدنان ہے قیدار کی نسل کی تمام شاخیں شجرۂ انساب میں اسی عدنان تک منتہی ہوتی ہے، چھٹی صدی ق م میں بنوخذ نذر (۶۰۵ تا ۵۶۲ ق م) جس کو عرب بخت نصر کہتے ہیں، اسیریا کے تخت پر جلوہ نما ہوتا ہے، اور عراق سے لے کر شام، مصر اور عرب تک کی خاک اڑا دیتا ہے، اہل عرب کا بیان ہے کہ اس وقت عربوں کا رئیس کل معد بن عدنان تھا۔

اشعیا (۷۵۰ ق م، حزقیال (۵۹۷ ق م) اور یرمیاہ (۵۸۶ ق م) نبیوں نے خانوادۂ قیدار کو اس خانخوار اور سفاک بادشاہ کے خروج سے ہشیار کیا ہے، سب سے پہلے اشعیا نبی کہتے ہیں (۲۱-۱۶-۱۷)

"قیدار کا تمام جاہ و جلال مٹ جائے گا، تیر انداز اور بہادر فرزندان قیدار کی تعداد گھٹ جائیگی۔

باب ۴۲، درس ۱۱ میں ہے:-

اُن دیہاتوں میں آواز دو جن میں قیدار رہتے ہیں،،

باب ۶۰ درس ۷ میں ہے۔

"قیدار کے گلّے اور بنایوط کی بھیڑیں اکٹھی کی جائیں گی،،

یرمیا بنی نے کہا، (۴۹-۲۸)

"قیدار پر اور حضور کی حکومتوں پر افسوس ہے جن کو بابل کا بادشاہ بنوخذ نذر تباہ کرے گا، اسی طرح خدا کہتا ہے، اٹھو اور قیدار کے پاس جاؤ اور اہل مشرق کو برباد کردو،،

اہل عرب کی روایت ہے کہ بنوخذ نذر حملہ کرتا ہوا حجاز تک پہنچ گیا تھا، معد بن عدنان برسر مقابلہ ہوا، اور ایک غیر منفصل جنگ کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے، بعض روایتوں میں ہے کہ یرمیا بنی نے معد کو بچالیا، اور شاید اس شکست سے بنو قیدار کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہنچا، حزقیال بن جو بنوخذ نذر کی ان جہاں سوزیوں کے زمانہ میں موجود تھے، اور فلسطین سے قیدار ہو کر ۵۹۷ سنہ قم میں بابل گئے تھے، قیدار کے شہزادوں کا ذکر کرتے ہیں۔

"عرب اور قیدار کے تمام شہزادوں نے بھیڑ بکری کا تجھ سے بیوپار کیا (۲۷-۲۱)۔

ان انبیا کی معاصرانہ شہادتوں سے بنو قیدار کی معاشرت یہ ظاہر ہوتی ہے، کہ وہ خیموں اور گاؤں میں آباد تھے، بہادر اور شجاع تھے، قبائل کے سردار تھے، بدویانہ جاہ و جلال اور شان و شکوہ اُن کو حاصل تھا، تجارت ان کا پیشہ تھا، اور بعینہٖ یہی نقشہ ان کا زمانہ اسلام تک موجود تھا۔

معد کے دو بیٹے تھے ایک کا نام نزار تھا، نزار کے پانچ بیٹے تھے، یا نزار کی پانچ شاخیں ہیں، انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ، مضر، عرب کے تمام قیداری قبائل ان ہی کے فروع ہیں میلاد مسیحؑ سے پس و پیش زمانہ میں طول میں یہ یمن سے شام تک اور عرض میں حجاز و نجد سے بحرین عراق تک پھیلے ہوئے تھے، اور زمانۂ اسلام تک ان کا یہی نقشہ باقی تھا۔

یہ پانچوں شاخیں پھر چھوٹے چھوٹے مختلف خاندانوں پر منقسم ہیں، انکا مجموعی نام مورث اوّل انتساب سے عدنان، معد، اور نزار ہے، حیرہ کے بادشاہ امرء القیس بن عمرو المتوفی ۳۲۸ء کی قبر کی لوح شام کے حدود میں ملی ہے، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

یہ امراء القیس بن عمرو بادشاہ عرب، صاحب تاج کی قبر ہے، جو اسد اور نزار اور ان کے بادشاہوں کا بادشاہ تھا۔ . . . اس نے معد پر بادشاہی کی اور اپنے بیٹوں کو تمام قبائل کے درمیان اتارا[1]

[1] انسائیکلوپیڈیا، مضمون "عرب"

اس کتبہ سے معد اور نزار کی شخصیت کا تاریخی ثبوت اس قدر قدیم عہد میں ثابت ہوتا ہے۔

نزار کے پانچ خاندانوں میں سے انمار اور ایاد نے کوئی بڑی وقعت حاصل نہیں کی، ربیعہ قضاعہ، اور مضر نے کثرت تعداد، دنیاوی اعزاز اور سیاسی اقتدار میں بڑی ناموری حاصل کی، اور حجاز و نجد و عراق میں ان کی عظیم الشان حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں، بنو عبد القیس بحرین میں بکر و تغلب اور کندہ[1] کی نجد میں اور آلِ منذر کی عراق و حیرہ میں۔

[1] علمائے انساب نے کندہ کو عموماً حمیر کی شاخ بتایا ہے، لیکن ہمارے نزدیک حکومت کے لحاظ سے تو بے شک کندہ حمیر کے ماتحت تھا، لیکن نسباً وہ عدنانی اور قبائل معد میں تھا، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کندہ کا آخری شہزادہ امراء القیس، جو عرب کا بہترین شاعر شمار ہوتا ہے اس کے کلام کا مجموعہ اب تک محفوظ ہے اس میں حمیریت کا شائبہ تک نہیں، وہ فصیح عدنانی عربی زبان ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ امراء القیس خود مدعی ہے کہ اس کا نسب خاندان معد سے جاکر ملتا ہے، اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے:۔

خیر معد حسبا و نائلا   و خیرهم قد علموا شمائلا

دوسری جگہ اپنی مدح میں کہتا ہے:۔

وانا الذی عرفت معد فضله

حمیر کا بھی متعدد اشعار اس نے ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسبی ظاہر نہیں کرتا ہے۔

ولو شاء کان الغزو من ارض حمیر   ولکنه عمدا الی الروم انفرا

بنصر خلیلی هل تری من بارق   یضیئ الدجی باللیل عن سرو حمیرا

قریش

مضر بن نزار بن عدنان بن قیدار بن اسمٰعیل کا ایک خاندان ہے

سلسلۂ نسب

مُضر کی شاخ متعدد وسیع خاندانوں میں منقسم ہوگئی جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے، بانیٔ خاندان کا نام فہر تھا، عدنان تک اُس کا سلسلۂ نسب یہ ہے فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ..... بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان تک سلسلۂ نسب حرف بحرف صحیح اور ناقابل شک ہے، صحیح روایات سے ثابت ہے، احادیث میں مروی ہے، اشعار عرب میں مذکور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب بھی ان ہی واسطوں سے عدنان تک پہنچتا ہے۔

لفظ "قریش"

فہر کا لقب قریش تھا، اس بنا پر اس کی نسل نے "قریش" اپنا خاندانی عَلَم قرار دیا، لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں، اس کا ایک ماخذ تقریش و تقرش ہے جس کے معنی "اکتساب و تحصیل" ہیں خیال ہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصلی پیشہ تجارت تھا، اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہے قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے، جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے، فہر نے اپنے استیلاء و قوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا، حضرت ابن عباسؓ نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے۔

مستشرقین یورپ جن کو ہماری تاریخ سے خود غرضانہ محبت ہے وہ بھی دوسری رائے کو پسند کرتے ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ وہ روایۃً صحیح تر ہے بلکہ اس لئے کہ ٹوٹم کے ثبوت کے لئے ایک سند ہاتھ آتی ہے[1] حالانکہ اس کی تردید کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اس خاندان میں قریش کے نام کی نہ پوجا ہوتی تھی، نہ اس نام کا دیوتا پوجا جاتا تھا۔

قریش کی شاخیں

قریش بھی کوئی ایک قبیلہ نہ تھا، چھوٹے چھوٹے دس مختلف خاندانوں پر منقسم تھا، ہاشم، اُمیہ، نوفل، عبدالدار اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم، ان کا باہمی سلسلۂ نسب اس شجرہ سے جو صفحہ ۳۲۳ پر ہے واضح ہوگا۔

[1] لائف آف محمد مارگیولیوتھ۔

قریش ، فہر

- **حارث** — بنو حارث ہی کے خاندان سے ابو عبیدہ بن جراح فاتح شام اور عقبہ بن نافع فاتحِ افریقہ تھے
- **غالب**
- **محارب** — پدر بنو محارب ضحاک بن قیس، ضرار بن الخطاب کرز بن جابر وغیرہ صحابہ اسی خاندان سے تھے۔

غالب

- **لوی**
- **تیم الادرم** — عبداللہ بن خطل اسی خاندان سے تھے۔

لوی

- عامر
- کعب
- قرینہ
- سعد
- جشم

کعب

- **بنو معیص** — خاندان بسر بن ارطاۃ صاحب امیر معاویہ رض
- **بنو حسل** — خاندان عامر بن عبداللہ والی افریقہ و مصر و کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- **حصیص** — خاندان عاصی
- **مرہ** — ابن وائل وبعض کفار قریش
- **عدی** — خاندان زید بن عمرو بن نفیل موحد، و سعید بن زید رض احد عشرہ مبشرہ و حضرت عمر فاروق رض و صحابہ دیگر

مرہ

- **تیم** — خاندان عبداللہ بن جدعان و حضرت ابوبکر صدیق رض و حضرت طلحہ رض
- **کلاب**
- **یقیظہ** — خاندان حضرت ارقم ان کا گھر قریش کی مخالفت کے زمانہ میں مسلمانوں کا دار الملاقاۃ تھا، ابو سلمہ شوہر اول ام المومنین ام سلمہ رض و ابوجہل و خالد بن ولید

کلاب

- **زہرہ** — آمنہ بنت وہب آنحضرتؐ کی ماں کا خاندان حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح عراق بھی اسی خاندان سے تھے
- **قصی**

قصی

- **عبدالدار** — خاندان نضر بن حارث
- **عبد مناف**
- **عبدالعزیٰ** — عثمان بن طلحہ رض وغیرہ صحابہ رض کا خاندان تھا، خانہ کعبہ کی کلید برداری اسی خاندان میں تھی

عبد مناف

- **بنو عبد شمس** — خاندان بنو امیہ دمشق و اندلس حضرت عثمان رض ابو سفیان رض و امیر معاویہ رض
- **ہاشم**
- **نوفل**

ہاشم — **عبدالمطلب**

- حجل
- قثم
- ابولہب
- حضرت عباس رض — خاندان عباسیہ
- عبداللہ — محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت فاطمہ رض ...... بنو فاطمہ ...... علویین
- حضرت حمزہ رض
- ابوطالب — حضرت علی
- زبیر
- مقوم
- ضرار

قریش کی ایک اور تقسیم

قریش کی جن شاخوں کا اوپر ذکر ہوا، وہ طرز زندگی کے لحاظ سے دو جماعتوں میں منقسم تھے، قریش الظواہر قریش البطائح، قریش ظواہر وبگہ بادیا نشین قبائل کی طرح مکہ کے آس پاس صحرا میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے، قریش البطائح، شہری زندگی کے عادی تھے اور چونکہ ان کا خاص پیشہ تجارت تھا، اطراف کے متمدن ممالک میں ان کا گذر ہوتا تھا، اس لئے ایک منتظم آبادی کی حیثیت انھوں نے پیدا کرلی تھی۔

ذیل کی فہرست سے قریش کے ان خاندانوں کی تقسیم ظاہر ہوگی۔

قریش الظواہر	قریش البطائح
۱۔ بنو محارب	۱۔ بنو قصیّ بن کلاب
۲۔ بنو تیم الادرم	۲۔ بنو کعب بن لوی
۳۔ خزیمہ بن لوی	
۴۔ سعد بن لوی	
۵۔ جشم بن لوی	
۶۔ بنو حارث	

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو قصیّ اور بنو کعب بن لوی کے سوا، قریش کی اور تمام شاخیں قریش ظواہر تھیں، اصل یہ ہے کہ تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ قریش کی سیاسی عظمت وجلال کا بانی قصیّ تھا، قصیّ سے پہلے قریش میں کسی قسم کا نظام قومی نہ تھا، نہ ایک مرکز تھا اور اس کے دائرہ میں قریش کے تمام خاندان چکر لگاتے تھے، قصیّ سب سے پہلا شخص ہے جس نے قریش میں قومی ہیرو کی حیثیت پیدا کی۔

قریش کا زمانہ

قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے، اور اس خاص خاندان کی کب بنا پڑی، تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں، اس قدر معلوم ہے، کہ عبد المطلب چھٹی صدی عیسوی کے اوسط میں موجود تھے، عبد المطلب سے فہر تک دس پشتیں ہوئیں، ایک پشت کے لئے ۲۵ برس کا زمانہ اگر فرض کیا جائے تو ڈھائی سو برس کی مدت قرار پاتی ہے اس بنا پر قریش کے نامور رجال کے لئے حسب ذیل تقریبی سنین ہم متعین کر سکتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

نام	سنہ وجود تقریباً	نام	سنہ وجود تقریباً
فہر و قریش	۳۲۵ء	کلاب	۴۵۰ء
غالب	۳۵۰ء	قصی	۴۷۵ء
لوی	۳۷۵ء	عبدمناف	۵۰۰ء
کعب	۴۰۰ء	ہاشم	۵۲۵ء
مرہ	۴۲۵ء	عبدالمطلب	۵۵۰ء

قُصَی کی نسبت بعض ارباب تاریخ نے لکھا ہے وہ منذر بن نعمان شاہ حیرہ (۴۳۱ء تا ۴۷۳ء) کا معاصر[1] تھا، قیاس بالا کی رو سے بھی یہی تاریخ ظاہر ہوتی ہے۔

قریش کا استقلال سیاسی

حجاز کا صوبہ جو قریش کا وطن تھا گو ہمیشہ بیگانہ اقتدار سے محفوظ رہا لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمسایہ، حکومتوں کو اس کی مفتوحی کو ہمیشہ آرزو رہی، یمن کی حمیری و حبشی حکومت ایران کی شہنشاہی اور رومیوں کی دولت عظمیٰ نے عرب کے اس حصہ پر مختلف اوقات میں فوج کشیاں کیں، ہمیشہ ان کا اختتام ناکامیوں پر ہوا

اندرون ملک کے عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں کے مقابل، یمن کی وطنی حکومت کی طرف فطرۃً زیادہ کشش ہو سکتی تھی، شاہانِ حیرہ بھی گو ایرانیوں کے زیر اقتدار تھے، لیکن نسباً وہ قریش کے قریب تر تھے کہ دونوں عدنانی النسل تھے، اس بنا پر ان دونوں حکومتوں کی حجاز کی فرماں روائی کا دعویٰ تھا امرء القیس بن عمرو ۳۸۸ء - ۳۲۸ء شاہ حیرہ کے ایک کتبہ کی عبارت پہلے لکھی جا چکی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "تاجدار" حیرہ کو، اسد نزار اور عرب کی بادشاہی کا دعویٰ تھا۔

شاہان یمن نے رؤسائے کندہ کو حجاز کے قبائل معد پر حکمران مقرر کیا تھا، حجر بن عمرو اس خاندان کا پہلا رئیس تھا، عمرو بن حجر دوسرا اور حارث بن عمرو تیسرا، حارث نے اپنی ریاست کے حدود اپنے بیٹوں پر تقسیم کر دیئے، یہ نظام کچھ زیادہ دنوں تک نہ چل سکا، حبشیوں نے حمیر کا خاتمہ کر دیا، جس کے ساتھ گویا کندہ کا خاتمہ ہو گیا، شاہانِ حیرہ کی رقیبانہ جنگ اور قبائل معد کی سرکشی نے کندہ کو بے نشان کر دیا جن حبشیوں نے یمن کو فتح کیا تھا اور اتہٗ حجاز و تہامہ کو بھی اپنا مملوکہ قرار دیا، چنانچہ ابرہہ کا جو کتبہ سد مارب پر منقوش ہے اس میں وہ اپنا نام ان الفاظ کے ساتھ لکھتا ہے:-

[1] معجم یاقوت لفظ 'مکہ'۔

"ابرہہ...... سبا، ریدان، حضرموت، یمن، اور اعراب نجد و تہامہ کا بادشاہ"۔

عجب نہیں کہ ابرہہ کے ارادۂ فتح مکہ کا ایک سبب اس ادعائے غیر واقع کو عملاً ثابت کرنا بھی ہو، قیاصرۂ روم کو بھی اس غیر مفتوح خطہ کی حکومت کی کچھ کم ہوس نہ تھی، ابوالبختری خانوادۂ عبد العزیٰ کا رئیس تھا، وہ قیصر کی طرف سے یہاں کی حکومت پر مامور ہوا، قریش نے تسلیم نہ کیا اور اس کو شام واپس جانا پڑا، وہاں پہنچ کر شام میں جس قدر قریش تھے، سب کو قید کر دیا، آخر قریش نے غسانیوں کی اعانت سے اس کو زہر دلوادیا۔

ان ہمسایہ حکومتوں سے ان خاندانوں میں سب سے پہلے قبیلہ بکر بن وائل نے استقلال حاصل کیا، کلیب سب سے پہلا شخص ہے جس نے حمیر و کندہ کے مقابلہ میں آزادی کا علم بلند کیا، اسی کے بعد ہی قریش کے خاندان میں قصیٰ نام ایک دوسرا نامور پیدا ہوا، جس نے قریش کی ایک مستقل ہستی پیدا کر دی،

بچپن ہی میں باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگیا تھا، ماں نے بنی عذرہ کے قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا، بنو عذرہ شمالی عرب کے حدود میں شام کے پاس آباد تھے، قصیٰ نے بھی ماں کی آغوش میں یہیں پرورش پائی، جوان ہو کر نسل و وطن کی جستجو کی تو حجاز میں سراغ پایا، بچپن ہی سے عالی حوصلہ اور بلند نظر تھا، مکہ میں دوسرے قبائل نے قریش کو دبا لیا تھا، اس نے مکہ آکر قریش کے منتشر اجزا کو فراہم کیا اور چھوٹی چھوٹی چند لڑائیوں کے بعد مکہ کی سرزمین میں قریش کی ایک مختصر سی حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔

مورخین کو اتفاق ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ قریش نے حجاز کی سرزمین میں سیاسی اہمیت حاصل کی قصیٰ کے وجود کی جو تخمینی تاریخ مقرر کی گئی ہے اگر وہ صحیح ہے تو قریش کے ظہور سیاسی کی تاریخ غالباً ۴۰۵ء ہے، یعنی اسلام سے سوا سو برس بیشتر۔

قصیٰ کا زمانہ

تاریخ حمزہ اصفہانی میں قاضی وکیع سے مروی ہے۔

کان قصی بن کلاب فی زمن فیروز ابن یزدجرد (ص ۱۱۷)	قصیٰ بن کلاب فیروز بن یزدگرد شاہ ایران کے زمانہ میں تھا۔

قدیم مورخ ابوطاہر مقدسی کتاب البدء والتاریخ میں راوی ہے:۔

قصی اول من اصاب ملکا من العرب من قریش من بعد ولد اسماعیل فی زمن المنذر بن النعمان علی الحیرۃ والملک بہرام جور فی العرس فقطع مکۃ رباعا وبنی بہا دار الندوۃ (ص ۱۲۶)	قصیٰ عرب قریشیوں میں پہلا شخص جو فرزندان اسمٰعیل کے بعد بادشاہ ہوا، اس وقت منذر بن نعمان حیرہ میں اور شاہ بہرام گور ایران میں بادشاہ تھا قصیٰ نے مکہ منقسم کیا اور وہاں دار الندوہ بنایا۔

حمزہ نے قصی کو فیروز بن یزدگرد کا اور مقدسی سے منذر بن نعمان اور بہرام گور کا معاصر ٹھہرایا ہے لیکن یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے، بہرام گور کا زمانہ ۴۲۰ء سے ۴۳۸ء تک ہے اور اس کے بعد یزدگرد دوم ۴۵۷ء تک حکومت کرتا ہے، اس کے بعد فیروز بن یزدگرد ۴۸۴ء تک حکمران رہتا ہے، منذر کا زمانہ ۴۳۲ء سے ۴۷۳ء تک ہے اس بنا پر یہ سمجھنا چاہیئے کہ حمزہ نے قصی کا ابتدائی زمانہ اور مقدسی نے انتہائی زمانہ متعین کیا ہے اور اس کی دلیل منذر کی معاصرت سے ملتی ہے جو ۴۳۱ء سے ۴۷۳ء تک قائم رہتی ہے، اس بنا پر تقریباً قصی کا جو زمانہ ہم نے متعین کیا ہے، وہ بالکل ٹھیک ہے یعنی پانچویں صدی عیسوی کا عہد اوسط۔

کوہ صفا یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ قصی نے حدود شام میں تربیت پائی تھی، قریشی عرب اس وقت تک بدوی تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصی نے تہذیب زندگی، نظم حکومت اور تاسیس قومیت کے اُصول شام ہی کے ملک میں سیکھے اور جوانی کے بعد حجاز آکر اُسی اُصول پر قریش کے منتشر اجزا کو یکجا کیا اور اُن میں سے ایک چھوٹی سی جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالی۔

حدود شام میں صفا ایک پہاڑی ہے مستشرقین یورپ نے اس پہاڑ کی سنگی لوحوں پر عربی زبان کے چند کتبات پائے ہیں، گو ان کتبات سے کسی نئے تاریخی باب کا افتتاح نہیں ہوتا، تاہم ان میں اشخاص کے جو نام پڑھے گئے ہیں، مثلاً قصی، مالک، رزح، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا بانی کوئی عدنانی قبیلہ تھا، کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس یادگار کا بانی قصی رئیس قریش ہے؟ سوچنے کی بات ہے۔

قریش کا نظام سیاسی و اجتماعی قصی نے مکہ میں جو چھوٹی سی ریاست قائم کی تھی اس کی حیثیت ایک شہری، جمہوریت کی تھی، یونان کے شہر اتھنز اور اسپارٹا کے طرز حکومت کا ایک دھندلا سا خاکہ قریش کی سرزمین میں نظر آتا تھا، اس شہری حکومت میں کل چودہ عہدے تھے جو دس عہدہ داروں پر منقسم تھے، دس عہدہ دار قریش کے دس قبائل سے منتخب ہوتے تھے، ظہور اسلام کے وقت ان عہدوں کی حسب ذیل تقسیم تھی۔

مذہبی

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار
۱	سقایہ	حاجیوں کے کھانے پینے کا سامان	بنو ہاشم	عباس بن عبد المطلب
۲	عمارہ	خانہ کعبہ کا انتظام	"	"
۳	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل	حارث بن عامر
۴	سدانہ	خانہ کعبہ کی دربانی و کلید برداری	بنو عبد الدار	عثمان بن طلحہ

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار
۵	ایسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح	صفوان
۶	اموال محجّرہ	بتوں کے نذرانوں اور چڑھاووں کا انتظام	بنو سہم	حارث بن قیس

عدالتی

۷	ندوہ	عدالت خانہ اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۸	مشورہ	امور مہمہ میں مشورہ لینا	بنو اسد	یزید بن زمعہ
۹	اشناق	خونبہا، جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنو تیم	ابوبکر صدیق رضؓ
۱۰	حکومۃ	مقدمات کا فیصلہ	بنو سہم	حارث بن قیس

جنگی

۱۱	عقاب	نشان قومی کی علمبرداری	بنو امیہ	ابوسفیان
۱۲	قبۃ	فوجی معسکر (کیمپ) کا نظم	بنو مخزوم	خالد بن ولید
۱۳	اعنّۃ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری	بنی مخزوم	خالد بن ولید
۱۴	سفارت	سفارت	بنو عدی	عمر بن الخطاب

اس چھوٹی سی شہری جمہوریت کا ایوانِ حکومت دار الندوہ کے نام سے موسوم تھا، اس کا بانی قصیٰ تھا، ہر قسم کے اجتماعی، تجارتی، عدالتی، اور سیاسی احکام اور فیصلے قریش اسی عمارت میں بیٹھ کر صادر کرتے تھے یہاں تک کہ شادی بیاہ، بلوغ کے مراسم، قافلوں کی روانگی و داخلہ وغیرہ جملہ امور یہیں انجام پاتے تھے[۱] قریش نے داعی اسلام کے قتل کا مجرمانہ فیصلہ بھی اسی ایوانِ عدالت میں بیٹھ کر صادر کیا تھا۔

قریش کا تمدن عرب کے قبائل کی دو قسمیں تھیں، ایک وہ جو کسی مقام پر متعین بود و باش رکھتے تھے اور مکانات بنا کر کوئی متصل آبادی قائم کر لیتے تھے، ان قبائل کو لوگ حضری کہتے تھے، عرب کے بڑے بڑے شہر مکہ، یثرب، طائف، صنعاء، یمامہ، عدن وغیرہ، ان قبائل کے وطن تھے، ان کے علاوہ وہ عرب کے اکثر قبائل بدوی تھے، یعنی خانہ بدوشانہ زندگی رکھتے تھے، خیموں میں رہتے تھے مولیشی کے لئے جہاں عمدہ چراگاہ نظر آتی تھی وہاں اتر پڑتے تھے، پھر کسی اور مقام پر جا کر ڈیرے ڈالتے تھے، یہی قبائل جرائم پیشہ بھی تھے۔

[۱] ابن سعد ج اوّل ص ۳۹ میں ان تمام مراسم اور امور کی تفصیل ہے۔

قریش حضری تھے، مکہ ان کا وطن تھا، بدوی قبائل کی طرح پہ یا دوسرے قبائل کے مال و دولت کی چھین جھپٹ پر ان کا گذارہ نہ تھا، بلکہ پورا قبیلہ تجارتی کاروبار پر زندگی بسر کرتا تھا، عرب سے نکل کر حبشہ عراق، ایران، شام بلکہ ایشیائے کوچک تک ان کے تاجر گذرتے تھے، غیر ملکی تاجر جو ان کے شہر میں داخل ہوتے تھے ان سے یہ عشر لیتے تھے[1]

قریش اور قرآن مجید | قریش کے تلمیحی اور ایہامی اشاروں سے اگرچہ تمام قرآن بھرا ہے، لیکن نام کے ساتھ ان کا ذکر ایک ہی دفعہ قرآن میں آیا ہے اور وہ سورۂ ایلاف میں، جس کو سورۂ قریش بھی کہتے ہیں۔

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ۔

تعجب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر سے کس قدر اُلفت ہے، ان کو چاہیئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا دیا، اور خوف سے بچا کر دامن امان بخشا۔

اس سورہ کی تفسیر اور قریش کی تاجرانہ اولو العزمیوں کی تفصیل آیندہ باب میں آتی ہے۔

قریش کے افراد اور اشخاص کے ایہامی تذکرے بھی قرآن میں کثرت سے ہیں، لیکن نام کے ساتھ قریش اور موالی قریش میں سے صرف تین اشخاص کا ذکر ہے، ایک تو خود ذات رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے حضرت زید بن حارثہؓ اور تیسرا ابولہب، اسم نبوی تو وحی الٰہی کا اصل مخاطب ہے، اس لئے یہ اسم گرامی چار موقعوں پر قرآن میں مذکور ہوا ہے:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ (احزاب)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں لیکن خدا کا رسول ہے۔

یہ اس موقع کی آیت ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہؓ کو آپ کا بیٹا کہتے تھے تو خدا نے اس کی ممانعت کی، اس آیت سے یہ پیشگوئی بھی سمجھی جاتی ہے کہ آپ کے کوئی لڑکا پیدا نہ ہوگا۔

دوسری آیت یہ ہے:۔

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

محمد خدا کے پیغمبر،

تیسری آیت:۔

آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ (برا ۱۳)

محمد پر جو کچھ اترا اس پر ایمان لاؤ

چوتھی:۔

---

[1] ابن سعد ج اول ذکر قریش

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران)　　محمد صرف خدا کے رسول ہیں۔

دوسرا نام زید بن حارثہ کا ہے، زید قریشی النسل نہ تھے، وہ کلب کے قبیلہ سے تھے، لڑکپن میں چند ڈاکو اُن کو پکڑ کر عکاظ کے بازار میں لائے، اور غلام بنا کر ان کو بیچا حضرت حکیم بن حزامؓ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ماموں نے خریدا اور اپنی بھانجی کی خدمت گذاری میں دیا، حضرت خدیجہؓ نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے آزاد فرما کر اپنی تربیت میں لیا اور اس درجہ ان سے محبت کرنے لگے کہ لوگ ان کو زید بن محمد کہتے تھے جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (احزاب)　　ان کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو

تو لوگ ان کو زید بن حارثہ کہنے لگے۔

حضرت زید بن حارثہؓ ایک لاکھ صحابہ میں صرف وہی ایک خوش قسمت ہیں جن کا اسم گرامی ناموسِ اکبر کی زبان سے ادا ہو کر قرآن کے صفحات میں زندگی جاوید حاصل کر سکا، ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کا نام قرآن میں مذکور نہیں ہوا۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا (احزاب)　　جب زید نے اس کو طلاق دیدی۔

حضرت زیدؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پالا تھا، اس لئے وہ خاندان کے ایک ممبر ہو گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے ان کو بیاہ دیا تھا، لیکن میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا، حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی، اسی سلسلہ کلام میں حضرت زیدؓ کا نام قرآن میں آگیا۔

تیسرا نام ابولہب ہے جو حضرتؐ کا حقیقی چچا اور عبدالمطلب کا بیٹا تھا، چچا نے بھتیجے کی نبوت پر گواہی نہ دی، بھتیجے نے وحی آسمانی کی زبان سے اس کے دائمی خسران و ہلاکت کا اس کو پیغام سنایا۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝

ابولہب کے دونوں ہاتھوں کی ہلاکت ہو، اور وہ ہلاک ہو بھی گیا، اس کے مال و دولت نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا، وہ آتش دوزخ میں بیٹھے گا۔

ابولہب کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا، ابولہب کنیت تھی، ابولہب کے معنی "آگ والے" کے ہیں، اس سے لوگوں نے یہ قیاس کیا ہے کہ مسلمانوں نے ضد سے اس کا نام آگ والا یعنی دوزخی رکھا تھا لیکن اصل یہ ہے کہ عربی میں آگ والے سے مراد صاحبِ حسن و جمال ہے، چنانچہ یہ خوبصورت تھا اس لئے قریش نے اس کو ابولہب کا خطاب دیا تھا یہ دوسری بات ہے کہ اس خطاب نے جو اسلام سے پہلے مل چکا تھا

دوسرے معنی میں ایہاماً اسلام کے بعد اس کی تقدیر کا سرنوشت ہوگیا۔

یہ قریش کا سردار تھا، اور اسلام کا سخت دشمن، ہجرت کے بعد قریش کے حملہ آورانہ ارادوں کا آلۂ تحریک ایک یہ بھی تھا، ۲ھ میں مکہ میں غزوۂ بدر کے بعد اس نے انتقال کیا۔

اس آیت میں ابو لہب کی ہلاکت سے اس کی ذاتی ہلاکت نہیں، بلکہ اس کی قومی ہلاکت مراد ہے جو غزوۂ بدر میں واقع ہوئی، جس طرح دیگر انبیاء کے زمانہ میں ہمیشہ ایک طاغی اور سرکش ان کا مقابل رہا ہے، اور جس نے اپنی گمراہی سے قوم کی قوم کو ہلاک کیا ہے مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں نمرود، حضرت موسیٰؑ کے عہد میں فرعون، اسی طریقہ سے اس امت محمدیہؐ کا نمرود یا فرعون ابو لہب تھا، اور قرآن نے اسی حیثیت سے تمام رؤسائے قریش کو چھوڑ کر صرف اسی کا نام لیا۔

تجارات العرب قبل الاسلام

یعنی

اسلام سے پہلے عربوں کی تجارت

رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ

ملک کی دولت کا دار ومدار دو چیزوں پر ہے، زراعت اور تجارت، سرسبز اور شاداب ملک پیداوار کو پیدا کرتے ہیں اور سنگستانی اور ساحلی ممالک اُن کا بیوپار کرتے ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں۔

ملک عرب کا زیادہ تر حصہ غیر آباد اور سنگستانی ہے، اس لئے طبعًا وہاں زراعت سے زیادہ تجارت کے کاروبار کو فروغ ہونا چاہیئے، اس کے آباد حصے تمامتر ملک کے تین طرف بحری سواحل پر واقع ہیں مغرب سے چلئے، بحرین اور عمان خلیج فارس پر، شمال میں حضرموت اور یمن بحر عرب پر اور مشرق میں حجاز و مدین بحر احمر پر واقع ہیں۔

اندرون ملک میں عرب کا جو حصہ زرخیز ہے، مثلاً یمامہ، نجد، اور یثرب وخیبر وغیرہ یہاں کاشتکاری ہوتی تھی۔

عرب کے یہ ساحلی صوبے دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے آمنے سامنے واقع ہیں، عمان و بحرین ایران وعراق سے متعلق ہیں، یمن اور حضرموت کو افریقہ اور ہندوستان سے تعلق ہے، حجاز کے سامنے مصر ہے اور شام کا ملک اس کے بازو پر واقع ہے، اس جغرافی تحدید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طبع سہولتوں کے لحاظ سے عرب کے کس صوبہ کو دنیا کے کس زرخیز خطہ سے تجارتی تعلقات حاصل ہو سکتے تھے، چنانچہ تاریخی سندوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے ان تجارتی صوبوں کو اپنے ان ہی ہمسایہ ملکوں سے زیادہ تر تعلق تھا، گو کبھی کبھی کسی ضرورت کی بناء پر ان کو آگے پیچھے بھی ہٹ جانا پڑتا تھا۔

بحرین کے پاس کچھ عرب تاجروں نے انتقال مکان کرکے بحر روم (بحر ابیض و بحر متوسط) کے سواحل پر جو شام و کنعان کے بحری مقامات تھے، سکونت اختیار کرلی تھی، بنی اسرائیل ان کو آرامی اور کنعانی اور اہل یونان ان کو فینیقین (فنیشین) کہتے تھے، ان فینیقی عربوں نے یورپ اور افریقہ کے انتہائی ملکوں

تک اپنے تجارتی سلسلے پھیلا رکھے تھے، یونان میں تہذیب و تمدن کا آغاز ان ہی بیوپاریوں کے ذریعہ سے ہوا اور رفتہ رفتہ یہ چنگاریاں دور دور تک اپنی روشنی کی شعاعیں ڈالتی چلی گئیں۔

یمن اور حضرموت کے عرب ایک طرف تو بحرِ افریقہ کو عبور کر کے ملک حبش میں اپنی نوآبادی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور دوسری طرف ہندوستان کے ساحلی صوبوں تک وہ دھاوا مارتے ہوئے چلے آئے وُہ جو کچھ ان ممالک میں پاتے، وہ کشتیوں پر لاد کر اپنے وطن لاتے اور وہاں سے اپنی سرحدوں کو عبور کر کے حجازی عربوں کے سپرد کر آتے اور یہ اس کو شام اور مصر کی منڈیوں تک پہنچا آتے۔

عربوں کے تجارتی حالات کسی قدر توراۃ کے صفحوں سے اور زیادہ تر یونانی تاریخوں سے واضح ہوتے ہیں، ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب تاجر دو ہزار برس قبل مسیحؑ سے برابر ان خدمات کو ادا کر رہے تھے، اور مشرق و مغرب کے تجارتی تعلقات میں بیچ کی لڑی ہمیشہ یہی رہے ہیں۔ افریقہ اور ہندوستان سے سامانِ تجارت بحری راستوں سے آکر یمن اور حضرموت کے سواحل پر اترتا، اور یہاں سے خشکی کے راستے سے بحرِ احمر کے کنارے کنارے حجاز و مدین و وادی القریٰ کو قطع کر کے شام پہنچتا اور وہاں سے بحرِ روم ہو کر یورپ کو چلا جاتا، یا شام کی سرحد سے مصر پہنچتا اور وہاں سے اسکندریہ کی بندرگاہ سے یورپ کو روانہ ہو جاتا۔

عرب کی شاہ راہِ تجارت ہم نے کئی دفعہ لکھا ہے کہ یہ تجارتی شاہ راہ جو حجاز ہو کر یمن سے شام کو جاتی تھی، قرآن مجید نے اسی راستہ کو امام مبین (ظاہر راستہ) کہا ہے اور عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اسی کے دائیں بائیں واقع تھیں، اصحاب الایکہ اور مؤتفکہ یعنی حضرت لوطؑ کا گاؤں جو بحرِ میت کے قریب تھا، اسی راستہ پر آباد تھے، قرآن کہتا ہے:۔

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ (حجر) — یہ دونوں گاؤں کھلے راستہ پر ہیں۔

سبا کے تجارتی قافلوں کے ذکر میں ہے:۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ (سبا)

ہم نے اُن کے (ملک) اور بابرکت آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور ان میں سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں کہ ان میں دن رات بے خوف و خطر چلیں۔

یہ ان ہی آبادیوں کی طرف اشارہ ہے حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ایک قافلہ تجارت کے جس راہ سے گذرنے کا ذکر ہے وہ یہی راستہ ہے، توراۃ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ناگاہ (یوسف کے بھائیوں نے) دیکھا کہ اسماعیلیوں کا قافلہ جلعاد کی طرف سے آ رہا ہے ..... اور

تجارات العرب قبل الاسلام

یعنی

اسلام سے پہلے عربوں کی تجارت

رِحلۃَ الشِّتاءِ وَالصَّیفِ

ملک کی دولت کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے، زراعت اور تجارت، سرسبز اور شاداب ملک پیداوار کو پیدا کرتے ہیں اور سنگستانی اور ساحلی ممالک اُن کا بیوپار کرتے ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں۔

ملک عرب کا زیادہ تر حصہ غیر آباد اور سنگستانی ہے، اس لئے طبعاً وہاں زراعت سے زیادہ تجارت کے کاروبار کو فروغ ہونا چاہیئے، اس کے آباد حصے تمام تر ملک کے تین طرف بحری سواحل پر واقع ہیں مغرب سے چلیئے، بحرین اور عمان خلیج فارس پر، شمال میں حضرموت اور یمن بحر عرب پر اور مشرق میں حجاز و مدین بحر احمر پر واقع ہیں۔

اندرون ملک میں عرب کا جو حصہ زرخیز ہے، مثلاً یمامہ، نجد، اور یثرب و خیبر وغیرہ یہاں کاشتکاری ہوتی تھی۔

عرب کے یہ ساحلی صوبے دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے آمنے سامنے واقع ہیں، عمان و بحرین ایران و عراق سے متعلق ہیں، یمن اور حضرموت کو افریقہ اور ہندوستان سے تعلق ہے، حجاز کے سامنے مصر ہے اور شام کا ملک اس کے بازو پر واقع ہے، اس جغرافی تحدید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طبع سہولتوں کے لحاظ سے عرب کے کس صوبہ کو دنیا کے کس زرخیز خطّہ سے تجارتی تعلقات حاصل ہو سکتے تھے، چنانچہ تاریخی سندوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے ان تجارتی صوبوں کو اپنے ان ہی ہمسایہ ملکوں سے زیادہ تر تعلق تھا، گو کبھی کبھی کسی ضرورت کی بنا پر ان کو آگے پیچھے بھی ہٹ جانا پڑتا تھا۔

بحرین کے پاس کچھ عرب تاجروں نے انتقال مکان کر کے بحر روم (بحر ابیض و بحر متوسط) کے سواحل پر جو شام و کنعان کے بحری مقامات تھے، سکونت اختیار کر لی تھی، بنی اسرائیل ان کو آرامی اور کنعانی اور اہل یونان ان کو فینیقین (فنیشین) کہتے تھے، ان فینیقی عربوں نے یورپ اور افریقہ کے انتہائی ملکوں

تک اپنے تجارتی سلسلے پھیلا رکھے تھے، یونان میں تہذیب و تمدن کا آغاز ان ہی بیوپاریوں کے ذریعہ سے ہوا اور رفتہ رفتہ یہ چنگاریاں دور دور تک اپنی روشنی کی شعاعیں ڈالتی چلی گئیں۔

یمن اور حضرموت کے عرب ایک طرف تو بحر افریقہ کو عبور کر کے ملک حبش میں اپنی نو آبادی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور دوسری طرف ہندوستان کے ساحلی صوبوں تک وہ دھاوا مارتے ہوئے چلے آئے جو کچھ ان ممالک میں پاتے، وہ کشتیوں پر لاد کر اپنے وطن لاتے اور وہاں سے اپنی سرحدوں کو عبور کر کے حجازی عربوں کے سپرد کر آتے اور یہ اس کو شام اور مصر کی منڈیوں تک پہنچا آتے۔

عربوں کے تجارتی حالات کسی قدر توراۃ کے صفحوں سے اور زیادہ تر یونانی تاریخوں سے واضح ہوتے ہیں، ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب تاجر دو ہزار برس قبل مسیح سے برابر ان خدمات کو ادا کر رہے ہیں، اور مشرق و مغرب کے تجارتی تعلقات میں بیچ کی لڑی ہمیشہ یہی رہے ہیں۔ افریقہ اور ہندوستان سے سامانِ تجارت بحری راستوں سے آ کر یمن اور حضرموت کے سواحل پر اترتا، اور یہاں سے خشکی کے راستے سے بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز و مدین و وادی القریٰ کو قطع کر کے شام پہنچتا اور وہاں سے بحرِ روم ہو کر یورپ کو چلا جاتا، یا شام کی سرحد سے مصر پہنچتا اور وہاں سے اسکندریہ کی بندرگاہ سے یورپ کو روانہ ہو جاتا۔

عرب کی شاہ راہِ تجارت ہم نے کئی دفعہ لکھا ہے کہ یہ تجارتی شاہ راہ جو حجاز ہو کر یمن سے شام کو جاتی تھی، **قرآن مجید** نے اسی راستہ کو **امام مبین** (ظاہر راستہ) کہا ہے اور عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اسی کے دائیں بائیں واقع تھیں، اصحاب الایکہ اور مؤتفکہ یعنی حضرت لوطؑ کا گاؤں جو بحر میّت کے قریب تھا، اسی راستہ پر آباد تھے، قرآن کہتا ہے:-

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ (حجر) — یہ دونوں گاؤں کھلے راستہ پر ہیں۔

سبا کے تجارتی قافلوں کے ذکر میں ہے:-

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِىْ بَارَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِىَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ (سبا)

ہم نے ان کے (ملک) اور بابرکت آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور ان میں سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں کہ ان میں دن رات بے خوف و خطر چلیں۔

یہ ان ہی آبادیوں کی طرف اشارہ ہے حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ایک قافلہ تجارت کے جس راہ سے گذرنے کا ذکر ہے وہ یہی راستہ ہے، توراۃ کے الفاظ یہ ہیں:-

"ناگاہ (یوسف کے بھائیوں نے) دیکھا کہ اسماعیلیوں کا قافلہ جلعاد کی طرف سے آ رہا ہے...... اور

مصر کو جا رہا ہے (تکوین، ۳۰-۲۵)۔

قرآن میں یہ الفاظ ہیں:۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ (یوسف) ایک قافلہ آیا

یہ قافلہ جو تجارت کا مال عرب سے مصر لئے جاتا تھا، اسی شاہراہ سے گذر رہا تھا، اصحاب الایکہ یعنی ددان جن کا قرآن نے اسی راستہ پر ہونا بیان کیا ہے، توراۃ بھی اس کی تائید سے خالی نہیں ہے:۔

"جب کہ جنگل میں ددان والوں کی راہ میں تم شام بسر کرو" (اشعیا ۲۱ - ۳۱)

یونانیوں کی تاریخ میں بھی اس راستہ کا ذکر ہے، ایک یونانی مورخ لکھتا ہے:۔

"یہیں سے ایک سیدھی سڑک اُس شہر کو جاتی ہے جس کا نام پٹرا (رقیم) ہے اور فلسطین (شام) کو جاتی ہے، جہاں اہل قریہ (یمامہ و بحرین) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں۔" [1]

قدیم مورخ آرٹی میڈروس جو سنہ ۱۰۰ ق م میں موجود تھا بیان کرتا ہے:۔

"سبا قرب وجوار کے قبیلوں سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں۔"

یونان کے اکثر مورخوں نے اس راستہ کا ذکر کیا ہے، مصر پر جب یونانی بطلیموسیوں نے قبضہ کیا انہوں نے تجارت کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لینا چاہا، یمن سے مصر تک خشکی کا راستہ اُن کے لئے پُرامن نہ تھا اس لئے ہندوستان سے مصر تک انھوں نے براہ راست بحری سفر اختیار کیا، اس طریق سفر نے عربوں کی بحری تجارت کو بالکل ڈبو دیا۔ [2]

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱ کا مضمون نگار "عرب" لکھتا ہے:۔

"جنوبی مغربی عرب (حضرموت اور یمن) کی خیر و برکت کا سب سے بڑا سبب اس زمانہ میں یہ تھا کہ مصر اور ہندوستان کے درمیان کا تجارتی سامان پہلے سمندر کی راہ سے یہاں آتا تھا، اور پھر خشکی کے راستے سے مغربی ساحل پر جاتا تھا، یہ تجارت اب اس عہد میں مسدود ہوگئی کیونکہ مصر کے بطلیموس بادشاہوں نے ہندوستان سے اسکندریہ تک براہ راست ایک راستہ بنا لیا۔" [3]

اسی کتاب میں "سبا" کے تحت میں ایک دوسرا مضمون نگار لکھتا ہے:۔

"خشکی کی تجارت جب زوال پذیر ہوگئی اور ساحلی آبادیوں کے درمیان جو تجارتی سفر ہوتے

---

[1] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین ص ۱۷۹، ۱۸۰ [2] یہ حالات بہ تفصیل تمام ارض القرآن جلد اول ص ؛ میں گذر چکے ہیں [3] جلد ۱ ص ۲۶۴

تھے، جب وہ جاتے رہے اور ان کی جگہ بحری راستہ اختیار کیا گیا تو چاریہ آبادیاں نیست ونابود ہوگئیں"۔[1]

آرٹی میڈروس سنلہ ق م کہتا ہے:۔

"سبائی یہ چیزیں مقابل کے حبشی سواحل سے لاتے ہیں جہاں یہ لوگ چمڑے کی کشتی پر بیٹھ کر چلے جاتے ہیں"۔[2]

اشعیا نبی بابل کے ذکر میں کہتے ہیں:۔

"ہرگز عرب لوگ اب وہاں خیمے استادہ نہ کریں گے" (باب ۱۳-۲۰)

غیر ممالک سے تجارت الغرض ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ عربوں کے خارجی تجارتی تعلقات ہندوستان، حبش، ایران، بابل (عراق)، شام، مصر اور یونان سے تھے، یہ تمام ممالک، عرب کے چاروں طرف اس طرح واقع ہیں کہ عرب دائرہ کا نقطہ بن گیا ہے، اندرون ملک میں جو شہر اور مقامات تجارت کے مرکز تھے، یونانی اور اسرائیلی بیانات کے مطابق وہ حسب ذیل تھے۔

اندرون ملک کے تجارتی شہر قریہ یعنی بحرین یا یمامہ، حضرموت شبوہ حضرموت کا پایۂ تخت قانہ حضرموت کا بندرگاہ مارب، سبا کا پایہ تخت، معین، عدن، ادنال، ادفر، مدین، ایلہ یعنی عقبہ کا نقشہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام آبادیاں ملک عرب کے کنارے کنارے خلیج فارس سے لے کر خلیج عقبہ تک ساحلی مقامات ہیں، اُن کے نام یہودی اسفار اور یونانی تاریخوں کے حوالے سے اسی مضمون کے اثنائے کلام میں آئیں گے۔

راستوں کی مسافت ایک یونانی مورخ نے ان میں سے بعض مقامات کے درمیان سفروں اور راستوں کے دن بھی مقرر کر دیے ہیں، کہتا ہے:

"حضرموت سے سبا کے ملک تک ۴۰ روز کا راستہ ہے اور معین سے ۷۰ دن میں سوداگر ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں"[3]

گویا حضرموت سے لے کر عقبہ تک تقریباً ۱۱۰ دن کا سفر تھا، مسلمان جغرافیہ نویسوں میں ابن الحائک الہمدانی نے اپنی کتاب صفۃ جزیرۃ العرب میں عرب کے راستوں کی تفصیل لکھی ہے اور میلوں کی تعداد میں اس کی حد مقرر کی ہے[4] ابوالفدا نے تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ کل ملک کے چاروں طرف پھرنے میں

---

[1] ج ۲۳ ص ۹۵۶ [2] ڈنکر کی تاریخ قدیم ج ۱ ص ۳۱۰، ۳۱۲ [3] ڈنکر کی قدیم تاریخ ص ۳۱۰۔ ۳۱۴، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱ جلد ۲۳ ص ۹۵۵ [4] صفۃ جزیرۃ العرب از ص ۱۸۵ تا ۶۹ طبع لیڈن

سات مہینے گیارہ دن لگیں گے۔

سامان تجارت سب سے اہم اور اقدم سوال یہ ہے کہ عرب کا ملک ایک بنجر اور بے آب وگیاہ زمین ہے وہاں تجارت کا کیا سامان ہاتھ آتا ہوگا، وہاں کس چیز کی پیداوار ہوتی تھی، اور کیا کیا چیزیں عرب سوداگر کا سرمایۂ تجارت تھیں، خود عربوں کے پاس تو ان معلومات کا مسالہ کچھ نہیں ہے، لیکن جن قوموں کے ہاتھ وہ ان چیزوں کو فروخت کرتے تھے انھوں نے ان کے تحفوں کی ایک ایک چیز یاد رکھی ہے۔

اس تجارت کا سرمایہ عموماً تین چیزیں ہوتی تھیں :۔

۱ - کھانے کا مسالہ اور خوشبودار چیزیں۔

۲ - سونا، جواہرات اور لوہا۔

۳ - چمڑا، کھال، زین پوش، بھیڑ، بکری۔

دو ہزار برس قبل مسیح[1] میں جو عرب تاجر مار یا مصر کو جاتے دکھائی دیتے ہیں، ان کا سامان تجارت یہ تھا "بلسان، صنوبر، لوبان اور دیگر خوشبودار چیزیں[1]" حضرت داؤدؑ ایک ہزار ق م میں سبا کا سونا مانگتے ہیں[2]۔ ۹۵۰ق م میں حضرت سلیمانؑ کے دربار میں ملکہ سبا جو تحفہ لائی تھی وہ یہ تھا "خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا، بیش قیمت جواہر[3]" حضرت سلیمانؑ کی کشتیاں یمن کی بندرگاہ اوفر سے سونا لاتی تھیں[4]۔ اوفر کے سونے کا اسفار یہود میں بکثرت ذکر ہے، ان کے حوالے ارض القرآن جلد اول ص ۲۲۷ میں گذر چکے ہیں۔

اشعیا[4] نبی کے وقت میں (۷۰۰ق م)، اوزال سے جو صنعا کا قدیم نام ہے، فولاد تیز بات اور مسالہ ملک شام کو جاتا تھا[5] اسی زمانہ میں سبا یعنی شہر مارب سے یہ چیزیں بھی شام کو آتی تھیں، عمدہ خوشبو، جواہر اور سونا، حاران، قانہ اور عدن کی راہ سے یہ چیزیں آتی تھیں[6]۔ مدین اور عیفا کی اونٹنیاں سبا کے ملک سے سونا اور لوبان لے کر آتی تھیں[7]، شام کے ہیکلوں میں عرب ہی سے آیا، لوبان جلتا تھا ددان یعنی اصحاب الایکہ بیٹھنے کے فرش یا زین پوش، بدوی عرب اور دیگر شیوخ قیدار جانور بیچنے کو یروشلم لاتے تھے حزقیال نبی کے ستائیسویں باب سے عرب کی تجارت کے متعلق بہت سے مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، یروشلم کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔

"ددان اور یادان، ازدال سے تیرے بازار میں آتے تھے، آبدار، فولاد، تیز بات اور مسالہ وہ تیرے

---

[1] تکوین ۳۷-۳۶ [2] زبور ۷۲ [3] ۲ ایام ۹-۱ [4] ملوک ۹-۲۷ [5] اشعیا ۲۷-۱۹
[6] اشعیا ۲۷-۱۴ [7] اشعیا ۶۰-۶ [8] برمیا ۶-۲۰

بازار میں بیچتے تھے ددان تیرا سوداگر تھا، کہ سواری کے چار جامے تیرے ہاتھ بیچتا تھا، عرب اور قیدار کے رؤسا، تیرے تاجر ہیں، وہ بکری اور مینڈھے لے کر تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے، سبا اور رعما کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے، وہ ہر قسم کے نفیس وخوشبودار مسالے اور ہر طرح کے قیمتی پتھر اور سونا تیرے بازار میں لاتے تھے، حاران اور قانہ اور عدن اور سبا کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے (۲۷-۱۹-۲۴)

یونانی مورخین کا بیان اس سے زیادہ مفصل نہیں ہے، وہ بھی زیادہ تر ان ہی چیزوں کی سوداگری کا ذکر کرتے ہیں، یعنی سونا اور خوشبودار مسالہ اور جلانے کی خوشبودار لکڑیاں، یہ بیانات اس کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲ پر موجود ہیں، ان شہادتوں پر یہاں صرف ایک سند کا اور اضافہ کرتے ہیں، جو کتاب کی اس دوسری جلد میں اصحاب الایکہ کے ذکر میں گذر چکی ہے۔

"یہ سڑک فلسطین کو جاتی ہے، جہاں اہل قریہ (یمامہ یا بحرین) اور معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں، اور بالائی ملک سے بخورات، کہا گیا ہے کہ خوشبو خوشبودار چیزوں کا بنڈل لاتے ہیں[1]۔"

ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ عرب میں یہ خوشبودار مسالہ، سونا، لوہا، جواہرات اور موتی وغیرہ کہاں سے آتے تھے کیا یہ خود عرب کی پیداواریں تھیں، یا یہ سب مال باہر سے لایا جاتا تھا، اس سوال کا جواب یہودیوں سے نہیں مل سکتا، یونانی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ اکثر خوشبودار چیزوں کی خود یمن میں کاشت ہوتی تھی، یا ان کے باغ موجود تھے، اگاتھرشیدس (۱۴۵ قم) بیان کرتا ہے۔

"سمندر سے متصل زمین میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہیں، اندرون ملک میں بخورات (یعنی جلانے کی خوشبوئیں)، دارچینی، چھوہارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں.... سبا میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں، چاندی اور سونا، بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے۔"

تھیوفراسٹینس بیان کرتا ہے کہ لوبان اور عود وغیرہ بخورات سبا اور حضرموت کے عرب اضلاع میں پیدا ہوتے ہیں (یونانی بیانات کے لئے ارض القرآن جلد اول ص دیکھو۔

اسی قسم کا بیان آرٹی میڈروس کا ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ "یہ مسالے مقابل کے حبشی سواحل سے لائے جاتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں خود ملک میں پیدا ہوتی تھیں، چنانچہ ہمدانی نے نہایت تفصیل سے ان بیانات اور درختوں کا حال لکھا ہے، لوبان اور زعفران کی نسبت لکھا ہے کہ "یہیں سے تمام دنیا میں جاتا ہے قسم قسم کے پھول اور نباتات یمن اور نجد میں،

پیدا ہوتے ہیں، لیکن مسالہ یعنی لونگ، سیاہ مرچ، الائچی، ڈلی اور جلینی، ناریل، املی وغیرہ ہمارے نزدیک یہ چیزیں جنوبی ہند اور جزائر ہند کے سواحل سے عرب آتی تھیں، علاوہ گذشتہ تاریخی بیانات کے خود آج تک یہ چیزیں یہیں سے تمام دنیا میں جاتی ہیں، اور ایک بڑا ثبوت اس دعوے کا یہ ہے کہ مسالہ اور خوشبو کی اکثر چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آئے ہیں، مثلاً مشک، فلفل، کافور، زنجبیل، صندل نارجبیل، قرنفل، بعض چیزوں کے نام میں "ہندی" کا لفظ نام کا جزء ہوگیا ہے مثلاً عود ہندی، قسط ہندی تمر ہندی، لوہے کی تلواریں ہندوستان ہی سے بن کر جاتی تھیں، اسی لئے عربی میں ہندی اور مہند تلوار کے وصف کے طور پر آتا ہے، خوشبودار مسالوں میں لونگ، الائچی، سیاہ مرچ، دارچینی، ہلدی سب داخل ہیں یہ سب جنوبی ہند اور جزائر ہند کی پیداوار ہیں۔

موتی تو خاص سواحل عرب کی چیز ہے بحرین و عمان کے دریاؤں میں موتی کے خزانے ہیں اور اب تک بمبئی وغیرہ میں موتی کے بڑے بڑے تاجر خاص عرب ہیں، قرآن مجید میں ہے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۔ (رحمٰن)

خدا نے ان دو دریاؤں کو ملایا کہ وہ مل گئے اور پھر ان کے بیچ میں پردہ ہے کہ وہ حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے تم اپنے پروردگا کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کروگے ان دونوں سے موتی اور مونگا نکلتے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت لوگوں کو اس بات سے ہوگی کہ غریب اور مفلس عرب کے جس سونے کی یروشلم اور اسکندریہ کے بازاروں میں شہرت تھی وہ خاص عرب کی کانوں سے نکلتا تھا عرب میں سونے کی بہت بڑی بڑی کانیں ہیں، ہمدانی نے صفۃ جزیرۃ العرب میں ایک ایک کان کا نام لکھا ہے، صرف یمامہ اور نجد میں سونے کی چھ کانوں کا پتہ دیا ہے (ص ۱۵۴) سونے کے علاوہ چاندی تانبا اور عقیق کی کانیں بھی بتائی ہیں دُر عدن اور عقیق یمن کی شہرت غالباً یہیں سے ہے رکل کتاب میں، اکانوں کا ذکر ہے، مدین کے سونے کی کانیں انگریزوں کو بھی عرب کھینچ کرلے گئیں، اور خدیو مصر کے حکم سے برٹن ایک انگریز اس کی تحقیقات کے لئے بھیجا گیا، اس نے گولڈ مائنس آف مدین نام ایک کتاب لکھی۔

عرب کی کھالیں بھی سامان تجارت میں نظر آتی ہیں، یمن کی کھالیں پہلے بہت مشہور تھیں، یہاں تک کہ فارسی شعرا کے کلام میں بھی اس کی تلمیحات ملتی ہیں اور سبب اس کا یہ بیان کرتے ہیں کہ ستارۂ سہیل جو یمن کے مقابل طلوع ہوتا ہے، اسی کی روشنی میں کھال کی دباغت بہت عمدہ ہوتی ہے طائف میں بھی یہ فن بہت کمال کو پہنچ گیا تھا چنانچہ اس کا نام ہی "بلد الدباغ" پڑ گیا ہے (ہمدانی ص ۱۲۰) مسلمانوں نے

مکہ سے بھاگ کر جب حبش میں پناہ لی تھی اور قریش نے ایک شخص کو کچھ نذر تحفہ دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو وہ اپنے ملک سے نکال دے، اس وقت بھی قریش کا شاہانہ تحفہ یہی کھال تھی[1] اسلام سے بہت پہلے طرفہ کہتا ہے۔

کسبت الیمانی قدہ لم یجرد — یمن کی کھال ہے جس کی کاٹ ٹیڑھی نہیں

درآمد | بہرحال اس بحث کو ختم کر کے اب ہم اس مسئلہ پر آتے ہیں کہ عرب سوداگر ان چیزوں کو اپنے ملک سے باہر لے جا کر فروخت کرتے تھے، لیکن اُن ملکوں سے خود اپنے اہل وطن کے لئے کیا تحفے لے کر واپس آتے تھے؛ تاریخ کے ہزاروں صفحات الٹنے کے بعد ہم جس نتیجہ تک پہنچے ہیں وہ یہ ہے، غیر ملکوں سے وہ حسب ذیل چیزیں لاتے تھے، کپڑا، غلہ، شراب، ہتھیار اور آئینہ وغیرہ آرائش کی چیزیں۔

کپڑے گو یمن میں بھی بنے جاتے تھے "برد یمانی" یمنی چادریں تو بہت مشہور ہیں، امرأ القیس جو اسلام سے چالیس پچاس برس پہلے گذرا ہے کہتا ہے:

والقی بصحراء الغبیط بعاعہ — نزول الیمانی ذی العیاب المحمّل

ابر نے غبیط کے میدان میں اپنا بوجھ اس طرح ڈال دیا تھا جس طرح یمنی سوداگر اپنے کپڑے کی گٹھڑیاں پھیلاتا ہے

مارب جو سبا کا پایہ تخت تھا، روئی اور کپڑے کا کاروبار وہاں زمانہ اسلام تک تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کے باشندوں پر نقد جزیہ کے بجائے کپڑا ہی مقرر کیا تھا۔[2]

یمن کا کاروبار زیادہ تر ہندوستان کے ساتھ تھا، اس لئے بہ تحقیق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کپڑے یمن ہی میں سب بنتے تھے، یا ہندوستان سے آتے تھے، عربی میں بعض کپڑوں کے نام ہندی الاصل ہیں مثلاً شاش (ململ)، فوطہ (چارخانہ اور تہبند) اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید کچھ کپڑے ہندوستان سے آتے ہوں، آغاز اسلام میں کپڑوں کی آمد شام سے تھی، یہودی تاجر مدینہ میں کپڑا لے کر آتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کپڑا خریدا ہے[3]، مسلمان سوداگر بھی شام ہی سے کپڑا لاتے تھے[4]

غلہ یمن سے آتا تھا، لیکن زیادہ تر شام ہی سے آتا ہے، اور اسی لئے لوگ غلہ کے بیوپاریوں کی آمد کے بے حد منتظر رہتے تھے، سورۂ جمعہ کی آیتوں میں جس واقعہ کا ذکر ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ان بیوپاریوں کی آمد کا شور ہوا اور لوگ اٹھ کر چلے گئے، وہ اسی شام کے غلہ کے بیوپاری آئے تھے۔

---

[1] مسند احمد، مسند اہل البیت و سیرت ابن ہشام ذکر ہجرت حبش [2] ابوداؤد کتاب الخراج اخذ الجزیہ

[3] ترمذی ص ۱۵۵ مطبع العلوم دہلی [4] ایضاً

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ

(جمعہ)

جب یہ لوگ کسی تجارت یا کھیل تماشہ کو دیکھ پاتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور تم کو کھڑا تنہا چھوڑ دیتے ہیں، کہہ دے کہ جو خدا کے پاس ہے وہ کھیل تماشا اور تجارت سے زیادہ بہتر ہے۔

شراب زیادہ شام سے آتی تھی[1]، عمرو بن کلثوم کہتا ہے:

الا هبی بصحنک فاصبحینا	ولا تبقی خمور الاندرینا
ہاں اٹھ اور صبح کی شراب پلا	"اندرین" کی شراب کچھ چھوڑنا نہیں

اندرین شام میں ہے۔

کاغذ بھی ملک شام سے آتا تھا، طرفہ کہتا ہے:

وخد ککف طاس الشامی	گال، شامی تاجر کے کاغذ کی طرح

عرب کے بازار اہل عرب کو جو تجارت کا شوق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حیرہ کے بادشاہ عکاظ کے سالانہ میلہ میں اپنا تجارتی سامان بھیجا کرتے تھے، اس کو لطیمہ کہتے تھے، قریش میں حرب فجار کے نام سے جو آخری جنگ ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے، اسی لطیمہ کے لٹ جانے پر برپا ہوئی تھی۔

خود عرب میں بڑے بڑے بازار تھے، جہاں سال میں ایک دفعہ میلا لگا کرتا تھا اور دور دور سے سوداگر یہاں اسباب لاتے تھے، اور فروخت کرتے تھے، عرب کے نقشہ کو غور سے دیکھو تو نجد کے سوا تمام آبادی عرب کے کنارہ کنارہ دریا سے متصل ہے، یہ میلا شام کے پاس دومۃ الجندل سے شروع ہو کر عراق کے حدود بحرین اور عمان سے ہوتا ہوا بحر ہند کے مقابل حضرموت و یمن سے گذرتا ہوا حج کا زمانہ مکہ میں گذار کر حجاز سے ہو کر پھر شام میں آکر ختم ہو جاتا تھا۔

عرب کے ان بازاروں کے حالات بہت سے مورخین نے قلم بند کئے ہیں، الیعقوبی نے اپنی تاریخ کے خاتمہ میں ایک پورا باب اس پر لکھا ہے، لیکن ان کے متعلق سب سے کارآمد اور مفصل حالات امام مرزوقی نے کتاب الازمنۃ والامکنۃ میں لکھا ہے، ہم ان کا خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

عرب کے ۱۳ مقامات میں بڑے بڑے میلے لگتے تھے، دومۃ الجندل، مشقر، صحار، دبا، شجرہ عدن، صنعاء، حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز، منیٰ، خیبر، یمامہ، سب سے پہلے دومۃ الجندل میں میلہ

[1] فتح الباری جلد ۸ ص ۲۰۹ بحوالہ مسند احمد

لگتا تھا، دومۃ الجندل شام کے پاس حجاز کی آخری سرحد پر واقع ہے، یکم ربیع الاول سے ۱۵ تک توبڑا جمگھٹا رہتا تھا، ۱۵ کے بعد سے گھٹنا شروع ہوتا تھا، کلب اور جدیلہ دو قبیلے اس کے پڑوس میں آباد تھے، ان میں سے جن کا رئیس قابو پاتا، اس بازار کا حاکم ہوجاتا، عرب کے علاوہ عراق اور شام کے تاجر بھی اس کی اجازت سے اپنے بازار لگاتے تھے، رئیس خود بھی تجارت کرتا تھا اور جب تک اس کا مال نہ بک جاتا کسی اور خرید و فروخت کی اجازت نہ تھی، یہاں خرید و فروخت اس طرح ہوتی تھی کہ جس کو جو مال پسند آتا اس پر ایک کنکر ڈال دیتا۔

دومۃ الجندل سے میلہ اکھڑ کر مشقر و بحرین میں آکر جمتا تھا جمادی الاولیٰ بھر پورے ایک مہینہ رہتا تھا، یہ ایران کے قریب تھا اس لئے یہاں ایران کے تاجر بھی آتے تھے، یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ بائع و مشتری دونوں خاموش رہتے اور صرف اشاروں سے بات چیت ہوتی۔

اکیسویں رجب سے صحار (عمان) میں سوداگر جمع ہونے شروع ہوتے، اگلے بازاروں میں جو لوگ نہیں آسکتے تھے وہ اس میں آتے تھے، یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ سامان قرینہ سے لگا ہوتا گاہک پتھر پھینکتے جس پر جا پڑتا اٹھا لیتے، یہاں سے ہٹ کر رجب کی آخری تاریخ کو عمان کی بندرگاہ دبا میں جہاں ملک ملک کے سوداگر آتے تھے لوگوں کا میلہ لگتا تھا، یہاں ہندوستان سے سندھ سے چین سے اور افریقہ سے سوداگر آتے تھے، عرب کی چیزیں اور دریا کی چیزیں یہاں بکتی تھیں، یہاں سے اٹھ کر تمام سوداگر شحر میں جمع ہوتے تھے، جو بحر عرب کے ساحل پر حضرموت اور عمان کے بیچ میں واقع ہے نصف شعبان سے یہاں میلہ شروع ہوتا تھا، چمڑا، کپڑا اور دیگر عام ضرورت کی چیزیں یہاں بکتی تھیں اور کچھ نباتاتی دوائیں لوگ یہاں سے خرید کر لے جاتے تھے۔

شحر سے چل کر عدن میں ان کے ڈیرے لگتے تھے، یہاں دریائی سوداگر زیادہ تر جمع ہوتے تھے یکم سے ۲۰ رمضان تک میلہ رہتا تھا، جو کچھ بچا کھچا مال رہتا تھا وہ یہاں فروخت ہوتا تھا، سلاطین یمن نہایت خوش اسلوبی سے یہاں کا انتظام کرتے تھے، یہاں قسم قسم کے عطر اور خوشبو کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں، عربوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے سوا دنیا میں خوشبو بنانا کوئی نہیں جانتا، براہ دریا ہندوستان اور سندھ تک اور براہ خشکی ایران اور روم تک یہیں سے یہ چیزیں جاتی تھیں۔

عدن کے بعد صنعاء کے میلہ کا زمانہ آتا تھا، صنعا یمن کا پایہ تخت تھا، یہاں روئی، زعفران، اور رنگوں کی تجارت ہوتی تھی، کپڑا اور لوہا خرید کر یہاں سے لوگ لے جاتے تھے، ۱۵ سے ۲۰ رمضان تک یہاں چہل پہل رہتی تھی، یہاں سے کچھ لوگ لوٹ کر حضرموت چلے جاتے تھے، وہاں بھی میلہ لگتا تھا

اور زیادہ تر لوگ عکاظ آتے تھے، عکاظ کا میلہ نجد اور عرفات کے بیچ میں لگتا تھا۔ دونوں مقامات میں ایک ہی وقت میلہ شروع ہوتا تھا، یعنی ۱۵ ذیقعدہ سے۔

عکاظ ایام جاہلیت کا سب سے بڑا بازار تھا، یہاں قریش، ہوازن، غطفان، خزاعہ، حارث ابن عبد مناۃ، عقل، مصطلق وغیرہ جمع ہوتے تھے، شعراء یہاں اپنے قصائد سناتے تھے خطباء تقریریں کرتے تھے، حکام اپنے فیصلے سناتے تھے، شیوخ معاہدے کے دفعات طے کرتے تھے ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر یہ میلہ چھٹ جاتا تھا اور سب لوگ ذوالمجاز کے بازار میں اٹھ آتے تھے اور ۹ تاریخ تک جمتے تھے بعد ازیں حج کر کے لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے تھے، پھر نئے سال سے نیا پھیرا شروع ہوتا تھا[1]

قریش کی تجارت قدیم عرب کی تجارت کی تاریخ لکھنے کے بعد اب مخصوص قریش کی تجارت پر ہم کو روشنی ڈالنا ہے، یہ مسلم امر ہے کہ قریش ایک تاجر قبیلہ تھا، نہ صرف اسی قدر بلکہ زراعت اور کاشتکاری ان کے نزدیک ذلیل ترین پیشہ تھا، چنانچہ اہل مدینہ جو کاشتکار تھے، قریش ان کو اسی لئے آنکھ نہیں لگاتے تھے[2]

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تجارت اور سوداگری عرب کا قدیم پیشہ ہے لیکن چونکہ اسلام سے تو سو اسو برس پہلے سے یمن اور شام کے ملک میں سیاسی انقلابات پے در پے ہو رہے تھے، اس لئے قریش کے خاندان میں جب قصی اور ہاشم پیدا ہوئے تو انھوں نے قریش کے کاروان تجارت کو منظم کیا، اہل حبش یمن پر قابض ہو گئے تھے، شام بہت پہلے سے رومیوں کے ہاتھ میں تھا، ہاشم نے نجاشی اور قیصر سے فرمان حاصل کئے کہ قریش کو ان ملکوں میں بے روک ٹوک آمد و رفت کی اجازت رہے، سال کی دو فصلیں مقرر کیں، جاڑا اور گرمی، جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام بلکہ ایشیائے کوچک تک قریشی سوداگر جاتے تھے۔

یہ تعجب انگیز امر ہے کہ ملک عرب میں جو عام بدامنی اور لوٹ مار جاری تھی اس کے باوجود قریش کا کاروان تجارت بے خطر آیا جایا کرتا تھا، حالانکہ اوپر گذر چکا ہے کہ بادشاہوں کا تجارتی مال بھی عام خطرہ سے خالی نہیں رہتا تھا، اصل یہ ہے کہ چونکہ قریش کا وطن مکہ تھا، جہاں کعبہ تھا، کعبہ کی جو عام عظمت اہل عرب کے دل میں تھی، اس کی بنا پر وہ "جیران اللہ" خدا کے پڑوسی سمجھے جاتے تھے اور لوگ ان کو نہیں ستاتے تھے، ان کا خیال اور لحاظ کرتے تھے، اسی لئے قریش کے تجارتی قافلے بے دھڑک ادھر ادھر پھرا کرتے تھے، اسی لئے خدائے پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دوبار فرمایا۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ (عمران) ان کافروں کا ملک ملک پھرنا تم کو دھوکا نہ دے

---

[1] کتاب الازمنہ والامکنہ جلد ۲ ص ۱۶۱ حیدرآباد [2] صحیح بخاری جلد ۲ ذکر قتل ابوجہل

لَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ (مؤمن) ان کا ملک ملک پھرنا تم کو دھوکا نہ دے۔

اس تفصیل کے بعد سورۂ قریش کی آیتوں پر نظر ڈالیے۔

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ۔ قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفر میں اپنے تجارتی عہد وپیمان کے لیے چاہیئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا دیا، اور خوف سے بچا کر امن وامان بخشا

قریش کو چونکہ عرب کی خشک اور بنجر زمین میں کھانے کی چیز اور نعمت ملتی ہے اور اس عام بے امنی کے زمانہ میں بھی ان کو امن حاصل ہے، شہر کے اندر بھی کہ حرم میں کوئی قتل اور خونریزی جائز نہ تھی اور حرم کے باہر وہ خدا کے پڑوسی تھے، لیکن یہ تمام نعمتیں صرف اس انتساب کی بنا پر ان کو حاصل تھیں جو ان کو خانہ کعبہ سے تھا، اس لئے رب کعبہ یعنی خداوند تعالیٰ کا شکریہ ان پر واجب ہے۔

یہ قافلے ذیقعدہ میں لوٹ آتے تھے[1]۔ شاید اسی لیے اس مہینہ کا نام "ذیقعدہ" رکھا تھا یعنی بیٹھنے کا مہینہ، اس کے بعد ذی الحجہ آتا تھا جس میں ان کا موجود رہنا ضرور تھا۔

اس امن وامان کے معاوضہ میں قریش ان قبائل کے ساتھ یہ سلوک کرتے تھے کہ ان کی ضرورت کی چیزیں لے کر وہ خود ان کے پاس جاتے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے، درحقیقت یہ بھی قریش کی تجارت کے فروغ کا ایک سبب تھا، قریش کی تاجرانہ ترقی کی انتہا یہ تھی کہ بیوہ اور لاچار عورتیں تک اپنا سرمایہ اس میں لگاتی تھیں، اور دوسروں کو اپنا روپیہ دیتی تھیں کہ وہ اس سے تجارت کریں اور نفع میں شریک ہوں، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو قریش کی ایک بیوہ خاتون تھیں اسی طریقہ سے تجارت کرتی تھیں، ان کا سامانِ تجارت ہر سال شام کو جایا کرتا تھا۔

ابوطالب حضرت علیؓ کے والد بھی تاجر تھے اور بڑے بڑے امرائے قریش، مثلاً ابوجہل و ابوسفیان وغیرہ بھی تجارت پیشہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے تجارت کرتے تھے اور حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر کئی دفعہ بُصریٰ تشریف لے گئے جو شام کی سرحد پر واقع ہے، محدثین نے تصریح کی ہے کہ آپ یمن کے بازار حبرش میں بھی دوبار تشریف لے گئے، بحرین بھی آپ کا جانا ثابت ہے جب اسلام کا ظہور ہوا اور ناچار مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا، تو مسلمانوں نے قریش کو عاجز کرنے کے لئے اس سے بہتر صورت نہ دیکھی کہ ان کے شامی قافلہ کے راستوں کو پرخطر کر دیا جائے چنانچہ غزوۂ بدر اسی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہے، قرآن مجید میں ہے:۔

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ خدا وعدہ کرتا ہے کہ دو جماعتوں یعنی فوج اور کاروانِ تجارت

اَنَّهَا لَكُمْ (انفال) تجارت میں سے ایک تم کو ملے گا۔

اسی کاروان کے متعلق ہے:-

وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (انفال) کاروان تم سے ادھر تھا

اس غزوۂ بدر کے قافلہ میں قریش کی ایک ایک بڑھیا تک کا سرمایہ تھا[1]، قریش نے جب مسلمانوں کو حج کرنے سے روک دیا تھا تو انھوں نے سب سے مؤثر دھمکی ان کو یہ دی کہ ہم تمھاری شام کی تجارت کا قافلہ روک دیں گے[2]، آخر اسی سے دب کر سنہ ۶ ہجری میں انھوں نے مقام حدیبیہ میں صلح کرلی، اس صلح کے زمانہ میں قریش کا قافلہ بدستور شام اور ایشیائے کوچک تک پہنچنے لگا، چنانچہ جب آنحضرت صلعم نے شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ کیے ہیں ان میں ایک خط قیصرِ روم کے نام بھی تھا، جب مسلمان قاصد خط لے کر ایلیا (بیت المقدس) پہنچا ہے تو وہاں قریش کے سوداگر موجود تھے[3]۔

اہلِ عرب کے سامانِ تجارت کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، قریش بھی غالباً ان ہی چیزوں کی تجارت کرتے ہوں گے، مگر بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے چنانچہ اوپر گذر چکا ہے کہ قریش نے حبش کے نومسلموں کو پکڑنے کے لیے تحفہ تحائف دے کر نجاشی کے پاس جو وفد بھیجا تھا، اس کا سرمایہ یہی چمڑا تھا، طبری میں ہے کہ وکان اعظم تجاراتهم الفضة قریش کی تجارت کا بڑا حصہ چاندی کا سامان تھا[4]۔

اسلام کے بعد بھی قریش کی تجارتی سرگرمی افسردہ نہ ہوئی، بلکہ اور زیادہ تیز ہوگئی اور وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ) کے حکم نے تو اس کو واجب کا درجہ دے دیا، حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، مدینہ میں بھی مقام سنح میں ان کے کپڑے کا کارخانہ تھا[5]، کبھی خود بہ نفسِ نفیس اسلام کے بعد بُصریٰ سوداگری کا مال لے کر جاتے تھے[6]، حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے[7] اور شاید ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا[8]، حضرت عثمانؓ بنوقینقاع کے بازار میں کھجوروں کی خرید و فروخت کرتے تھے[9]، عبدالرحمٰن بن عوفؓ پنیر بیچتے تھے[10]، حضرت زبیرؓ بھی کپڑے کے تاجر تھے، اور شام سے ان کا بیوپار تھا[11]، دیگر عام مہاجرین بھی مدینہ میں تجارتی زندگی بسر کرتے تھے[12]۔

[1] ابن سعد غزوہ بدر [2] صحیح بخاری ج ۲ - اول مغازی [3] صحیح بخاری کتاب الایمان [4] طبری واقعہ بدر
[5] ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۰ [6] ابن ماجہ باب المزاح [7] مسند احمد ج ۱ ص ۶۲ [8] مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۳۴۷ [9] مسند احمد ج ۴ ص ۴۰ [10] صحیح بخاری باب الاخاء بین المہاجرین والانصار
[11] کتب سیرۃ ذکر ہجرت [12] صحیح بخاری ماجاء فی الغرس

انصار زراعت پیشہ تھے۔ اس لئے یہاں تجارتی کاروبار تمام تر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا، مدینہ سے شام تک ان کی بہت سی گڑھیاں تھیں جن کو گودام سمجھنا چاہیئے، ابن ابی الحقیق ایک یہودی تھا، جس کو لوگ "تاجر الحجاز" کہا کرتے تھے[1] لیکن آخر کار مسلمانوں نے ان کی جگہ لینی شروع کر دی اور آخر ۷ھ ہجری میں ملک کو ان کے پنجہ سے آزاد کیا۔

عرب جو بڑے بڑے تجارتی میلے لگتے تھے، قریش ان سے زیادہ عکاظ اور ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے، عکاظ کے بعد ذوالمجاز کے میلے کے دن آتے تھے یہ میلہ عین مکہ میں آکر لگتا تھا، اور حج تک قائم رہتا تھا[2]

اسلام آیا تو لوگوں نے ان میلوں میں شرکت اور ایام حج میں خرید و فروخت کو برا جانا، اس پر یہ آیت اتری[3]

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (فی مواسم الحج)	تمھارے لئے کوئی حرج نہیں اگر (حج کے زمانہ میں) اپنے پروردگار کی مہربانی تلاش کرو۔

اس کے بعد ان میلوں میں پھر وہی رونق اور تجارتی دھوم دھام شروع ہو گئی، اور تقریباً سوا سو برس تک بہ زمانہ اسلام میں قائم رہے، سب سے پہلے عکاظ کا بازار سرد ہوا ۱۲۹ھ میں خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہو گیا[4] اس کے بعد اور بازار بھی کچھ دنوں تک چلتے رہے، بصریٰ اور اذرعات میں بنو امیہ کے اہتمام سے بڑا بازار لگتا تھا[5]

[1] صحیح بخاری واقعہ قتل ابن ابی الحقیق [2] یعقوبی ج ۱ ص ۲۱۴ [3] صحیح بخاری کتاب الحج التجارۃ فی ایام المراسم [4] فتح الباری ج ۳ ص ۳۷۴ [5] حوالہ سابق

[6] بخاری باب ما جاء فی الغرس و ابواب الزراعۃ

السنۃ العرب قبل الاسلام

یعنی

اسلام سے پہلے عرب کی زبانیں

لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ

ہمارے ناظرین کو یہ معلوم ہوچکا ہے کہ یہ کتاب نسلِ آدم کے جس خانوادہ کی تاریخ ہے اس کا نام بنو سام یا امم سامیہ ہے، اس لئے ملک عرب کی زبان بھی شجرہ السنہ سامیہ کی ایک شاخ ہے، وہ تمام قطعہ زمین جو بنو سام کی آبادی کہلاتی ہے اور حبش سے لے کر یمن، نجد اور حجاز کو طے کرتی ہوتی ہوئی بابل اور شام کے کناروں پر جاکر ختم ہوجاتی ہے، عرب اس کے بیچ میں ہے، یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ حبش کوئی مستقل آبادی نہیں بلکہ وہ یمن کا ایک ٹکڑا ہے، اس بنا پر جغرافی حیثیت سے سامی زبانیں تین مرکزوں پر منقسم ہوتی ہیں عربی، بابلی اور شامی، ان میں ہر ایک کی متعدد شاخیں ہیں۔

۱۔ عربی

آرامی[۱]، ثمودی[۲]، مدیانی[۳]، نبطی[۴]، عدیانی[۵]، سبائی[۶]، حمیری[۷]، حبشی[۸] وغیرہ

۲۔ بابلی

آرامی[۱]، کلدانی[۲]، سریانی[۳]۔

۳۔ شامی

آرامی[۱]، فینیقی، عبرانی[۲]، تدمری[۳]

جس زمانہ میں یہ تمام قومیں صرف ایک خاندان یا قبیلہ تھا، ظاہر ہے کہ ان کی کوئی مشترک زبان ہوگی جس کا نام ہم سامی رکھتے ہیں، سینکڑوں ہزاروں برس کے بعد جب یہ ایک خاندان سینکڑوں قبائل اور یہ قبائل مختلف قوموں میں منقسم ہوگئے تو آب وہوا، خصائص وعادات، رسوم وعوائد، مذاہب، اخلاق اور دیگر ضروریات کے اختلاف سے بنو سام کی مادری زبان، چند بچوں کی ماں بن گئی، لغویین کا اختلاف ہے کہ ان بچوں میں پہلوٹا کون ہے۔

ہم نے امم سامیہ کی حقیقت اور ان کے اصل مسکن کی نسبت پہلی جلد میں جو بحثیں کی ہیں ان سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ بنو سام کا اصل مسکن عرب تھا، اس لئے اصل زبان سامی کا جو کچھ نام بھی ہو، لیکن جغرافی اور ملکی حیثیت سے اس کا نام عربی[۱] ہی ہوگا، اس کے بعد یہ بحث بھی فیصل ہوچکی ہے کہ سامی

حاشیہ

قبائل سب سے پہلا نامور اور ممتاز قبیلہ بنو آرم پیدا ہوا، جس کا سراغ عرب، عراق (بابل) اور شام میں[۱] ہر جگہ ملتا ہے، اس بنا پر عربی زبان کی پہلی شاخ آرامی[۲] ہوگی، آرامی قبائل جس جس ملک میں جا جا کر رہ گئے اس کے انتساب سے بعد کو ان کا الگ الگ نام پڑ گیا۔

اس بیان کے مطابق آلِ سام کی قدیم ترین زبان کو ملکی حیثیت سے عربی اور قومی حیثیت سے آرامی کہنا چاہیئے، اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عبرانی زبان سب سے قدیم زبان ہے، اور یہی حضرت ابراہیمؑ کی زبان تھی، لیکن یہ بالکل غلط ہے، حضرت ابراہیمؑ کی زبان آرامی عربی تھی، چنانچہ ایک عیسائی فاضل قس جبرائیل فرداحی نائب پیٹریارک وپروفیسر عربی وسریانی مدرسۂ مارونیہ، واقع رومیہ اپنی کتاب متعلقہ سریانی میں لکھتا ہے

"علمائے سریانی نے آرامی زبان کی قدامت میں بہت مبالغہ کیا ہے، یہاں تک کہ ان کا بیان ہے کہ حضرت آدمؑ کی زبان یہی تھی، لیکن اہل تحقیق اس سے زیادہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ عبرانیوں کے پدر اعلیٰ ابراہیم کی زبان ہے[۳]"

اس بنا پر حضرت اسمٰعیلؑ کی اصلی زبان عبرانی نہیں، بلکہ آرامی عربی تھی، جرہم جن میں آکر وہ عرب میں بسے ان کی زبان بھی وہ عربی نہ تھی جو ظہور اسلام کے وقت قریش بولتے تھے، اس لئے نسلِ اسمٰعیلؑ کو "مستعربہ" کہنے کی یہ وجہ کہ عربی ان کی اصلی زبان نہ تھی، بلکہ جرہم کے ساتھ رہ کر انھوں نے سیکھی تھی، صحیح نہیں ہے مورخین نے عرب کی تمام قوموں کو تین طبقوں پر منقسم کیا ہے، بائدہ جن کو ہم نے امم سامیہ اولیٰ کا لقب دیا ہے عرب عربا، یعنی بنو قحطان اور عرب مستعربہ یعنی بنو اسمٰعیل عرب کے یہ تینوں طبقے جو تین مستقل خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں الگ الگ تین زبانیں بولتے تھے، یہ تینوں زبانیں گو یا اپنی اصلیت کے رو سے ایک ہی ماں سے پیدا ہوئی تھیں، لیکن چونکہ مختلف خاندانوں میں ان کی پرورش اور نشو ونما ہوئی تھی اس لئے ان میں باہم خاص امتیازات پیدا ہو گئے تھے۔

امم بائدہ کی زبان: آرامی جلد اول میں امم بائدہ کے حالات تفصیل گذر چکے ہیں، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے لئے امم سامیۂ اولیٰ کی اصطلاح مناسب تر ہے، یہ بھی اسی مقام میں طے ہو چکا ہے کہ امم سامیۂ اولیٰ کی سب سے طاقتور اور نامور قومیت بنو آرم کی تھی، تورات سے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ بابل (عراق) اور شام یہ دونوں ملک قدیم زمانے میں آرامی تھے، قرآن مجید اور عرب کے بیانات اور اشعار سے بھی ثابت

حاشیہ ص ۱: یہاں ایک شبہ واقع ہوتا ہے، اس کو دور کر لینا چاہیئے عربی زبان سے وہ بعینہ زبان مراد نہیں ہے جو ظہور اسلام کے وقت بولی جاتی تھی اور جو اب تک محفوظ ہے [۱] صفحہ ہذا: دیکھو ارض القرآن ج اول [۲] اس سے مراد وہ آرامی زبان نہیں ہے جس میں یہودیوں کی تالمود لکھی گئی، وہ تو بعد کی زبان ہے [۳] الہلال مصر ج ۲، صفر ۱۳۲۰ھ

ہو چکا ہے کہ عربوں کی پہلی آبادی بنو ارم کی تھی، اس لئے عاد ارم کو عاد اور ثمود ارم کو ثمود کہتے تھے، یہ بھی وہیں گذر چکا ہے کہ بنو ارم کی حکومت ابتدائی زمانہ میں، تمام عرب، عراق، شام اور مصر میں پھیلی تھی، اس بنا پر یہ نتیجہ لازمی ہے کہ ان ممالک کی زبان قدیم آرامی ہو جس کو اس بنا پر کہ ان کا اصلی وطن عرب تھا عربی بھی کہنا چاہیئے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (طبع ۱۱) نے آرامی زبان کی حسب ذیل تفصیل کی ہے:

"آرامی زبانیں زبانوں کی ایک صنف کا نام ہے جس کو آرامی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ارام کی طرف منسوب ہے، ارام ایک جغرافی اصطلاح ہے جو توراۃ کے محاورہ میں تقریباً اسی مقام پر اطلاق پاتا ہے جس پر یونانی لفظ سیریا (شام) اطلاق پاتا ہے، اس میں فلسطین شامل نہیں ہے بجالیکہ میسوپٹیمیا (عبرانی: دو دریاؤں[1] کا ارم) یعنی وہ مقام جس کو یونانی اکثر سیریا خاص سے الگ کرتے ہیں اس بنا پر آرامی زبانوں کی جغرافی حیثیت سے اسی طرح تحدید کی جاسکتی ہے کہ وہ سامی بولیاں ہیں جو اصلاً مسوپٹیمیا اور فرات کے جنوبی مغربی مقامات سے فلسطین تک[2] جاری ہوئی۔"

غلطی سے اس جغرافی تحدید میں مضمون نگار نے اُن مقامات کو نہیں لیا ہے جو عرب میں واقع تھے اور جو بنو ارم کا خاص مولد و منشا تھا، اسی بنا پر "السنہ سامیہ" کے مضمون میں یورپ کے سرمایۂ ناز محقق، تھیوڈر نولڈیکی کو حیرت سے کہنا پڑا:۔

"آرامی زبان کے اصلی وطن کے متعلق یقینی طور سے کوئی بات نہیں معلوم ہے، توراۃ میں "ارم" قدیم زمانے میں، ارم دمشق وغیرہ شام کے کئی مقامات کو کہا گیا ہے۔ نیز عراق کو ارم ما بین النہرین کہا ہے[3]"

اس کے بعد پورے مضمون میں نولڈیکی نے تفصیل کی ہے کہ "یہ زبان عراق، شام اور عراق عرب میں بولی جاتی تھی بلکہ مصر اور ایران کی زبانوں میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں، ہم اس بیان کی تشریح اپنے نظریہ امم سامیہ اولیٰ کی بنا پر جن کی عراق، شام، مصر اور ایران وغیرہ میں حکومتیں ثابت کی جاچکی ہیں[4]، یہ کرتے ہیں کہ حکومت کے سایہ میں یہ زبان بھی ان ممالک میں پھیلتی چلی گئی۔

ثمود کی زبان اس تشریح کے بعد یہ دعویٰ قابل قبول ہونا چاہیئے کہ عاد و ثمود وغیرہ امم بائدہ کی زبان عربی آرامی تھی، ثمود کے متعلق ایک اور بات بھی غور کے لائق ہے شمالی عرب کے جن مقامات میں ثمود کی سکونت ثابت ہوتی ہے، وہاں ایک خاص خط کے بہت سے کتبات پائے گئے ہیں جن کی زبان آرامی عربی ہے

---

[1] ارض القرآن: اسی لئے عرب اس کو ما بین النہرین کہتے ہیں [2] جلد دوم ص ۲۱، [3] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۴ ص ۶۲۳ [4] ارض القرآن جلد اول۔

العلاء کے کتبات اسی قسم کے ہیں۔ اس خط کا نام پہلے "پروٹو عربک" (ابتدائی عربی) تھا، بعض لوگ اس کو لحیانی کہتے ہیں کہ یہاں کے چند کتبات میں لحیان نامی ایک قبیلہ کا ذکر ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس کو ثمودی کہتے ہیں، تھیوڈر نولڈکی ان کتبات کو ثمودی کہنا پسند نہیں کرتا، کہتا ہے:-

"بہت قدیم زمانہ میں ...... شمالی عرب اپنی زبان کو قید تحریر میں لائے، کیوں کہ سیاحوں نے ابھی کچھ دن ہوئے شمالی حجاز علاء میں ایسے کتبات جو ایک مجہول خط میں جو سبائی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے پائے، جس کا زمانہ بظاہر سنہ عیسوی سے بیشتر معلوم ہوتا ہے ...... ان کتبات کا نام ثمودی ہے کیونکہ وہ ثمود کے مقامات میں پائے گئے ہیں لیکن یہ وصف بمشکل مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جس زمانہ میں ثمود پوری ترقی پر تھے اور وہ مکانات جن کو قرآن نے بیان کیا ہے کہ پہاڑوں کو کاٹ کر بنا رہے تھے، اس ملک کی زبان نبطی تھی[1]"

اس کی دلیل غالباً نولڈکی کے پاس یہ ہوگی کہ حجر جو عام طور پر ثمود کا دارالحکومت سمجھا جاتا ہے وہاں کے عمارات کے کتبات کی زبان نبطی ہے، اس سے وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ علاء کے کتبات اگر ثمودی ہوتے تو حجر کی طرح نبطی ہوتے کیونکہ حجر ہی کی زبان ثمود کی زبان ہوتی، لیکن اس خیال کی غلطی ہم انباط کے ذکر میں بہ تفصیل بیان کر چکے ہیں، ہم نے اس کو نہیں تسلیم کیا ہے کہ حجر کے کتبات جو نبطی میں ہیں وہ ثمود کے ہو سکتے ہیں، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اور نولڈکی نے سمجھنا چاہا ہے بلکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ انباط کی یادگار ہیں، اس کو کون صاحب عقل تسلیم کر سکتا ہے کہ ایک طاقتور قوم اپنے شباب اور ترقی کے عہد میں اپنی یادگاروں کے لئے غیر قومی زبان اختیار کرے گی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "ثمود جب اپنی پوری ترقی پر تھے، تو ملک کی زبان نباطی نہ تھی۔"

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں (Achoade) نے "عربی زبان" پر جو مضمون لکھا ہے اس میں وہ ان کتبات کے متعلق لکھتا ہے:-

"ایک بظاہر بعد کے نمونہ کا خط ان کتبات میں پایا گیا ہے جن کا نام پہلے "پروٹو عربک" تھا، اور اب ثمودی کہلاتا ہے، یہ کتبات اوّل یوٹنگ نے اسی مقام پر پائے، جہاں لحیانی کتبات ملتے ہیں، یہ کتبات ایک حد تک اور شمال کی جانب میں ہیں، برٹن (ارض مدین ج ۲ ص ۱۸۰۸) نے اسی خط کے چند کتبات مدین میں پائے ہیں اور راقم ہذا نے اس کی کچھ تعداد تبوک کے شمال مغرب میں قریہ کے معدنی مقام میں دریافت کئے، کتبات کی کثیر تعداد (تنہا یوٹنگ نے ۲۰ کتبات جمع کئے ہیں) کے مقابلہ

[1] برٹانیکا جلد ۲۴ ص ۶۲۴

میں واقعات کا بہت کم پتہ لگتا ہے اور ان کے زمانہ کی تعیین تیقن کے ساتھ نہیں کی جاسکتی"۔

اس محقق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو اس خط کو لحیانی کہا جاسکتا ہے اور نہ اس خط کو ثمودی سمجھنا خلاف قیاس ہے۔

اہلِ عرب نے اِن قوموں کی زبان کا نام مُسنَد رکھا ہے، معجم یاقوت میں ہے:-

فاهل المسند عاد و ثمود و العماليق و جرهم و عبيد بن الضخم وطسم وجديس واميم فهم اول من تكلم بالعربية بعد البلبلة ولسانهم وكتابهم المسند (لفظ عرب)

مسند زبان والے عاد، ثمود، عمالیق، جرہم، عبید بن ضخم، طسم جدیس، امیم ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جو سب سے پہلے عربی بولے، ان کی زبان مسند اور ان کا خط مسند ہے۔

اس بیان سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ ان قوموں کی زبان خاص قسم کی عربی تھی لیکن اس کو مسند کہنا بھی خلاف تحقیق ہے، محققین عرب کے نزدیک مسند زبان کا نہیں، خط کا نام ہے جو اہلِ یمن کے استعمال میں تھا اس خط کے ہزاروں کتبے یمن میں موجود ہیں۔

شمالی اور جنوبی زبانیں: بنو قحطان اور اسماعیل

طبقۂ اول یعنی امم سامیۂ اولیٰ کے بعد طبقۂ دوم (بنو قحطان) اور طبقۂ سوم (بنو اسماعیل) کی زبانوں پر ایک نظر ڈالتا ہے، اتنا محقق طور سے ثابت ہے اور کئی بار اس کا اعادہ بھی ہوچکا ہے کہ عرب کی دو بڑی تقسیمیں ہیں، ان میں باہم متعدد امور میں باہم امتیاز اور تفریق ہے اہلِ عرب اس کی قومی تقسیم کرتے ہیں، یعنی بنو قحطان اور بنو اسماعیل اور علمائے یورپ نے اس کی جغرافی حدبندی کی ہے یعنی جنوبی اور شمالی، بنو قحطان جنوبی عرب کے باشندے ہیں، اور بنو اسمٰعیل کا مسکن شمالی عرب ہے، عربی زبان بھی ان دو شاخوں میں منقسم نظر آتی ہے شمالی (اسماعیلی) اور جنوبی (قحطانی) عربی زبانوں میں متعدد حیثیتوں سے اختلاف ہے، پھر یہ دو شاخیں بھی چند اور چھوٹے چھوٹے شعبوں میں منقسم ہیں۔

اہلِ عرب کا بیان ہے کہ عربی زبان، عرب کے مختلف قوموں میں اس طرح منقسم تھی:-

قوم	زبان	قوم	زبان
قحطان	عربی	جرہم	زبور
یقطن بن عامر	زقزقہ	مدین بن ابراہیم	حویل
یافش بن ابراہیم	رشق	اسماعیل بن ابراہیم	مُبین

۱ شمس العلوم ابن سعید حمیری لفظ مسند موجودہ کتب خانہ بانکی پور و صفۃ الجزیرۃ العرب، ہمدانی

لیکن خود صاحب کتاب نے ان زبانوں کی نسبت درست کی ہے، اور وہ ایک حد تک صحیح ہے۔

قوم	زبان	قوم	زبان
حمیر	مُسند	اہل جند	رشق
حضرموت	زبور	اہل عدن	رشق
اہل مہرۃ	حویل	اشعر	رقرق
مَعَد	مُبین		

آج کل کتبات کی مدد سے ان زبانوں کے متعلق کسی قدر مزید تحقیق ہوئی ہے، اس کے بیان کے لئے سب سے پہلے عربی زبانوں کی دونوں جلی تقسیموں کو الگ الگ کر دینا چاہیئے۔

جنوبی یا قحطانی زبانیں جنوبی عربی کی حسبِ ذیل قسمیں ہیں: سبائی، حمیری، حضرموتی، مہری، حبشی، سبائی، قوم سبا کی، حمیری، اصحاب الاخدود کی، حبشی، اصحاب الفیل کی زبان تھی، سبائی زبان تو بہت پہلے مردہ ہو چکی تھی، بقیہ زبانیں ظہورِ اسلام تک بولی جاتی تھیں، قرآن مجید کے اثر نے گو بعد کو تمام عرب میں صرف اپنی زبان رائج کر دی، تاہم ان صوبوں میں اپنی اصلی زبانوں کا اثر ہمدانی کے زمانہ تک موجود تھا اور موجودہ سیاح بیان کرتے ہیں کہ اب بھی ہے حبشی تغیر زمانہ کے بعد ایک مستقل زبان بن گئی۔ سبائی اور حمیری میں بہت کم فرق ہے جنوبی اور شمالی زبانوں میں موٹے موٹے فرق حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ **الفاظ کا فرق**، بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو جنوبی زبانوں میں مستعمل ہیں وہ شمالی میں نہیں مثلاً المقہ، چاند، سمہر، بند، مزندن لوح۔

۲۔ **معانی کا فرق**، لفظ ایک ہے لیکن معنی میں تخصیص، تعمیم یا کسی اور قسم کا فرق ہے مثلاً:

لفظ	جنوبی	شمالی
ذو	بادشاہ	والا (جیسے روپے والا)
بیت	قلعہ	گھر
حضر	شہر	مستقل آبادی

۳۔ **قواعد کا فرق**، مثلاً شمالی عرب میں علامت جمع "ن" ہے، جنوبی میں "م" شمالی عربی میں حرف تعریف الف ہے، جنوبی میں "میم" فرق کے زیادہ واضح کرنے کے لئے جنوبی عربی کا ایک کتبہ ہم اصل زبان میں نقل کرتے ہیں

۱؎ معجم یاقوت لفظ عرب

وھبم[1] واخھو[2] بنو[3] کلبت[4] ھقینو[5] المقہ[6] ذمرن[7] ذن[8] مزنن[9]
حجن[10] وقھھمو[11] بمسالھو[12] لوفیھو[13] وسعدھمو[14] نعمتم[15]

شمالی عربی

وھب[1] واخوہ[2] بنو[3] کلیہ[4] اقنو[5] المقہ[6] ذامران[7] ذا[8] اللوح[9]
لانہ[10] وقاھم[11] بما سالوہ[12] ووفاھم[13] واسعدھم[14] منہ[15]

ان زبانوں میں سے ہر ایک کے قواعد صرف ونحو ولغت پر جرمن اور فرنچ میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن افسوس کہ ہماری وہاں تک رسائی نہیں، اہلِ عرب نے دو تین یادرکھی ہیں مثلاً یہ کہ شمالی عرب کے سَ کو جنوبی عرب میں تَ اور کافَ کو شَ کر دیتے تھے جیسے "ناس" کو "نات" اور "علیک" کو "علیش" الف لام تعریف کی جگہ الف میم، طاب الھوا کے موقع پر طاب امھوا حرف کو کم کر دینا مثلاً ماشاء اللہ[1] کو مشاء اللہ[2] چنانچہ کتبۂ بالا میں بما سالوہ کی جگہ بمسالھو ہے۔

قرآن مجید میں سبائی حمیری زبان کا ایک لفظ "عرم" سبا کے قصہ میں آیا ہے، حبشی کے کئی لفظ جو عرب کے عیسائیوں میں اس سبب سے مستعمل تھے کہ جنوب عرب میں عیسائیت وہیں سے آئی تھی اس لئے قرآن کی مذہبی زبان میں بھی وہی الفاظ چلے آئے، مثلاً:

نفاق، صحف، برھان، جبت، حرج، مائدہ، مشکوۃ، سورۃ، حواری، بیع، استبرق، ورق۔

ابن الحائک الہمدانی جو چوتھی صدی کے اوائل میں یمن میں موجود تھا اور حمیری زبان کا عالم تھا وہ اپنے زمانہ کے قبائل کی زبان کی حالت حسبِ ذیل لکھتا ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ گو عرب میں قرآن مجید کی اشاعت کو ساڑھے تین سو برس گذر چکے تھے تاہم جنوبی عربی زبان بے نشان نہیں ہو گئی تھی، کہتا ہے:-

"شحر اور اسعاد کے باشندے فصیح اللسان نہیں ہیں، مہرہ کے باشندوں میں عجمیت ہے اہل حضرموت بھی اچھی زبان نہیں بولتے کبھی کبھی کوئی زباندان ان میں نکل آتا ہے، ان میں نسبتہً زیادہ زباندان، کندہ، ہمدان اور کسی قدر صدف کے لوگ ہیں، مذحج، مارب، بیحان اور قریب والے فصیح اللسان ہیں، غیر فصیح آدمی ان میں کم ہیں حمیر اور جعدہ زباندان نہیں، ان کے کلام میں کسی قدر حمیریت ہے بعض حرفوں کو کھینچتے ہیں بعض کو حذف کر کے بولتے ہیں مثلاً یا ابن العم کو یابن معم، اسمع سمع لجز، ابین اور وثینہ کی زبان اچھی ہے، عدن کی زبان نہایت خراب ہے، مجید، واقد اور اشعری

ے1 مزہر سیوطی ص ۱۰۹ مصر ے2 مزہر سیوطی ص ۱۱۰ مصر

زبان قابل اعتراض نہیں، معافر کے نشیب کی زبان خراب اور فراز کی زبان اچھی ہے ۔ کلاع کی زبان خاصی ہے، گو حمیریت کی آمیزش ہے کلان، جیشان، زاخ، حضر، صہیب اور بدر کی زبان حمیر کے قریب قریب ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قتاب سے لے کر ذمار تک خالص غیر مفہوم حمیری بولی جاتی ہے مذحج کے بند و پست مقامات کی زبان مثلاً ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہ بہت اچھی اور نہ بہت خراب ہے ان میں کہیں کہیں حمیریت زیادہ ہے خصوصاً حضری قبائل میں اشعر، علیک اور حکم بن سعد جو تہامہ میں ہیں ان کی زبان قابل اعتراض نہیں لیکن ہاں جو دیہاتوں میں آباد ہیں، ہمدان کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زبان عربی اور حمیری ملی ہے، خیوان فصیح اللسان ہیں لیکن ان میں حمیریت بہت ہے، سفیان بن ارحب فصیح ہیں لیکن لام کو میم بولتے ہیں مثلاً الرجل کے بجائے امرجل زبر کو الف بولتے ہیں مثلاً قین بعیرک کو قین بعیرا لک اسمائے ستہ کو حالت نصب میں واو کے ساتھ بولتے ہیں مثلاً رأیت اخاک کی جگہ رایت اخوالک اشعر، علک اہل تہامہ میں حکم اور عذر، مطرۃ، نہم، مرہبہ، ذیبان اور بلحارث جو رحبہ میں رہتے ہیں فصیح ہیں ۔ ۔ ۔ بنو حرب امالہ کرتے ہیں، بنو سعد کی زبان نہایت عمدہ اہل صنعاء میں خالص عربیت کسی قدر حمیریت کی آمیزش کے ساتھ ہے، اس کے علاوہ یہاں ہر قسم کی زبانیں اور بولیاں ہیں ہر ٹکڑے میں نئی بولی ہے، اشبام، مصانع اور تخلی میں خالص حمیری زبان ہے ۔

فصاحت اور زبان کی خوبی، مقامی ترتیب کے ساتھ ان قبائل میں ہے :-

وادعہ، جنب، یام، زبید، بنی الحارث، نجران کا وہ حصہ جو بنی شاکر کے مسکن سے متصل ہے یام کی سرزمین تک پھر سنحان، پھر نہد اور بنی اسامہ پھر عنز، خثعم، ہلال، عامر بن ربیعہ حجر کا نشیبی علاقہ، دوس، غامد یشکر، فہم، ثقیف، بجیلہ، بنو علی ۔

عروض کے صوبہ میں گاؤں کے علاوہ اور مقامات میں فصاحت ہے حجاز اور نجد و یرین سے شام اور دیار مضر و دیار ربیعہ (عراق) تک ایک حال ہے[1]

اس تفصیل سے لغوی شہادت کے ذریعہ سے نہایت عمدگی کے ساتھ یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے، جس کی ہم نے اس کتاب میں بار بار تکرار کی ہے کہ عرب کا ملک جنوبی اور شمالی دو حصوں میں منقسم ہے اور یہ نہ صرف جغرافی، بلکہ نسلی اور قومی تقسیم بھی ہے، جو قبائل حقیقت میں قحطانی النسل ہیں، یمن چھوڑنے کے بعد بھی ان میں حمیریت کا شائبہ موجود ہے، اس نکتہ کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ہمدانی، حمیری اور عربی کا دو حریف زبانوں کی حیثیت سے نام لیتا ہے ۔

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب ص ۱۳۵ و ۱۳۶، لیڈن

شمالی اسمٰعیلی عربین | شمالی زبانوں کے حدود تدمر (شام کے قریب) اور حیرہ (عراق) کے قریب سے شروع ہوتے ہیں، ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں، تدمری، نبطی، حجازی، ان میں بھی الفاظ حروف، معانی اور قواعد کا باہم فرق ہے، دو پہلی زبانوں میں آرامی کا اثر زیادہ نمایاں ہے، تدمری قرآن کی عربی زبان سے الفاظ میں بہت مغائر ہے، بلکہ عبرانی کے قریب قریب ہے، چنانچہ حسب ذیل تدمری کتبہ سے یہ فرق نمایاں ہوگا۔

صلمت صفطیما بت (بنت) ربای نہیرنا وزدقتا (صدیقة) ملکتا (ملکة) :

سقطیموا زبدا رب (رہب) حیلا دبا وزبای ؛

رب حیلا دی تدمور قرططو اقیم لمرتھون

بیرح اب دی شنة (سنة) ۵۸۲

نبطی جو اصحاب الحجر کی زبان تھی وہ قرآن کی عربی سے بہت قریب ہے نبطی خط بھی قدیم عربی خط بلکہ کوفی خط تک سے مشابہ ہے، زبان یہ ہے:۔

تی نفس مر القیس بر عمرو ملك العرب من حجوذ و اسر التاج وملك الاسدین و نزر و ملوکھم وعرب من حجو علدی وجاء بزجو فی حجج نجران مدینة شمر و ملك معد و نزل بنیه الشعوب ووکله لفرس ولروم فلم یبلغ ملك مبلغه، عکدی هلك سنة ۲۲۳ یلسلول بلسعه ذوولده

عربی زبان

تی نفس امرٔ القیس بن عمرو ملك العرب منذ ج الذی لبس التاج و ملك ا [illegible] سدین و نزار ملوکھم وعرب منذ ج حتی الیوم و جاء بزجو فی مود نجران مدینة شمر و ملك معداً و نزل بنیه الشعوب دد کلھم للفرس و للروم فلم یبلغ ملك مبلغه الیوم هلك سنه ۱۳۲۳ سعد الذی ولده۔

شمالی عرب کے مختلف قبائل میں لہجہ، تلفظ اور الفاظ کی حرکات میں اختلاف تھا، چنانچہ اوائل عہد اسلام تک یہ اختلافات موجود تھے اس وقت بھی شعرائے عرب کے وہ قصائد اور اشعار موجود ہیں جو اسلام سے پہلے سو برس کے اندر لکھے گئے، قرآن کی زبان میں جو قرآن میں مستعمل ہوئی ہے نیز اس عہد کے شعراء کے کلام میں مستعمل ہے اور اگلے قدیم شعرائے جاہلیت کی زبان میں زمین آسمان کا فرق ہے، ہم قرآن کے ایک ایک

لفظ کا ترجمہ بلا پس وپیش کر سکتے ہیں۔ شعرائے جاہلیت کے کلام کے حل کرنے کے لئے قدم قدم پر لغت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

عربی لغات میں لاکھوں الفاظ ہیں۔ ۱۳۰۰ برس سے کبھی استعمال میں نہیں آئے اور نہ قرآن وحدیث میں مستعمل ہوئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف قبائل کی زبانوں کے الفاظ کا ایک مخلوط مجموعہ ہے جو قرآن کی عربی کے ماوراء ہے۔

افسوس ہے کہ اہل لغت اور مصنفین صرف ونحو نے ان اختلافات کو بہت کم محفوظ رکھا، کتاب سیبویہ، خصائص ابن جنی، اوضح المسالک، مزہر سیوطی میں مختلف استثنائی قواعد اور شعراء کے اشعار خلاف قواعد مشہور رہ لکھے ہیں، وہ درحقیقت قرآن کی عربی کے قواعد کے خلاف ہوں تو ہوں لیکن اپنی اصل عربی زبان کے وہ خلاف نہ ہوں گے، عام نحو کی کتابوں میں صرف ذو کے متعلق یہ بیان باقی رہ گیا ہے کہ وہ لغت طی میں الذی کے معنی میں ہے، چنانچہ آرامی زبان میں "ذو" اسی معنی میں شائع تھا، اس کے علاوہ بعض اور باتیں بھی محفوظ رہ گئی ہیں، مثلاً یہ کہ:

۱۔ بنو تمیم ہمزہ ابتداء کو عین کر دیتے تھے، جیسے "اسلم" کو "عسلم"۔

۲۔ بنو ہذیل ح کو عین کر دیتے تھے جیسے "حرب" کو "عرب"۔

۳۔ بنو قضاعہ ی کو جیم کر دیتے تھے جیسے "تمیمی" کو "تمیمج"۔

۴۔ بنو سعد ع کو ن کہتے تھے جیسے "اعطی" کو "انطی"۔

۵۔ عام عربی میں حرف گ نہیں بنو تمیم گ بولتے تھے۔

۶۔ قریش و اسد کی زبان میں یائے مضارع کو فتحہ یا ضمہ ہوتا ہے، ان کے علاوہ دیگر قبائل کسرہ دیتے تھے یَفعَل کو یِفعَل کہتے تھے۔

۷۔ ربیعہ اور مضر مونث میں کاف خطاب کے بعد ش بڑھا دیتے تھے، جیسے "علیک" کی جگہ "علیکش"۔

۸۔ ج کو "گ" بولتے تھے جیسے جبعہ کو گبعہ۔

ان اختلافات کے علاوہ شاذ، منکر، منفرد لغات جو عربی فلسفہ لغت کی کتابوں میں لکھے گئے ہیں وہ بھی ان ہی زبانوں کے بقایا ہیں، ان ہی وجوہ سے لغویین عرب کا قول ہے۔

ان لغة العرب لم تنته الینا بکلیتها
وان الذی جاءنا عن العرب قلیل عن

عربوں کی زبان تمام ہم تک نہیں پہنچی، جو عربی الفاظ ہمارے پاس محفوظ ہیں وہ غیر محفوظ کے مقابلہ میں کم ہیں، بہت سے

کثیروان کثیرا من الکلام ذھب بذھاب اھلہ (مزھر سیوطی ص ۴۳ مصر) — الفاظ ان کے بولنے والوں کے مرجانے سے مرگئے۔

یہ زبان تمام شمالی عرب میں یعنی حدودِ یمن سے لے کر شام و عراق تک بولی جاتی تھی لیکن حجاز اور نجد کی زبان سب سے بہتر تھی اور ان میں بھی قبیلہ بنی سعد اور قریش کی زبان، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو قبیلوں کے انتساب پر فخر کیا ہے۔ آپ قریش میں پیدا ہوئے تھے اور بنو سعد میں پرورش پائی تھی۔

قرآن مجید میں:

۱۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (یوسف)	ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن
۲۔ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (رعد)	ہم نے اتارا اس کو عربی حکم
۳۔ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (طٰہٰ)	ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن
۴۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (زمر)	عربی قرآن ٹیڑھا نہیں
۵۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (فصلت)	کتاب جس کی آیتیں مفصل ہیں، عربی قرآن
۶۔ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (شوریٰ)	عربی قرآن کو تیری طرف وحی کیا
۷۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (زخرف)	ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن۔
۸۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا (احقاف)	یہ کتاب ہے جو تصدیق کرتی ہے، عربی زبان میں۔

دو موقع پر لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ کہا گیا ہے۔

۱۔ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (نحل)	یہ عربی مبین زبان ہے۔
۲۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (شعراء)	یہ عربی مبین زبان میں ہے

"مبین" کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنے والا، واضح کرنے والا، کھولنے والا، اکثر مفسرین نے ان آیتوں میں "مبین" کے یہی لغوی معنی مراد لئے ہیں، یعنی قرآن ایسی زبان میں اتارا گیا جو نہایت فصیح ہے مطالب کھل جاتے ہیں، معانی واضح ہو جاتے ہیں، سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی ارض القرآن جلد اول کے اثنائے تحریر میں خیال آیا کہ مبین سے یہاں مراد اس کے لغوی معنی نہیں بلکہ یہ لفظ بطور علم کے ہے، اوپر گزر چکا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت بھی عربی زبان مختلف بولیوں اور لہجوں میں منقسم تھی، ان میں جو فصیح ترین اور شیریں ترین زبان تھی اس کا نام لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ تھا مثلاً اردو زبان کا اطلاق لاہور، دلی، لکھنؤ، بنارس، پٹنہ، کلکتہ، ڈھاکہ، حیدرآباد، بمبئی اور مدراس کی تمام اردو زبانوں پر ہوتا

ہے، حالانکہ مختلف اسباب سے ان زبانوں میں ذخیرۂ الفاظ، لب و لہجہ، تذکیر و تانیث اور بیسیوں قواعد کا اختلاف ہے، تاہم ان سب پر اردو ہی زبان کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن ان میں سے بہترین اور فصیح ترین زبان کو ہم "اردوئے معلیٰ" کہتے ہیں جو قلعہ دہلی میں بولی جاتی تھی، یا جو اب ہمارے قلم اور شاعری کی زبان ہے، اسی طریقہ سے باوجود اختلافات کے عربی زبان میں ایک خاص مستند اور ٹکسالی زبان تھی جس میں مختلف قبائل کے شعرا اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرتے اور باہم قبائل ایک دوسرے سے گفتگو کرتے تھے اور یہی لسان مبین تھی۔

یہ خیال ایک نظریہ کے طور پر میرے ذہن میں آیا تھا، لیکن اثنائے مطالعہ میں ایسے شواہد ہم پہنچے جن سے معلوم ہوا کہ بعض اور علمائے کبار بھی یہی سمجھتے تھے۔

روی الحاکم فی المستدرک وصححہ والبیہقی فی شعب الایمان عن بریدۃ رضی اللّٰہ عنہ فی قولہ تعالیٰ بلسان عربی مبین قال بلسان جرھم۔

محدث حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے کہ حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ لسان عربی مبین سے مراد لسان جرہم ہے۔

جرہم، قریش کے نانہالی مورث اول کا نام ہے جس کے خاندان میں حضرت اسمٰعیلؑ نے شادی کی تھی، یہ روایت اگر صحیح نہ بھی ہو تو بھی اپنے زمانہ کے رواۃ کے خیال کی مترجم ہے یاقوت نے معجم میں (تحت لفظ عرب) ہشام کلبی کی روایت سے لکھا ہے۔

واللسان السادس ممن انطقہ اللّٰہ فی عربۃ بلسان لم یکن قبلھم اسمٰعیل بن ابراھیم نطقوا بالمبین وھو السادس ممن تکلم بالعربیۃ ھو و بنوہ ولسانھم المبین وکتابھم المبین وھو الغالب علی العرب الیوم

چھٹی زبان جو عرب میں اللہ تعالیٰ نے بلوائی اور جو ان سے پہلے نہ تھی وہ حضرت اسماعیل کو بلوائی، بو اسمٰعیل مبین زبان بولے اور یہ چھٹے بزرگ ہیں جو (اس چھٹی) عربی میں بولے ان کی زبان اور تحریر مبین ہے اور یہی زبان آج تمام عرب کی زبانوں پر غالب ہے۔

پھر کہتا ہے المبین لمعد بن عدنان "مبین، معد بن عدنان کی زبان ہے" احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے عہد میں جب قرآن کی نقلیں کرائیں تو کاتبوں کو حکم دیا کہ جس لغت کے تلفظ اور قرأت میں تمہارے درمیان اختلاف ہو اس کو قریش کے لغت میں لکھو کہ قرآن، قریش کی زبان میں اترا ہے۔

قریش کی زبان کی خوبی اور فصاحت کے دو سبب آئمہ لغت نے بیان کئے ہیں جو بالکل صحیح ہیں

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو قوم دوسری قوموں سے الگ تھلگ رہتی ہے اور ملتی جلتی نہیں اس کی زبان خالص اور بے میل رہتی ہے، یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے، لیکن ایک دوسری نظر سے یہ نظریہ بہت کچھ قابلِ ترمیم ہے، عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو قومیں دوسروں سے الگ اور محفوظ ہیں اُن کی زبان محدود اور مفلس ہوتی ہے یہی سبب ہے کہ وحشی قوموں کی زبانیں ہمیشہ عمدہ اور وسیع خیال کے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہیں، دیہات کی زبان اسی اصول کی بنا پر عدم اختلاط کے باعث دوسری زبانوں کی اثر پذیری سے گو محفوظ رہتی ہے لیکن اسی کے ساتھ، لطیف و نازک جذبات اور بلند و عالی خیالات کی تعبیر سے قاصر رہتی ہے، اسلام کے سو دو برس پہلے سے تمام قبائلِ عرب میں صرف قریش کا قبیلہ اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ اس کا گذر تجارتی ذرائع سے نہ صرف عرب کے گوشہ گوشہ میں بلکہ آس پاس کے ممالک میں بھی ہوتا تھا، اس بنا پر اس کی زبان میں دوسری زبانوں کے اعتبار سے زیادہ وسعت اور زیادہ ہمہ گیری پیدا ہو گئی ہو گی، مذہبی خیالات کے ادا کرنے کے لئے جن کا عربی زبان میں اس وقت تک وجود نہ تھا، ایک ایسی ہی زبان کی ضرورت تھی جس میں ان خیالات کے ادا کرنے کے لئے الفاظ ہوں اور دیگر قدیم المذاہب زبانوں سے اس کا رابطہ اور ارتباط ہو جس کی بنا پر ان سے الفاظ عاریۃً حاصل کئے جا سکیں، تمام عرب میں ایسی زبان صرف قریش کی ہو سکتی تھی۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ گو تمام عرب میں مقامی بت خانے تھے جہاں مراسم حج ادا ہوتے تھے مقامی میلے بھی لگتے تھے، لیکن تمام ملک کا سالانہ مجمع صرف مکہ ہی کی سرزمین میں اکٹھا ہوتا تھا، ملک کے ہر گوشہ سے لوگ یہاں یکجا ہوتے تھے وکاظ کا میلہ عرب کی اکاڈیمی تھی، اس بنا پر شہر مکہ کی زبان ایک ایسی زبان ہو گی جو عرب کی تمام زبانوں کا خلاصہ اور عطر ہو گی، شعرائے عرب بھی اس موقع پر جب کہ عرب کے تمام گوشوں سے لوگ سمٹ کر لوگ ایک نقطہ پر جمع ہو جاتے تھے، اپنی شاعری کے لئے ایسی زبان اختیار کرتے ہوں گے جو عرب کی عام اور مشترک زبان ہو گی اور جس کو عرب کا بچہ بچہ سمجھ سکتا ہو گا اور وہ تقریباً مکہ ہی کی زبان ہو سکتی ہے یہی سبب ہے کہ شعرائے عرب کے قصائد کی زبانوں میں اختلافات کے باوجود ایک قسم کی ہم رنگی اور ہمواری پائی جاتی ہے تمام عرب کو مخاطب کرنے کے لئے وحی الٰہی کو اسی قسم کی زبان درکار تھی۔

ادیان العرب قبل الاسلام

یعنی

اسلام سے پہلے عرب کے مذاہب

مغرور انسان کی اندرونی حالت یہ ہے کہ وہ قدم قدم پر اپنے عجز اور بیچارگی کے اعتراف پر مجبور ہے اور اس کا یہی اعتراف ایسی طاقتوں کی تلاش پر آمادہ کرتا ہے جو اس کے عجز و بیچارگی کی تلافی کر سکے انسان آغاز تخلیق میں اپنے سوا ہر شے سے جھجکتا تھا اور ڈرتا تھا اور اس لیے ہر شے سے وہ اپنی مدد کا طالب تھا، گھنا درخت، اونچا پہاڑ، پرشور دریا، خوف ناک جانور، ان میں سے ہر چیز اس کا خدا تھی۔

وہ ایک مدت کے بعد جب ان سے آشنا ہوا، اور ان قوتوں کو اچھی طرح آزما چکا تو زمین سے اوپر آسمان کی طرف اس کی نظر اٹھی، یہاں ہر ستارہ اس کو اپنا معبود نظر آیا، سب سے بڑے ان میں سات سیارے دکھائی دیئے یہ ساتوں آسمان وزمین کے تمام مہمات کے کارکن سمجھے گئے، انسان کی مختلف ضرورتوں کا ایک ایک قادر علی الاطلاق مانا گیا، کوئی حسن کی دلیوی تھی، کوئی لڑائی کا دیوتا تھا، کوئی زندگی اور موت کا خزینہ دار تھا، کوئی علم و کمال کا خدا تھا، آفتاب کا جاہ و جلال اور چاند کا حسن و جمال خدا و ند اعظم ہونے کا بہترین استحقاق تھا، یہ سورج، چاند اور مختلف الاشکال ستاروں کے جھرمٹ اس کی نگاہوں سے اتنی دور تھے کہ انسان ان کو پیار نہیں کر سکتا تھا، اور نہ ان کی خدمت گزاری کا فرض ادا کر سکتا تھا، اس لیے اس نے ان کی خیالی مورتیں بنا کر اپنے بتخانوں کی اس نے بنیاد ڈالی۔

ان ستاروں کی کمزوری کا راز بھی جب افشا ہوا تو غیر محسوس روحوں کا تسلط شروع ہوا اور چونکہ وہ بھی آنکھوں سے اوجھل تھے، متخیلہ نے جن اشکال میں چاہا ان کی تصویر کھینچ کر سامنے رکھی ان کی عظمت و اقتدار کے لحاظ سے مٹی، پتھر، چاندی سونے اور جواہرات کے ان کے مجسمے تیار کئے، ان کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ان پر خون کے چھینٹے دیئے گئے، ان کو خوش رکھنے کے لیے ان کو بیش قیمت نذرانے پیش کئے گئے

اس اثنا میں انسان کی مختلف آبادیوں میں، اس کے مرتبہ فہم اور درجہ ترقی کے مناسب تعلیمات لے کر انبیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آتے رہے۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اپنے وقت میں فرزندان سام میں مبعوث ہوتے رہے، کچھ لوگوں نے اُن کو مانا اور ان کی الگ الگ امتیں بنیں کچھ ایسے مغرور انسان بھی ہمیشہ رہے ہیں جو اپنے زعم باطل میں اپنی ہستی سے بڑی کوئی دوسری چیز نہیں مانتے یہ ملحد اور دہریہ ہیں۔

عرب کی سرزمین عجب سرزمین تھی، یہاں انسان کے مذہبی ارتقاء کے ہر درجہ کی مجسم تاریخ موجود تھی، اجسام پرست، ستارہ پرست، بت پرست اور ارواح پرست، نیز ابراہیمی، موسوی، عیسوی اور ملحد و دہریہ فرقہ کے لوگ موجود تھے، لیکن استقصار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عام قومی مذہب ستاروں اور روحوں کے خیالی مجسموں کی پرستش تھی۔

ہم نے عرب کی تمام قوموں کو مخصوص اور واضح باہمی امتیازات کی بنا پر تین طبقوں پر منقسم کیا ہے امم سامیہ اولیٰ یا عرب بائدہ امم قحطانیہ یا عرب عرباء اور بنو ابراہیم یا عرب مستعربہ ہیں۔ جملہ اور امتیازات اور تفریقوں کے ان تینوں طبقوں میں ایک مذہبی امتیاز اور تفریق بھی ہے۔

امم سامیہ اولیٰ کا مذہب امم سامیہ اولیٰ میں عاد، ثمود، جرہم وغیرہ قبائل داخل ہیں، ان کی آبادی تباہی جاچکی ہے کہ عرب سے لے کر عراق و شام و مصر تک پھیلی ہوئی تھی، اس بنا پر ان قوموں کا مذہب وہی ہوسکتا ہے جو ان ممالک کے اندر اس عہد میں رائج تھا، عربی تاریخوں سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ یہ قومیں بت پرست تھیں، لیکن کن بتوں کی پرستش کرتی تھیں اور ان کی بت پرستی کے اصول اور مراسم کیا تھے؟ اس کی تفصیل نہیں ملتی، صرف قبیلہ جدیس کی نسبت معلوم ہے کہ وہ کُرثیٰ نام ایک بت کو پوجتا تھا[1]، قرآن مجید نے عاد اور ثمود کے ذکر میں حضرت ہودؑ اور صالحؑ کی زبانی صرف اس قدر کہا ہے کہ وہ خدائے برحق کو چھوڑ کر اور بہت سے خداؤں کو پوجتے تھے اور ان کے الگ الگ نام رکھ لیتے تھے، حضرت ہود اپنی قوم عاد کو سمجھاتے تھے

اتجادلوننی فی اسماء سمیتموھا انتم و اباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان	کیا تم مجھ سے ان ناموں میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمھارے اسلاف نے رکھ لیا ہے اور خدا نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری

(اعراف)

[1] یعقوبی ج اول ادیان العرب قاموس فیروز آبادی (لفظ کُرثیٰ)

ان کی قوم کہتی ہے:

قالوا اجئتنا لنعبد اللہ وحدہ ونذر ما کان یعبد اٰباؤنا (اعراف) — کیا تم اس لئے میرے پاس آئے ہو کہ ایک خدا کو پوجیں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اُن کو چھوڑ دیں۔

اس سوال وجواب سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد خدا کے ساتھ اور خداؤں کو بھی پوجتے تھے، ثمود کا بھی یہی حال تھا، وہ اپنے پیغمبر کو کہتے تھے۔

قالوا یٰصلح قد کنت فینا مرجوا قبل ھذا اتنھٰنا ان نعبد ما یعبد اٰباؤنا — اے صالح تم سے تو پہلے بڑی توقعات تھیں، کیا تم اس سے روکتے ہو کہ جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو ہم بھی پوجیں

حضرت صالح فرماتے ہیں:

یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ — بھائیو! خدا کو پوجو اُس کے سوا کوئی خدا نہیں

اب ہم کو یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ اگر عرب میں نہیں تو دوسرے ملکوں میں ان کے مذاہب کے متعلق کوئی تفصیل مذکور ہے؟ عرب سے باہر بابل، شام اور مصر میں جو مذہبی مراسم ان قوموں کے جاری تھے ان ہی پر ان کی عرب آبادی کو بھی قیاس کرنا چاہیئے، ممالک مذکور کے متعلق قدیم کتبات اور تحریروں کی چھان بین سے یہ نظر آتا ہے کہ اس زمانے میں قاعدہ یہ تھا کہ قومیں مختلف آبادیوں پر منقسم ہوتی تھیں، ہر آبادی میں دو بڑی عمارتیں ہوتی تھیں، ایک بیت الحکومہ اور ایک ہیکل، آبادی کا حاکم بیت الحکومۃ میں رہتا تھا اور ہیکل آبادی کے کاہن کا مسکن ہوتا تھا اور ان ہی دونوں کی شرکت سے آبادی پر دنیاوی اور مذہبی حکمرانی کی جاتی تھی اور جس طرح ہر آبادی کا الگ شیخ یا حاکم ہوتا تھا، اسی طرح ہر ہیکل میں ایک دیوتا ہوتا جو اُس گاؤں کا محافظ خیال کیا جاتا تھا، جب دو آبادیوں میں رہنے والوں میں جنگ ہوتی تو گویا ان دونوں آبادیوں کے دیوتاؤں میں جنگ ہوتی، فاتح مفتوح کے دیوتا اٹھا لے جاتا، مفتوح اس وقت تک دم نہیں لیتے تھے، جب تک لڑ کر یا منت سماجت کر کے اپنا دیوتا واپس نہیں لیتے تھے، چنانچہ ان قوموں کے قدیم کتبات میں اس قسم کے یادگاری پتھر بکثرت ملتے ہیں۔

ہم نے آغاز باب میں لکھا ہے کہ جب انسانوں میں کسی قدر تہذیب وتمدن پیدا ہوا تو مخلوقات ارضی سے ہٹ کر دیکھا تو آسمان کے بلند اور روشن ستارے ان کو خداوندی کے بہترین مستحق نظر آئے، چنانچہ ان کی پرستش شروع ہوئی، مشہور عرب مؤرخ مسعودی نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ ستارے نکلتے اور ڈوبتے رہتے تھے اس لئے ان کی تخیلی شبیہیں بنا بنا کر لوگوں نے ان کو پوجنا شروع کیا اور اس طرح بت پرستی کی ابتدا ہوئی، یہ نظریہ بظاہر غلط نہیں معلوم ہوتا، اس لئے لائق قبول ہے۔

ہماری کتاب کے ناظرین کو معلوم ہو گا کہ ستارہ شناسی کا آغاز ان ہی بدوی سامیوں سے ہوا ہے، آب و ہوا اور جغرافی خصوصیات کی بنا پر ان مقامات کی فضائے آسمانی ابر اور گرد و غبار سے عموماً صاف رہتی ہے، بدوی سامی راتوں کو اپنے بھیڑ بکری اور مویشی کے گلوں کو لے کر آسمانی خیموں کے سایہ میں رات بسر کرتے تھے، جب کبھی آنکھ کھلتی سامنے صحیفۂ آسمانی کھلا نظر آتا۔

پہلی جلد میں بہ تفصیل دکھایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں بابل اور مصر پر بھی قدیم سامی قومیں حکمراں تھیں جن کو ہم عاد و ثمود کہتے ہیں، حضرت ابراہیمؑ کی خداشناسی کا جو تدریجی تخیل قرآن نے بیان کیا ہے، اس کو ہمارے بیان کردہ نظریہ سے کلی تطابق ہے پہلے ان آیتوں کو پڑھیے:

اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا
اٰلِهَةً اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ
الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ
قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا
قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ
رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ فَلَمَّا رَاَ
الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ
فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ
اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام)

ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ بتوں کو اپنے خدا ٹھہراتے ہیں آپ کو آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں ہم اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے کہ وہ ایمان والوں میں ہو، جب رات نے اس پر پردہ ڈالا، ستارہ دیکھا، بولا یہ میرا خدا ہے، جب وہ چھپ گیا تو اس نے کہا میں چھپ جانے والے کو نہیں پیار کرتا، جب چاند کو دیکھا کہا یہ میرا خدا ہے جب وہ بھی ڈوب گیا، بولا اگر میرا پروردگار ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہوں میں ہوتا، جب آفتاب پر نظر پڑی بول اٹھا یہی میرا پروردگار ہے، یہ سب سے بڑا ہے، جب وہ ڈوب گیا کہا اے بھائیو! میں اس سے برأت کرتا ہوں جس کو تم خدا کا شریک کہتے ہو میں اپنا منہ اسی کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، میں مشرکوں میں سے نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے ان ستاروں میں سے جو ان کی قوم کے دیوتا تھے، ہر ایک کی حالت پر غور کیا ان میں سے کوئی اُن کو خدائی کا مستحق نظر نہ آیا اور آخر اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ان کے آگے نہیں بلکہ ان کے پیدا کرنے والے کے آگے اپنا سر جھکاتا ہوں۔ دوسری دفعہ جب ان کو ایک مذہبی تہوار میں اپنے دیوتاؤں کے حضور آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اُس وقت بھی قرآن کہتا ہے:

فنظر نظرة فی النجوم فقال انی سقیم — ایک نظر پھر کر ستاروں کو دیکھا اور کہا میں بیمار ہوں

مفسرین اس امر میں مضطرب البیان ہیں کہ یہ ستاروں کے دیکھنے کا کون سا موقع تھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس لئے تھا تاکہ اُن کے رشتہ داروں اور ہم وطنوں کو یہ نظر آئے کہ یہ ان کے دیوتاؤں سے مشورہ لے رہے ہیں اور وہ ان کو کسی قابل سمجھتے ہیں، ایک نکتہ یہ ہے کہ جب انسان کے سامنے کچھ چیزیں پیش ہوتی ہیں اور وہ متردد ہوتا ہے کہ ان میں سے کس کو قبول کرے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنے فیصلہ سے پہلے ان چیزوں پر ایک آخری نگاہ ڈال لیتا ہے، حضرت ابراہیم کے آخری فیصلہ سے پہلے ان ستاروں کی حقیقت پر ایک نظر اور ڈال لی، یہ آخری فیصلہ کا موقع اس لئے تھا کہ اس عظیم الشان تہوار میں عدم شرکت گویا ان کا اپنی قوم کو اعلانِ جنگ دینا تھا، قرآن مجید کہتا ہے کہ ستارہ پرستی کے ساتھ بت پرستی بھی اس قوم کا شیوہ تھا حضرت ابراہیم کی زبانی مذکور ہے۔

اذ قال ابراهیم لابیه آزر اتتخذ اصناما الهة (انعام) — جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ آپ بتوں کو اپنے خدا بناتے ہیں۔

سورۂ انبیاء میں ہے:

اذ قال ابراهیم لابیه وقومه ما هذه التماثیل التی انتم لها عاکفون — جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم کے لوگوں سے کہا یہ کیا مورتیں ہیں جن کو آپ گھیرے رہے

سورۂ عنکبوت میں ہے:

انما تعبدون من دون الله اوثانا وتخلقون افکا — خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو، جھوٹ گھڑ کر

حضرت ابراہیم کے پڑپوتے حضرت یوسفؑ عاد کی اس جماعت کو جو مصر پر حکمران تھی خطاب فرماتے ہیں:

یصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیرام الله الواحد القهار ما تعبدون من دونه الا اسماء سمیتموها انتم وآباؤکم (یوسف) — یارانِ زندان! یہ جُدا جُدا معبود اچھے، یا ایک زبردست خدا، تم چند (بے معنی) ناموں کی پرستش کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے گھڑ لیا

اُصول مذکورہ کے مطابق یہ بت ان ہی کواکب کی شبیہ ہوں گے۔

مجموعۂ توراۃ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوم بت پرست تھی، اسفر یوشع میں یہ ہے۔

تمہارے باپ دادے تارح، ابراہیم کا باپ اور ناحور (ابراہیم کے دادا) قدیم زمانے میں نہر (فرات)

۱؎ عربی نظر فیہ کے معنی بطور دیکھنے کے ہیں مطلق دیکھنے کے نہیں ہیں

کے پار رہتے تھے اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے (۲۴-۲)

حضرت یعقوبؑ (حضرت ابراہیم کے پوتے) کنعان سے حرّان اپنے خاندان میں ماموں کی لڑکی سے شادی کرنے گئے تھے، صاحبزادی جب باپ سے رخصت ہونے لگیں تو باپ کے قیمتی بت چرا لائیں (تکوین ۳۱ - ۳۳) باپ کو معلوم ہوا تو بیٹی سے اپنے بت واپس لینے کے لئے پیچھے کہار لے کر دوڑے (تکوین ۳۵ - ۲) حضرت ابراہیمؑ جب شام گئے ہیں تو یروشلم کا مذہب کاہن ان کے استقبال کو نکلا ہے، اس کاہن کا نام ابی مالک تھا (تکوین)

اس زمانہ کے سامیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام دنیا ارواح سے بھری ہوئی ہے جن میں زیادہ تر ارواح خبیثہ اور کچھ ارواح طیبہ ہیں، ان کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا کہ ارواح خبیثہ کو نذر و نیاز قربانی اور چڑھاوے سے خوش رکھنا اور ارواح طیبہ کی مدح و ثنا کر کے ان کے مقابلہ کے لئے تیار کرتا، ان میں ہر روح کا مسکن، ایک ستارہ ہے، بابل کے کھنڈروں میں جو تختیاں اور ہیکلوں کے جو کتبات پڑھے گئے ہیں ان میں بیسیوں معبودوں کے نام ملے ہیں، ذیل میں شہروں کے نام کے ساتھ ان کے کچھ دیوتاؤں کے نام لکھے جاتے ہیں، ان کا ماخذ لیر (Layard) کی کتابیں ہیں[1]

شہر کا نام	معبود کا نام	معنی
ایریدو	ای (یا ایا)	پانی کا دیوتا
ادر	سن	چاند
لارسہ	شمش	آفتاب
ادروخ (عراق)	آنو	تاریکی اور آسمان کا اور ستاروں کا دیوتا
	اشتار	ستارہ زہرہ (محبت اور حسن کی دیوی)
لاغش	شگرسو	
نپور	انلیل	زمین کا دیوتا
ایسن	بلیت ایسن	قوت کی دیوی
کشن	زمامہ	
کوثو (کوتی)	نرغل (یا نرگال)	ستارہ مریخ (لڑائی اور قہر کا دیوتا)

[1] اس مصنف کی دو کتابیں ہیں، نینوی اینڈ اٹس ریمنیس (نینوی اور اس کے آثار باقیہ) مطبوعہ ۱۸۴۹ء دوسری ڈسکوریز ان دی روئینس آف نینوی اینڈ بیلونیا (نینوی اور بابل کے کھنڈروں کے انکشافات) مطبوعہ ۱۸۵۳ء۔

شہر کا نام	معبود کا نام	معنی
بابیلو (بابل)	مرودک	ستارۂ مشتری (روشنی کا دیوتا)
ہارسپ	نبُو	ستارۂ عطارد (علم کا دیوتا)
سپتور	شمش	آفتاب
اکاد	انیتو	چاند (خوش حالی کا دیوتا)
"	اشتار	زہرہ
اشور	اشور	لڑائی کا دیوتا
نینوئی	اشتار	ستارۂ زہرہ
اربابل (اربل)	اشتار	ستارۂ زہرہ (محبت اور حسن کی دیوی)
حران	سن	چاند

مشترک خداؤں میں سے بیل جو دوسری سامی زبانوں میں بعل ہے، اس کے معنی قوت اور تسلط کے ہیں، بعل کے دوسرے معنی قوی، سلطان اور مالک کے ہیں، عربی میں اسی سے 'بعل' کے معنی شوہر کے ہیں یہ بابل کا حال ہے، مصر میں بھی سامیۂ اولیٰ کے زمانہ میں اسی قسم کی ستارہ پرستی جاری تھی، سب سے بڑا دیوتا "آفتاب" تھا جس کو وہ اپنی زبان میں 'رع' کہتے تھے، ان کے دارالحکومت کا نام مدینۃ الشمس تھا، جس کو مصری "ان" کہتے تھے، یہیں آفتاب دیوتا کا مندر تھا، بادشاہ آفتاب دیوتا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا، اس لیئے اس کا لقب رعمسیس ہوتا تھا یعنی "ابن شمس" یہی سبب ہے کہ سلاطین مصر کو دعوائے خدائی تھا، قوم نوحؑ، عاد، ثمود، قوم لوط، قوم ابراہیم، مدین اور فرعون مصر کی تباہی کا حال بیان کر کے قرآن مجید کہتا ہے:-

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (ھود)

یہ ان آبادیوں کے حالات ہیں، جو تم سے بیان کرتے ہیں ان میں کچھ تو اب تک باقی ہیں، کچھ برباد ہو گئے، ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، اپنے پر آپ انھوں نے ظلم کیا، ان کے دیوتاؤں نے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔

توراۃ سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مصر تشریف لے گئے تھے[1] اور اس وقت وہاں قوم عاد کی حکومت تھی[2] قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا ایک بادشاہ سے مناظرہ کا حال مذکور ہے جو خدائی کا مدعی تھا

[1] تکوین ۱۲- [2] ارض القرآن جلد اول ص ۱۵۰

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰہٖمَ فِیۡ رَبِّہٖۤ اَنۡ اٰتٰىہُ اللّٰہُ الۡمُلۡکَ ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَ اُمِیۡتُ ؕ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِہَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ (بقرۃ)

تم نے اس کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے خدا کے بارہ میں حجت اس لئے کی کہ خدا نے اس کو بادشاہی دی تھی، جب ابراہیم نے اُس سے کہا کہ میرا خدا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اُس نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا میرا خدا آفتاب مشرق سے نکالتا ہے تم مغرب سے نکالو، اس دلیل کو سن کر وہ کافر کچھ جواب نہ دے سکا۔

حضرت ابراہیم نے اپنی اس دلیل میں بادشاہ کی بیچارگی و عاجزی کے ثابت کرنے کے علاوہ آفتاب دیوتا کی بندگی اور غلامی بھی ثابت کی ہے کہ اس کو کوئی اور اِدھر سے اُدھر چلانے والا ہے، حضرت موسیٰ کے سامنے بھی شاہِ مصر نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔

اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی (نازعات)

میں تمہارا بڑا دیوتا ہوں

لَئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰـہًا غَیۡرِیۡ لَاَجۡعَلَنَّکَ مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِیۡنَ (شعراء)

اگر میرے سوا کسی اور کو تم نے خدا بنایا تو تم کو قیدیوں میں کروں گا۔

یٰۤاَیُّہَا الۡمَلَاُ مَا عَلِمۡتُ لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرِیۡ (قصص)

اے درباریو اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا میں نہیں جانتا۔

گو یا زمانہ سامیوں کا نہ تھا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مذہب جو مصری مذہب تھا، اُس وقت بھی باقی تھا رَعْ یعنی آفتاب کے علاوہ مصر میں اور بہت سے دیوتا اور دیویاں تھیں، ہر شہر کا ایک خاص الگ دیوتا تھا، پھر شہر کے ہر گھر کا الگ اور گھر کے ہر آدمی کا الگ الگ دیوتا تھا، کل ملک میں ۱۹ دیوتا اور ۱۱ دیویاں بڑی تھیں[۱] ان کے نام طوالت کے خوف سے ہم قلم انداز کرتے ہیں۔

امم سامیۂ اولیٰ میں ہماری تحقیق کے مطابق تین پیغمبر مبعوث ہوئے حضرت ابراہیم اُن قبائلِ سامیہ میں مبعوث ہوئے جو بابل، شام اور مصر میں آباد تھے، اور سفر تکوین کی رو سے آپ کی ان تینوں ملکوں میں آمد و رفت اور سفر و اقامت ثابت ہے، حضرت ہود اُن قبائل میں پیدا ہوئے جو جنوبی عرب میں سکونت پذیر تھے اور حضرت صالح شمالی عرب کے سامیوں کے پیغمبر تھے، الغرض ان دھندلے بیانات سے کسی قدر یہ روشن ہوتا ہے کہ امم سامیۂ اولیٰ یعنی عاد و ثمود وغیرہ کا مذہبی تخیل کیا تھا، اور خدا کے یہ تین فرستادہ پیغمبر اُن کو کن باطل پرستیوں سے روکتے تھے۔

[۱] مصر کے قدیم مذاہب کی تفصیل عربی کی مستند کتاب سراج السبیل فی مکان وادی النیل مصنفہ پروفیسر ولسن کے مطبوعہ ۱۸۸۳ء سے ماخوذ ہے

اہل معین | جنوبی عرب کی ایک قدیم سامی قوم اہلِ معین کے حالات پہلی جلد میں گذر چکے ہیں، یہ قوم بھی ستارہ پرست تھی، بابل کے دیوتا یہاں بھی پجتے تھے، ان کے علاوہ کچھ خاص عرب کے دیوتا بھی اُن کے معبودوں کی فہرست میں شامل تھے جن میں سے کتبات میں حسب ذیل بتوں کے نام ملتے ہیں[1]

عَشتار	یہ وہی دیوتا ہے جو بابل میں اشتار تھا، یعنی ستارۂ زہرہ۔
وَدّ	محبت کا دیوتا (عربی لفظ وَدّ: محبت)
نکرہ	نفرت وعداوت کا دیوتا (عربی لفظ کرہ ناپسندیدگی)
شمس	آفتاب، یہی لفظ بابل میں شمش تھا۔

ان میں سے عشتار بڑا دیوتا تھا، شمالی عرب میں معین کا جو کتبہ ملا ہے اس میں کتبہ نگار اپنے آقا کی بخیریت جنگ سے واپسی پر عشتار دیوتا کا شکریہ ادا کرتا ہے[2]

بنو قحطان یا جنوبی عرب | جنوبی عرب یعنی یمن وحضرموت میں جو عاد وغیرہ قبائل کا اصل مسکن تھا اور بابل کے ملک میں جہاں وہ کسی زمانہ میں حکمراں تھے، بابلی تعلقات کے متعدد دلائل جلد اوّل میں گذر چکے ہیں ان میں سے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ ان دونوں ملکوں کے مذہبی تخیل میں نہایت شدید تشابہ ہے، اس اجمال کی تفصیل کا اب موقع ہاتھ آیا ہے۔

بنو قحطان جو امم سامیہ اولیٰ کے بعد جنوبی عرب میں برسر اقتدار ہو گئے تھے، واقعات تاریخی اور آثار عتیقہ دونوں کی بنا پر ستارہ پرست تھے، مختلف قبائل میں مختلف ستاروں کی پرستش ہوتی تھی ان ستاروں کے نام سے ہیکل قائم تھے اور وہاں ان کی خیالی مورتیں بنا کر رکھی گئی ہیں، ہیکلوں کے پاسبان اور عہدہ دار جن کو کاہن کہتے ہیں متعین تھے ان ہیکلوں میں لوبان اور خوشبودار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔

بنو قحطان میں سب سے پہلے ہماری ملاقات قوم سبا سے ہوتی ہے، اس قوم میں زیادہ تر آفتاب کی پوجا ہوتی تھی، قرآن مجید ہُدہُد کی زبان سے ملکۂ سبا کے تذکرہ میں کہتا ہے:۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (نمل)	میں نے سبا کی ملکہ اور اُس کی قوم کو پایا کہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے تھے۔

یہودیوں کی تلمیذ میں جہاں سبا کا ذکر ہے، ان کی آفتاب پرستی کا تذکرہ نہیں، لیکن ترگوم میں یہ تفصیل موجود ہے چنانچہ ہُدہُد کے قصہ میں ہے کہ:

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ا ص ۹، ۳ و برٹانیکا طبع ۱۱ ص ۹۵۷ ج ۲۳

[2] اصول الانسانیت (ہیومن اوریجن) مصنفہ سموال لے انگ فصل عرب

"جب کہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جارہی تھی (جوئش انسائیکلو پیڈیا ج ۱۱ ص ۲۳۶)

یونانی مورخ تھیوفرستینس جو حضرت عیسیٰ سے ۳۱۲ برس پہلے اور اسلام سے تقریباً ۹۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا، بخورات کے ذکر میں لکھتا ہے:

یہ ملک سبا سے متعلق ہے جو بخورات کی بڑی حفاظت کرتے ہیں، ان بخورات کا ڈھیر آفتاب کے ہیکل میں لایا جاتا ہے جو اس ملک میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے[۱]

عرب کے علمائے انساب متفقاً بیان کرتے ہیں کہ قوم سبا کے مورث اعلیٰ کا نام عبدشمس تھا جس کے معنی "پرستار آفتاب" کے ہیں، علمائے اسلام نے دوسری یا تیسری صدی میں یمن کے ایک کتبہ میں یہ فقرہ پڑھا تھا،

هذا ابنی شمریرعش لسیدته الشمس[۲] — شمر یرعش بادشاہ نے یہ سورج دیبی کے لئے بنایا

آج کل یمن کے آثار قدیمہ کی جو تحقیقات ہوئی ہے، اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آفتاب کے علاوہ اور ستاروں کی بھی یہاں پرستش ہوتی تھی، کتبوں میں جابجا ان معبودوں کے نام ہیں، اور اُن کے نام سے برکت اور اعانت کی درخواست کی گئی ہے، یا ان کا شکریہ ادا کیا گیا ہے، ڈیوڈ ہنرخ مولر (D. H. Muller) جس نے برٹانیکا طبع یازدہم میں قوم سبا (Sabaians) پر مضمون لکھا ہے بیان کرتا ہے

"اجرام سماویہ کی پرستش یمن میں نہایت شائع تھی، اس کی شہادت عربوں کی تحریروں سے بھی ملتی ہے، آفتاب پرستی، سبا کی قوم میں اور ہمدانیوں[۳] میں مخصوص طور سے ہوتی ہے (یونانی مورخ پلینی کے بیان میں سبوتا کا 'سانی'، اگر درحقیقت سورج دیوی شمس تھا، تو اس کی تشریح سبائی اثر واقتدار سے کی جاسکتی ہے (یعنی سبا والوں کے اثر سے وہاں آفتاب پرستی پھیلی) قوم سبا کی شمس[۴] دیوی تھی، حالانکہ اہل معین کا خاص دیوتا عشتار مذکر تھا جس کی مختلف ناموں سے پوجا کی جاتی تھی سب سے عام نام عشتار شرقی" اور عشتار ذو کبد ہے اور نکرہ محبت اور نفرت کے دیوتا بھی ممکن ہے کہ اسی اعتبار کی دوسری شکلیں ہوں"

"اہل سبا بھی عشتار کو مانتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ایک اور دیوتا المقہ بھی اُن کے ہاں ہے المقہ ہمدانی[۵] کے بیان کے مطابق ستارۂ زہرہ کا نام ہے، اس بنا پر المقہ اور عشتار کو باہم ایک سمجھا جاتا ہے، چاند دیوتا (جو بابل میں) سن تھا، شبوہ (واقع حضرموت) کے ایک کتبہ میں نظر آتا ہے لیکن ہمدانی کا بیان ہے کہ "ہوبس" (ستارہ) قوم سبا کا چاند دیوتا تھا شبوہ کے کتبہ میں عشتار سن (چاند) کا باپ بتایا گیا ہے"

۱؎ ہیرن کے ہسٹاریکل ریسرچیز ج ۱ ص ۳۵۱ ۲؎ حمزہ اصفہانی ص ۱۱۰ کلکتہ ۳؎ یمن کا ایک قبیلہ
۴؎ عربی زبان میں شمس کا لفظ مونث ہے۔ ۵؎ اس عرب مصنف کا حال ارض القرآن ج ۱ ص ۱۲ میں پڑھو

یہ قابل توجہ ہے کہ یہ دونوں دیوتا بابل کے افسانہ میں بھی باہم قریبی رشتہ دار ظاہر کئے گئے ہیں، یہ افسانہ "اشتار کی اولاد ہادس کا ہے، جس میں اشتار (زہرہ) کو سِن یعنی چاند کی بیٹی کہا گیا ہے ایک اور کتبہ میں عثتار کی ماں آفتاب کو کہا گیا ہے، . . . . . . "

"کتبہ کے تین بتوں کے نام قرآن میں بھی ہیں، یعنی ود، یغوث اور نسر تغلب ایک دیوتا کا نام ہونا درخت پرستی کو ان میں ظاہر کرتا ہے، چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کے نام چھوڑ دینا چاہئے، لیکن اہل سبا کے حرم ریام کا ذکر ضروری ہے جہاں چاند اور سورج کی مورتیں رہتی تھیں،

"قدیم سامی[۲] "رواج کے مطابق مختلف موسموں میں، مختلف دیوتاؤں کے جاترے کو لوگ جاتے تھے، سبا والوں کے جاترے کے مہینہ کا نام ذو حجّان تھا، جو شمالی عرب میں ذوالحجۃ ہے، اس وقت بھی اس قسم کے ہیکلوں کے خاکے اور آثار باقی ہیں، قابل لحاظ امر یہ ہے کہ مارب، حرواح اور قصر نقب الحجر کے ہیکل، بیضاوی شکل کے ہیں، اور ان کے دروازے اُتر اور دکھن رخ کے ہیں"

دیوتاؤں کے آگے قربانیاں اور بخوارات چڑھائے جاتے ہیں، قربان گاہ کا نام مَذْبَح اور قربانی کا نام ذبح مشترک سامی لفظ ہیں، چنانچہ عبری میں بھی ہیں[۲]، ایک قسم کا مسالہ جو ملک کی پیداوار تھی ان قربان گاہوں پر ان کے نام لئے جاتے تھے، دیوتاؤں کو تجارت اور زراعت کی آمدنی کا دسواں حصہ نذر کیا جاتا تھا، خواہ وہ چیز دے دی جاتی تھی، یا اُس قیمت کی چاندی کے ڈلے یا سونے کی . . . ہوتیں، یہ آمدنیاں بخوشی تمام ہیکلوں کی تعمیر اور مرمت پر صرف ہوتی تھیں، ہیکل اور شہر کی فصیلیں اکثر ساتھ ہوتیں، طلائی مورتیں منّت مانے ہوئے نذرانے ہوتے تھے، اس طریقہ سے کہ میاں بیوی مل کر چار اولادوں کی سلامتی کے لئے چار طلائی مورتیں چڑھا دیتے تھے، کوئی شخص ذو سماء (آسمان کے آقا) کے نام مورتیں بنا کر چڑھاتا تھا، کہ وہ خود اور اس کے اونٹ تندرست اور جوڑوں کی بیماری سے محفوظ رہیں،

ملک عرب کے آثار و کتبات میں جنوبی عرب کے مختلف قبائل کے دیوتاؤں کے حسب ذیل نام ملتے ہیں۔

اہل معین عثتار[۱] (زہرہ) وَدّ[۲] (محبت) نکروہ[۳] (عداوت) شمس[۴] (سورج)۔

حضرموت عثتار[۱]، سین[۲] (چاند) حول[۳] (قوت) شمس[۴]۔

اہل قتاب عثتار[۱] (زہرہ) عم[۲] (چاندی) نباتی[۳] (عطارد) شمس[۴]۔

سبا، عثتار[۱] (زہرہ) ہوبس[۲] (چاند) المقہ[۳]، شمس[۴]۔

---

۱ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے حج کی شکل بگاڑی گئی تھی۔ ۲۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہئے کہ قربانی کی رسم

۲۴ طریقۂ ابراہیمی ہے جو اس زمانہ میں غیر خدا کے لئے مستعمل ہو گئی۔ 121

مشترک اور عام دیوتا ان میں دو نظر آتے ہیں، عشتار یعنی زہرہ اور شمس یعنی سورج، ان کے علاوہ اور جو دیوتاؤں کے نام ہیں وہ درحقیقت مختلف ستاروں سے عبارت ہیں، اور ان میں سے اکثر کسی نہ کسی طرح بابلی الاصل ہیں، عشتار وہی ہے جو بابل میں اشتار اشتار تھا، شمس، بابلی فہرست میں شمس نظر آتا ہے، سین یعنی چاند بابل کا سِن ہے، منکر وہ (نفرت کا دیوتا، اور جس سے مراد زحل یا مریخ ہے) بابل میں مکروب ہے، انبائی، بابل کا انبو ہے، یعنی ستارۂ عطارد (اطلاع کا ستارہ[1]) قتاب کی زبان میں عم اور سبا کے محاورہ میں موہیں چاند کو کہتے ہیں جس کو حضرموت میں سین، اور بابل میں سِن، کہا جاتا ہے، اور ہاوس بھی کہتے تھے المقہ کے لفظی معنی "اس کے لکھے ہوئے نشانات کے ہیں، جن سے مراد ستارے ہیں، آفتاب کا نام سبا کے ہاں ذات نشق بھی ہے، جس کے معنی "نشق کے ہیکل کی مالکہ ہیں[2]" آفتاب کو یہ لوگ دیبی سمجھتے ہیں، یعنی عورت اسی لئے عربی میں "شمس" بطور مؤنث کے استعمال ہوتا ہے، اور چاند دیوتا یعنی مذکر تھا، چنانچہ "قمر" عربی میں مذکر ہے۔

الف ہومل Hommel جو ایک مشہور مستشرق ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون "عرب" "عریب" میں لکھتا ہے:

> ان کے علاوہ ایک بڑی ماتا دیوی تھی جو چاند دیوتا کی ماں یا جوڑی تھی، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ منزل قمری کی مفروضہ شخصی صورت تھی، معین والے اس کو "اثیرات" "اثیر، اثیرتو" کہتے تھے، اور سبا والوں میں اس کا نام حریمتو تھا، اور زیادہ اغلبیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسی کا نام عام طور سے "ایلات" تھا، مثلاً جس کی مخفف شکل "لات" بہت سے عربی ناموں کا جزو تھی، ہم مختلف عشتار (زہرہ) دیوتاؤں کے نام بیان کر سکتے ہیں، جن کو بعد کو یہ سمجھا گیا ہے کہ یہ زہرہ کے نام بحیثیت صبح و شام کے تارے کے ہیں مغربی سبا والوں میں "تألب" کمان کا ایک خدا تھا جس کو ذوسماوی (آقائے آسمان) کا لقب بھی حاصل تھا، سبا کے ذوسماوی کا مقابلہ، کنعان اور ارم کے "بعل شامیم" (آسمان کا آقا) سے کرنا چاہیے، اس کے نام پر خاص طور پر اونٹ جس کو عربی میں "ابل" کہتے ہیں، مقدس سمجھے جاتے تھے، اسی وجہ سے مدین میں بلکہ جنوبی عرب میں بھی ہبل یا ہبکل وغیرہ ہے۔

ہومل چاند کو اصل دیوتا مان کر چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کے جو بالمقابل نام ملتے ہیں، ان کو چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی دو متضاد شکلوں سے عبارت سمجھتا ہے، گویا وہ توأم دیوتا ہیں، مختلف مقامات میں مقامی خصوصیات کی بنا پر کہیں بڑھنے والی اور کہیں گھٹنے والی شکل کی پرستش کی جاتی تھی، از روئے

[1] "نبا"، عربی میں کہتے ہیں، اسی سے سامی زبانوں میں "نبی" ہے، خبر دینے والا۔ [2] یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سے ماخوذ ہے، جلد ۱، ص ۳۰۹۔

قیاس ان کی مختلف صورتیں قائم کی جاسکتی ہیں، مثلاً

کیفیت	گھٹنے والے چاند کا نام	بڑھنے والے چاند کا نام
	عَمّ (چچا)	۱۔ ودّ (پیار یعنی باپ)
نکرہ زحل یا مریخ کو اصل میں کہتے ہیں۔	نُکرُہ (نفرت اور برائی)	۲۔ ودّ (محبت کا دیوتا)
رُضو ولات ہیروڈوٹس مؤرخ یونانی کی حوالہ سے	رُضُو ولات (لات کا دشمن)	۳۔ عزیز لات (لات کا دوست)
گویا بدوی اور متمدن زندگی کا مقابلہ۔	عبری قین (پیشہ ور) کا سبا دیوتا کے قینان سے کرو	۴۔ عبری بابل (اونٹ اور بھیڑ بکری) کا گلہ کا مقابلہ عربی ابیل سے کرو
یہ نام یمن کے قتابیوں کے کتبہ میں ہے۔	حرمتو (روکنے اور محروم رکھنے والے)	۵۔ ودرخ

میرے خیال میں ان میں سے اکثر قیاسات، علمی فرض ووہم سے آگے نہیں بڑھتے، ہومل اس کے بعد ایک اور مسئلہ کی طرف توجہ دلاتا ہے جو ہمارے اس دعوے کی قطعی شہادت ہے کہ یمن اور بابل میں نہایت قدیم زمانہ سے تعلقات تھے، جیسا کہ پہلی جلد میں عاد کی حکومت بابل کے ذکر میں دکھایا گیا ہے، ہومل لکھتا ہے،

ہمارے لئے قابل توجہ ہے کہ تمام مغربی[1] سامی ناموں کا نظام و ترکیب جو قریباً دو ہزار برس قائم کے ہیں، اور جو میخی[2] خط کے کتبات میں ہم تک شخصی ناموں کی حیثیت سے پہونچے ہیں، وہ پہلی بار جنوبی عرب ہی کے دیوتاؤں کا ناموں کی صحیح ترجمانی ہے سمجھ میں آئے ہیں، مثلاً وہاں کے شخصی ناموں کا جزء، آبی ایلہ باپ) عَمّی (میرا چچا) ہوتا ہے، جو بڑھنے والے اور گھٹنے والے چاند سے عبارت ہے، گویا اس شخص کا جبکا یہ نام ہوتا تھا، محافظ یا دیوتا سمجھا جاتا تھا، (۳۸۰)

بنو قحطان کے آخری مقتدر قبائل جن کا زمانہ اسلام سے قریب ہے، حِمیر، اور ہمدان ہیں، ان کے مختلف قبائل میں مورخینِ عرب کی تشریح کے مطابق حسب ذیل بتوں یا دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی،

حمیر	شمس[3] (آفتاب)
اہل جرش (واقع یمن)	یغوث (فریاد کو پہنچتا ہے)
خیوان (قبیلہ ہمدان)	یعوق (دفع کرتا ہے یا روکتا ہے)
ذوالکلاع (حمیر)	نسر (گدھ، ایک ستارے کا نام ہے)
خولان (یمن کا قبیلہ)	عمیانس، یا عمّ انس (انسان کا چچا، یا محافظ)[4]

[1] یعنی بابل کے جو سامی ممالک کی جانب جو مغرب ہے۔ [2] بابل خط۔ [3] اوپر ہومل کی رائے پڑھو یاقوت نے عمیانس لکھا ہے، اور ابن ہشام نے عم انس، [4] یہ فہرست سیرۃ ابن ہشام کی مفصل اصنام العرب سے ماخوذ ہے، صحیح بخاری تفسیر سورہ نوح میں اسی قسم کی روایت ہے، [5] الامم ابن صاعد اندلسی صفحہ ۴۳۔ بیروت۔

عبد المدان (یمن کا قبیلہ)	مدان
اہل صنعاء (واقع یمن)	کعیت اور اس کی بیوی (یہ دونوں بت صنعاء کے کلیسا میں تھے۔
حضر موت و کندہ	جلند
اہل نجیر (واقعہ حضر موت)	ذریح[1]
اہل نجران	ایک درخت کو پوجتے تھے[2]، اسکو سالانہ تہوار میں کپڑے اور زیور پہناتے تھے،

ان دیوتاؤں کے لئے چھوٹے چھوٹے ہیکل یوں تو ہر جگہ ہوں گے لیکن ان میں چند نہایت مشہور اور ممتاز ہیکل تھے، مثلاً غمدان، ریام، ذوالخلصہ، قلیس،

غمدان صنعاء میں ایک مشہور عمارت تھی، شہرستانی کا بیان ہے کہ وہ ستارہ زہرہ کا ہیکل تھا، یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، کہ عثتار، کے نام سے یمن میں زہرہ کی پرستش عام طور سے ہوتی تھی، یاقوت نے معجم میں لکھا کہ اس عمارت کا بانی الیشرح بن یحصب تھا، اس میں تو برتو سات منزلیں تھیں اور ایک میں ایک شیر کا مجسمہ تھا، حضرت عثمان نے اس عمارت کو منہدم کرا دیا۔

غمدان کی سات منزلیں ممکن ہیں، کہ سات آسمانوں کا تخیل ہو یا ہفتہ کے سات دن کی مناسبت سے ہوں، شیر کا مجسمہ ہونا تو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ شاید اسد کی صورت کواکب سے اس کو تعلق ہو، مارگولیوتھ نے لائف آف محمد میں یمن کا ایک کتبہ شائع کیا ہے، جن میں کتبہ کے پہلو میں ایک شیر کی شکل ہے۔

ریام کا ہیکل بھی یمن میں واقع تھا، اس سے پہلے مولر کی شہادت گزر چکی ہے، کہ "ریام کے ہیکل میں چاند اور سورج کی مورتیں تھیں، ہمدانی نے اس کو عرب کے قدیم مذہبی عمارتوں میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ قبیلہ ہمدان کی آبادی میں واقع تھا[3] ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اہل یمن اس ہیکل کی بڑی عزت کرتے تھے، اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے، دوسری صدی ہجری تک اس عمارت پر قربانی کے خون کے نشانات موجود تھے[4]، یہ نہیں معلوم کہ یہ ہیکل کس بت کا مسکن تھا، لیکن ائمہ لغت نے اسے "رام،، سے مشتق کیا ہے جس کے معنی "شفقت اور مہربانی" کے ہیں اس لئے یہ ممکن ہے کہ یہ "وڈ" کا مرادف ہو۔

ذوالخلصہ یہ ہیکل مکہ سے سات منزل یمن کی جانب واقع تھا، اس کی وقعت اہل عرب میں اتنی تھی کہ اس کو یمن کا کعبہ کہتے تھے، اس میں سپید مرمر کا ایک بت استادہ تھا، اس کے سر پر پھول بوٹے کاٹ کر ایک تاج سا بنا تھا، اس کے گلے میں ہار ڈالے جاتے تھے، شترمرغ کے انڈے لٹکائے جاتے

---

[1] ان پانچ بتوں کا ذکر معجم یاقوت میں ان ناموں کے تحت میں ہے، کعیت کا ذکر "قلیس" میں ہے۔ [2] طبری صفحہ ۹۲۲ یورپ
[3] صفۃ جزیرۃ العرب صفحہ ۱۲۷۔ [4] یاقوت لفظ "ریام"

تھے، چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، دوس، خثعم، بجیلہ اور ازد السراۃ کے قبائل اس کے پوجاری تھے، فتح مکہ کے بعد سنہ میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو جلا کر خاک کر دیا[۲]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب یہ قبائل مرتد ہوئے تو انھوں نے ذوالخلصہ کو پھر زندہ کرنا چاہا، لیکن حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے اس کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا[۳]۔

قلیس کلیسا کا معرب ہے، یہ کلیسا اہل حبش نے جو عیسائی تھے صنعاء میں بنوایا تھا، کہتے ہیں اس میں دو بت نصب تھے جو میاں بیوی کہلاتے تھے، مرد کا نام کعیب تھا، یہ ساٹھ ہاتھ لمبا لکڑی کا ایک بت تھا، دوسری صدی ہجری میں خلیفہ سفاح کے زمانہ میں یہ ہیکل برباد ہوا[۴]۔

ان بتخانوں کی آبادی اور مصارف کے لوگ اپنی پیداوار اور کمائی کا مخصوص حصہ نذر کیا کرتے تھے، ہمارے مفسرین اور ارباب سیر لکھتے ہیں، کہ حضر موت والے اس اصول کے بشدت پابند تھے[۵]، چنانچہ قرآن کی یہ آیت ان ہی کے متعلق ہے:۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا (انعام)

خدا نے جو کھیتی اور جانور پیدا کئے ہیں یہ کافر خدا کا ایک حصہ خدا کے لئے کرتے ہیں، اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا ہے اور یہ ہمارے دیوتاؤں کا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضر موت میں یہ رسم بہت قدیم زمانہ سے جاری تھی، پلینی جو سنہ ۷۹ء میں تھا، بیان کرتا ہے:۔

سبا کے ایک حصہ کا نام حضر موت ہے جس کا خاص شہر سباتھا ہے، اس شہر میں ساٹھ ہیکل ہیں، یہاں کے بخورات جمع کر کے سباتھا لائے جاتے ہیں اور اس وقت تک یہ خرید نہیں کئے جا سکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جا سکتا ہے، جب تک کاہن، سباتھا کے دیوتاؤں کے لئے دسواں حصہ نکال نہیں لیتا[۶]۔

یہ جا بجا بیان کیا جا چکا ہے کہ فارس اور روم کی باہمی معرکہ آرائیوں میں عرب ایک متوسط حیثیت رکھتا تھا، شمالی عرب کے سرحدی عرب عیسائیت قبول کر کے رومیوں کے بے حد کام آئے تھے چنانچہ رومیوں نے خود بھی اور ان کے اشارہ سے عیسائی حبشیوں نے بھی عرب میں تبلیغ مسیحیت کا بیڑا اٹھایا چنانچہ ان کو نجران میں کامیابی ہوئی، اندرون ملک میں یہود آباد تھے، خدا جانے کیا اسباب پیش آئے کہ یمن کے اکثر قبائل اور سلاطین نے یہودی مذہب اختیار کر لیا، صرف عبد کلال حمیر میں عیسائی بادشاہ تھا کتبات میں بھی بجائے دیوتاؤں کے ناموں کے "رحمٰن" کا نام ملتا ہے، جو قبل اسلام عرب یہودیوں اور عیسائیوں

---

[۱] یاقوت لفظ "خلصہ"۔ [۲] صحیح بخاری سریۃ الخلصہ [۳] طبری [۴] یاقوت لفظ "قلیس"۔
[۵] سیرۃ اسحاق ذکر عرب قبل اسلام۔ [۶] ارض القرآن ج اول ص ۲۳۳۔

کے لئے مخصوص تھا، اہل حبشہ نے جو عیسائی تھے ۵۲۵ء میں یمن فتح کیا، اور صنعاء میں ایک کلیسا تعمیر کیا، جس کو عرب "قلیس" کہتے ہیں، تاہم وہاں عیسائیت نے قبولیت عام حاصل نہیں کی، ۵۷۵ء میں اہل فارس حبشیوں کو یمن سے نکال دیا اور ایک ایرانی حکومت وہاں قائم کر لی اہل یمن کی مذہبی سطح اس سیاسی جنبش سے بھی متاثر نہ ہوئی، اور اب وہ زمانہ آیا جب کہ خورشید اسلام نے یمن میں[1] طلوع کیا۔

بنو ابراہیم یا شمالی عرب جس طرح جنوبی عرب اور بابل و عراق کے مذہبی خیالات میں اتحاد نظر آتا ہے، اسی طرح شمالی عرب (حجاز، مدین، نجد) اور شام و فلسطین میں ایک متحد مذہبی تخیل قائم تھا، اور چونکہ نسلاً بھی ان میں اتحاد تھا، اس لئے مذہبی تخیل کا ان میں اتحاد کچھ عجیب نہیں، سلسلۂ ابراہیمی کی عرب میں متعدد شاخیں آباد تھیں، جن کے حالات اسی جلد میں تم او پر تفصیل کے ساتھ پڑھ آئے ہو، یہ ذہن نشین رہے کہ یہ اس ابراہیم بت شکن کی اولاد تھی، جس نے بابل کی ستارہ پرستی کا طلسم توڑ ڈالا تھا، اور آخر اس کفر کفرستان سے ہجرت کر کے شام اور عرب کی سرزمین کو اپنے لئے منتخب کیا، ان کی اولاد یہیں پھیلی اور بڑھی، اور بڑی بڑی قوم بن گئی، اس بنا پر یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں کے نزدیک یہ مسلّم ہونا چاہیے کہ بنو ابراہیم ابتداءً موحد اور اپنے باپ کے دین پر تھے، اسی لئے قرآن مجید نے حضرت یعقوبؑ کی زبانی کہا ہے:۔

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ
إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي
قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا
وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

کیا تم موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آئی اور جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کو پوجو گے؟ انھوں نے جواب میں کہا کہ ہم آپ کے آبا و اجداد ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے خدا کو پوجیں گے، ایک خدا کو، اور ہم اس کے فرمانبردار ہوں گے

(بقرہ[2])

لیکن رفتہ رفتہ یہ اثر کم ہوتا گیا، چنانچہ بنو اسرائیل مصر جا کر اپنا آبائی مذہب بھول گئے، حضرت موسیٰؑ نے مبعوث ہو کر ان کو پھر ان کا بھولا ہوا خواب یاد دلایا، لیکن ان کی مذہبی حالت اس درجہ مسخ ہو گئی تھی کہ بار بار کی تنبیہ پر بھی جب ذرا غفلت پاتے بتوں اور دیوتاؤں کے آگے سر جھکا دیتے، چنانچہ توراۃ، اور نبییم اور تاریخ یہود ان بیانات سے لبریز ہے، نسل ابراہیمی کے جو خانوادے عرب آکر بسے تھے ان کا بھی یہی حال ہوا۔

---

[1] یہ واقعات بہ تفصیل ارض القرآن جلد اوّل میں گزر چکے ہیں۔ [2] ۱۶، ۱۳۲۔

توراۃ، نبئیم اور یہود کی دوسری مقدس کتابوں میں اسرائیل کی گنہگار اولادوں کی اور انکی ہمسایہ[1] قوموں کی جس باطل پرستی کا ذکر بار بار آیا ہے اُس سے ان قوموں کے ان مذہبی عقائد اور خیالات کا پتہ چلتا ہے جو مرورِ زمانہ سے اِن بنی زادوں میں پیدا ہو گئے تھے تمام مجموعۂ توراۃ کے پڑھنے سے یہ نظر آتا ہے کہ یہ قومیں تمام تر ستارہ پرست تھیں[2]، بڑے اونچے اونچے ستون[3] یا ہیکل[4] بنائے جاتے تھے، یا پہاڑوں[5] پر بت خانے اور مذبح تیار ہوتے تھے اور ان میں قربانیاں جلائی جاتی تھیں[6]، سونے، چاندی[7]، پتھر اور لکڑی[8] کی مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے، اپنی بچوں کی اور مویشی کی صحت و سلامتی کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں[9]، اولاد کو بعل دیوتا کے نام پر ذبح کرتے تھے[10]، مولک ایک دیوتا کا نام تھا اپنی کھیتی کو اور اولاد کو ذبح کر کے چڑھاتے تھے[11]، بتوں پر سونا اور چاندی نذر چڑھائی جاتی تھی[12]، توراۃ میں جن دیوتاؤں کا نام آئے ہیں، اُن میں سب سے زیادہ بعل[13] دیوتا کا تذکرہ ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سامی قبائل میں اس کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل تھی، اس کے بعد بیروت[14]، مولک[15] شمس اور قمر اور منازل[16] کواکب کے درجے تھے، آفتاب کے متعلق خیال تھا کہ یہ دیوتا ایک گاڑی پر سوار ہے، اور روحانی گھوڑے اس کو شب و روز کھینچتے رہتے ہیں، اس بنا پر آفتاب کے نام سے جو ہیکل بنتا تھا اس میں گاڑی اور گھوڑے بھی بنا کر کھڑے کئے جاتے تھے[17]، چنانچہ اس قسم کی ایک سنگی مورت بابل میں آج کل کھود کر نکالی گئی ہے ہیکلوں کی چھتوں پر لوبان سلگائی جاتی تھی، تاکہ دیوتاؤں کی رضامندی کی خوشبو[18] تمام آبادی میں پھیل جائے۔

اب ہم سلسلۂ ابراہیمی کے ایک خاندان کو جس کا ملکِ عرب میں آباد ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے، بیان کرتے ہیں ۔

مدین | سلسلۂ ابراہیمی میں سب سے پہلے ہم نے مدین کو لیا ہے، قرآن مجید میں ان کے متعلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر اور معبودوں کی پرستش کرتے تھے، حضرت شعیبؑ ان سے کہتے ہیں،

۱؎ تثنیہ ۱۳-۲ ، ۲؎ تثنیہ ۴-۱۹ ، ملوک دوم ۲۱-۳ ، ملوک دوم ۲۳-۵ ، تاریخ دوم ۳۳-۲ ، ۳؎ تاریخ دوم ۱۴-۴ ، ۲۱-۴ ، ۳۰-۳ ، ۲۳-۴ ، ملوک دوم ۱۴-۱۳ ، ۴؎ یرمیاہ ۱۹-۵ ، ۳۲-۳۵ ، ۵؎ ملوک دوم ۲۱-۳ ، ۶؎ بحوالہ ماسبق ۷؎ توراۃ کے محولہ صفحات میں دیکھو۔ ۸؎ تثنیہ ۲۸-۳۶ ، ۹؎ خروج ۲۰-۲۳ ، ۱۰؎ تثنیہ ۱۲-۳۱ ، ملوک دوم ۲۱-۳ ، یرمیاہ ۱۹-۵ ، ۱۱؎ تثنیہ ۱۲-۲۱ ، یرمیاہ ۳۲-۳۵ ، ۱۲؎ تثنیہ ۷-۲۵ ، وقضاۃ ۹-۴ ، ۱۳؎ عدد ۲۲-۴۱ ، ۲۵-۲ ، ملوک دوم ۲۱-۳ ، ۲۳-۲ ، تاریخ دوم ۲۳-۳ ، قضاۃ ۲-۱۳ ، ۱۴؎ ملوک دوم ۲۱-۷ ، ۲۳-۶ ، ۱۵؎ احبا ۱۸-۲۱ ، ۱۹-۱۱ ، ۱۶؎ ملوک دوم ۲۳-۱۱ ، تاریخ دوم ۱۴-۵ ، ۱۷؎ ملوک دوم ۲۳-۱۱ ، ۱۸؎ ملوک دوم ۲۳-۵-۸ ،

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (عنکبوت)

میرے بھائیو! خدا کو پوجو۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف)

میرے بھائیو! اللہ کو پوجو، اس کے سوا تمھارا اور کوئی معبود نہیں۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (هود)

میرے بھائیو! اللہ کو پوجو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔

مدین جواب دیتے ہیں:۔

يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (هود)

اے شعیب! کیا یہ تمھاری نماز تم کو یہ کہتی ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دیں جس کو ہمارے اسلاف پوجتے آئے ہیں۔

توراۃ بتاتی ہے کہ مدین بعل دیوتا کو پوجتے تھے[1]، اس دیوتا کا ذکر حضرت الیاسؑ کے تعلق سے قرآن مجید میں بھی آیا ہے:۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (صٰفّٰت)

کیا بعل کو پکارتے ہو اور اس سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو، اللہ تمھارا اور تمھارے گذشتہ باپ داداؤں کا "رب" ہے۔

ہمارے مفسرین نے عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ "بعل" یمن کی زبان میں "آقا" اور "مالک" کو کہتے ہیں، اور یہ حضرت الیاسؑ کی قوم کا بت تھا[2]، اور اسی لئے عربی میں شوہر کو بعل کہتے ہیں[3]، ہمارے مفسرین اور اہلِ لغت کا بیان بالکل صحیح ہے، لیکن صرف اس تخصیص سے انکار ہے کہ "یہ صرف یمن کی زبان کا لفظ ہے"، صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ تمام سامی زبانوں میں پایا جاتا ہے، یہ بھی اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ "بعل" صرف قوم الیاسؑ میں نہیں بلکہ اکثر مشرقی سامی قوموں میں پوجا جاتا تھا، بعلبک ملک شام کا ایک قدیم شہر ہے جو اسی بعل دیوتا کی طرف منسوب ہے روایتوں میں ہے کہ یہ دیوتا سونے کا تھا[4] چودہ ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے[5]، توراۃ میں اس کے تین طریقہ سے نام آئے ہیں، البعل[6]، بعل فغور[7]، بعل بریت[8]۔

بعل کے لئے مذبح، قربانگاہ اور ہیکل بنتے تھے[9]، لوبان اور دیگر بخورات ان میں جلائے جاتے تھے[10]، اولاد کو اس کی خاطر آگ میں ڈال دیا جاتا تھا، اور یہ بہترین قربانی سمجھی جاتی تھی[11]، بعل کی پوجا کے

---

[1] سفر العدد ۲۲-۴۱، ۲۵-۳، ۵، ۱۶۷، [2] طبری و بغوی، تفسیر آیت مذکورہ، [3] لسان العرب لفظ بعل، [4] لسان العرب جلد ۱۳، ص ۱۲، [5] معالم التنزیل بغوی، تفسیر آیت مذکورہ، [6] بعل کے متعدد حوالے اوپر گذر چکے ہیں، [7] عدد ۲۵:۲، [8] قضاۃ ۸-۳۳، ۹-۴، [9] یرمیاہ ۱۹-۵، [10] ملوک دوم ۲۱-۳، [11] ملوک دوم ۲۳-۵، [12] یرمیاہ ۱۹-۵،

لئے خاص قسم کے برتن اور ظروف ہوتے تھے[1]شامی قوموں میں اور مدین کے ہمسایوں میں بعل کی پوجا کے یہی سب رسوم تھے، غالبًا مدین میں بھی یہی جاری ہوں گے۔

مستشرقین یورپ کی تحقیق کے مطابق 'بعل'، ستارۂ زحل کا نام تھا جس کی دوسری مانوس عربی شکل 'ہبل' ہے، اس کی مدین میں پرستش ہوتی تھی، اور اونٹ (ابل) کی قربانی اس کے لئے سب سے بہتر سمجھی جاتی تھی[2]

حضرت شعیبؑ اس قوم میں مبعوث ہوئے اور ان کی دعوت سے ایک فرقہ نے خداپرستی اختیار کی تفصیل مدین میں گذر چکی ہے۔

ددان یا اصحاب الایکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ددان یا **اصحاب الایکہ** مدین ہی کے ہم قوم اور ہم نسب تھے، قرآن مجید نے بھی ان دونوں کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کیا ہے، ان دونوں کے لئے ایک ہی پیغمبر حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے، دوسرے طرف ان کی ہم وطنی لوطؑ کی آبادی سے تھی (ارض القرآن جلد ۲ صفحہ) حضرت لوطؑ کے دو بیٹے مواب اور عمون تھے، (تکوین ۱۹-۳۶) قرآن مجید اور نیز توراۃ نے ددان کی مذہبی حالت کی تفصیل نہیں کی ہے، اس لئے ہر شخص یہی قیاس کرے گا کہ ان کے مذہبی عقائد مدین، مواب اور عمون سے ملتے جلتے ہوں گے، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدین بعل کی پرستش کرتے تھے، مواب کا دیوتا کموش تھا، عمون مولک کو پوجتے تھے[3] مولک اور بعل تو قطعاً ایک ہیں، عبری کا مولک، عربی کا مالک اور بعل، کا ہم معنی ہے، بعل اور مولک دونوں کے لئے رسوم بھی ایک ہی قسم کے تھے، دونوں پر لوگ اپنی اولاد کی قربانی کرتے تھے[4]

بنو ادوم یعنی حضرت ایوبؑ کی امت عرب کا تیسرا ابراہیمی قبیلہ ادوم ہے، اسی قبیلہ میں حضرت ایوبؑ مبعوث ہوئے تھے، قبیلۂ ادوم کی مذہبی حالت سے قرآن نے کچھ تعرض نہیں کیا ہے، لیکن اس میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا ہی اس بات کی شہادت ہے کہ کم از کم قبیلہ کے کچھ افراد راہ راست پر نہ تھے، سفر ایوبؑ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ میں سورج اور چاند کی پوجا ہوتی تھی، عبادت کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ سورج اور چاند کی طرف دیکھ کر اپنے ہاتھ چوم لیتے تھے[5]، بہ گویا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ خود ان کے بوسہ دیتے۔

بنو اسماعیل ہمارے ارباب روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد ان کی اولاد دین ابراہیمی پر قائم تھی، ان میں رفتہ رفتہ بت پرستی کا شیوع اس طرح ہوا کہ خانۂ کعبہ جو پتھروں سے بنا تھا ان کے نزدیک مقدس تھا جب وہاں سے کسی اور مقام پر چلنے لگتے تو اس کا ایک پتھر تبرکًا اٹھا لیتے، بعد کو خانۂ کعبہ

---

[1] ملوک دوم ۲۳-۴، [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اص ۷۹،۳، اور ہسٹری آف دی مورش امپائر ان یورپ مصنفہ ایس. پی. سکاٹ بحوالہ ڈوزی، دیباچہ، [3] عدد ۲۱-۲۹، قضاۃ ۱۱-۲۴، ملوک اول ۱۱-۷، [4] ملوک اول ۱۱-۷، ۳۳، ملوک دوم ۲۳-۱۳، [5] سفر ایوبؑ ۳۱-۲۶-۲۷،

کا امتیاز بھی اٹھ گیا، جو پتھر اچھا سا چکنا پڑا مل جاتا اسی کو اٹھا لیتے اور اس کو اپنے گھر کا دیوتا بنا لیتے۔[1]

قدیم تحریری شہادتوں کے سب سے پہلے بابل کے کتبات میں ہم کو ۶۴۵ ق م میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو قیدار اور انباط اشتار یعنی زہرہ کو پوجتے تھے اشور بنی پال شاہِ نینویٰ، شاہانِ عرب شمالی کی مفتوحی کی داستان میں کہتا ہے:۔

"عادیہ ملکۂ عرب، عم العدی شاہِ قیدار میں مفتوح ہوئے اور گرفتار کر کے نینویٰ لائے گئے اور ایک دوسرے شہزادہ یوقع بن بیر ودادہ کے بے شمار جنگ جو لوگ تباہ و برباد کیے گئے اور ان کے خیمے جلائے گئے، اور ایک تیسرا سردار ابی یاتی کو مع اس کے ساتھیوں کے یعنی یوقع بن حزایل ناتان شاہِ انباط اور اشتار کے پوجنے والوں کو شکست دی گئی۔"[2]

ہیروڈوٹس ۴۴۰ ق م میں شہادت دیتا ہے کہ عرب "دو دیوتاؤں کو پوجتے ہیں جن کے نام "الیلات" اور "اوروتل" ہیں، الیلات تو صاف اللات ہے، اوروتل نہیں معلوم کیا شئے ہے۔

اصحاب الرس و اصحاب الحجر اسماعیلی قبائل کے بارہ سلسلوں میں صرف تین کی نسبت ہم کو کچھ حالات معلوم ہیں قیدما (اصحاب الرس) بنایوط (اصحاب الحجر) اور قیدار **اصحاب الرس** کی مذہبی حالت کی قرآن نے کوئی تفصیل نہیں کی، صرف مجرم قوموں کی فہرست میں ان کا نام لیا ہے، تاریخ کے دوسرے ذرائع بھی اس ظلمت کدہ کو روشن نہیں کرتے، انباط یعنی **اصحاب الحجر** کی نسبت قرآن کہتا ہے:۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ — حجر والوں کے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

پہلی صدی عیسوی کے اوائل کا مورخ اسٹرابو جو اس قوم کا معاصر تھا شہادت دیتا ہے کہ۔

مذہباً یہ سبا والوں کے دیوتا آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اور اس دیوتا کا ہیکل یا قربان گاہ مکانات کی چھتوں پر بناتے ہیں، اور اس پر شراب چڑھاتے ہیں، اور اندر ہر روز بخور جلاتے ہیں۔[3]

اسٹرابو نے جو طریقۂ پرستش بتایا ہے وہ دیگر طریقۂ پرستش کے مطابق ہے، جس کی تفصیل توراۃ کی شہادتوں کے ساتھ ابھی اوپر گذر چکی ہے۔

حجر کے نبطی کتبوں میں جو عموماً قبروں کی لوحیں ہیں ان کے دیوتاؤں کے نام بھی ملتے ہیں، مثلاً ذوالشریٰ، لات، منوت، ہبل، قیش، عمی ندہ، خرلش، ان آخری دو ناموں کے علاوہ بقیہ اور دیوتا زمانۂ اسلام تک عرب کے شمالی قبائل میں پوجے جاتے تھے، ذوالشریٰ اوس کا دیوتا تھا، لات

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ذکر صنام العرب۔ [2] ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ (تاریخ مورخین عالم) جلد ۸ صفحہ ۳-۱۰۳، ۱۹۰۷ء۔ [3] گولڈ مائنس آف مدین ص ۲۲۸۔

ثقیف میں پجتا تھا، اور منوت یعنی مناۃ اوس و خزرج کا معبود تھا، قیش جو عربی میں قیس ہے، گو اس نام کے بت کی تصریح ہم کو کہیں نہیں ملی، لیکن عرب ناموں میں عبد القیس (قیس کا بندہ یا غلام) اور امراء القیس (قیس کا آدمی) ہم کو ملتا ہے اور چونکہ عرب اپنے نام دیوتاؤں کی نسبت سے رکھا کرتے تھے اس لیے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ عبد القیس کا قبیلہ جو گو عدنانی لیکن ایک مدت سے بحرین میں آباد تھا، وہ قیس کے پرستاروں میں ہو، امراء القیس کا نام عرب کے مختلف قبائل میں نظر آتا ہے، حیرہ کے عدنانی النسل سلاطین میں ایک امراء القیس تھا، کندہ کے آخری شاہزادہ اور عرب کے نامور شاعر امراء القیس کا نام کون نہیں جانتا، مصر کے ایک ہمہ دان عیسائی مصنف کا بیان ہے کہ عربوں میں امراء القیس کا نام رومیوں کے مرقس کا معرب ہے[1]، لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ سامان آرائش و تمدن کے علاوہ عرب میں ناموں کا بھی قحط تھا، بناتی کتبات میں ان دیوتاؤں کے علاوہ اللہ کا نام بھی بحیثیت ایک معبود کے جز کے نظر آتا ہے[2]۔

اصحاب الحجر کے کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کے ہاں باقاعدہ کاہن ہوتا تھا، جو لوگوں پر مذہبی جرمانہ کرسکتا ہے، قبرستان کا صحن، حرم کا حکم رکھتا تھا، دو کتبوں کے ضروری فقروں کا ترجمہ یہ ہے:۔

۱۔ "یہ قبرستان لکم بنت وائلہ بنت حرم اور اس کی لڑکی کلیبہ نے اپنی اور اپنی اولاد کے لئے طبیہ کے مہینہ میں حارث شاہ انباط محب قوم کے نویں سال جلوس میں ذو الشریٰ اور خرایش اور لات اور عمندا اور منوت اور قیس اس پر لعنت کریں گے جو اس قبرستان کو بیچے گا یا خریدے گا، یا رہن رکھے گا یا اس میں سے کسی کی لاش نکالے گا، یا اس میں لکم اور اس کی بیٹی اور اس کی اولاد کے علاوہ کوئی اور دفن ہوگا، جو اس وصیت کی مخالفت کرے، ذو الشری، ہبل اور منوت اس پر پانچ لعنتیں بھیجیں، اور کاہن اس پر جرمانہ کرے جس کی مقدار ایک ہزار درہم حارثی ہو، . . . . وہب اللات بن عبادہ نے اس کو بنایا۔

۲۔ اس مقبرہ کو عائذ بن کہیل نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بنایا . . . . ذو الشری، منوت اور قیس اس پر لعنت کریں جو اس کو فروخت کرے یا خریدے یا رہن کھے یا دے دیے یا کرایہ پر دے یا اس پر کچھ اور نقش کرائے یا مذکورہ بالا اشخاص کے علاوہ یہاں کسی اور کو دفن کرے، مقبرہ اور اس کی چاروں طرف کی زمین انباط کے اصول کے مطابق حرم مقدس ہے[3]۔

ہوٹل اسلام کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ اہل یمن کی طرح انباط میں بھی چاند گھٹنے اور بڑھنے

---

[1] العرب قبل الاسلام جرجی زیدان ص ۱۴۶۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف ریلجنس اینڈ ایتھکس (اخلاق اور مذاہب کی انسائیکلوپیڈیا) صفحہ ۲۶۴، جلد ۱۔ [3] ان دونوں کتبوں کا عکس میں نے نہیں دیکھا جرجی زیدان نے Cook کی کتاب Noalh Semitic Inscriptions Oxford 9.3 کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

کی حالت میں دو توام دیوتا سمجھا جاتا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

مؤخر الذکر (انباط) میں بھی ہم چاند کو دو توام دیوتاؤں میں منقسم پاتے ہیں، یعنی ذو الشریٰ (پہاڑ کا دیوتا، شریٰ ادوم کے پہاڑی کا مقام کا نام تھا) اور اس کا جوڑا اخرلیش (خریس عبرانی میں آفتاب کو کہتے ہیں) ذو الشریٰ خصوصاً پٹرا میں پوجا جاتا تھا، ہبل اور اس کا جوڑا منوت تھا اس کے بعد ماتا دیبی ایلات (خصوصاً عمی ہند دیبی) اور ایک دیوتا اعز (عربی میں اعزؔ یعنی چمکتی پیشانی والا) یہ اخیر لفظ غالباً ذو الشریٰ کی ایک صفت کے طور پر ہے (لفظ عرب)

اوس وخزرج اور ان کے ہم نسب قبائل ہم نے مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کو جن کا اسلام میں نام انصار ہے ان ہی انباط کی شاخ قرار دیا ہے، اس دعویٰ کا ایک مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ ان دونوں کے بتوں اور دیوتاؤں کے نام ایک ہی ہیں، یا یہ کہو کہ ایک ہی دیوتاؤں کو دونوں پوجتے تھے، ان میں سے ان کی دیبی مناۃ تھی جس کو انباط منوت کہتے تھے، اس دیبی کی مورت مشلل میں قدید کے پاس ساحل بحر احمر کے قریب نصب تھی، حج میں احرام اتارنے کی رسم اوس وخزرج یہیں ادا کیا کرتے تھے[1]، یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ مناۃ ایک پتھر کی چٹان تھی، شاہان غسان اس کے نام سے نذرانے بھیجتے تھے اور ازد کے روٴسا اس کے پجاری تھے، اور اس کا اہتمام وانتظام ان ہی کے ہاتھ میں تھا، اس کو قربانیاں دی جاتی تھیں، اوس وخزرج میں امرا القیس (قیس کا آدمی) کا نام متعدد دفعہ ملتا ہے[2] کیا اس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ قیس بھی ان کے معبودوں میں داخل تھا؟ عبد اللہ اور اوس اللہ بھی ان کی زبان سے سنتے ہیں[3]۔

لوگوں کے گھروں میں دیوتاؤں کی مورتیں رہتی تھیں، مناۃ کی مورت لکڑی کی تراشی ہوئی اتنی بڑی یثرب کے گھر میں تھی کہ چند آدمی مل کر اٹھاتے تھے، (ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ) ایک شخص ان دیوتاؤں کے اہتمام وانتظام پر مقرر ہوتا تھا، ظہور اسلام کے وقت جو شخص اس عہدہ پر مامور تھا اس کا نام عمرو بن قیس تھا[4]۔

اوس وخزرج، روایاتِ عرب اور دیگر قیاساتِ عقلی کی بنا پر ازد اور غسان کی شاخ تھی، اس بنا پر مذہبی حیثیت سے بھی ان میں اتحاد پایا جاتا ہے چنانچہ مناۃ دیگر قبائل ازد اور غسان کا معبود بھی تھا، اس کے علاوہ ان قبائل اور ان کی شاخوں میں اور بھی چند دیوتا تھے،۔

---

[1] صحیح بخاری، طواف صفا و مروہ، زرقانی وابن سعد ذکر ہدم مناۃ ابن اسحاق مقدمہ۔ [2] سیرۃ ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ، [3] سیرۃ ابن ہشام بیعت عقبہ و ذکر ہجرت [4] سیرۃ ابن ہشام ذکر منافقین مدینہ۔

نام	مقام	پرستار
۱۔ اقیصُر	حدود شام میں	قضاعہ، لخم، جذام، ؛ عاملہ، غطفان
۲۔ عائم		ازد والسراۃ
۳۔ فلس	جبس	طیّ
۴۔ ذوالشریٰ	۔	دوس، ازد،
۵۔ ذوالکفّین	۔	دوس
۶۔ باجر[۲]	۔	ازد
۷۔ ودّ	۔	کلب بن وبرہ (شاخ قضاعہ)
۸۔ یغوث	۔	انعم (شاخ طی)

ان قبائل میں ستارہ پرستی بھی، لخم، اور جذام ستارۂ مشتری کو پوجتے تھے، اور طی سہیل کے پرستار تھے،[۲] اس لئے ممکن ہے کہ فلس کا ہیکل سہیل ہی کے نام سے بنایا گیا ہو، اور اقیصر مشتری سے عبارت ہو،

بنو قیدار یعنی عدنانی قبائل | بنو قیدار کے قدیم مذہبی تخیلات کی نسبت مجملاً اشارہ اوپر گذر چکا ہے، اسقدر مسلّم ہے کہ ابتداءً یہ اپنے باپ دادا حضرت اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ کے مذہب پر تھے خانۂ کعبہ کا رسم ابراہیمی کے مطابق حج کیا کرتے تھے، رفتہ رفتہ مسئلۂ حج کی غلط فہمی سے ان میں سنگ پرستی کا آغاز ہوا،[۵] صحیح روایات سے ثابت ہے، کہ مکہ اور حجاز میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحی ہے،[۶] اس کے ملک شام سے تعلقات تھے اور وہیں سے بت لا لاکر اس نے خانۂ کعبہ اور اطراف مکہ میں پھیلا دئے تھے، اس روایت کی موجودہ تحقیقات سے بھی تائید ہوتی ہے، ہوتل اسلام کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے :-

شمالی مغربی عرب میں مکہ سے پٹرا (رقیم) بلکہ اس سے آگے صحرائے شام (تدمر) اور حوران تک ایک ہی تخیل، کسی قدر پرانے اور بعض نئے ناموں کے ساتھ پھیلا تھا (جلد ا صفحہ ۳۸۰)۔

عدنانی قبائل کا سب سے بڑا بت یا دیوتا ہبل تھا، جو خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا، لات کا ہیکل شہر طائف میں تھا، مکہ سے چند میل دور مقام نخلہ عزّیٰ نام ایک دیبی کا مسکن تھا، عدنانی قبائل کے یہ تین سب سے بڑے دیوتا تھے، ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، قربانیاں ہوتی تھیں، ان

---

[۱] ۱، ۲، ۳، کے لئے دیکھو معجم البلدان یاقوت زیر الفاظ اقیصر، عائم، ذوالشریٰ ۴ اور ۵ کا حال صحیح بخاری کتاب المغازی اور ابن سعد سریہ و فلس و ذوالکفین پڑھو۔ [۲] قاموس میں یہ لفظ دیکھو ۷، ۸۔ سیرۃ ابن ہشام مقدمہ۔ [۳] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی، صفحہ ۴۳۔ بیروت [۴] اخبار مکہ ازرقی و سیرۃ ابن ہشام، مقدمہ۔ [۵] صحیح بخاری، ابن ہشام۔

کی نذریں مانی جاتی تھیں، لوگ ان کے جاترے کو آتے تھے، ان کے علاوہ مختلف قبائل کے کچھ مقامی دیوتا تھے، جن کے نام یہ ہیں:۔

نام	مقام	پرستار
سُواع	ذومۃ الجندل	قبیلۂ ہذیل
سعد	ساحل جدہ	بنی ملکان بن خزیمہ بن مضر
اُساف	مکہ	
نائلہ	مکہ	
رُضاء		بنی ربیعہ بن کعب
ذوالکعبات	سنداد (حدود عراق)	قبیلۂ ایاد
جُہار	عُکاظ	ہوازن
مناف	۔	قریش
اُوال	۔	بکر و تغلب
مُحرِّق	۔	بکر و ربیعہ
یالیل	طائف	ثقیف
ذوالخلصہ	تبالہ	خثعم و بجیلہ
سُعَیر	۔	عنزہ
فراص	۔	سعد العشیرہ

بعض قبائل ستارہ پرست تھے، قیس جو عدنانی قبائل میں بہت بڑا قبیلہ تھا، شعریٰ پوجتا تھا، قبیلہ کنانہ چاند کا پرستار تھا، اسد کا قبیلہ عطارد کی پرستش کرتا تھا، تمیم ستارہ دبران پوجتے[1] تھے، قریش اور ان کے دیگر ہم نسب قبائل جس ہبل کو پوجتے تھے، ہمارے قدیم علمائے لغت تو کچھ نہیں بتاتے، مگر حسبِ تحقیقات موجودہ درحقیقت ستارہ زحل تھا۔

چند اور بتوں کے نام لغت کی کتابوں میں متعدد ایسے بتوں کے نام ملتے ہیں، جن کی نسبت یہ تفصیل نہیں معلوم کہ یہ کس قبیلہ کے معبود تھے، اور عرب کے بُت خانہ میں ان کی پرستش ہوتی تھی، مثلاً کُسعہ[1]، جُبہہ[2]، جریش[3]، شارق[4]، عوف[5]، نجہ[6]، یہ نام علامہ فیروز آبادی کی قاموس سے التقاط کیے گئے ہیں، عرب میں ایک

[1] ابن صاعد اندلسی صفحہ ۴۳۔ بیروت

ایک اور بُت تھا جس کو دُوار کہتے تھے، عورتیں اور نوجوان لڑکیاں اس کی چاروں طرف طواف کرتی تھیں چنانچہ امراء القیس کہتا ہے:۔

فعن لنا سرب کان نعاجہ　　عذاری دوار فی ملاء مذیل

ہمارے سامنے ہرنوں کا گلہ آیا، جس کی ہرنیاں "دوار" کی ناکتخدا لڑکیاں معلوم ہوتی تھیں، جو بڑے بڑے دامن کی چادریں اوڑھتے ہوں۔

گذشتہ صفحات میں جن بتوں اور دیوتاؤں کے نام لکھے گئے ہیں، گو وہ بہت تفحص وتلاش سے جمع کئے گئے ہیں، تاہم اُن کی اصلی تعداد کا احاطہ نہیں ہو سکتا، بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے ہیں، تو اس وقت خلیل بت شکن کا معبد ۳۶۰ بتوں کا مسکن[۱] تھا، یہ خانہ کعبہ کے اندر کے بتوں کی تعداد ہے اس کے علاوہ ملک کے گوشہ گوشہ میں جو بت بج رہے تھے، ان کی کثرت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے، قاعدہ کے مطابق خاص بنائے ہوئے بتوں کے علاوہ عربوں کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ راستہ چلتے چلتے جو اچھا سا پتھر بھی ان کو مل جاتا اس کو دیوتا بنا لیتے تھے، اگر کبھی اس سے اچھا پتھر مل گیا تو پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیتے تھے، اگر بدقسمتی سے کوئی پتھر ہاتھ نہ آتا تو مٹی کا گول پنڈا بنا کر، بکری کا دودھ اس پر ڈالتے تھے، اور پھر وہ دیوتا بن جاتا تھا،[۲] عرب میں ایک قبیلہ تھا جس نے آٹے کی مورت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔[۳]

ان پتھر اور مٹی کی مورتی کے علاوہ بھوت پریت پر بھی اُن کا اعتقاد تھا، اُن کو خدا سمجھ کر یا خدا کا مقرب سمجھ کر پوجتے تھے،[۴] عرب میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ایک خدائے اعظم کے قائل تھے، لیکن اس کے ساتھ وہ جنوں کو اور فرشتوں کو بھی اس لئے پوجتے تھے کہ ان کو وہ خدا کا مقرب اور اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے، یہ کل پتھر کی مورتیں نہ تھیں، کہ اتنی تعداد تو کعبہ کی وسعت میں سما بھی نہیں سکتی تھی، بلکہ ان میں خاصی تعداد رنگین تصاویر کی تھی، دیواروں پر بزرگوں اور دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ کعبہ تمام عرب کا مرکز تھا، اس لئے ہر فرقہ کے معبود اور بزرگانِ دین کا اس گھر میں مجمع تھا، چنانچہ بتوں کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کی دیواروں پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں تھیں، اس لئے کعبہ کے یہودیوں، اسماعیلی عربوں اور عیسائیوں کے لئے بھی مرجع القلوب بننے کا دعویٰ سمجھا جا سکتا ہے، بعض ارباب فکر نے کعبہ کے ۳۶۰

---

[۱] صحیح بخاری، فتح مکہ۔ [۲] صحیح بخاری، وفد بنی حنیفہ۔ [۳] سیرۃ ابن ہشام، مقدمہ۔ [۴] صحیح مسلم، کتاب التفسیر۔

بتوں کی تشریح یہ ہے کہ سال کے ہر دن کے لئے ایک نیا بت تھا، سال کے ۳۶۰ دنوں کی تقریبی مدت کے لئے ۳۶۰ بت تھے، لیکن ہمارے نزدیک یہ تشریح اس لئے صحیح نہیں کہ تمام اصنام ایک قوم یا قبیلہ کے معبود نہ تھے، بلکہ جدا جدا قوموں اور جدا جدا قبیلہ کے تھے، اور ایک کعبہ میں اس لئے جمع کر دیے گئے تھے کہ تمام عرب کی مرجعیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

عرب میں دیگر مذاہب کا وجود

بت پرستی کے علاوہ عرب میں بعض اور مذاہب بھی موجود تھے، بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو ملحد اور بے دین تھے، عربوں میں قیامت اور دوبارہ زندگی کے انکار کا خیال عام طور سے پایا جاتا تھا، عام مذہب میں سے چار مذہبوں کا وجود عرب میں غیر مشکوک طریقہ سے تھا، صابئیت، مجوسیت، یہودیت اور عیسائیت، صابئیت یعنی ستارہ پرستی زیادہ تر اہل یمن میں نظر آتی ہے، اور کسی قدر شمالی عرب میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے، اور یہ نہایت قدیم زمانہ سے عرب میں موجود معلوم ہوتا ہے، مجوسیت نے عرب پر کم اثر ڈالا تھا، حالانکہ سیاسی حیثیت سے آخر زمانہ میں اہل ایران یمن، عمان اور دیگر ساحلی مقامات پر قابض تھے، کیقباد کے عہد میں امراء القیس کے باپ حجر آکل المرار شاہ کندہ نے مجوسیت اس لئے اختیار کر لی تھی کہ شاہ ایران کا وہ ملک عرب میں نائب بن سکے اس کے علاوہ اور بھی خال خال مجوسی تھے، قبیلہ تمیم میں زرارہ بن عدس اور اس کا بیٹا حاجب اور اقرع بن حابس اور اسود بھی اسی مذہب کے پیرو تھے۔

عیسائیت شام کا شاہی مذہب تھا، اسی لئے شمالی عرب کے وہ قبائل جو حدود شام میں جا کر آباد ہو گئے تھے، انھوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، چنانچہ لخم، جذام، عاملہ اور تنوخ کے قبیلے جو عراق کی سمت سمت میں پھیلے تھے عیسائی تھے، حیرہ کے عرب بادشاہوں نے گو مستقل طور سے عیسائیت قبول نہیں کی تاہم اس بنا پر کہ ان کے حرم میں عیسائی عورتیں تھیں، ان میں متعدد بادشاہ عیسائی ہو گئے تھے، حیرہ میں ان ہی عورتوں نے دیر اور کلیسے بنوائے تھے، یہاں راہب لوگ رہتے تھے، اور ان کے ذریعہ سے یہاں نوشت و خواند کا کسی قدر رواج تھا، چنانچہ سلاطین حیرہ کے حالات ان ہی دیروں میں مورخین اسلام نے قلم بند پائے تھے۔

اندرون عرب میں بھی عیسائیت کے نشانات ملتے ہیں، طے کا قبیلہ جو نجد کے قریب آباد تھا عیسائی تھا، قبیلہ قریش کے خاندان بنی اسد میں چند آدمی عیسائی ہو گئے تھے، جن میں ورقہ بن نوفل کا نام تو احادیث صحاح میں مذکور ہے، عثمان بن حویرث بھی اسی خاندان کے ایک عیسائی تھے، اوس و خزرج میں بھی ایک دو آدمی عیسائی تھے، جنوبی عرب میں نجران ایک مقام ہے، وہاں تمام تر لوگ عیسائی تھے، وہاں کلیسا بھی تھا، جس میں راہب رہا کرتے تھے، خاص یمن کے اندر باوجود اس کے

کہ عیسائی حبشیوں نے ۴۰۔۵۰ برس حکومت کی، عیسائیت فروغ نہ پا سکی، تمام سلاطین یمن میں عبد کلال نام ایک بادشاہ صرف عیسائی تھا۔

لیکن بجائے اس کے یہودیت نے یہاں بڑا برگ و بار پیدا کیا، حمیر یہودی تھے بنی کنانہ، بنی الحارث بن کعب اور کندہ میں بھی یہودیت تھی، یثرب سے شام تک عرب کے اکثر سبز مقامات یہودیوں کے قبضہ میں تھے، بنو قریظہ، بنو قینقاع، اہل خیبر تمام کے تمام یہودی تھے۔[1] یثرب یعنی مدینہ منورہ میں یہودیوں کی آبادی تھی یہاں ان کا ایک بیت المدراس تھا، جہاں علمائے یہود اپنی مذہبی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کر کے سامعین کو سنایا کرتے تھے،[2] یثرب میں یہودیوں کے مذہبی تقدس کا اتنا اثر تھا کہ اوس وخزرج کے قبیلوں میں لوگ نذر مانتے تھے، کہ بچہ اگر زندہ رہا تو اس کو یہودی بنائیں گے۔[3]

پروفیسر ڈوزی جو عربی کا بہت بڑا عالم جرمنی میں گذرا ہے، اس نے "مکہ میں بنی اسرائیل" کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل شام سے بھاگ کر حجاز کے شہر میں آکر آباد ہو گئے تھے، اور کعبہ ان ہی کا بنایا ہوا معبد ہے، جس کو انھوں نے ہبعل (بعل) دیوتا کے نام سے جس کو وہ اکثر گمراہی کے زمانہ میں پوجا کرتے تھے، تعمیر کیا تھا، عربوں میں اسی دیوتا کا نام ہبل مشہور تھا، اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک خانہ کعبہ میں نصب تھا۔

پروفیسر موصوف کے اس نظریہ نے گو جرمنی کے اکثر یہودی علماء میں برافروختگی پیدا کر دی، لیکن ہم مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے اس رائے میں صرف اتنی ترمیم چاہتے ہیں، مکہ میں بنی اسرائیل نہیں بلکہ اسرائیل کے عمزاد بھائی بنی اسماعیل آکر آباد ہوئے تھے، اس گھر کو بنی اسرائیل نے نہیں بلکہ ان کے دادا حضرت ابراہیم نے تعمیر کیا تھا، وہ ہبل کے نام سے نہیں بلکہ "خدائے عزّ وجلّ" کے نام سے بنایا گیا تھا۔

---

[1] یہ تمام بیانات مذکورہ معارف ابن قتیبہ اور یعقوبی جلد اول صفحہ ۲۹۸ سے ماخوذ ہیں، [2] صحیح بخاری، [3] ابوداؤد۔ [4] ڈوزی کی تاریخ اسپین کا مقدمہ "ترجمہ انگریزی"۔

قرآن مجید

اور

مذاہبِ عرب قبلِ اسلام

گذشتہ صفحات میں عرب کے مذاہب کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ اسلام کو آغازِ بعثت میں کسی ایک سے نہیں بلکہ سینکڑوں مذاہب اور مختلف الاصول عقائد سے برسرِ پیکار ہونا پڑا، یہ پڑھ چکے ہو کہ عرب، اختلافِ عقائد اور کثرتِ مذاہب کی بنا پر گویا کائنات مذہبی کا عالم اصغر تھا اور تعجب نہیں کہ قرآن کے نزول کے لئے عرب کی سرزمین کا انتخاب منجملہ اور وجوہ کے ایک اس بنا پر بھی ہو کہ یہاں بحث و مناظرہ کے لئے اس کو ہر قسم کے مخاطب اور ہر مذہب کے وکیل مل جائیں گے۔

ا۔ مذہب کی ابتدائی تاریخ کا مظہر یعنی "اعاظم پرستی[1]" عرب میں موجود تھی، صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ "عرب کے مشہور بت لات، ودّ، یغوث وغیرہ پہلے زمانہ کے بزرگوں کے نام ہیں، بعد میں اہلِ عرب اُن کی مورتیں بنا کر پوجنے لگے" قرآن مجید کی ذیل کی آیت پاک میں اسی مذہب کی تردید کرتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (اعراف)	خدا کے سوا اور جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح مخلوق ہیں
اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم)	آسمان و زمین میں جو بھی ہے وہ خدا کے سامنے "غلام" بن کر آنے والی ہے۔

قرآن مجید نے جابجا کائنات کی ہستیوں کو خدا کا مخلوق بیان کیا ہے، اس سے مقصود یہی ہے کہ یہ چیزیں لائقِ پرستش نہیں ہیں، اوپر گذر چکا ہے کہ انسان پہلے گھنے درخت، اونچے پہاڑ، مہیب جانور روشن چاند اور چمکنے والے سورج اور ستاروں کی پرستش کرتا تھا۔ کیونکہ یہ چیزیں اس کو بڑی اور اپنی ہستی ان کے آگے حقیر نظر آتی تھی، قرآن نے اس کی تردید کی۔

[1] یعنی ہر اس شے کی پرستش جو انسان کی نظر میں بڑی معلوم ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ (حج)

کیا نہیں دیکھتے کہ آسمان وزمین میں جو بھی ہے، اور چاند ستارے، پہاڑ، درخت اور جانور سب خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں

۲-اس کے بعد "قوی پرستی" کا درجہ ہے، قرآن مجید میں بیسیوں مقام پر قوائے فطریہ کو خدا کا مخلوق اور اس کے حکم سے انسان کا تابع فرمان بیان کیا ہے، اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں خود انسانوں کے لئے بنائی گئی ہیں، انسان کا اُن کو اپنا معبود ٹھہرانا انتہائی حماقت ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (حج)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے خشکی میں جو کچھ ہے، اور کشتیاں جو تری میں چلتی ہیں ان کو تمہارا تابع فرمان کردیا ہے، وہی آسمانوں کو روکے ہے کہ زمین پر نہ آپڑیں لیکن اس کے حکم سے۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ (نحل)۔

اور اسی نے سمندر کو مسخر کیا

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ (جاثیہ)

وہ اللہ جس نے سمندر کو تمہارے تابع کردیا تاکہ اس میں اس کے حکم سے جہاز چلیں اور خدا کی روزی ڈھونڈھو اور شکر کرو اور جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے اس نے تمہارے قابو میں کردیا ہے

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ۔

وہی ہے جو خوف اور امید کی حالت میں تم کو بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور (پانی سے) بوجھل بادلوں کو ابھارتا ہے اور وہی ہے جس کی حمد وتسبیح بادلوں کی گرج اور فرشتے اس کے خوف سے کرتے ہیں اور وہی بجلیوں کی کڑک بھیجتا ہے اور جس پر چاہتا ہے اس کو گرا دیتا ہے، کیا یہ کافر خدا کی بات جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ وہ بڑی قوت والا ہے۔

اس کے ہم معنی قرآن مجید میں اور بہت سی آیتیں ملیں گی۔

۳- تیسرا درجہ "ستارہ پرستی" کا ہے جس میں چاند اور سورج کو اپنی عظمت کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے، حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں ستارہ پرستی کی نہایت روشن دلائل کے ساتھ تردید کی گئی ہے، اس کی مزید تفصیل صابئیت کے ذکر میں آئے گی۔

مخصوص ستاروں کی پرستش کے متعلق اوپر گذر چکا ہے کہ مشہور قبیلہ قیس ستارہ شعریٰ کا پرستار تھا قرآن نے کہا:

وَاَنَّهٗ رَبُّ الشِّعْرٰى (نجم) — اور وہی خدا شعریٰ کا مالک ہے

قبیلہ کنانہ چاند کو اور حمیر آفتاب کو پوجتے تھے، قرآن مجید ان کو خطاب کر کے کہتا ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (فصلت) — آفتاب و ماہتاب کو سجدہ نہ کرو

قوم سبا کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ وہ آفتاب کو پوجتی تھی، قرآن ایک بے زبان لیکن گویا پرندہ کی زبانی ان کو الزام دیتا ہے:۔

يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (نمل) — خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں

عرب کے مستند مذاہب قرآن مجید کے نزول کے وقت عرب میں جو مستند مذاہب رائج تھے وہ حسب ذیل تھے، یہودیت[1]، نصرانیت[2]، مجوسیت[3]، صابئیت[4]، حنفیت[5]، حنفیت کے علاوہ اور مذاہب کو متعدد دفعہ قرآن نے یکجا بیان کیا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ (بقرۃ) — جو ایمان لائے ہیں (مسلمان) جو یہودی بنے ہیں اور نصاریٰ اور صابی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى (مائدہ) — جو ایمان لائے ہیں، جو یہودی بنے ہیں اور صابئی اور نصاریٰ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا (حج) — جو ایمان لائے ہیں، جو یہودی بنے ہیں اور صابئی اور نصاریٰ اور مجوس اور جو مشرک ہیں

اب ہم بہ ترتیب ایک ایک مذہب کو لے کر بیان کرتے ہیں۔

یہودیت یہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہودیت عرب کے کن قبائل میں تھی؟ یہاں یہ سوال ہے کہ گیا عرب کے یہودیوں کے ذمائم اخلاق کو تو کھول کھول کر بیان کیا ہے، لیکن ان کے اعتقادات پر کوئی خاص حملہ نہیں کیا، صرف ایک موقع پر یہ آیت ہے:۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ (توبہ) — یہود نے کہا عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔

عزیر سے مراد عزرا کاہن ہیں جنھوں نے توراۃ کو اپنے اعجاز سے دوبارہ زندہ کیا معترضین اسلام کا بیان ہے کہ یہودیوں میں عزیر کی ابنیت کا کوئی عقیدہ نہیں ہے اس لئے قرآن کا یہ دعویٰ

سراسر خلاف واقع ہے، اس اعتراض کا سرسری جواب تو جیسا بیضاوی نے لکھا ہے کہ قرآن نے اپنی یہ آوازہ مدینہ میں یہودیوں کے مجمع کے اندر بلند کی اور کہیں سے ان کی تکذیب اور خلاف واقعیت کی صدا نہ اُٹھی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ عرب کے یہودیوں میں یہ اعتقاد تھا، ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں اس اعتقاد کے چند لوگ موجود تھے، ابن حزم نے ملل میں لکھا ہے کہ یہودیوں کا صدوقی فرقہ جو یمن میں تھا اُسی کا یہ عقیدہ تھا[1]۔

میرے نزدیک اصل یہ ہے کہ یہودیوں میں ابنیت کا تخیل نہایت قدیم ہے، تکوین کے چھٹے باب میں ہے کہ:

"خدا کے بیٹوں نے دیکھا کہ انسان کی بیٹیاں خوبصورت ہیں"

ابن اللہ کے معنی عبرانیوں کے محاورہ میں خدا کے محبوب اور پیارے کے تھے، اسی لئے مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں کا دعویٰ تھا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (مائدہ) — ہم خدا کے فرزند ہیں اور اس کے چہیتے ہیں

ایسی حالت میں یہود عرب اگر عیسائیوں کے مقابلہ میں اُن کا غرور توڑنے کے لئے حضرت عزیر کو حضرت عیسیٰ کا مماثل اور ہمسر قرار دیتے ہوں تو کیا عجب ہے قرآن نے بھی اسی موقع پر یہودیوں کے اس قول کو نقل کیا ہے، چنانچہ پوری آیت یہ ہے :-

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ (توبہ) — یہود نے کہا عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ ان کا صرف زبانی دعویٰ ہے یہ اگلے کافروں کی بات کی نقل اُتارتے ہیں۔

آیت بالا کے اخیر حصہ کے مطلب بیان کرنے میں ہمارے مفسر مضطرب البیان ہیں کہ ابنیت کے مسئلہ میں یہ کس اگلی قوم کے عقیدہ کی نقل اتارتے ہیں اور حقیقت یہ تخیل تمام بت پرست قوموں کی میتھالوجی کا جزو رہا۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں نے جس قوم سے اس عقیدہ کو حاصل کیا وہ اہل مصر ہیں اور یہودی فرقہ نے عیسائیوں کی دیکھا دیکھی یہ کلمہ منہ سے نکالا۔

عیسائیت | عرب میں عیسائیوں کا کونسا فرقہ آباد تھا؟ خود عرب میں تو عیسائی حضرت عمرؓ فاروق کے زمانہ

[1] الملل والنحل ج اول ص ۹۹

سے ناپید ہیں، اس لئے عیسائیوں کا ہر فرقہ مدعی ہے کہ وہ ہمارے ہم مذہب تھے؛ ابوالفرج ملطی جو چھٹی صدی میں ایک یعقوبی العقیدہ عرب عیسائی مورخ تھا، بوثوق تمام کہتا ہے کہ عرب تمام تر یعقوبی — (جاکوبائیسٹ) تھے[1]۔ اس کی تاریخ کا عیسائی محشی جو بیروت کا ایک مشہور کیتھولک فاضل ہے دعویٰ کرتا ہے کہ "نہیں وہ کیتھولک تھے" کیونکہ کیتھولک رومیوں کے ساتھ ان کے تعلقات[1] تھے ڈریپر کا منشا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسطوری تھے[2]، ہم کو حافظ کا فیصلہ پسند ہے ع

بیا کایں داوریہا را بہ پیش داور اندازیم

خدا کی کتاب یعنی قرآن مجید میں عیسائیوں کے عقیدوں کی چار مقام پر تردید کی گئی ہے،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ (نساء)

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھو اور خدا کی نسبت حق بات کے سوا کچھ اور منہ سے نہ نکالو، مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح صرف خدا کے رسول تھے اور اس کے حکم جو مریم تک پہنچایا گیا اور اس کی طرف سے ایک (بھیجی ہوئی) روح تھے پس خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو اس سے باز آؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے خدا تو ایک ہی خدا ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی لڑکا ہو

دوسری آیت:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ع[3]

وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ یہی مسیح ابن مریم خدا ہیں

تیسری آیت:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (مائدہ)

وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں

چوتھی آیت:۔

يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ (مائدہ)

اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا کہ خدا کے سوا مجھ کو اور میری ماں کو بھی دو خدا مانو

ہمارے ملک کے عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے ہم عیسائیوں کی طرف مختلف قسم کے عقائد منسوب کئے ہیں جو ہمارے نہیں مثلاً حضرت مریم کو خدا سمجھنا اور صرف حضرت عیسیٰ کو خدائے واحد ماننا

[1] تاریخ مختصر الدول ملطی مطبوعہ بیروت ص ۱۴۸ [2] معرکہ مذہب و سائنس [3] یہ آیت اسی سورۃ میں دو دفعہ ہے۔

ان میں سے کوئی چیز ہمارے اعتقادات میں داخل نہیں لیکن شاید ان بے خبروں کو معلوم نہیں کہ پندرھویں صدی عیسوی کا پیدا شدہ پروٹسٹنٹ فرقہ چھٹی صدی کے عرب میں موجود نہ تھا، عرب، نسطوری، یعقوبی مارونی اور ملکانی فرقے کے عیسائی آباد تھے، جن کے عقائد یورپ کے نئے فرقوں سے الگ تھے۔

پہلی آیت عیسائیت کے اُن تثلیث پرست فرقوں سے متعلق ہے جو باپ بیٹے اور روح القدس تینوں کی مستقل الوہیت کے قائل ہیں، اس آیت میں ان کے عقیدہ کلمۃ اللہ (ورڈ آف گاڈ یا لوگس) کے صحیح معنی بھی بیان کئے گئے، جس کی صحیح تعبیر میں عیسائی فرقے باہم ایک دوسرے سے ایک مدت سے معرکۃ الآرا تھے، دوسری آیت جس میں یہ بیان ہے کہ مسیح ہی خدا ہے، یہ یعقوبی فرقہ (جاکوبائیٹ) کی تردید ہے اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح کی ایک ہی ذات خود خدا ہے اس میں شائبہ انسانیت (ناسوتیت) نہیں وہ خدا ہی تھا جو مریمؑ کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ تیسری آیت نسطوری (نسٹورین) اور ملکانی (کیتھولک) فرقہ کی تردید میں ہے، جو اس بات کے مدعی ہیں کہ باپ اکہ کامل ہے، بیٹا لاہوتی و ناسوتی دونوں سے مرکب ہے، روح القدس الوہیت کا تیسرا عنصر (اقنوم) ہے۔[1]

جس آیت میں مریمؑ کی خدائی کا ذکر ہے وہ عیسائیوں کے اُن فرقوں کی تردید میں ہے جو اقانیم ثلثہ کے ساتھ مریمؑ کو خدا کی ماں کی حیثیت سے لائق پرستش جانتے تھے، نسطوری فرقہ خاص اسی مسئلہ کے سبب سے رومن کیتھولک سے الگ ہے کیونکہ نسطوری مریمؑ کو لائق پرستش نہیں سمجھتا تھا اور اسی لئے اس کو قسطنطنیہ سے جلاوطن ہونا پڑا، مارونی یا مریمی فرقہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے باپ بیٹے اور روح القدس کی جگہ باپ، بیٹے اور بیٹے کی ماں کو مانا،[2] عرب میں عورتوں کا ایک فرقہ تھا جو مریمؑ کو خدا سمجھ کر پوجتا تھا[3] علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ ان میں بربرانی فرقہ تھا جو مسیحؑ اور مریمؑ دونوں کو خدا سمجھتا تھا۔[4]

روح القدس کو عیسائیت کے اکثر فرقے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ الوہیت کا تیسرا اقنوم سمجھتے ہیں، مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق روح القدس فرشتہ کا نام ہے، اسی لئے قرآن نے کہا:

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (بقرہ ۸)

اور خدا یہ حکم تم کو نہیں دیتا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بناؤ، کیا اسلام لانے کے بعد تم کو کفر کا حکم دے گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ملک عرب میں کن کن فرقوں کے عیسائی آباد تھے۔

[1] ڈریپر معرکہ مذہب و سائنس و ترجمہ قرآن سیل مقدمہ ص ۲۷، [2] برٹانیکا، طبع ۱۱ لفظ مریم [3] فصل فی الملل والنحل ج ۱ ص ۴۵

خدا جانے کن اسباب سے عربوں کو حضرت عیسیٰ سے محبت نہ تھی اور اسی لئے وہ اسلام سے بھڑکتے تھے، وہ کہتے تھے کہ عیسائیوں کے خدا کا بیٹا ہمارے دیوتاؤں سے کس بات میں اچھا ہے

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ وَقَالُوا ءَأَلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ (زخرف)

جب ابن مریم کا حال بیان کیا جاتا ہے تو تیری قوم اس سے ہنستی ہے، کہتے ہیں ہمارے دیوتا اچھے ہیں یا وہ۔

اس آیت سے عیسائیوں کے اس دعویٰ کی بنیاد کھوکھلی ہو جاتی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں عیسائیت کو بڑا فروغ اور قبول حاصل تھا۔

مجوسیت | مجوسیت ایران کا قدیم مذہب ہے جس کا بانی زرتشت بتایا جاتا ہے، زرتشتی خود اپنے کو مجوس نہیں کہتے، عربی میں مجوس کا لفظ یونانی سے آیا ہے، یونانی ان کو "مجوس" کہتے ہیں اصل فارسی لفظ مُغ ہے۔ مجوس، یزدان اور ہرمن دو خداؤں کے قائل تھے، ایک فاعلِ خیر (یزدان) اور دوسرا فاعلِ شر (اہرمن) یزدان کو نور اور اہرمن کو ظلمت سے بھی تعبیر کرتے تھے قرآن نے عرب کے مجوسی اعتقاد کا ابطال بھی ضروری سمجھا، چنانچہ کہتا ہے:

قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ (نحل)

خدا نے فرمایا کہ دو خدا نہ بناؤ خدا تو ایک ہی ہے

میری رائے میں قرآن مجید کی یہ آیتیں:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نور)

خدا آسمان و زمین کی روشنی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (انعام)

حمد ہو اس اللہ کی جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور تاریکی اور روشنی کو بنایا۔

ان ہی مجوس کے رد میں ہے:

مجوس کا نام ایک ہی دفعہ قرآن میں آیا ہے سورۂ حج میں۔

صابئیت | قرآن مجید میں صابئین کا نام جیسا کہ اوپر کی آیتوں میں گذر چکا ہے تین دفعہ آیا ہے لیکن نام کے علاوہ کچھ اور حقیقت واضح نہیں کی ہے اس لئے اس کی تحقیق کہ اس مذہب کے اصول کیا تھے اس کا مولد کہاں تھا؟ اس کا بانی کون تھا؟ کس کے نام سے یہ فرقہ قائم تھا، بہت کم کی جا سکی ہے، حالانکہ دین حنیف جس کی جانشینی کا مذہب اسلام مدعی ہے اس کی حقیقت کا انکشاف بہت کچھ صابئی مذہب کے فہم و تشریح پر منحصر ہے مفسرین شراح حدیث، ارباب لغت اور مورخین بھی

صابئیت کی تعیینِ حقیقت میں نہایت مختلف الرائے ہیں، ان مختلف اسباب سے ہم اس داستان کو ذرا پھیلا کر لکھنا چاہتے ہیں۔

مختصر حال صابئین کا اصل مولد بابل تھا، آغاز باب میں بتایا جا چکا ہے کہ اس ملک میں ستارہ پرستی کا رواج مدت سے تھا، اسی کے ساتھ ان میں ارواح پرستی بھی تھی، ستاروں کے ہیکل ان کے معبد تھے، عربی اور انگریزی دونوں شہادتوں سے پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ عراق کا نہایت قدیم مذہب تھا۔ رفتہ رفتہ سیاسی انقلابات کے ساتھ ساتھ ان پر جو مذہب غالب آتا گیا ان کے کچھ اجزا اس میں شامل ہوتے گئے، ان میں بنی اسرائیل کی یہودیت، ایرانیوں کی مجوسیت، یونانیوں کا فلسفہ رومیوں کی عیسائیت ہر چیز میں سرایت کر گئی تھی، خدائے واحد پر ان کا اعتقاد تھا لیکن ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے، تین وقت ستاروں کی پوجا کرتے تھے، صبح کو تا طلوع آفتاب، دوپہر کو عین زوال کے وقت، شام کو آفتاب[1] ڈوبنے تک ان کا اعتقاد تھا کہ تمام ستاروں کا مرکز قطب شمالی ہے، تمام ستارے آغازِ عالم سے ہر وقت اپنی جگہ سے ہٹتے رہتے اور بڑھتے رہتے ہیں، لیکن قطب کا تارا ہمیشہ ایک حال پر اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے اس لئے وُہ قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے وہ اپنی دُعا اور مناجات پڑھا کرتے ہیں، دن میں تین دفعہ ہر نماز کے لئے ان کو غسل کرنا پڑتا ہے۔

مسلمانوں کے بیانات اس تفصیل کے بعد اس مذہب کے متعلق مفسرین کے الفاظ سننے چاہئیں حافظ ابن کثیر نے سورۂ بقر کی آیت وَالصَّابِئِيْنَ کی تفسیر میں تمام اقوال نقل کر دیئے ہیں۔

مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، سفیان ثوری	صابئی یہود و نصاریٰ اور مجوس کے بین بین ایک قوم ہے جس کا کوئی خاص مذہب نہیں۔
ابو العالیہ، ربیع بن انس، سدی، جابر بن زید، اسحاق بن راہویہ	صابئی اہلِ کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتا ہے۔
حسن بصری	یہ مجوس کے مشابہ ہیں، فرشتوں کو پوجتے ہیں۔
ابو جعفر رازی، قتادہ	صابئی فرشتہ پرست ہیں، زبور پڑھتے ہیں اور قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے ہیں۔
ابو الزناد	صابئی ایک قوم ہے جو عراق کے قریب کوثی میں رہتی

[1] اسی لئے ان تین اوقات میں اسلام میں نماز جائز نہیں ہے کہ تشابہ نہ ہو۔

	ہے، تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتی ہے، ہر سال تیس (۳۰) روزے رکھتی ہے، پانچ ۵ وقت یمن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتی ہے
واہب ابن منبہ	صابئی وہ مذہب ہے جو خدا کی توحید کا قائل ہو لیکن اُس کے پاس کوئی شریعت نہ ہو۔
عبدالرحمٰن بن زید	صابئی موصل میں ایک قوم ہے جو توحید کی قائل ہے۔ لیکن عبادات، کتاب الٰہی اور پیغمبر سے محروم ہے۔
خلیل	صابئی مذہب عیسائیوں سے ملتا جلتا ہے ان کا قبلہ باد جنوب کے بہنے کا رُخ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت پر ہیں۔
مجاہد، حسن بصری، ابن ابی نجیح (بروایت قرطبی)	یہ ایک قوم ہے جس کا مذہب یہود اور مجوس سے مرکب ہے۔
بعض علمائے متاخرین	حاصل یہ ہے کہ یہ موحد ہیں لیکن تاثیر کواکب کے قائل ہیں۔
امام رازی	صابئی ستارہ پرست قوم جو ستارہ کو اس اعتقاد سے پوجتی ہے کہ خدا نے اس کو قبلہ بنایا ہے اور تدبیر عالم اس کے سپرد کیا ہے۔
حافظ ابن کثیر	مجاہد اور اُن کے پیروؤں اور وہب بن منبہ کا قول درست معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ یہود نہ عیسائی، نہ مجوس، اور نہ مشرکین کے مذہب میں ہیں، بلکہ سادہ خلقت پر قائم ہیں، کسی خاص مذہب کے متبع نہیں

ابن ندیم نے فہرست کے ایک طویل باب میں صابئین کا ذکر کیا ہے اور ان کے تمام اعمال وعقائد لکھے ہیں کہ یہ اپنے کو حضرت ابراہیمؑ کے پہلے کے پیغمبر حضرت نوحؑ اور شیثؑ کا پیرو کہتے ہیں، ایک صحیفۂ شیث بھی ان کے پاس ہے، جس میں اخلاقی باتیں درج ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے صابئین کی تحقیق پر "الرد علی المنطقیین" میں جو کچھ لکھا ہے وہ محققانہ ہے، ہم اس کا لفظی ترجمہ یہاں کر دیتے ہیں :-

ان صابئین کا خاص مرکز حران تھا حضرت ابراہیمؑ نہیں پیدا ہوئے تھے، یا عراق سے یہاں آئے تھے، دونوں قول ہیں، یہاں علتِ اولیٰ، عقل اول اور نفس کلیہ کے ہیکل تھے، نیز زحل، مشتری مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر کے ہیکل تھے، عیسائیت سے پہلے ان کا یہی مذہب تھا، عیسائیت کے بعد ان مشرک صابئین کے بقا کے ساتھ ساتھ ان میں عیسائیت پھیلی، یہاں تک کہ اسلام آیا اور وہاں یہ صابئین اور فلاسفہ حکومت اسلامی میں آخر وقت تک موجود رہے ان ہی میں سے وہ صابئین تھے جو بغداد وغیرہ میں طبیب یا منشی تھے ان میں سے بعض اسلام نہ لائے چوتھی صدی میں فارابی جب حران گیا ہے، تو انہی سے فلسفہ سیکھا تھا۔۔۔۔ اہل دمشق وغیرہ کا مذہب بھی عیسائیت سے پہلے یہی تھا ان کی نماز کا قبلہ قطب شمالی تھا، اسی لئے دمشق میں بہت سی کہنہ مسجدیں ہیں جن کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف[1] بھی ہے، دمشق کی جامع مسجد کے نیچے ایک بہت بڑا معبد ہے جس کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف ہے یہ ان ہی لوگوں کا معبد ہے۔

علامہ موصوف نے اس کے بعد صابئین کی دو قسمیں کی ہیں، ایک موحدین یہ وہ ہیں جنھوں نے حضرت ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی کی، دوسری جماعت وہ تھی جو مشرک تھی، قرآن شریف نے دو حیثیوں سے صابئین کا ذکر کیا ہے ایک میں اول کا ذکر ہے اور دوسرے میں دوم کا۔

علامہ ابن حزم ظاہری نے ملل میں لکھا ہے کہ صابئیت دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے۔ نے اپنی ملل میں صابئیہ اور حنفیہ کا باہم دو متقابل مذہبوں کی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور ان کے اختلافات ومناظرات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ صابئین خدا کے قائل ہیں، رسالت کے قطعاً منکر ہیں خدا اور بندوں کے درمیان یہ ستارے جو ذی روح ہیں متوسط ہیں اور اس لئے ان کے خوش رکھنے کی ضرورت ہے اور اسی بنا پر ان کی پرستش کی جاتی ہے حنفیہ رسالت کے قائل ہیں اور صاحب رسالت ہی کو خدا اور بندہ کے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں۔

---

[1] گویا مسلمان ہونے کے بعد ہی ہیکل مسجد بن گئی۔

قدیم عیسائی بیان چھٹی صدی کا ایک عیسائی مورّخ اپنی تحقیق کی بنا پر نہایت وثوق کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ صائبین کا مذہب قدیم کلدانیوں کا مذہب ہے قطب شمالی ان کا قبلہ ہے، تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں اوّل۔ طلوع آفتاب کے آدھ گھنٹہ پہلے سے طلوع آفتاب تک ۸ رکعتیں دوسرے عین زوالِ آفتاب اور تیسرے عین غروب کے وقت پانچ پانچ رکعتیں، ہر رکعت میں تین سجدے، روزے بہت ہیں، اوّل تین روزے ایک ساتھ، ۸ آوز (مارچ سے) ۹ روزے ایک دفعہ، ۹ کانون اوّل (دسمبر) پھر سات دن کے روزے ۸ شباط (فروری) سے ۔ستارہ دن کی یہ پرستش کرتے ہیں، قربانیاں کثرت سے کرتے ہیں، لیکن کھاتے نہیں، بلکہ جلا دیتے ہیں، ان کی باتیں حکما سے مشابہ ہوتی ہیں، توحید کے مسائل ان کے ہاں نہایت مضبوط ہیں، لہسن، لوبیا، کرکلم اور مسور نہیں کھاتے، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ گناہ گار ۹ ہزار دورہ میں عذاب اٹھا کر آخر رحمتِ الٰہی کے سایہ میں داخل ہو جائے گا۔

علمائے یورپ کا بیان اہل یورپ کو اس فرقہ کا حال ابتداً ایک یورپین سیاح کی زبان معلوم ہوا جو عراق کی سیاحت کر کے یورپ واپس گیا تھا، عراق میں صابیوں کی اب تک تھوڑی سی آبادی ہے، یہ دیکھ کر کہ یہ حضرت یحییٰؑ (دحان) کی بڑی عزت کرتے ہیں، اس نے اپنے اہل وطن کو یہ پیغام بشارت سنایا کہ وہ حضرت یحییٰؑ کے عیسائیوں کا پتہ لگا کر آیا ہے، اس کے بعد مسلمان مصنفین کی کتابوں میں ان کے حالات یورپ کو ہاتھ آئے، بعد ازیں ایک عیسائی مشنری نے عراق آکر ان میں کام کرنا شروع کیا، ایک دو نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اپنے قدیم مذہبی عقائد کا طلسم خود اپنی زبان سے کھولا۔

صائبین اپنے آپ کو ماندین کہتے ہیں، ساحلِ فرات پر بصرہ اور خوزستان کے پاس ان کی مختصر آبادی ہے، (ماند) کے لفظی معنی ان کی زبان میں (علم) کے ہیں ان کی بول چال کی زبان فارسی اور عربی ہے لیکن مذہبی زبان ایک قسم کی آرامی ہے خط قدیم تدمری (پالمائرن) خط کے مشابہ ہے، اسی خط اور زبان میں ایک مذہبی صحیفہ ان کے ہاتھ میں ہے جس کے بعض حصے قدیم ہیں اور کسی پرانے لٹریچر سے ماخوذ ہیں ان میں سب سے طویل اور اہم ٹکڑے کا نام سدرب[1] یعنی بڑی کتاب ہے اور اسی کا دوسرا نام "گنزا" (گنج یا گنز) یعنی خزانہ ہے اس کے دو چھوٹے بڑے حصے ہیں، بڑے کو "یامین" (یمین) داہنا ہاتھ اور چھوٹے کو شمال (شمال) بایاں ہاتھ کہتے ہیں، پہلا حصہ زندگی کے لئے ہے اور دوسرے میں مذہبی عہدہ داروں کی تجہیز و تکفین کی دعائیں ہیں، یامین کا آخری باب کتاب الملوک ہے جس میں ایرانی اور عرب بادشاہوں کے تذکرے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ

---

[1] سامی زبانوں میں رب کے معنی بڑے کے ہیں۔

ساتویں اور نویں صدی عیسوی (یا پہلی اور تیسری صدی ہجری)[1] کے درمیان کا ہے، رسوم مذہبی کچھ زیادہ پرانے یعنی ساسانیوں کے عہد کے معلوم ہوتے ہیں۔

ان کے عقائد اور اصول مذہب پر ایک مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلدان کے قدیم مذہب ستارہ پرستی، یونان کے فرقہ، ناسٹک اور ایران کے مسئلہ نور و ظلمت کا ایک مخلوط مجموعہ ہے، تمام اشیاء کی اصل ایک تاریک غار ہے، اس کے ساتھ دو[2] چیزیں ہیں، جو قوائے ازلیہ ہیں، ایک "ایار۔زیو ررب" (افضائے منو اعظم) اور دوسری، "ماں رب" (روح اعظم جال) جس کو وہ ملک النور بھی کہتے ہیں، ماں ربا نے برترین قوائے ازلیہ حی قدمیا ی (حیاۃ قدیمہ) یعنی حیاۃِ اولیٰ یا علت اولیٰ کو پیدا کیا، اس کے بعد خود پردہ راز میں چھپ گیا، اور صرف نیک صابیوں کو موت کے بعد نظر آئے گا، اب یہی حیاۃِ قدیمہ اولیٰ عملاً اس فرقہ کا خدا ہے، تمام مناجاتوں اور دعاؤں میں اسی کی حمد و ثنا ہوتی ہے، ملک النور جاہ و جلال کے ساتھ سمت شمال میں سکونت گزیں ہے نور اول کے پانچ مظاہر ہیں، نورِ خاص[1] و بلند[2]، باد نسیم[3]، لطف صوت، قوائے[4] ازلیہ کی آواز اور ان کا حسنِ خلقت[5] ان سے مل کر پھر ۳۶۰ روحانی قوتیں (ملائکہ) پیدا ہوئیں، ان میں سے اکثر کی نام بنام پوجا ہوتی ہے۔

حیاۃ اولیٰ سے پھر حی تنہائی (حیاۃ ثانیہ یا علت ثانیہ) پیدا ہوئی، اس کا دوسرا نام دلیثومن بھی ہے اس کے بعد اس کا دوسرا مظہر رسولِ حیاۃ یعنی "ماندا" ہے، جس کی نسبت سے اس فرقہ کا "ماندین" نام پڑا ہے اور جس کو وہ اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں، "ماندا" ماں ربا کا فرزندِ اول، فرزندِ عزیز، رسولِ برتر اور کلمۂ حیاۃ ہے۔

حیاۃ نے اس عالم ظاہری میں اپنے تین مددگار پیدا کئے، ہیبل، شتیل، اور انوس[2] یہ تینوں محافظِ ارواح ہیں، انوس کا دوسرا نام حی تلیتہای (حیاۃ ثالثہ) ہے، عتیق یعنی قدیم بھی اس کو کہتے ہیں، اور یہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں عالم نور کی آخری سرحد پر رہتا ہے، اس دنیا سے اس دنیا میں جو جاتا ہے، یہ اپنی ترازو میں اس کے اعمال پہلے تول لیتا ہے اس کے نیچے ایک تاریک غار میں میلا پانی تھا، جس میں اس کا عکس پڑا تو ایک صورت پتاہل، نام مجسم ہو گئی، یہ پتاہل فرزندِ حیاۃ ثالثہ اس عالم مادی کا خالق ہے، اسی نے آدم و حوا کو پیدا کیا، لیکن یہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے حیاۃ اولیٰ نے ہیبل، شتیل اور انوس کو بھیجا انھوں نے ان کے اندر روح پھونکی اور ان کو خدا کے حکم سے تعلیم کیا کہ عالم نور کیا چیز ہے، اور یہ کہ ان کا اصلی خالق پتاہل نہیں، بلکہ خدائے

---

[1] تیسری صدی ہجری کے اواخر میں یعنی خلیفہ معتضد کے زمانہ میں ثابت بن قرہ صابی نے صابی مذہب کے فرائض و سنن و تجہیز و تکفین میت و قواعد نجاست و طہارت و حیوانات قربانی و اوقات نماز پر ایک کتاب لکھی تھی (ابوالفرج ملطی صفحہ ۲۶۵) کیا وہ یہی حصہ ہے؟ [2] ایل سامی زبانوں میں خدا کو کہتے ہیں۔

برتر ہے، پتابل کے تین اور سلسلۂ مخلوقات ہیں، ایک ستارگانِ سیارہ، دوسرے منازل برج، تیسرا سلسلہ اب تک غیر معین ہے۔

ستارگانِ سیارہ یہ ہیں:۔ البستر[1] (اشتادم یعنی زہرہ، روح قدس بھی اسکا نام ہے، انبار[2] (نیتو) یعنی عطارد، سن[3] یعنی چاند، کیوان[4] یعنی زحل، بیل[5] یعنی مشتری نرگیل[6] (نرگال) یعنی مریخ، ال[7] یا ال[8]، آفتاب جس کا دوسرا نام قادوش یعنی قدوس اودونائے[9] ہے، یہ تمام ستاروں کی ارواح کا مالک ہے[10] اور اسی لئے اس کی جگہ اُن کے وسط میں ہے آسمان خالص پانی کا ایک سمندر ہے جس میں یہ ستارے تیر رہے ہیں، شمالی قطب ستارہ، ستاروں کا مرکزی آفتاب ہے، جس کے اردگرد تمام اجرام سماویہ حرکت کر رہے ہیں وہ تاجِ زر پہنے عالم نور کے دروازہ پر بیٹھا ہے، منادیں عبادت کرتے وقت اُسی طرف رُخ کرتے ہیں زمانہ کے مختلف اجزاء کر کے ہر زمانہ کی حکومت ایک خالص ستارے کے سپرد ہوتی ہے۔

ان کے ہاں روزوں کے دن بھی مقرر ہیں، لیکن روزہ کے دن کے معنی صرف آرام کے دن کے ہیں کیوں کہ فاقہ ان کے ہاں سخت ممنوع[11] ہے، حکم ہے کہ ان دنوں میں مرد و زن سب سپید کپڑے پہنیں اور تین وقت نہائیں، کسی جانور کو ان دنوں نہ ماریں اور نہ گوشت کھائیں، سہ شنبہ ان کا مقدس دن ہے اپنے مذہبی عقائد کو غیروں سے چھپانا ان کا اوّلین اصول ہے سب سے تعجب انگیز بات یہ ہے کہ ان کے مذہبی عقاید، بنی اسرائیل کے عقائد اور اصول کے بالکل ضد قایم کئے گئے ہیں، توراۃ کے تمام بزرگوں کو حضرت ابراہیمؑ سے لے کر آخر تک سب کو کاذب اور مفتری پیغمبر سمجھتے ہیں، حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون کی طرفداری کرتے ہیں فرعون کو اپنا رہنما اور پیشوا جانتے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا صحیح مذہب اسی کے زمانہ میں مصر میں قائم تھا، جو مصری فرعون کے ساتھ ڈوبنے سے بچ گئے وہ قطب شمالی کی چھوٹی جنت میں آرام کر رہے ہیں اور منادی جب کم ہو جاتے ہیں تو وہ آ کر ان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں، ابراہیمؑ جو (نوح) کے چھ ہزار برس کے بعد آفتاب کے عہدِ حکومت میں ہوئے تھے، جھوٹے پیغمبر تھے، اسی طرح حضرت موسیٰؑ، سلیمانؑ، داؤدؑ اور عیسیٰؑ بھی، صرف یحییٰ بن زکریا سچے پیغمبر تھے، جن کو یہودیوں نے قتل کر دیا، اور اسی کی پاداش میں وہ زمین میں پراگندہ کر دئے گئے اور (حضرت ابراہیمؑ کی جائے ولادت) دوزخ کا نام ہے، یہوا جو بنی اسرائیل کے خدا کا نام ہے، وہ یہو شمس کی صورت میں دوسرے درجہ کے خداؤں میں[12] شامل ہے۔

تبصرہ | ان صفحات کے پڑھ لینے کے بعد یہ بآسانی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ قدیم مسلمان مصنفین کی تحقیقات اور جدید

[1] اس عبری لفظ کے معنی ہمارے خداوند کے ہیں، یہود احتیاطاً اس کو خدا کے لئے استعمال کرتے۔ [2] پارسی مذہب میں بھی منع ہے [3] ایل سامی زبانوں میں خدا کو کہتے ہیں۔ [4] یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ ص ۵۵۵ سے ماخوذ ہے۔

انکشافات تقریباً ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں، خصوصاً قدماء میں سے مجاہد، قتادہ، حسن بصری اور ابن ندیم کا اور متاخرین میں علامہ ابن تیمیہ کا بیان نہایت محققانہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ صابئین کا اصلی مذہب کلدانی تھا، جس میں بابلی الاسماء ستاروں کی پرستش اصل بنیاد ہے، ایران کی ترقی و حکومت کے عہد میں مجوسی مذہب کے مسئلہ نور و ظلمت اور استیلائے ارواح نے ان پر سایہ ڈالا، اس کے بعد یونانی فلسفیوں کا دور آیا، انھوں نے ایران کو ہٹا کر اس کی جگہ خود لی اس وقت ناسٹک فلسفہ نے ان پر اپنا اثر ڈالا، چنانچہ خلقِ عالم اور نظمِ کائنات کے اکثر مباحث اسی فلسفہ کے اوراق ہیں، اثبات و انکار کی حیثیت سے اسرائیلی پیغمبروں کے نام یہودیت کے آثار ہیں، خصوصاً حضرت آدمؑ، حوّاؑ، نوحؑ، شیثؑ کا ان میں مقبول ہونا دعویٰ کی کافی شہادت ہے اور اسی سبب سے ہمارے مورخین نے ان کو حضرت شیثؑ کی امت بتایا ہے، بپتسمہ، روح القدس اور کلمہ کا ان میں تخیل عیسائی تصور ہے۔

سب سے زیادہ تعجب انگیز اور حیرت زا اس مذہب کا وہ پہلو ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی نسل کے دیگر پیغمبروں کی شدید مخالفت بلکہ عداوت پنہاں ہے، یہ حیرت زائی اور تعجب انگیزی ایک اہم نکتہ کی طرف ہماری رہبری کرتی ہے، یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا مولد بابل کا شہر اُور اور منشا شہر حرّان ہے یہ وہ مقامات ہیں جو صابئیت کے مرکز اور درس گاہ ہیں، اس بنا پر ہمارے مفسرین اور خصوصاً علامہ ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ قابل قبول ہونا چاہئے کہ یہی وہ بدبخت قوم ہے جس میں خلیل بت شکن نے ظہور پایا تھا، اور ان کے بتوں اور مورتوں کو توڑ کر ستارہ پرستی سے روکا تھا، لیکن شوخیِ قسمت نے ان کی دعوت کے قبول کے بجائے ان کا دشمن بنا دیا اور وہی دشمنی و عداوت کا خمیر اب تک اس فرقہ کا عنصر بطور وراثت موجود ہے، اور خدا جانے کتنے قدیم زمانہ سے اس نے عقیدہ کی صورت اختیار کر لی ہے، غالباً یہی سبب ہے کہ نسل ابراہیمؑ کی ایک بڑی شاخ (عرب) میں صابی کا لفظ مرتد، بے دین اور بد مذہب کے معنی میں مستعمل ہے، چنانچہ آغاز اسلام میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کو یہی خطاب ملا تھا[1]، اس موقع پر پہنچ کر قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر عملاً ہماری آنکھوں کے سامنے نمایاں ہو جاتی ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ

ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں تمھارے لئے بہترین نمونۂ اقتدار ہے جب انھوں نے اپنی قوم (بابل) سے کہا، ہم تم سے اور جن کو خدا کے علاوہ تم پوجتے ہو، ان سے الگ ہیں، ہم تمھارے منکر ہیں اور ہمارے

[1] صحیح بخاری، باب غزوۃ العیرۃ، باب اسلام ثمامہ وغیرہ۔

وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (ممتحنہ) تمھارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور دشمنی پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ تم ایک خدا پر ایمان لاؤ۔

لغوی تشریح | لفظ صابئی کی لغوی تشریح بھی کسی قدر تفصیل طلب ہے، کہتے ہیں کہ "صبا" عبری لفظ "صبع" کا آرامی تلفظ ہے، صبع عربی لفظ "صبغ" کے ہم معنی ہے جس سے عربی میں دوسرا لفظ اصطباغ بنا ہے، اس کے اصلی معنی نہانے اور دھونے کے ہیں اور اصطلاحاً بپتسمہ کے معنی میں بولا جاتا ہے، چونکہ یہ فرقہ مذہباً دن میں کئی دفعہ غسل کرتا ہے، اس لئے ان کا آرامی نام صابئی پڑا اور اسی سے عربی میں آیا لیکن ہمارے سامنے ایک اور لغوی تشریح اس سے زیادہ سہل اور بامعنی موجود ہے، اصل یہ ہے کہ سامی زبانوں میں صبا کا لفظ ستاروں کے مفہوم میں عام طور سے مستعمل ہے، عبرانی میں اس کے معنی جماعت ستارگان کے ہیں[1] عربی میں صبا کے معنی ستارے کے طلوع ہونے اور نکلنے کے ہیں[2] چنانچہ قاضی بیضاوی نے صابئی کا اشتقاق اسی لفظ سے کیا ہے۔

تنبیہ اہم | منادیین کے لئے صابئین کا لفظ سب سے پہلے ان کے دشمنوں نے استعمال کیا، لیکن آپ تعجب سے سنیں گے کہ خلافت عباسیہ نے جب ان کے وطن عراق میں اپنا سیاسی مرکز قائم کیا تو انھوں نے نہایت فخر کے ساتھ خلیفہ مامون کے عہد میں اس لقب[3] کو اختیار کیا اور چونکہ یہ یونانی زبان اور فلسفہ سے واقف تھے اس لئے خلافت کے علمی صیغوں میں انھوں نے بڑے بڑے درجے حاصل لئے اور بعد کو ان میں عربی زبان کے اچھے اچھے ادیب بھی پیدا ہوئے اور اس کوشش میں کہ وہ حقیقت میں اہل کتاب ہیں، انھوں نے اپنے مذہب کی ایسی تجدید و اصلاح کی کہ وہ اپنے کو اسلام کے قریب تر ثابت کر سکے، یہی سبب ہے کہ بعض علمائے اسلام نے ان کے عقائد و طرز عبادات کو اسلام سے قریب تر بیان کیا، اور اس سے عیسائیوں کو یہ دھوکا ہوا کہ وہ سمجھے کہ اسلام کے بعض رسوم و عبادات ان ہی صابئین سے ماخوذ ہیں[4] حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے، اور خوشی کی بات ہے کہ اب ان حملہ آوروں کو بھی اپنے راستہ کی غلطی معلوم ہو رہی ہے[5]

مذہب صابئی اور قرآن مجید | قرآن مجید میں صابئی مذہب کا نام بقرہ، مائدہ اور حج تین سورتوں میں آیا ہے، اس کے علاوہ ان کے مذہب کا کوئی اور ذکر مذکور نہیں، چونکہ ہم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا اصل ابتدائی مذہب بعد کی آمیزشوں سے پہلے خدا کے اقرار کے ساتھ ستاروں، روحوں اور ان کے مجسموں کی پرستش ہے، تو

---

[1] سیل کے ترجمہ قرآن کا مقدمہ و چیمبرس ٹوئنتھ سنچری ڈکشنری لفظ سبینس۔ [2] لسان العرب لفظ صبا۔ [3] مفاتیح العلوم خوارزمی طبع یورپ صفحہ ۳۶ و کتاب الفہرست ابن ندیم۔ [4] سورس آف القرآن سر ولیم میور [5] برٹانیکا لفظ صابئین، ولٹریری ہسٹری آف پرشیا مصنفہ براؤن جلد ۱ ص ۳۸۴۔

باسانی یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ان عقائد کی تردید و ابطال میں قرآن مجید نے جو کچھ کہا ہے اس کا اصلی مخاطب ان ہی سے ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ صابئی قوم کی ہدایت و اصلاح کے لئے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام مامور ہوئے توراۃ میں تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم کو عراق کے شہر اُور اور حرّان[1] سے تعلق تھا، اور ان کا خاندان غیر خداؤں کو سجدہ کرتا تھا،[2] قرآن مجید حضرت ابراہیمؑ کی زبانی انہی صابئی مجسمہ پرستوں کو خطاب کرکے کہتا ہے:۔

أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً (انعام) — کیا بتوں کو خدا ٹھہراتے ہو،

مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ (انبیاء) — یہ کیا مورتیں ہیں جن کو تم گھیرے رہتے ہو۔

أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (صفت) — جن کو تم اپنے ہاتھوں سے گھڑتے ہو ان ہی کو پوجتے ہو، حالانکہ تم کو اور تم جو بناتے ہو سب کو خدا نے پیدا کیا ہے۔

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا (عنکبوت) — خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو، جھوٹ گھڑ کر،

يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا (مریم) — میرے باپ! شیطان کو نہ پوج، وہ خدا کا نافرمان ہے۔

ستارہ پرستی کی تردید میں حضرت ابراہیمؑ کا مکالمہ سب سے روشن دلیل ہے:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام)

جب اس پر رات نے پردہ ڈالا ستارہ کو دیکھا، بولا یہ میرا خدا ہے، جب وہ چھپ گیا تو اس نے کہا میں چھپ جانے والے کو پیار نہیں کرتا، جب چاند کو دیکھا کہا یہ میرا خدا ہے، جب وہ بھی ڈوب گیا تو بولا اگر میرا پروردگار ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہوں میں ہوتا، جب آفتاب پر نظر پڑی بول اٹھا یہی میرا پروردگار ہے یہ سب سے بڑا ہے، جب وہ بھی ڈوب گیا، کہا اے بھائیو! میں اس سے برات کرتا ہوں جس کو تم خدا کا شریک کہتے ہو، میں اپنا منہ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، میں مشرکوں میں سے نہیں۔

[1] تکوین۔ [2] یوشع ۲۴-۲-۲

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوتا ہے کہ صابی خدا کے منکر نہیں بلکہ خدائی میں اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے تھے، بابلی مذہب کی تفصیل کرتے وقت ہم بتایا ہے کہ یہ آیت بھی اسی ستارہ پرستی کی

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ایک نظر بھر کر ستاروں کو دیکھا۔

طرف اشارہ ہے۔

عدنانی عربوں کی مذہبی حالت جہاں بیان ہوئی ہے بتایا گیا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت کس قبیلہ میں کون ستارہ پوجا جاتا تھا، عربوں نے دنیا کے تمام طبعی کاروبار کو انہی ستاروں کے طلوع و غروب کی طرف منسوب[1] کر رکھا تھا، ان کا خیال تھا کہ منازلِ قمر کے ۲۸ ستاروں میں سے ایک جب غروب ہوتا ہے تو دوسرا اس کے مقابل طلوع ہوتا ہے، وہ جب تک ڈوب نہ جائے اُس کا عمل قائم رہتا ہے[2] اس کو اپنی اصطلاح میں نَوْءٌ (نَوء) کہتے تھے، انوا اسی کی جمع ہے، صحیح بخاری میں ہے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارشادِ الٰہی ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ "فلاں نوء کے سبب سے[3] ہم پانی برسائے گئے وہ میرا منکر ہے اور ستارہ پر اُس کا ایمان ہے، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ یہ آیت اسی عقیدہ کی تردید میں ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ (واقعہ) ستاروں کی جائے غروب کی قسم۔

محقق مفسروں نے لکھا ہے کہ ان چیزوں کی خدا نے جو قسم کھائی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کی ہستی، قدرت اور کمالِ صنعت اور اپنی محکومی، بندگی اور غلامی کی خود گواہ اور شاہد ہے اس بنا پر ذیل کی آیاتِ پاک سے اسی ستارہ پرستی کے بطلان کی طرف اشارہ سمجھئے:-

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (شمس) قسم ہے آفتاب کی اور اس کے دن چڑھنے کی، اور چاند کی جب اُس کے پیچھے چلے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ (طارق) "قسم ہے آسمان کی اور رات کے مہمان کی، اور رات کا مہمان کیا ہے، چمکنے والا ستارہ۔

اہل تفسیر کہتے ہیں کہ چمکنے والے ستارہ سے مراد زحل ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (نجم) قسم ہے اس ستارہ کی جب وہ گرے۔

النجم، عرب میں خاص ثریا کو کہتے ہیں اس کے گرنے سے مراد افق رویت کے نیچے چلا جانا ہے، اور

---

[1] کتاب الازمنہ والامکنہ امام مرزوقی، طبع حیدرآباد جلد اول ص ۱۸۷۔ [2] فتح الباری جلد ۱ ص ۴۲۳ بحوالہ کتاب الانوار ابن قتیبہ۔ [3] صحیح بخاری صلوٰۃ الاستسقاء۔

یہ اہلِ عرب کے نزدیک آغازِ موسم کی علامت ہے :-

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (انشقت) — قسم ہے چاند کی جب وہ کامل ہو جائے

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (تکویر) — قسم ہے ہٹنے والے چلنے والے اور چھپنے والے ستاروں کی

اکثر اربابِ تفسیر متفق ہیں کہ اس سے مراد سبع سیارہ ہیں۔

عام ستارہ پرستوں اور صابیوں میں فرق یہ ہے کہ وہ ان ستاروں کو در حقیقت خدا سمجھتے ہیں اور صابئی خدا کے اقرار کے ساتھ ان ستاروں کو خدا کا مظہر سمجھ کر ان کی عبادت و تعظیم کرتے ہیں اسی لئے قرآن نے صابیوں پر خدا کے اقرار کے ساتھ ستارہ پرستی کا الزام قائم کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حم السجدۃ)

کیا نہیں دیکھتے کہ "خدا" ہی کو سجدہ کرتا ہے آسمان اور زمین میں جو بھی ہے اور سورج اور چاند اور کل ستارے رات اور دن، سورج اور چاند سب خدا کی نشانیوں میں سے ہیں سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس خدا کو جس نے ان کو پیدا کیا، اگر تم در حقیقت خدا ہی کو پوجتے ہو

* * *

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۔ (لقمان)

اور چاند اور سورج کو اس نے مسخر کیا، ہر ایک اپنی مقرر حد تک چل رہا ہے اور خدا تمہارے کاموں سے باخبر ہے یہ اس لئے کہ حق وہی ہے اور اس کے سوا جس کو پکارتے ہو وہ باطل ہے (تم چاند اور سورج کو اس لئے پوجتے ہو کہ وہ بلند اور بڑے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہی اللہ بلند اور بڑا ہے۔

بلندی اور بڑائی کے علاوہ سورج اور چاند کی عظمت کی تیسری دلیل "روشنی" ہے اس لئے سورہ یونس میں فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا — اسی نے آفتاب کو روشن اور چاند کو منور کیا

سورہ نوح میں ارشاد ہوا

اس نے آفتاب کو (خانہ کائنات کا) چراغ بنایا

آفتاب و ماہتاب کے مسخر الٰہی ہونے کی آیتیں قرآن میں بکثرت ہیں، سورہ رعد، ملائکہ، زمر،

عنکبوت اور ابراہیم میں بالخصوص ہیں، اس بار بار کی تکرار سے ظاہر ہوتا ہے کہ آفتاب و ماہتاب پرستی کا رواج عرب میں کسی قدر زیادہ تھا، صابئین میں ارواح و ملائکہ پرستی کا رواج تھا، اسی لئے قرآن نے کہا ہے:

يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُونَ (سبا)

جس دن ان کو قبروں سے اکٹھا کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا تم ہی کو یہ پوجتے تھے، کہیں گے تو شرکت سے پاک اور ہمارا آقا ہے بلکہ یہ جنوں کو پوجتے تھے اور اکثر لوگ ان ہی پر ایمان رکھتے تھے۔

اس مطلب کی اور آیتیں شرک کے بیان میں آئیں گی۔

حنفیت | صابئیت کے انکشاف حقیقت کے بعد، حنفیت یا ملت حنیف کے معنی بالکل روشن ہو جاتے ہیں، ہمارے مفسرین کو اس باب میں اس لئے تزلزل رائے ہے کہ لفظ حنیف کی لغوی تحقیق میں انھوں نے قرآن مجید سے اعانت نہیں لی، "حنیف" حنف سے مشتق ہے، حنف کے معنی ہٹنے اور ٹیڑھے ہونے کے ہیں، حالانکہ یہ مذہب حق ہے، اس کے معنی سیدھے ہونے کے ہونے چاہئیں، یورپین مصنف ہم کو بتاتے ہیں کہ سریانی میں اس کے معنی کافر کے ہیں[1] اور عبرانی میں منافق کے[2] اور طعنہ دیتے ہیں کہ مقدس پیروان محمد ؐ نے اس کی لفظی تحقیق کی پروا نہیں کی اور مشورہ دیتے ہیں کہ قبیلہ بنو حنیفہ کے جھوٹے پیغمبر مسیلمہ کے نام کو اس لفظ کا ماخذ بنائیں، یعنی یہ کہ مسیلمہ سے "مسلم" اور حنیفہ سے "حنیف" کا لفظ لیا گیا ہے[3]۔ یورپ کے مشرقی تبحر کا ظرف بایں ہمہ ادعائے وسعت بہرحال تنگ ہے اس لئے اس کی ہم کو شکایت نہیں کہ مایہ ناز فرنگ نہ صرف آغاز تاریخ اسلام سے ناآشنا بلکہ اُمین زبان عرب سے بھی آگاہ نہیں[4]، دنیا میں کس نے اپنا امتیازی لقب دشمن کے نام و خاندان پر رکھا ہے اصل یہ ہے کہ نری عربی دانی اور بات ہے اور اسلامی واقفیت اور چیز ہے۔

عشق بازاں دیگر اند و عشق سازاں دیگر اند
آنچہ در فرہاد می بینم در پرویز نیست

اہل عرب کے نزدیک حنیف حضرت ابراہیم کا لقب تھا، اس لئے ان کے مذہب کا نام ملت حنیف انھوں نے رکھا تھا، عرب کے بعض نیک دل لوگ جو عرب کے تمام موجودہ مذاہب بت پرستی یہودیت اور عیسائیت کے مفاسد سے گھبرا کر تلاش مذہب میں نکلتے تھے وہ آخر اسی آستانہ دین حنیف

---

[1] لائف آف محمد مارگولیوتھ ص ۱۱۶ [2] بحوالہ سابق [3] حنیف کا لقب اسلام سے پہلے عرب میں موجود تھا، مسیلمہ نے آنحضرت صلعم کی آخری عمر میں دعویٰ نبوت کیا تھا [4] کسی عربی قاعدہ کے مطابق بنو حنیفہ سے حنیف اور مسیلمہ سے مسلم مشتق نہیں ہو سکتا۔

پر آکر تسلی اور اطمینان پاتے تھے۔

لغوی تحقیق | حنیف، حَنَفٌ سے مشتق ہے، عربی میں اس کے معنی "مڑنے اور جھکنے" کے ہیں، اس لئے حنیف وہ شخص ہے جو ایک طرف سے جھک کر اور مڑ کر دوسری طرف جائے، یہ لفظ اچھے اور بُرے دونوں معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے، اگر یہ فرض کیا جائے کہ اُس نے اچھی بات کو چھوڑ کر بری بات اختیار کی ہے تو حنیف کے وہ معنی ہو سکتے ہیں جس میں عبرانی و سریانی میں وہ مستعمل ہے یعنی کافر و منافق، اور اگر یہ سمجھا جائے کہ برے کام کو ترک کر کے اس نے کوئی اچھا کام پسند کیا ہے تو اس کا وہ مفہوم ہو گا جس میں اہلِ عرب اس کو بولتے ہیں، یعنی دین دار، اور خدا پرست اس بنا پر اس لفظ کے اچھے یا بڑے مفہوم کی تعیین، موقع استعمال اور حرف صلہ سے ہو گی، اصل میں اس کا ابتدائی استعمال للّٰہ یا للدّین کی تخصیص کے ساتھ ہوتا تھا، یعنی اَلْحَنِیْفُ لِلّٰہِ خدا کی طرف جھکنے والا اَلْحَنِیْفُ لِلدِّیْنِ سچے مذہب کی طرف جھکنے والا، کثرتِ استعمال اور زبانِ زدگی عام سے اس قید کی ضرورت نہ رہی اور مطلق حنیف (جھکنے والا) کے معنی بھی حنیف للّٰہ (خدا کی طرف جھکنے والا) یا حَنِیْفُ لِلدِّیْنِ سچے مذہب کی طرف جھکنے والا) ہی کے سمجھے جانے لگے، چنانچہ قرآن مجید میں اس لفظ کا دونوں طرح استعمال ہوا ہے، سورۂ حج میں ہے حُنَفَآءَ لِلّٰہِ (خدا کی طرف مڑنے والا بن کر) لیکن سورۂ بیّنہ میں بغیر صلہ کے آیا ہے، مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ (اپنے اعتقاد کو خدا کے لئے خالص کر کے مڑنے والے بن کر) یہاں حُنَفَاء کے معنی حنفاء للّٰہ سمجھنے چاہئیں۔

ہر زبان میں کثرت سے اس قسم کی مثالیں ملیں گی، بلکہ اصطلاحات عموماً اسی طرح بنتی ہیں، مثال کے لئے حنیف کے ہم معنی لفظ "مسلم" کو لیجئے، مسلم کے اصلی معنی سونپنے والے ہیں کوئی شخص اپنے دوست کو کسی دشمن کے حوالے کر دے تو عربی میں اس کو مسلم کہیں گے، اور یہ مذموم معنی ہوں گے اس کا ابتدائی استعمال مُسْلِمُ لِلّٰہِ اپنے کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دینے والا جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْہَہٗ لِلّٰہِ   ہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کیا۔

لیکن کثرتِ استعمال سے صرف مُسلم رہ گیا، اور معنی وہی مسلم للّٰہ کے سمجھے جانے لگے، اور اب کسی کو خطور بھی نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی بڑا مفہوم بھی ہے۔

اصل یہ ہے کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی بعثت صابی قوم کے اندر ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے دلائل اور عمل دونوں طریقوں سے ان کے مذہب کی تردید کی، باطل پرستوں سے سخت تنفر ظاہر کیا، اور خدائے برحق پر ایمان لائے اسی بنا پر انھوں نے خود یا بعد کو ان کے پیرووں

نے اپنا لقب "حنیف" اختیار کیا، یعنی ستارہ پرستی وغیرہ سے مڑ کر خدا پرستی کی طرف آنے والا، اِس قول کی صحت قرآن مجید کے موقعِ استعمال سے ثابت ہوتی ہے، ستارہ پرستی کی تردید میں ایک ستارہ کو کولے کر حضرت ابراہیمؑ کا اس کی ربوبیت سے انکار کرنا جہاں قرآن میں مذکور ہے اس کے آخر میں ہے

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

(انعام)

(بالآخر) ابراہیم نے کہا لوگو! میں ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، میں اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر کر اُس ذات پاک کی طرف جھکاتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، حنیف بن کر اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ اعلان گویا دین ابراہیمی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے، اس اعلان کی یہ عبارت کہ "میں ہر طرف سے منہ پھیر کر خالقِ ارض وسما کی طرف منہ کرتا ہوں" اور اس کے بعد یہ کہنا کہ حنیف بن کر، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور حَنِيْفًا کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی جو ستارہ وغیرہ باطل پرستیوں سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرے، قرآن مجید کی دو اور آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ "حنیف" کے معنی اول یہی ہیں:-

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا (یونس)

سچے مذہب کی طرف اپنا منہ کرو (باطل پرستیوں سے منہ موڑ کر)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

(روم)

پھر اپنا منہ سچے مذہب کی طرف سیدھا کرو (باطل پرستیوں سے منہ موڑ کر) خدا کی یہ بنائی ہوئی فطرت ہے، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔

بعد کو بڑھتے بڑھتے اس لفظ کے معنی زاہد و عابد دیندار کے ہو گئے۔

جاہلی شاعر جران العود کا شعر

وادرکن اعجازا من اللیل بعد ما — اَقَامَ الصَّلٰوةَ الْعَابِدُ الْمُتَحَنِّفُ

سواریوں نے رات کے آخری حصّہ کو پا لیا — جب کہ عابد و دیندار اپنی نماز ادا کر چکا

جاہلیت کا مشہور شاعر ابو ذویب ہذلی کہتا ہے

اقامت بہ لمقام الحنیف — شھری جمادی وشھری صفر

اُس نے وہاں قیام کیا جس طرح دیندار (حنیف) جمادی کے دو مہینے اور صفر کے دو مہینے قیام کرتا ہے۔

یہ دونوں شعر لسان العرب میں ہیں۔

یہاں پہنچ کر ہم کو ایک دقیق نکتہ کی طرف توجہ دلانا ہے معلوم ہو چکا ہے کہ صابی کے معنی عبری میں پاک اور طاہر کے ہیں لیکن عربی میں کافر کو کہتے ہیں، حنیف کا حال اس کے بالکل ضد ہے، عبرانی و آرامی میں کافر و منافق کے ہم معنی اور عربی میں دیندار و موحد کے مرادف ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ متقابل کے فرقوں کے نام ہیں اور ان کے اچھے اور برے مفہوم صرف مذہبی اتحاد و مخالفت پر مبنی ہیں، یہی سبب ہے کہ مسلمان خود اپنے کو "حنفاء" کہتے تھے، لیکن کفار ان کو تعصب سے "صباۃ" (صابی کی جمع) کا لقب دیتے تھے۔

قرآن مجید کی آیتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "حنیف" کا متقابل مشرک ہے اسی بناء پر قرآن مجید میں جہاں جہاں حنیف کا لفظ آیا ہے اس کے ساتھ ساتھ شرک کی نفی بھی کی گئی ہے

حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام)	موحد بن کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔
حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ (حج)	خدا کے موحد بن کر نہ مشرک
أَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَّلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (یونس)	اپنا منہ سچے مذہب کی طرف کر موحد بن کر اور مشرکین میں سے نہ ہو۔
بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (بقرۃ)	بلکہ ابراہیم موحد کا مذہب، وہ مشرکوں میں سے نہ تھا
فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آل عمران)	ابراہیم موحد کے مذہب کی پیروی کرو، وہ مشرکوں میں سے نہ تھا
وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آل عمران)	بلکہ ابراہیم موحد مسلم تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔
دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام)	پکا مذہب ابراہیم موحد کا اور وہ مشرکوں میں نہ تھا۔
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (نحل)۔	ابراہیم پیشوا تھا متواضع اور خدا کا موحد اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔
أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (نحل)	ابراہیم موحد کے مذہب کی پیروی کر اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ان آیتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مذہب دراصل حضرت ابراہیمؑ کا تھا اور ان ہی کی یادگار کے طور پر اُن کی نیک دل اولاد میں اس کا کسی قدر حصہ باقی رہ گیا، یہود اور نصاریٰ مسلمانوں کو کہتے تھے، مذہب حق تو یہودیت یا عیسائیت ہے، یہ تیسرا کونسا مذہب ہے؟ قرآن نے جواب دیا کہ یہ دونوں تو بعد کی شاخیں ہیں اصل مذہب وہ ہے جس کی دعوت "قوموں کے باپ" ابراہیمؑ[1] نے دنیا کو دی:۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (بقرہ ۱۶)

انھوں نے کہا یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو راہِ راست پاؤ کہو کہ نہیں بلکہ ابراہیم موحد کا مذہب اور وہ مشرکین میں سے نہ تھا۔

فرماتا ہے:

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ (بقرہ ۱۶)

تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب یہودی یا عیسائی تھے کہو کہ تم زیادہ جانتے ہو یا خدا، اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو خدا سے اپنی شہادت چھپاتا ہو۔

یعنی یہ ظاہر ہے کہ یہودیت اور عیسائیت ان پیغمبروں سے بہت بعد کی چیزیں ہیں اس لئے اسلام اس اصلی اور سچے مذہب کا داعی ہے جو ان پچھلی آمیزشوں سے پاک ہے:۔

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ (بقرہ ۱۶)

بے وقوف کے سوا اور کون مذہب ابراہیم سے سے پھرے گا۔

کیونکہ

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آل عمران)

ابراہیم نہ یہودی تھا، نہ عیسائی، بلکہ موحد مسلم تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اور اے اسمٰعیلی عربو ابھی:

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ (حج)

مذہب تمھارے باپ ابراہیم کا ہے۔

باپ کی یہ وراثت بیٹوں میں موجود تھی، اس مذہب کے قبول کی رسمی علامتوں میں سے سب سے بڑی علامت ختنہ ہے جو اولاد ابراہیم کے ساتھ مخصوص ہے عربوں میں یہ رسم ہمیشہ سے موجود تھی، عبادت کی چیزوں میں بیت ابراہیم یعنی بیت اللہ کا طواف، دین ابراہیمی کی سب سے پرانی یادگار ہے عرب نے

[1] توراۃ میں ہے کہ ابراہیم کے لفظی معنی قوموں کے باپ کے ہیں

اپنے باپ کی اس پرانی یادگار کو بھی ہمیشہ باقی رکھا، باقی توحید وغیرہ کے اصلی عقائد وہ اکثر سینوں سے مٹ کر محو ہو گئے تھے، اسی بنا پر عرب میں حنیف کے معنی صرف یہ رہ گئے تھے کہ "جو مختون ہو اور جس نے حج کیا ہو"[1]

اسلام سے کچھ پہلے جب یہودی اور عیسائی مذہب عربوں میں فروغ پانے کے لئے ہر طرح سے کوشاں تھے پرانے مذہب کو جس کا صرف ڈھانچا رہ گیا تھا، بعض نیک دل اور نکتہ فہم عربوں نے نئے سر سے زندہ کرنا چاہا لیکن اس کی صورت اس قدر مسخ ہو گئی تھی کہ خود صناع عالم کی کارفرمائی کے بغیر انسانی مسیحائی اس کو حیات ثانی نہیں بخش سکتی تھی۔

آغاز اسلام میں جن چند نیک لوگوں کے نام حنفا کے لقب سے لئے جاتے ہیں وہ خود اپنے مذہب سے آگاہ نہ تھے اور حق کے متلاشی تھے، قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث، امیہ بن صلت، زید بن عمرو بن نفیل قیس بن نشبہ، عبید اللہ بن جحش وغیرہ بت پرستی سے بیزار ہو کر حق کی راہ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے یا عیسائی ہو گئے (مثلاً قس اور ورقہ) اصل حنیفی مذہب کی تلاش میں سر ٹکرا کر مر گئے (مثلاً زید اور امیہ) اور یا اسلام کی روشنی جب چمکی تو حق کو دیکھا اور دین حنیف کا سراغ اور قبول کیا (مثلاً عثمان اور عبد اللہ بن جحش اور قیس بن نشبہ وغیرہ)

زمانہ جاہلیت میں ایسے متعدد شعرا گذرے ہیں جن کے کلام میں حق کی باتیں الفاظ کی تاریکی میں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں مثلاً لبید (قبل اسلام)، زہیر، امیہ بن الصلت، علاف بن شہاب التمیمی قس بن ساعدہ الایادی وغیرہ شعرا کے کلام میں توحید، حشر و نشر اور محاسن اخلاق کی تعلیم ملتی ہے آج کل کے بعض عرب عیسائی مصنفوں نے اس قسم کے عرب شاعروں کو عیسائی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے اپنی کوشش کی بنیاد ریت پر قائم کی اور ایک دلیل بھی وہ دعوی کی استواری میں پیش نہ کر سکے، میرے خیال میں یہ شعرا حنفی العقائد تھے چنانچہ ان ہی میں سے بعض کے کلام میں اس کی تصریح بھی ملتی ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بعد کو بعض سادہ لوح مسلمانوں یا شریر لوگوں نے بہت سے جھوٹے شعر بنا بنا کر ان لوگوں کی طرف منسوب کر دیئے ہیں قرآن کی آیتوں کی آیتیں لے کر ان کو موزوں کر کے ان کے نام سے شعر کہہ دیئے ہیں، آج کل کے عربی دان عیسائی ان اشعار کو بڑی چالاکی سے اس ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ دیکھو محمد نے شعرائے جاہلیت کے کلام کو الٹ پلٹ کر قرآن بنا دیا ہے، ان اشعار میں صحیح اور غلط اور سچے اور جھوٹے کی تمیز صرف عربی کی زبان کے باریک بین اور نکتہ شناس ادیب ہی کر سکتے ہیں جو جاہلیین اور مولدین کے کلام کو بیک نظر دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ان میں موتی اور پوت کون ہے؟

شرک | عرب کا سب سے وسیع الاثر مذہب شرک تھا، شرک کے یہ معنی ہیں کہ ایک خدا کو مان کر اس کی اعانت

[1] لسان العرب لفظ حنیف

وامداد کے لئے اس کے اعوان و انصار کا یقین رکھا جائے۔

عرب میں زیادہ اسی عقیدے کے لوگ تھے وہ گو ہر قسم کے دیوتاؤں اور دیبیوں کے قائل تھے بتوں کو سجدہ کرتے تھے، جنات اور فرشتوں کو نذر چڑھاتے تھے تاہم ایک قوتِ اعظم کے وجود سے وہ بے خبر نہ تھے ان صدہا معبودوں کے جھرمٹ میں اُن کو وہ جلوۂ اقدس بھی نظر آتا تھا، جس کو وہ اللہ کہتے تھے آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کارخانۂ فطرت کے اور بڑے بڑے کام اُسی کی وسعت قدرت کا نتیجہ سمجھتے تھے یہی سبب ہے کہ شعرائے جاہلیت کے کلام میں زیادہ تر اللہ ہی کا نام آتا ہے اور اسی کی طرف تمام افعال کی نسبت ہوتی ہے گو اس کے ساتھ بتوں اور دیوتاؤں کے نام بھی جا بجا ان کے اشعار میں ملتے ہیں، لیکن ان بتوں اور دیوتاؤں اور فرشتوں کو اللہ کے عزیز و اقارب یا اس کی بارگاہ کے مقرب درباری جانتے تھے اور ان کی عبادت اور پرستش اس لئے کرتے تھے تاکہ وہ خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کو ہم سے راضی رکھیں قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر کفارِ عرب کو ٹوکا ہے کہ جب اصلی قوت اللہ کے ہاتھ میں ہے تو اوروں کو کیوں پوجتے ہو؟ اور جب تم یہ مانتے ہو کہ آسمان، زمین، چاند، ستارے سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں تو ان کو خدا کیوں کہتے ہو؟

قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ قُلْ
مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيمِ ۝ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا
تَتَّقُونَ ۝ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوتُ
كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ
فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ ۝ بَلْ أَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ
لَكٰذِبُونَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ
مَعَهٗ مِنْ إِلٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا
خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ
عَمَّا يَصِفُونَ ۝ (مؤمنون)

اگر تم کو علم ہے تو بتاؤ تو زمین اور زمین میں جو کچھ ہے یہ سب کس کا ہے وہ کہیں گے خدا کا، کہو کہ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے ان سے پوچھو کہ سات آسمانوں کا اور عظیم الشان عرش کا مالک کون ہے؟ یہی کہیں گے کہ سب اللہ کا ہے، کہو کہ پھر اس سے ڈرتے نہیں، اگر جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر شے کی حکومت ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، جواب دیں گے یہ قدرت تو اللہ کی ہے ان سے کہو کہ پھر تم کیوں بے عقل ہو گئے ہو، حق یہ ہے کہ سچی بات ہم نے ان کو پہنچا دی اور وہ جھوٹے ہیں نہ تو خدا نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر خدا اپنی مخلوقات کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر غالب آجاتا یہ مشرکین جو باتیں بیان کرتے ہیں خدا ان سے پاک ہے

ان آیات میں مشرکین کے عقائد کا بہ تفصیل ذکر ہے ولدیت کی اس میں جو تردید ہے وہ عیسائیوں سے متعلق نہیں، بلکہ مشرکین کے متعلق ہے، وہ فرشتوں کو خدا کے فرزند سمجھتے تھے، دوسری آیتوں میں اس کی توضیح آئے گی، آیات ما سبق کے ہم معنی یہ آیتیں بھی ہیں:۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (یونس)

پوچھو تم کو آسمان و زمین سے کون رزق دیتا ہے، کون تمہارے حاسۂ سمع اور حاسۂ بصارت پر قدرت رکھتا ہے کون ذی حیات چیز سے مردہ (جامد) شے اور مردہ و جامد شے سے ذی حیات چیز پیدا کرتا ہے اور کون دنیا کا انتظام چلاتا ہے، جواب دیں گے اللہ، کہو کہ پھر اس سے ڈرتے نہیں؟

مشرکین کو اس بات کی چڑھ تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تنہا اللہ کا نام کیوں لیتے ہیں، اس کے ساتھ دیوتاؤں کو کیوں شریک نہیں کرتے۔

اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (اسرائیل)

جب تو اپنے پروردگار کا نام تنہا قرآن میں لیتا ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں۔

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (زمر)

جب تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل جن کو آخرت کا یقین نہیں کڑھنے لگتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا نام لیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا (مومن)

جب تنہا خدا کا نام پکارا جاتا ہے تو تم انکار کر بیٹھتے ہو اور اگر اس کا کوئی شریک کیا جائے تو مانتے ہو۔

سورۂ نمل میں نہایت بلیغانہ انداز میں قرآن نے خدا کی مختلف قدرتوں اور صفتوں کو گنایا ہے اور ہر فقرے کے بعد پوچھا ہے ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائے برحق کے قائل تھے، اب ذیل کی آیتوں سے ثابت ہوگا کہ وہ دیگر معبودوں کا کیا رتبہ سمجھتے تھے، ان کو کس نظر سے پوجتے تھے:۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس)

خدا کے سوا وہ اس کو پوجتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتا ہے نہ فائدہ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبود اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

سورۂ زمر میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر)

اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اوروں کو مددگار بنایا اور جو کہتے ہیں کہ ہم تو ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ خدا سے ہم کو

فرشتوں کے متعلق ان کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اسی لئے ان کو عورت فرض کرتے تھے، قرآن نے کہا:۔

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَاۗءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (نجم)

کیا تمھارے بیٹا ہو اور خدا کے بیٹی ہو، یہ تو نامنصفانہ تقسیم ہے، یہ فقط چند نام ہیں جن کو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیا اور خدا نے ان کی کوئی دلیل نہیں اُتاری

٭ ٭ ٭

پھر آگے چل کر اللہ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰۗىِٕكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى (نجم)

جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ فرشتوں کا نام عورت کا نام رکھتے ہیں۔

سورۂ طٰہٰ میں ہے:۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ۝

کیا اُس کے لڑکیاں ہوں اور تمھارے لڑکے ہوں۔

سورۂ انبیاء کی آیت:۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔۔۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ

یہ مشرک کہتے ہیں کہ خدا نے لڑکا بنایا ہے نہیں بلکہ وہ معزز بندے ہیں (یعنی فرشتے)

مشرکین بھوت پریت اور جنات کے بھی قائل تھے، ان کو خدا یا خدا کے ہم پایہ سمجھتے تھے، ان کی دہائی مانگتے تھے اور ان کے غضب سے ڈرتے تھے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام)

اور جہالت سے جنوں کو خدا کا شریک بنایا، حالانکہ خدا ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور خدا کے لئے بیٹے بیٹیاں جھوٹ گھڑی ہیں۔

صحیح مسلم کی کتاب التفسیر میں ہے کہ ذیل کی آیت اُن عربوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو جنات کی پرستش کرتے تھے۔

لہ اہل عرب لڑکی پیدا ہونے پر ناراض ہوتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہو گویا لڑکی کو برا سمجھتے تھے اور لڑکے کو پسند کرتے تھے لیکن خدا کے بارے میں ان کا اعتقاد الٹا تھا، یہ اس کی تردید ہے۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ رَحْمَتَهٗ

(بنی اسرائیل)

وہ جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں ان میں سے (ان کے خیال میں) جو زیادہ مقرب ہیں اپنے پروردگار کی طرف قرب کا ذریعہ ڈھونڈھتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خوف زدہ ہیں۔

سورہ جن میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کا مقولہ نقل فرمایا ہے:

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (جن)

اور بات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض جنوں کی دہائی مانگا کرتے تھے اور انھوں نے ان جنوں کو اور مغرور بنا دیا۔

خدا اور جنات میں رشتہ ناتا کرتے تھے۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (صافات)

خدا اور جنات میں رشتہ قائم کیا ہے

مشرکین عرب کو سب سے زیادہ دو باتوں کی تسلیم سے سخت انکار تھا، ایک حشر و نشر کے اعتقاد اور دوسرے رسالت و نبوت کے دعوے سے چنانچہ رہ رہ کر ان کو تعجب ہوتا تھا کہ کیا مر کر بھی کوئی جی سکتا ہے" اور آدمی ہو کر بھی کوئی خدا کا فرستادہ بن سکتا ہے" قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں ان کے تعجب اور اچنبھے پن کو نقل کیا ہے:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (مؤمنون)

یہ تو تمھاری ہی طرح ایک آدمی ہے جو تم کھاتے ہو وہ وہ بھی کھاتا ہے جو تم پیتے ہو وہ وہ بھی پیتا ہے اگر اپنی ہی طرح کے ایک آدمی کی تم نے پیروی کی تو تم اس وقت گھاٹے میں رہو گے کیا تم سے یہ شخص کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاؤ گے تو پھر (قبروں سے) نکالے جاؤ گے، تم سے جو کہا جاتا ہے وہ ناممکن ہے یہ تو یہی دنیا کی زندگی ہے مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جانے والے ہیں

اسی سورہ میں آگے بڑھ کر ہے:

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (مومنون)

وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو پھر اٹھائے جائیں گے، یہ بات تو ہم سے اور ہمارے بزرگوں سے بھی پہلے کہی گئی ہے یہ صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

یہی آیت تھوڑے تھوڑے تغیر کے ساتھ سورہ صافات اور سورۂ واقعہ میں ہے سورہ مطففین میں ہے

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ — کہ ان کو یہ گمان نہیں کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

سورۂ قٓ میں ہے:

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ۔ — بلکہ ان کو تعجب ہے کہ ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس آیا، کافر کہتے ہیں یہ تو تعجب کی بات ہے کیا ہم مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے یہ واپسی تو مشکل ہے

قرآن مجید میں مشرکین کے ان اعتقادات کی تردید و ابطال کی اس قدر آیتیں ہیں کہ ان کا استقصا کرنا گویا قرآن کو ایک صفحہ میں جمع کرنا ہے تاہم ان سینکڑوں آیتوں میں جو اصلی باتیں مذکور ہوئی ہیں وہ یہی ہیں:۔

دہریت | قرآن مجید کی ان آیتوں سے:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ) اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (مؤمنون) — اور کہتے ہیں کہ نہیں ہے لیکن یہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو نہیں مارتا ہے لیکن زمانہ یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے اور بس مرتے ہیں اور جیتے ہیں (یہی سلسلہ ہے) ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے ہیں۔

بعض صاحبوں نے استدلال کیا ہے کہ عرب کچھ دہریہ بھی تھے۔

بت پرستی | گذشتہ صفحات میں تفصیل گذر چکا ہے کہ عرب میں بت پرستی کا شیوع تھا، مٹی، پتھر اور لکڑی کی مورتیں بنائی جاتی تھیں، ان کی پوجا ہوتی تھی، قرآن میں ان بتوں کے لئے چار الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اَصْنَامٌ، اَوْثَانٌ، اَنْصَابٌ، نُصُب، تَمَاثِيْلُ خاص اہل عرب کے بتوں کے لئے ایک دفعہ صرف دوسرا اور دو دفعہ تیسرا لفظ آیا ہے۔

عرب میں یہ بت مٹی کے بھی بنتے تھے:۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ (انبیاء) — کیا یہ کافر مٹی سے بنا کر (پتلا) اٹھاتے ہیں اس کو خدا بناتے ہیں

لکڑی وغیرہ اور چیزوں سے بھی یہ بت تیار ہوتے تھے:۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ — خدا کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں وہ تو کچھ بنا نہیں سکتے البتہ وہ خود بنائے جاتے ہیں، بے جان ہیں ذی روح

غَیْرُ اَحْیَاءٍ (نحل)

نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ (حج)

خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے، اگرچہ اس کام میں سب مل جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس کو چھڑا نہیں سکتے۔

اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَھُمْ نَصْرًا وَّلَا ھُمْ یَنْصُرُوْنَ وَاِنْ تَدْعُوْھُمْ اِلَی الْھُدٰی لَا یَتَّبِعُوْکُمْ سَوَاءٌ عَلَیْھِمْ اَدَعَوْتُمُوْھُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اَلَھُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِھَا اَمْ لَھُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِھَا اَمْ لَھُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِھَا اَمْ لَھُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا (اعراف)

خدا کا شریک اس کو بتاتے ہیں جو کچھ نہیں بنا سکتا ہے اور وہ خود بنائے جاتے ہیں نہ اپنے پرستاروں کی وہ مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں، اگر ان کو رہنمائی کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں ان کے لئے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا چپ رہو، خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح بندے ہیں، ان کو پکارو دیکھو وہ جواب تو دیں اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چل سکیں، ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں یا ان کے کان ہیں جن سے سن سکیں۔

اہل عرب اپنے ہی ان گونگے، بہرے لولے اور لنگڑے خداؤں کو پوجتے تھے ان کے لیے قربانی کے چڑھاوے چڑھاتے تھے ان کے آگے فال کے پانسے ڈالتے تھے، قرآن نے ان کو حرام کیا۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ (مائدہ)

جو جانور بتوں پر ذبح کیا گیا حرام ہے اور یہ بھی کہ پانسوں کے ذریعہ سے حصہ بانٹو۔

وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ (مائدہ)

یہ بت اور پانسے ناپاک ہیں، شیطان کے کاموں میں سے

قرآن میں اصنام کا ذکر عرب کے جن اصنام کا ذکر اوپر کے صفحات میں کہیں گزرا ہے ان میں سے چند قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں جن میں سے لات، عزیٰ اور مناۃ کا ذکر سورہ نجم میں آیا ہے۔

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی (نجم)

کیا تم نے لات، عزیٰ اور تیسرے بت مناۃ کو دیکھا

سورۂ صافات میں بعل کا نام ہے:

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ — بعل کو پکارتے ہو اور اس سب سے اچھے پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو۔

سورۂ نوح میں وَدّ[۱]، سواع، یغوث[۲]، یعوق[۴] اور نسر[۵] کے نام آئے ہیں:

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا — ود، سواع، یعوق اور نسر کو مت چھوڑو

ان کے پرستار قبائل لات اور عزّیٰ قریش کے دیوتا تھے، قاعدہ تھا کہ سونے سے پہلے قریش ان کا پوجا پاٹ کر لیتے تب سوتے[۱]، قریش ان ہی کی قسم کھایا کرتے تھے[۲] مناۃ کو اوس اور خزرج سے خصوصیت تھی، وہ حج میں اسی کا طواف کرتے تھے[۳] حج میں ان تینوں کی جے پکاری جاتی تھی۔ قریش طواف کے وقت کہتے:

اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری — لات اور عزیٰ اور تیسرا مناۃ بزرگ لوگ ہیں، ان کی
تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ[۴] — سفارش کی امید ہے

سورہ نوح کے بتوں کے متعلق حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عرب کے مختلف قبائل میں ان کی پرستش ہوتی تھی، وَدّ قبیلہ کلب کا بت تھا، سواع کی ہذیل پرستش کرتے تھے، یغوث مراد اور بنی غطیف کے قبیلوں کا دیوتا تھا، یعوق ہمدان میں پُجتا تھا، نسر حمیر کے خاندان ذی الکلاع کا معبود[۵] تھا، بعل کی پرستش شام میں ہوتی تھی[۶]

ان ناموں کی لغوی و معنوی تحقیق ان الفاظ کی ابتدائی صورتیں اور ان کے اصلی ماخذ اس قدر فراموش ہو گئے ہیں کہ بمشکل ان کی حقیقت کی تہ تک پہنچا جا سکتا ہے، عربی زبان کے ائمہ لغت نے ان کی لغوی تحقیق ایک حد تک کی ہے اور آج کل کے مستشرقین بھی اس بنا پر اس کی دریافت کے مدعی ہیں کہ انھوں نے عرب اور دیگر سامی ممالک کے قدیم کتبات کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور عرب کی معاصر اور ہمسایہ قوموں کی زبان و تاریخ سے بھی واقفیت پیدا کی ہے ذیل میں قدیم و جدید معلومات کے موازنہ کے ساتھ ایک ایک نام کی تحقیق کی کوشش کی جاتی ہے۔

۱۔ **اللات**۔ حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر راویوں سے مروی ہے کہ لات لتّ سے مشتق ہے، جس کے معنی گھولنے کے ہیں (اردو میں اسی سے لتنا یا لت کرنا بنا ہے) عرب میں ایک شخص تھا

---

۱ مسند امام حنبل ج ۴ ص ۲۲۲ ۲ صحیح بخاری تفسیر سورۂ نجم ۳ صحیح بخاری تفسیر سورہ نجم ۴ معجم یاقوت لفظ عزیٰ
۵ صحیح بخاری تفسیر آیت مذکورہ ۶ تفسیر بیضاوی تفسیر صافات

جو زمانہ حج میں ایک چٹان پر بیٹھ کر ستو گھول گھول کر حاجیوں کو پلایا کرتا تھا، اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اسی چٹان کو پوجنا شروع کر دیا اور اس کا نام لاتؔ یعنی گھولنے والا رکھا، لیکن اس بیان سے علاوہ اس کے کہ یہ ایک غیر معقول توجیہہ ہے یہ لازم آتا ہے کہ لات (بالتخفیف) کے بجائے لاتّ (تشدید کے ساتھ) ہو اور یہ قرأۃ متواترہ کے خلاف ہے یاقوتؔ نے معجم میں اس کو لیت سے مشتق کیا ہے، جس کے معنی پھیرنے کے ہیں لاتؔ یعنی مصیبتوں کا پھیرنے والا لیکن اس اصول پر اس کو لائتؔ ہونا چاہیئے اور ان دونوں نظریوں پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ اس حالت میں تائے اصلی ہو اور تائے تانیث نہ ہو، حالانکہ یہ مؤنث ہے۔

مستشرقین نے بکمال لیاقت ہم کو یہ بتانا چاہا ہے کہ اللہ اور اللّاتؔ ایک ہی لفظ کی دو[۲] صورتیں ہیں۔ اللہ مذکر دیوتا کے لیے قریش میں مستعمل تھا اور اللات یعنی وہی اس لفظ اللہ کی قریش نے تانیث بنائی تھی[۱] ان عقل مندوں سے پوچھنا چاہیئے کہ اللہ کی تانیث عربی قواعد کے موافق اللات کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس کی تانیث اگر ممکن ہے تو اللٰھۃ چاہیئے یا اَلْاِلٰہۃُ اللہ کی ہائے اصلی کیونکر تانیث سے ساقط ہو گئی، اگر ہمارا مشورہ مستحق قبول ہو تو اس زنانہ لفظ کی پیدائش کے لئے عرب کی خشک سرزمین کے بجائے ملک شام کا سرسبز علاقہ مناسب ہوگا کیونکہ عرب کے اکثر دیوتا ملک شام ہی کے باشندے تھے[۲] یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہیروڈوٹس مورخ نے مسیحؑ سے چار سو برس پہلے عرب کے ایک دیوتا کا نام اَلِیْلاَتؔ بتایا ہے، حالانکہ اس وقت قریش کا وجود بھی نہ تھا اس لئے ان کی زبان کا لفظ بھی اس وقت موجود نہیں ہو سکتا۔

قدیم سامی زبانوں میں خدائی کے لیے اِلْ یا اِیْل کا لفظ عام طور سے موجود تھا تائے تانیث لگنے سے ایلوتؔ ہو گیا جس کے معنی دیوی کے ہوں گے عربوں نے جب اس لفظ کو اختیار کیا تو اپنا الف لام تعریفی اس پر اضافہ کیا اور پہلے الف کو اپنے قاعدہ کے مطابق جیسا کہ اللہ میں ہوا ہے گرا کر اللّوات بنا لیا اور اس سے اَللّاتؔ ہو گیا، کیا اس "فیلالوجی" کو ہمارے یورپین محققین پسند کرتے ہیں؟ لاتؔ کا نام نبطی کتبات میں ایلات کی صورت میں ملا ہے۔

۲۔ لفظ اللہ کے متعلق مار گولیتھ صاحب کی تحقیق کہ "یہ اصل میں قریش کے خاندانی دیوتا کا نام تھا اس لئے محمد کی توحید پرستی کے یہ معنی ہیں کہ انھوں نے دوسرے قبائل کے دیوتاؤں کو مٹا کر اپنے

[۱] یہ جارج سیل مترجم قرآن، ولہوسن مترجم واقدی اور مارگولیتھ مصنف محمد کی تحقیق ہے دیکھو سیل کا مقدمہ اور مارگولیتھ محمد ص ۱۹ [۲] ابن ہشام، اصنام العرب بخاری شریف فتح مکہ و مناقب قریش

خاندانی دیوتا[1] کو منوایا یورپ کے مشرقی تبحر علمی کی شرمناک مثال ہے سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ اس عظیم الشان عربی زبان میں "حقیقی خدا" کے مفہوم کے لئے کوئی لفظ موجود نہ تھا، تم کہتے ہو کہ محمد سے پہلے عرب میں موحدین موجود تھے، بہتر ہے لیکن کیا وہ اپنے خدا کے لئے اللہ کے سوا کوئی اور لفظ پیش کرتے تھے؛ موجودہ عیسائی ادبائے عرب کے بیان کے مطابق عرب میں عیسائی شعراء بکثرت پیدا ہوئے ہیں، ہاں سچ ہے، عرب میں عیسائی شعراء ہوئے ہیں لیکن کیا ان کی زبان سے لفظ اللہ تم نے نہیں سُنا؟ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی صفات خود مشرکین کے اقرار کے مطابق جو بیان کئے ہیں وہ کیا کسی دیوتا پر صادق آسکتے ہیں؟ سب سے آخر یہ کہ اللہ کی اصل تو الالہ ہے الٰہ تو صرف عربی میں نہیں بلکہ تمام سامی زبانوں میں خدا تعالیٰ ہی کے لئے مستعمل ہے کم از کم الُوہ اور الُوہیم سے تو ناواقفیت نہ ہوگی، قریش اپنے دیوتاؤں کے مجسمے بنا کر پوجا کرتے تھے کیا اس سب سے بڑے قریشی دیوتا کا بھی کہیں کوئی مجسمہ تھا؟

۳- العُزّیٰ اس کے متعلق تو یہ ظاہر ہے کہ یہ (عَزّ) سے مشتق ہے جس کے معنی غلبہ کے ہیں عزّ کا اسم تفضیل مونث عزّیٰ ہے، یعنی بہت غالب آنے والی دیبی عجب نہیں کہ یہ قریش اور ان کے ہم نسب قبائل کی لڑائی کی دیبی ہو اور غالباً یہی سبب ہے کہ جنگ اُحد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور وہ کوہ اُحد پر چڑھ گئے تو ابوسفیان نے دامن کوہ میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو خطاب کر کے عزّیٰ کی جے پکاری تھی لنا العزی ولا عزی لکم ہماری طرف عزّیٰ ہے تمہاری طرف کوئی عزّیٰ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے حضرت عمر رضؓ نے اس کے جواب میں فرمایا اللّٰہ مولانا ولا مولیٰ لکم اللہ ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں[2]

۴- مناة اس لفظ کا اشتقاق چند ماخذوں سے ہوسکتا ہے اسکے کمزور پہلو یہ ہے کہ وہ مَنّیٰ سے مشتق ہے جس کے معنی بہانے کے ہیں اسی سے مکہ کے مقام منیٰ کا نام ماخوذ ہے یعنی خون بہانے کی جگہ، مناة شاید قربانی کا دیوتا تھا جس کے نام سے خون بہایا جاتا ہوگا لیکن بجز قیاس کے اس اشتقاق کی صحت کی اور کوئی دلیل نہیں یاقوت نے اس کے مختلف اشتقاقات بتلائے ہیں ہمارے نزدیک ان میں سے سب سے صحیح یہ ہے کہ وہ منا سے مشتق ہے اس کے معنی تقدیر کے ہیں اور اس کے معنی ثانی موت کے ہیں، صاحب لسان العرب نے بتایا ہے کہ اس میں ة لفظ علامت تانیث کے لئے ہے گویا "مناة" تقدیر اور موت کی دیبی تھی نبطی کتبات میں یہی منات منوت کی صورت

---

[1] محمد ص ۱۹ [2] صحیح بخاری غزوہ احد

میں ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا املا منوۃ ہے

۵۔ وَدّ کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وُدّ سے ہے جس کے معنی محبت کے ہیں اور اس کے مقابل دوسری دیبی نکرہ تھی جس کے ناپسندیدگی اور عداوت کے معنی ہیں، یہ بت بھی کتبات میں مذکور ہے ایک خیال یہ بھی ہے کہ وُدّ کی اصل اُدُو ہے، بابلی میں آفتاب کو کہتے ہیں۔

٭

۶۔ سُوَاع، اس لفظ کا مشتق منہ کلام عرب میں نہیں ملتا ممکن ہے کہ سَوْع سے مشتق ہو جس کے معنی زمانہ کے ہیں۔

۷۔ یعقوق، عوق (روکنا) مضارع کا صیغہ ہے، اہل یمن میں یہ بت پوجا جاتا تھا، ان کے ہاں صیغۂ مضارع کو بطور علم استعمال کرنے کا خاص دستور تھا چنانچہ یعرب، یشجب، یکرب یجعش، یہس عش، یوھیمن وغیرہ اصلی نام کے ساتھ صفت کے طور پر مستعمل[1] ہوئے ہیں یعوق کے معنی روکتا ہے یعنی مصیبتوں کو روکتا ہے۔

۸۔ یغوث، بھی یعوق کے قاعدہ سے عَلَم ہے غوث (فریاد کو پہنچنا) اس کا مصدر ہے یغوث کے معنی فریادرسی کرتا ہے۔ یغوث دیوتا کا نام کتبہ میں بھی ملتا ہے۔

۹۔ نسر کے لغوی معنی گدھ کے ہیں اسی شکل کا ایک مجموعۂ کواکب آسمان میں ہے جس کو نسر کہتے ہیں، نسر دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں بہت مدت سے پوجا جاتا تھا، اہل بابل کے دیوتاؤں میں ایک نسروک[2] تھا، اب بابل میں اس دیوتا کا مجسمہ بھی نکلا ہے۔

۱۰۔ بعل، کی نسبت بہ تحقیق گذر چکا ہے کہ یہ دیوتا شام کا معبود تھا، قرآن مجید بھی اسی ضمن میں اس کا ذکر کرتا ہے 'بعل' کے لغوی معنی قوت کے ہیں، اسی سے مجازاً آقا کے معنی اور اس کے بعد شوہر کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوا، چنانچہ دوسرے معنی میں یہ لفظ قرآن میں بکثرت آیا ہے عرب کا مشہور دیوتا ہُبَل جو قریش کا خدائے اعظم تھا، اسی بَعل کی تحریف ہے عبرانی میں ھ کلمۂ تعریف ہے بَعل کو وہ ہبَعل کہتے تھے عمرو بن لحی شام کے دیوتاؤں کو جب عرب لے کر چلا تو مکہ پہنچتے پہنچتے ہَبعَل کی صورت ہُبَل سے بدل گئی۔

ایک غیر مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت گذشتہ بزرگوں کے مجسمے تھے جن کو اہل عرب نے بعد میں پوجنا شروع کر دیا تھا[3] یہ ممکن ہے کہ ان میں بعض ایسے بھی ہوں لیکن زیادہ صحیح خیال یہ ہے

[1] دیکھو ارض القرآن جلد اول میں شاہان سبا و حمیر کے نام [2] سفر [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ نجم و سورۂ نوح

کہ اصل میں یہ مختلف ستاروں کی خیالی صورتیں تھیں ، نسر کے متعلق تو بہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک سمائی شکل کا نام ہے اسی پر دوسرے بتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیئے ، بعد میں مرور زمانہ سے ان کی اصلیتیں ہی ذہنوں سے اتر گئیں اور وہ صرف پتھر اور مٹی کا ڈھیر بن کر رہ گئے چنانچہ لات ، عزیٰ اور مناۃ کی یہی صورت تھی ۔

نام	صورت
لات	گول سپید پتھر اور اس پر ایک عمارت بنی تھی
عزیٰ	ایک درخت تھا ، اس کے نیچے ایک بت تھا ، چاروں طرف چاردیواری تھی
مناۃ	پتھر کی ایک چٹان تھی ۔

دوسرے بتوں کی مختلف صورتیں تھیں ۔

وَدّ ، دراز قد مرد کی ایک مورت تہمد کمر میں لپیٹے ، ایک چادر اوڑھے گلے میں تلوار حمائل کمان لٹکی ہوئی ، ایک طرف ترکش پڑا ہوا ، سامنے نیزہ ، اس میں جھنڈا بندھا ہوا ، ستارہ جبار کی تقریباً یہی شکل ہے ،

سواع ، کی شکل عورت کی تھی ، آسمان میں مراۃ مسلسلہ ، ذات الکرسی وغیرہ عورت کی شکلیں ہیں ۔

یغوث ، (فریادرس) کی شکل شیر کی تھی ، ستارہ اسد ہوگا ، ایک فریادرس اور مددگار کی مورت شیر سے بہتر کیا خیال کی جا سکتی ہے ؟

یعوق ، (مصیبتوں کو روکنے والا) کی صورت گھوڑے کی تھی ، ستاروں کی ایک شکل فرس بھی ہے عربوں کے نزدیک تو فرس حقیقۃً ان کے مصائب کا چارہ گر ہے ۔

نسر ایک پرندہ کی شکل پر تھا ، نسر طائر اور واقع ستاروں کی دو مشہور شکلیں ہیں بابل میں نسرک کی جو سنگی مورت ملی ہے وہ بالکل گدھ کی شکل ہے ۔

ہبل قریش کا معبود اعظم تھا ، اس کی انسان کی مورت تھی ، عقیق سرخ بنایا گیا تھا ، اس کا دہنا ہاتھ ٹوٹا تھا ، قریش کو اسی حالت میں ملا تھا ، انھوں نے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگایا تھا ، یہودیوں کے بعل کی شکل بھی یہی تھی ، فرق یہ ہے کہ یہ تمام تر سونے کا تھا ، ہبل خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا ، فال کے پانسے[1] اسی کے آگے ڈالے جاتے تھے ۔

[1] بتوں کی یہ شکلیں فتح الباری تفسیر سورہ نوح میں مذکور ہیں وَدّ اور ہبل کی تفصیلی شکل یاقوت نے معجم میں بیان کی ہے ، بعل کی شکل معالم التنزیل بغوی کے حوالہ سے ہے ۔

اہل عرب دیوتاؤں کے نام زیادہ مونث رکھتے تھے، کیونکہ ان کو مونث سمجھتے تھے، مثلاً: لات، عزّٰی مناۃ وغیرہ سب مونث ہیں، فرشتوں کو بھی بیٹیاں سمجھتے تھے، غرض خدائی کا کارخانہ زیادہ تر عورتوں ہی کے ہاتھ میں دے رکھا تھا، اسی لئے قرآن مجید نے کہا:-

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا (نساء) — خدا کو چھوڑ کر یہ عورتوں (دیبیوں) کو پکارتے ہیں۔

عرب کے بت یورپ کے ممالک میں | عجیب بات ہے توحید پرست عرب نے سب سے پہلے یورپ کے ملکوں میں روشنی پھیلائی، اسی طرح عرب کا تاریک زمانہ بھی یورپ کے بت پرستانہ عہد کا معلم ہے، عرب تاجروں کے ذریعہ سے یونان میں اور یونان سے یورپ کے دوسرے ملکوں میں عرب کے دیوتا سیاحت کرتے پھرتے تھے اور ان جاہل ممالک کے باشندے ان کے آگے سجدے میں گر پڑتے تھے کہتے ہیں کہ یونان کا دیوتا لیٹو عرب کے لات کی تحریف ہے اسی طرح ہر ملنس حربیان کی اور ڈوسینوس ذوالشرٰی کی مسخ شدہ صورتیں ہیں یورپ کے بعض اساتذۂ مشرقیات نے اس مبحث پر پر زور رسائل لکھے ہیں[1]۔

لفظ رحمان | خدا کے لئے رحمان کا لفظ اسلام سے پہلے عام طور پر عربوں میں مستعمل نہ تھا، اصل میں یہ عبرانی لفظ ہے اور صرف یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر ارباب مذہب اس کو بولتے تھے چنانچہ یمن کے آخری کتبات[2] میں رحمٰن ہی کا نام ملتا ہے، سدِ عرم کے عیسائی کتبہ کا آغاز بنعمۃ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے اسی لئے اسلام نے جب ابتداءً رحمٰن کا نام لیا تو قریش کو اچنبھا ہوا کہ یہ کون نیا نام[3] ہے۔ صلح حدیبیہ میں حضرت علی رضؓ نے عہد نامہ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو قریش نے ماننے سے انکار کیا کہ ہم رحمان کو نہیں جانتے[4]۔

قرآن مجید میں قریش کے اس انکار کی تصریح مذکور ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا (فرقان)

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (انبیاء)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمان کیا ہے، کیا تو جس کو کہے گا اس کو ہم سجدہ کریں گے اس سے ان کی نفرت میں اور ترقی ہوتی ہے

رحمٰن کی یاد سے وہ منکر ہیں۔

قرآن نے ان کو بتایا کہ خدا کے لئے تمام اچھے نام بولے جا سکتے ہیں اللہ اور رحمان ایک ہی ذات کے مختلف نام ہیں۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۳۸۰ [2] برٹانیکا مضمون سبا، طبع یازدہم
[3] سیرۃ ابن ہشام [4] صحیح بخاری

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (بنی اسرائیل)

کہہ دے کہ خدا کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو اس کے لئے سب اچھے نام ہیں۔

قرآن کے ہر سورہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے، ہمارے مفسرین نے رحمان، اور رحیم دو ہم معنی صفتوں کی یکجائی کی متعدد تاویلیں کی ہیں اور ان دونوں الفاظ کے معانی کے درمیان نہایت نازک اور دقیق فرق نکالے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک سب کوہ کاوی و موشگافی ہے قرآن کے استعمال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے رحمٰن کا استعمال بطور صفت کے نہیں بلکہ بلکہ بطور علم کے کیا ہے چنانچہ تمام قرآن میں ۵۳ دفعہ یہ نام خدا کے لئے آیا ہے اس بناپر اس کو صفت قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی اوپر والی آیت سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ رحمان خدا کی صفت نہیں بلکہ علم ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ عرب میں دو متضاد جماعتیں تھیں جن میں سے ایک اپنے معبود کو اللہ اور دوسری رحمٰن کہتی تھی، اسلام ان دونوں کو یکجا کرتا ہے کہ تم جس کو اللہ کہتے ہو اور وہ جس کو رحمٰن کہتے ہیں وہ حقیقت میں ایک ہی ذات کی دو تعبیریں ہیں، اور یہ باہمی اختلاف محض نزاع لفظی ہے، اس بناپر، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں "ہم اپنا کام اس خدا کے نام سے شروع کرتے ہیں جس کا دوسرا نام رحمٰن ہے اور جو رحمت والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

مطابق

۲ جولائی ۱۹۱۸ء

کاتب: عبدالکریم ٹھٹھہ عالیہ براہ جوکالیاں

المنجد

عربی، اُردو

ساٹھ ہزار الفاظ کی مکمل عربی اُردو ڈکشنری

المنجد اپنی جامعیت اور ترتیب کے لحاظ سے حقیقتاً "دریا بکوزہ" کا مصداق ہے، علماء طلبہ اور شائقین عربی زبان سب ہی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں لیکن چونکہ کتاب عربی زبان میں ہے اس لئے اُردو خواں طبقہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اس لغت کا اردو ترجمہ ممتاز علماء اور ماہرین عربی زبان کی ایک جماعت سے کرایا ہے اور عربی کی دوسری مشہور اور بلند پایہ کتب سے مدد لیکر جدید الفاظ کا شاندار اضافہ بھی کرایا ہے جس میں ساٹھ ہزار الفاظ کی اردو تشریح اور تین ہزار عربی اردو ضرب الامثال درج کی گئی ہیں۔ سائز $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۸}$

صفحات ۱۵۶۸ سفید کاغذ، حسین جلد قیمت ۔

المعجم

اُردو عربی

پینتیس ہزار الفاظ کی اُردو عربی ڈکشنری

جدید عکسی ایڈیشن

شائقین عربی زبان کے لئے نہایت جامع اور مکمل اُردو عربی لغت جسمیں اردو الفاظ کے ہم معنی عربی الفاظ اور عربی کی جدید اصطلاحات و تعبیرات اور عربی اخبار و رسائل کے جدید الفاظ درج کئے گئے ہیں جس سے عربی سے اُردو اور اُردو سے عربی ترجمہ کرنا اور انشاء پر عبور حاصل کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ عربی اُردو محاورات و ضرب الامثال۔ الفاظ مترادفہ اور مذکر و مونث کے قواعد اور کنیتوں کی نہایت جامع فہرست دی گئی ہے۔ شائقین عربی اور مدارس کے طلبہ کے لئے بیش قیمت تحفہ: سائز $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۸}$ صفحات ۸۰۰ سفید کاغذ مع جلد قیمت

دار الاشاعت :- مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

قصص القرآن

چار جلد کامل

از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

قرآنی قصص اور انبیاء علیہم السلام کے سوانح حیات اور ان کی دعوتِ حق کی مستند تاریخ و تفسیر پر محققانہ کتاب جو فاضل مصنف کے تدبرِ قرآن کا شاہکار ہے جس میں انبیاء علیہم السلام اور پچھلی اُمتوں کے مستند واقعات اور ان واقعات سے حاصل ہونیوالی عبرتیں، الحاد، تحریفِ دین اور مادہ پرستی کا احتساب۔ جدید عصری تحقیقات خادم قرآن کی حیثیت سے تفسیر، حدیث اور علم کلام کے بے شمار نادر مباحث طرزِ استدلال نہایت دل نشین اور سائنٹفک۔ یہ بے نظیر کتاب اپنی طبع اول کے وقت سے خراجِ تحسین حاصل کر رہی ہے۔ لیکن پاکستان میں نایاب تھی۔ اب فوٹو آفسٹ کے ذریعہ عکسی طبع ہوئی ہے۔ سفید کاغذ مضبوط جلد اور ہر جلد پر حسین پلاسٹک کور

قیمت کامل سیٹ /۲۲۵

فتاویٰ دار العلوم دیوبند

فقہی ترتیب والا جدید عکسی ایڈیشن

از مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب * مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

دار العلوم دیوبند کی خداداد شہرت اور اس کے فتاویٰ پر تمام ممالک اسلامیہ اور مسلمانوں کی پنچایتوں اور عدالتوں کا اعتماد محتاجِ بیان نہیں۔ دورِ حاضر کے یہ وہ فتاویٰ ہیں جو اکابر علماء کے لکھے اور دیکھے ہوئے ہیں اور جن کو مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مستند و معتبر تسلیم کیا گیا ہے اسکے آٹھ حصے جدید فقہی ترتیب اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق بہت سے جدید اضافوں کے ساتھ دو جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔ سائز ۸/۲۰×۲۶ صفحات ۱۷۲۲

کاغذ سفید گلیز۔ قیمت بمع جلد کامل

دار الاشاعت : مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱